حیدرآباد دکن کے

علمی و ادبی رسائل

(تحقیقی و تنقیدی جائزہ)

ڈاکٹر محمد انور الدین

شعبہ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد

حیدر آباد دکن کے علمی و ادبی رسائل

(تحقیقی و تنقیدی جائزہ)

ڈاکٹر محمد انور الدین

صدر شعبہ اردو۔ یونیورسٹی آف حیدر آباد

مکتبہ شاداب۔ ریڈ ہلز حیدر آباد

سلسلہ مطبوعات نمبر ۳
مکتبہ شاداب، ریڈہلز۔ حیدرآباد

وہائیٹ ہاوز۔ 221-7-5 نیو آغا پورہ۔ حیدرآباد

سال اشاعت	1997
تعداد	۵۰۰
قیمت	=/250 روپیے
کمپیوٹر کمپوزنگ	سید محمد ایوب، انعم کمپیوٹر سنٹر (کوٹلہ علی جاہ، حیدرآباد)
پبلیشرز	مکتبہ شاداب 147-5-11 ریڈہلز۔ حیدرآباد۔ 4

تقسیم کار

۱۔ مکتبہ شاداب ریڈہلز۔ حیدرآباد۔ ۴
۲۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، گلی عزیزالدین وکیل۔ لال کنواں دہلی 110006
۳۔ ادبی ٹرسٹ بک ڈپو۔ روزنامہ سیاست حیدرآباد
۴۔ حسامی بک ڈپو۔ چارکمان حیدرآباد
۵۔ انجمن ترقی اردو بک ڈپو۔ اردو ہال۔ حمایت نگر حیدرآباد
۶۔ مصنف

انتساب

میں اپنی اس تصنیف کو نہایت خلوص و انکسار کے ساتھ
والد گرامی قدر مرحوم محمد معین الدین حسین نور اللہ مرقدہ
اور
والدہ ماجدہ مرحومہ نعیم انساء بیگم نور اللہ مرقدہا
کے نام معنون کرنے کی سعادت
حاصل کرتا ہوں۔

مشمولات

مقدمہ

جدید فارسی میں Periodical کا ترجمہ فصل نامہ کیا گیا ہے۔ زیر نظر تحقیقی مقالے کا موضوع حیدر آباد کے علمی و ادبی رسائل ہیں۔ رسالے سے وہ فصل نامہ مراد لیا گیا ہے جو ماہانہ ہو یا اس سے زیادہ وقفے کے بعد نکلتا ہو۔ روزانہ اور ہفتہ وار فصل ناموں کو اس کے حصار سے خارج کر دیا گیا ہے۔ موضوعی اعتبار سے اس مطالعے کو محض علمی و ادبی رسائل (سیکولر موضوعات) تک محدود رکھا گیا ہے، مذہبی رسالوں کو اس بزم میں نہیں گھسیٹا گیا کیونکہ ان کا موضوع ایمان و عقیدہ ہوتا ہے جہاں تحقیق کی اجازت نہیں۔

پہلا باب پس منظری ہے۔ اس کا آغاز اردو صحافت کے آغاز اور ارتقا سے ہوتا ہے۔ اس میں ہندوستان کے ابتدائی اخباروں کی تفصیل ہے۔ اسے دیکھ کر ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ رسالوں پر مقالے میں صحافت کو اتنا ممتاز مقام دینے کا کیا جواز ہے۔ میری رائے میں جواز ہے۔ رسالے اور اخبار دونوں فصل نامے ہیں۔ رسالوں کا ارتقا اخباروں ہی سے ہوا ہے۔ واضح ہو کہ ابتدائی اخبار روز نامے نہ تھے، اکثر صورتوں میں ہفتہ وار تھے۔ یہ محض سیاسی خبروں کے ظرف نہ تھے بلکہ ان کے دامن میں سوانح عمری، انشائیہ، افسانہ اور داستان بھی ملتے تھے۔ جیسا کہ مقالے میں دکھایا گیا ہے اخباروں میں شخصی خبریں افسانوی رنگ میں پیش کی جاتی تھیں۔ ابتدا میں اختصاصیت نے ادب اور سیاست کو جدا نہیں کیا تھا۔ اودھ پنچ جتنا ادبی پرچہ تھا اتنا ہی سیاسی اور معاشرتی بھی تھا۔

علی گڈھ تحریک سیاسی بھی تھی، سماجی بھی، ادبی بھی۔ انسٹیٹیوٹ گزٹ اور تہذیب الاخلاق کو آپ ادبی رسالوں میں شمار کریں گے کہ نہیں؟ لیکن ان میں غلبہ معاشرتی علمی اور سیاسی موضوعات کا تھا۔ حسرت موہانی کا رسالہ اردوئے معلی، بالیقین ادبی

پرچہ تھا لیکن اس میں بار بار ایسی سیاسی یعنی صحافیانہ تحریریں نکلتی تھیں کہ اس کی ضمانت ضبط ہو جاتی تھی۔ دوسری طرف الہلال، البلاغ، ہمدرد اور زمیندار جیسے صحافی اخبار ادب سے بھی عار نہ رکھتے تھے۔ ادب و صحافت میں اب بھی یاد اللہ ہے۔ ٹائمز لندن کا لٹریری سپلیمنٹ (ادبی ضمیمہ) ادب میں مقام رکھتا ہے۔ اردو روز نامے ہفتہ وار ادبی ایڈیشن نکالتے ہیں۔ آئے دن نکلنے والے ہفتہ واروں میں سیاست اور ادب کو برابر کا حصہ دیا جاتا ہے۔ گوپال متل کا آنجہانی رسالہ تحریک جتنا ادبی تھا اسی قدر سیاسی دوسری طرف ڈاکٹر محمد حسن عصری ادب کے اداریے میں سیاسی مسائل پر کھل کر اظہار خیال کرتے ہیں۔ سرکاری ماہناموں مثلاً نیا دور، آج کل میں ایک فصل حکومت وقت کے اکتسابات کی ہوتی ہے۔

مقالے کا پہلا باب حیدرآباد کی صحافت سے پہلے اور باہر، ملک بھر کے اخباروں اور رسالوں کے بارے میں ہے۔ یہ تفصیلات صحافت کے موضوع کی کتابوں سے لی گئی ہیں لیکن ان میں رسالوں کا ذکر نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے۔ مقالہ نگار نے اخباروں کے علاوہ ابتدائی رسالوں کے بارے میں بھی بتایا ہے مثلاً غزلوں کے گلدستوں کو لیجئے۔ مجھے اس تحریر سے معلوم ہوا کہ اردو کا پہلا گلدستہ، گل رعنا تھا جو ۱۸۴۵ء میں دلی سے نکلا، دوسرا گلدستہ معیار الشعرا ۱۸۴۸ء میں آگرہ سے جاری ہوا۔ تیسرا گلزار ہمیشہ بہار ۱۸۴۹ء میں نکلا۔ اس سے مجھے خیال ہوتا ہے کہ اردو کے گلدستوں پر بھی پی ایچ ڈی کی سطح کا کام ہونا چاہیئے۔

دوسرے باب کے ابتدائی جزو میں حیدرآباد کے قدیم رسالوں اور صحافت کا بیان ہے جو بطور خاص مفید اور دلچسپ ہے۔ اس میں ہر دور کی ادبی انجمنوں کا بھی ذکر ہے اور مطبعوں کا بھی۔ مصنف نے طے کیا ہے کہ حیدرآباد میں پہلے مطبع نے ۱۸۳۵ء میں کام کرنا شروع کیا۔ اور پھر مجھے سوجھتا ہے کہ اردو کے قدیم مطبعوں پر بھی تحقیق ہونی چاہیے۔ آخر ہم فسانہ عجائب اور دیوان غالب کے مختلف ایڈیشنوں کی تعین ان کے مطبعوں ہی کے ناموں سے کرتے ہیں۔

حیدرآباد کے رسالوں کے موضوع متنوع ہیں: ادبی، غزلوں کے گلدستے، طبی،

تہذیبی، قانونی، تعلیمی، بچوں کے رسالے اور حد یہ ہے کہ زراعتی تک ۔ مقالہ نگار نے ان کی تفصیلات دینے میں تحقیقی صحت کا خاص خیال رکھا ہے ۔ انھوں نے رسالوں کی تاریخ اجرا کی بطور خاص تلاش کی ۔ پہلے شمارے کو دریافت کر کے اس کے دور اجرا کا تعین کیا ہے اگر پرچہ بیچ میں بند ہوا ہے تو اس کا عارضی قلب بندی کی حدیں دریافت کیں، ایڈیٹر کا تعارف کرایا، رسالہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی وغیرہ وغیرہ ۔

اس تلاش کی ایک مثال دیکھیے ۔ ان کے مطابق حیدر آباد کا پہلا رسالہ ایک طبی بلکہ ڈاکٹری پرچہ رسالہ طبابت، تھا ۔ بستان آصفیہ جلد دوم میں مانک راؤ وٹھل راؤ نے اس کا سنہ اجرا ۱۲۷۷ء لکھا ہے ۔ شمس اللہ قادری نے ۱۲۷۵ھ دیا ہے ۔ یہی تاریخ نصیر الدین ہاشمی، تمکین کاظمی اور ڈاکٹر عبد السلام خورشید نے دہرادی ۔ معاصر لکھنے والوں میں طیب انصاری اور ڈاکٹر افضل الدین اقبال نے بھی حیدر آباد کے پہلے رسالے کو ۱۲۷۵ھ سے منسوب کیا لیکن انور الدین نے پہلا شمارا تلاش کر کے حتمی طور پر طے کیا کہ یہ رسالہ ۱۲۷۲ھ میں جاری ہوا ۔ اتفاق سے یہ حیدر آباد ہی کا نہیں پورے ملک کا پہلا طبی رسالہ تھا ۔

پوری تحقیق کا نچوڑ آخری ضمیمے میں ہے جس میں حیدر آباد کے رسالوں کی موضوعی، گروہ بندی کے ساتھ ایڈیٹر کا نام، سنہ اشاعت، موضوع، مقام وغیرہ دیئے ہیں ۔ اب تو ملک اور بیرون ملک میں ادبی رسالے اتنی وافر تعداد میں نکل رہے ہیں کہ خالص ادبی رسالوں پر کام کیا جا سکتا ہے ۔

مجھے یقین ہے کہ علاقائی جائزے کا یہ خصوصی کام قارئین کی معلومات اور دلچسپی کا سامان فراہم کرے گا ۔

گیان چند

حرفِ آغاز

اردو میں صحافت کے موضوع پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ ابتدا میں اخبارات و رسائل کو ادب کے دائرے سے ہی خارج سمجھا جاتا رہا۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے ان موضوعات کی طرف توجہ کی جانے لگی اور ذرائع ابلاغ کی اہمیت کا احساس بڑھا چنانچہ اردو میں اخبارات اور رسائل پر بھی تحقیقی کام شروع ہوا۔ اس موضوع پر سب سے پہلے گارسان دتاسی اور سید محمد اشرف مولف " اختر شاہنشاہی " نے قلم اٹھایا پھر محمد عتیق صدیقی نے " ہندوستانی اخبار نویسی " (کمپنی کے عہد میں) کوائف و صحائف "، "صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات " (۱۸۴۸ - ۱۸۵۳ء) اور مولانا امداد صابری نے " تاریخ صحافت اردو " (چار جلدوں میں) اور " اردو کے اخبار نویس " اسی طرح ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے " صحافت ہند و پاک میں " " کاروان صحافت " جیسی اہم کتابیں لکھیں۔ لیکن ان سب میں وسعت اور جامعیت تو ہے گہرائی نہیں ہے اس کے ساتھ علاقائی ادب کا رجحان جب پیدا ہوا تو علاقائی ادب پر لکھی جانے والی کتابوں میں مختصراً اخبارات و رسائل کا تذکرہ بھی کیا گیا۔ لیکن دوسرے اہم مقالوں میں یا تو ذکر ہی نہیں ہے مثلاً عتیق صدیقی نے اپنی کتابوں میں حیدرآباد کے رسائل کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے، یا بہت سرسری تذکرہ ہے۔ جیسے دکن میں اردو وغیرہ میں بہت ہی مختصراً رسائل و اخبارات کا ذکر ہے۔

حیدرآباد نے اردو صحافت کو بہت کچھ دیا ہے اور صحافت میں سب سے نمایاں کردار رسائل نے ادا کیا۔ لیکن ان رسائل کے تاریخی کردار کی اہمیت اور ان میں پوشیدہ علمی و ادبی خزانوں کی تلاش و جستجو کم ہی کی گئی۔ حکیم شمس اللہ قادری، پنڈت مانک راؤ، وٹھل راؤ، تمکین کاظمی، نصیر الدین ہاشمی اور ڈاکٹر زور نے اس طرف توجہ ضرور کی لیکن اس دور میں وسائل کی کمی اور تحقیقی مواد کی عدم دستیابی کی وجہ سے بہت سارے گوشے ایسے بھی آئے جن کا پایہ استناد کم زور تھا۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان بزرگوں نے جس راہ کی نشان دہی کی تھی اسے مستقبل کے محققین کو اپنانا چاہئے تھا مگر بعد میں جو اس کوچہ میں داخل ہوئے انہوں نے اپنے بزرگ محققین کی کورانہ تقلید کی جس کے نتیجے میں وہ سارے تسامحات جوں کے توں رہ گئے۔

رسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے دراصل اتنے ضمنی اور فروعی پہلو سامنے آتے ہیں کہ اگر ان

کا احاطہ نہ کیا جائے تو بحث تشنہ رہ جاتی ہے ۔ یہ ضمنی اور فروعی پہلو نفس موضوع سے غیر متعلق نہیں ہوتے مثلاً کسی رسالہ کی اشاعت کس سن میں ہوئی کتنے مہینوں یا برسوں تک شائع ہوتا رہا اور اس کے موضوعات کیا تھے صرف اتنا ہی بتادینا کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس رسالہ کی اشاعت کے محرکات کیا تھے وہ کون سے عوامل تھے جن کی وجہ سے ایک مخصوص دور میں اس طرح کے رسائل مقبول ہوسکے اور بعد میں عدم مقبولیت کے اسباب کیا ہوئے ، زبان اور ادب کو اس سے کیا فائدہ پہنچا اور ان سب سے بالاتر یہ کہ ان رسائل کے ذریعے سے اس دور کی عصری حسیت ، تہذیبی مزاج ، تمدنی نظام ، معاشرتی اقدار ، سیاسی رخ اور سماجی گوشوں کی کس حد تک عکاسی ہوئی ۔

میری خوش قسمتی تھی کہ سنہ ۱۹۷۹ع میں محترم پروفیسر گیان چند جین صاحب کے سامنے جب زانوئے شاگردی تہہ کیا اور حیدرآباد یونیورسٹی میں پی ایچ ۔ ڈی اسکالر کی حیثیت سے داخلہ لیا تو موصوف نے میرے لیے "رسائل" کے موضوع کو منتخب فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین کرادی کہ علاقائی ادب کی تحقیق دراصل وسیع تر تناظر میں اردو ادب کی تحقیق کے مترادف ہے اس لیے کہ بہت سے ایسے گوشے جو پردہ خفا میں ہیں سامنے آتے ہیں اور اس سے ادبی تاریخ کا تسلسل ، ارتقائی صورت اختیار کرتا ہے ۔

رسائل ذرائع ابلاغ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ راقم الحروف کی نظر میں صحافت میں ہی نہیں بلکہ بعض اعتبارات سے رسائل کو ریڈیو اور ٹی ۔ وی وغیرہ پر بھی ترجیح حاصل ہے ۔ یہ درست ہے کہ ریڈیو اور ٹی ۔ وی سے ذہن بہت متاثر ہوتا ہے لیکن ٹی ۔ وی پر ایک منظر دیکھنے کے بعد یا ریڈیو پر کوئی پرمغز مقالہ سننے کے بعد اسے دوبارہ سننے یا دیکھنے یا اس کے حوالہ سے کچھ لکھنے کا موقع کم رہتا ہے ۔ ایک خوشگوار جھونکے کی طرح ریڈیو اور ٹی ۔ وی کے پروگرام ذہن سے گزر جاتے ہیں ۔ اخبارات کی فائل رکھنا بھی مشکل کام ہے اور پھر اردو میں ایسے اخبارات بہت کم نکلے ہیں جنہوں نے ادبی رخ کو زیادہ اہمیت دی ہو ۔ اخبار تو عام طور سے سیاست کا نقیب و علمبردار ہوتا ہے ۔ صرف رسائل میں یہ وصف ہے کہ اس کے مضامین اور اس کی فائلیں محفوظ بھی رکھی جاسکتی ہیں اور ایک بار پڑھنے کے بعد دوسری بار ان کا حوالہ بھی دیا جاسکتا ہے اور ان رسائل کی مدد سے ان کے دور کی سچی شناخت اور بازیافت بھی ممکن ہے ۔

زیر نظر مقالہ حیدرآباد کے علمی و ادبی رسائل کا احاطہ کرتا ہے ۔ لیکن یہ ناگزیر تھا کہ ہندوستان کی ادبی و علمی سرگرمیوں کا بھی ایک ہلکا سا خاکہ پیش کردیا جائے ۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ زیر نظر مقالے میں حیدرآباد دکن سے مراد سابق ریاست حیدرآباد ہے جو لسانی اعتبار سے تین زبانوں کے علاقوں پر مشتمل تھی (۱) مرہٹواڑہ (۲) کرناٹک (۳) تلنگانہ ۔ پوری سیاست میں ۱۶ اضلاع تھے (۱) مرہٹواڑہ میں اورنگ آباد ، پربھنی ، بیڑ اور ناندیڑ کے اضلاع

تھے (۲) کرناٹک کے علاقہ میں رائچور، گلبرگہ، عثمان آباد اور بیدر کے اضلاع تھے (۳) تلنگانہ میں حیدرآباد، ورنگل، نظام آباد، کریم نگر، عادل آباد، نلگنڈہ، میدک اور محبوب نگر کے اضلاع شامل تھے۔

آزادی کے بعد سنہ ۱۹۵۶ء میں جب ہندوستان کی لسانی بنیادوں پر تقسیم عمل میں آئی تو یہ ریاست تین ریاستوں میں ضم ہو گئی۔ مرہٹواڑہ کے اضلاع مہاراشٹرا میں شامل ہو گئے۔ کرناٹک کے اضلاع میسور کا حصہ بنے اور تلنگانہ کے اضلاع آندھرا پردیش کے حصے میں آئے چونکہ مقالہ کا اختتام سنہ ۱۹۴۷ء پر ہوا ہے اس لیے سابق ریاست حیدرآباد کے اضلاع سے شائع ہونے والے رسائل ہی کا احاطہ کیا گیا ہے۔

اس مقالے کو چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں پس منظر کے طور پر وہ سارے مباحث مختصراً سمیٹ لیے گئے ہیں جن کے اظہار کے بغیر کسی علاقہ کے رسائل کا جائزہ دشوار ہو جاتا ہے۔ پہلے باب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں ہندوستان میں اردو صحافت کے محرکات کی نشان دہی کی گئی ہے اور دوسرے حصے میں اردو کے پہلے اخبار اور پہلے رسالے کے علاوہ دوسرے مقامات کے اخبارات و رسائل کا سنہ ۱۸۶۵ء تک کا پس منظر پیش کیا گیا ہے۔

دوسرے باب کے پہلے دو حصوں میں عہد آصفی میں اردو کی سرپرستی اور اس عہد کے سیاسی و سماجی پس منظر کو پیش کرتے ہوئے اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ عہد آصفی کا ایک مربوط جائزہ اور اردو کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں حیدرآبادی حکمرانوں کے ذہنی رویہ کی نشان دہی کی جائے جس کی بنا پر اردو سرکاری زبان بنی۔ جامعہ عثمانیہ اور دار الترجمہ کا قیام عمل میں آیا اور ساتھ ہی ساتھ اس باب میں حیدرآباد دکن میں اردو صحافت کے آغاز و نشو و نما پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس باب کے تیسرے حصے میں مطبعوں کے قیام کی مختصر تاریخ اور حیدرآباد میں اردو مطبع کے قیام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تیسرے باب میں سنہ ۱۸۵۵ء سے سنہ ۱۹۰۰ء تک چوتھے باب میں سنہ ۱۹۰۱ء سے سنہ ۱۹۳۰ء تک اور پانچویں باب میں سنہ ۱۹۳۱ء سے سنہ ۱۹۴۷ء تک کے اردو رسائل کی تاریخ اور ان کا تنقیدی جائزہ لیا گیا۔ ان ابواب کی تقسیم میں یہ پہلو مد نظر رکھا گیا کہ سیاسی اور تاریخی اعتبار سے جو تغیرات ہوئے ہیں اور جنہوں نے ملکی بالخصوص دیسی ریاستوں کی زندگی پر جو اثر ڈالا ہے انہیں کی بنیاد پر ابواب قائم کیے جائیں۔

ان ابواب میں جن اہم نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے ان کا اجمالی خاکہ یہ ہے۔

---- رسائل کی گروہ بندی موضوعات کی بنیاد پر کی گئی ہے۔

---- رسائل کی اشاعت کے سلسلے میں تاریخ اجراء کے تعین کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے۔

اگر فائل دستیاب ہوگئے ہیں تو اس کی بھی صراحت کر دی گئی ہے کہ رسالہ کتنے عرصے تک شائع ہوتا رہا، کتنے عرصے تک اشاعت معرض التوامیں رہی اور کب سے اشاعت بند ہو گئی۔ یہ سارے اعداد و شمار مختلف زاویوں سے ادبی وقیات (کرانولوجی) میں انتہائی مفید اور کارآمد ہو سکتے ہیں۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ پہلی جلد کا پہلا شمارہ تلاش کر کے رسالہ کی اشاعت کا تعین کیا جا سکے اور اس کے مقاصد بتلائے جائیں۔

---- اہم سنین کو ہجری اور فصلی سے عیسوی میں تبدیل کیا گیا ہے خصوصاً رسالوں کے سن اجرا کو

---- رسالہ کی سالانہ قیمت جو عام خریداروں سے لی جاتی تھی وہی درج کی گئی ہے۔ (امراء و رؤسا وغیرہ سے جو قیمت لی جاتی تھی وہ نہیں درج کی گئی)

---- جہاں تک ممکن ہو سکا رسائل کے ایڈیٹروں کا سرسری تعارف بھی پیش کر دیا گیا ہے۔

---- رسالے کے اغراض و مقاصد کو بھی درج کیا گیا ہے تا کہ رسالہ کی پالیسی کا بھی اندازہ ہو سکے اور زبان کا نمونہ بھی سامنے آسکے اور اکثر جگہوں پر اہم مضامین کے اقتباسات بھی درج کیے گئے ہیں اور زبان کے املا میں جو وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوئی ہیں ان کی بھی نشان دہی کر دی گئی ہے اس سلسلہ میں رسالہ کی زبان کے نمونے اداریوں کے اقتباسات کی شکل میں بھی پیش کیے گئے ہیں۔

اقتباسات میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ جو املا اصل متن میں ہے وہی برقرار رکھی جائے، اردو املا کی تاریخ پر کام کرنے والے بتدرین کے لیے یہ پہلو خاص دلچسپی کا سبب ہو گا۔

---- رسالہ اگر کسی انجمن یا ادارہ سے شائع ہوا ہو تو ایسی صورت میں انجمن یا ادارہ کا مختصراً تعارف اور ساتھ ہی اس کے اغراض و مقاصد بھی درج کر دیے گئے ہیں۔

---- رسائل کے تجزیے میں سالانہ، ششماہی، سہ ماہی، دو ماہی، ماہنامہ اور پندرہ روزہ رسائل شامل ہیں۔ ہفتہ وار اور روزناموں کے خاص نمبروں یا ادبی نمبروں کو اس تجزیہ میں شامل نہیں کیا گیا۔

---- خالص مذہبی رسالوں کو بھی نظر انداز کیا گیا کیوں کہ یہ ہمارے موضوع سے غیر متعلق تھے

تحقیق ایک بحر بے کنار ہے اس میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً اس وقت جب کہ زمانے کی گرد نے نقوش کو دھندلا کر دیا ہو۔ یہاں اس بات کا امکان ہے کہ کچھ رسائل چھوٹ گئے ہوں لیکن اس بات کی بھرپور کوشش کی گئی ہے کہ ممکنہ حد تک مواد فراہم ہو سکے۔

چھٹے باب میں حیدرآباد دکن کے پس منظر میں سنہ ۱۹۴۷ء تک کے رسالوں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ان کی افادیت، اہمیت اور اردو کے فروغ میں ان کے رول پر روشنی ڈالی گئی

ہے اور ساتھ ہی حیدرآباد دکن کی ادبی، سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور قومی ترقی میں ان رسائل کی خدمات کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے۔

مقالے کے آخر میں ان رسائل کی فہرست کو ضمیمے کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ سنہ ۱۸۵۵ء سے سنہ ۱۹۴۷ء تک کے رسائل کی موضوعاتی اور معیاری بنیادوں پر گروہ بندی کی گئی ہے۔

حیدرآباد کے علمی و ادبی رسالوں کی تلاش اور چھان بین کے سلسلے میں حسب ذیل کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۱۔ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری ۲۔ نظامس ٹرسٹ لائبریری ۳۔ عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری ۴۔ ایس وی آر اردو ریسرچ سنٹر (اردو اکیڈیمی اے۔پی) ۵۔ بھارت گن وردھک سنستھا ۶۔ حیدرآباد یونیورسٹی لائبریری ۷۔ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو ۸۔ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم ۹۔ کتب خانہ اسٹیٹ آرکائیوز ۱۰۔ کتب خانہ جناب محمد عبدالرشید ایڈوکیٹ ۱۱۔ کتب خانہ جناب علی عادل صاحب ایڈوکیٹ ۱۲۔ کتب خانہ جناب ابراہیم خلیل صاحب ایڈوکیٹ ۱۳۔ کتب خانہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب ماہر امراض چشم ۱۴۔ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد

زیر نظر کتاب کی تیاری میں اگر محترم پروفیسر گیان چند جین کی عالمانہ رہ نمائی شامل حال نہ ہوتی تو یہ کام اس قدر حسن و خوبی اور جامعیت کے ساتھ شرمندہ تکمیل نہ ہوتا جو بحالت موجودہ اس کی انفرادیت اور شناخت ہے۔ کتاب کی ترتیب کے سلسلے میں یونیورسٹی آف حیدرآباد اور عثمانیہ یونیورسٹی کے جن اساتذہ گرامی قدر کے خوان ہائے علم سے ذلہ ربائی کی ہے ان میں پروفیسر مغنی تبسم، پروفیسر ثمینہ شوکت، پروفیسر غلام عمر خاں، پروفیسر سید مجاور حسین رضوی، پروفیسر سیدہ جعفر، پروفیسر یوسف سرمست، مولوی اکبر الدین صدیقی اور پروفیسر ہاشم علی (میسور یونیورسٹی) کے نام نامی اسم ہائے گرامی شامل ہیں۔

ان تمام حضرات کے علاوہ رفیق شعبہ برادرم ڈاکٹر رحمت یوسف زئی کا بھی سپاس گذار ہوں جن کے مخلصانہ مشوروں و تعاون کی وجہ سے زیر نظر کتاب کے کئی دشوار مراحل آسان ہوئے۔ شاگرد عزیز ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس نے اس کتاب کی ترتیب و تصحیح میں مجھے کافی وقت دیا۔ میں ان کا شکریہ تو ادا نہیں کروں گا البتہ یہ دعا ضرور کروں گا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حسب لیاقت موزوں خدمت پر فایز کر دے۔

میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کا متشکر ہوں جس کے جزوی مالی تعاون سے کتاب کی اشاعت میں مدد ملی۔ زیر نظر کتاب کے ناشر اور مکتبہ شاداب کے موسس و صدر جناب محمد قمر الدین صابری ایڈوکیٹ کا بے حد سپاس گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی طباعت و اشاعت کے

جملہ مصارف کی ذمہ داری اپنے سر لی۔

مواد کی فراہمی کے سلسلے میں میرے کاسہ تحقیق میں یوں تو بیسیوں صاحبان کرم نے کچھ نہ کچھ ڈالا ہے لیکن ان میں مولوی عبد الصمد خاں صاحب بانی و موسس اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ضروری ہے جنہوں نے اپنے بے مثال کتب خانہ کا در علم میرے لیے ہمیشہ وا رکھا۔ قدمے سخنے ہر طرح میری اعانت کی۔ ان کے علاوہ حسب ذیل کرم فرماؤں کا ممنون عنایت ہوں۔

۱۔ خواجہ محمد سرور صاحب (ادارہ ادبیات اردو)
۲۔ عبد المحمود صاحب (نظامس ٹرسٹ لائبریری)
۳۔ ڈاکٹر رحمت علی صاحب (سالار جنگ لائبریری)

برادر بزرگ محترم محمد قطب الدین صاحب اور ہمشیرہ عزیز محترمہ بلقیس فاطمہ صاحبہ کی شفقت اور سرپرستی میرے تحقیقی سفر کی سنگلاخ وادیوں میں شجر سایہ دار کی طرح راحت جاں بنی رہی۔ اس اعتراف کے ساتھ آخر میں سرورق کے لیے آرٹسٹ ۔۔۔۔۔۔۔ محمد جعفر اور کمپوزنگ کے لیے سید محمد ایوب "انعم کمپیوٹر سنٹر" حیدر آباد کا بھی بے حد ممنون اور متشکر ہوں۔

محمد النور الدین

حیدر آباد
۱۹۹۷ء

مشرق میں جاگیرداری نظام کی جڑیں مضبوط تھیں اور اس نظام میں سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ بادشاہ کو عوام، روساء اور جاگیرداروں کے حالات سے باخبری رہے چنانچہ اس مقصد کے لیے وقائع نگاری، پرچہ نویسی اور اخبار نویسی کے شعبے تھے۔ یہ اخبار نویسی ایک طرح کی جاسوسی ہوا کرتی تھی اور اس کام کو انجام دینے والے مخبر کہلاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جاگیرداری نظام میں ماس میڈیا یا عوام کا ایک دوسرے سے رابطہ یا عوام کی باخبری کی کوئی اہمیت نہیں تھی اقتدار کا مرکز بادشاہ ہوا کرتا تھا چنانچہ اس کو سب کچھ معلوم ہونا چاہیئے تھا۔

اسی لیے مشرق میں صحافت کا آغاز بعد میں ہوا۔ مغرب میں چونکہ جمہوریت اٹھارویں صدی سے ہی پنپنے لگی تھی اور انقلاب فرانس کے بعد سے جمہوری اقدار فرانس اور انگلینڈ میں کافی مستحکم ہو چکے تھے اس لیے وہاں صحافت کا وہ تصور تھا جس میں سلطنت کے حالات سے لوگوں کو باخبر رکھا جاتا تھا۔ حکمران کیا کر رہا ہے یہ بات عوام تک پہنچائی جاتی اور رائے عامہ کو ہموار کیا جاتا تھا۔ مشرق اور مغرب میں یہی فرق تھا۔ مشرق میں ایک فرد ساری رعایا کے حالات جاننے کے لیے بے چین اور مضطرب رہتا تھا اور مغرب میں ساری رعایا چند افراد کے طریقہ حکومت اور ان کے بارے میں جاننا چاہتی تھی اور پھر اس پر احتساب کرتی تھی اور اس احتساب کا ذریعہ صحافت ہی ہوا کرتی تھی۔

ہندوستان میں جاگیردارانہ نظام اٹھارویں صدی کے ابتدائی دو دہوں تک مضبوط رہا اس لیے یہاں صحافت کا وہ تصور نہیں تھا جو پیرس یا لندن میں ہو سکتا تھا یا تقریباً سو سال بعد واشنگٹن میں ہوا۔ لیکن انگریزوں کے قدم جب یہاں مضبوطی سے جمنے لگے تو ایسٹ انڈیا کمپنی کو بھی اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے محروسہ علاقوں میں اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے جو اقدامات وہ کر رہی ہے اس کا زیادہ سے زیادہ پروپگنڈہ کرے اور عوام کا ردعمل بھی معلوم کرے مغرب میں جو صحافت عوام کے لیے تھی اور عوام کی آواز تھی ہندوستان میں اسی صحافت کا نقطہ آغاز حکومت کے پروپگنڈہ مشنری کی حیثیت سے ہوا۔

چنانچہ یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اردو کا پہلا اخبار بنگال (کلکتہ) سے شائع ہونا

شروع ہوا جو کمپنی کی عملداری میں آچکا تھا جہاں شورشوں کے پس منظر میں اور استمراری بندوبست کے نفاذ کے بعد سے انگریزی حکومت اپنا پروپگنڈہ بھی چاہتی تھی اور ردعمل بھی دیکھنا چاہتی تھی

علمی و ادبی صحیفوں کی سطح اخبار سے الگ رہی ہے ۔ مشرق میں ہمیشہ سے مختلف موضوعات پر مختصر کتابچوں کو رسائل کا نام دیا جاتا تھا ۔ موضوعات کی نوعیت کے اعتبار سے ضخامت کو بنیاد بنا کر رسائل اور کتب میں فرق کیا جاتا تھا ۔ جیسے جیسے اشاعت کی سہولتیں فراہم ہوتی گئیں اور مغرب کے اثرات کا مثبت فائدہ ہوتا گیا ان رسائل کی ہئیت اور ساخت بھی بدلتی گئی اور ان کی کئی قسمیں ہو گئیں ۔ بعض تخصیصی تھے یعنی صرف ایک موضوع سے متعلق اور بعض متنوع یعنی ان میں مختلف النوع مضامین ہوتے تھے ۔ اب رسالوں کو تقید زمانی Periodicity کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے جیسے ماہنامہ، دو ماہی، سہ ماہی، ششماہی، سالانہ وغیرہ اور موضوعات کے لحاظ سے بھی ۔

چنانچہ اردو میں علمی و ادبی رسائل بھی اسی دور میں نکلے ۔ جب اردو کا پہلا اخبار جاری ہوا تھوڑے سے زمانی فرق کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں علمی و ادبی صحافت اور اخبار نویسی کا آغاز ایک ساتھ ہوا ۔ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں باضابطہ اخبار نویسی کی ابتدا انیسویں صدی کے اوائل میں ہوئی ۔ اس زمانے میں اخبار نویسی کا وہ تصور موجود نہیں تھا جو انیسویں صدی کے اواخر میں روزناموں کے اجرا کے بعد پیدا ہوا ۔ اس زمانے میں رسل و رسائل کے ذرائع ترقی یافتہ نہیں تھے ۔ ایک شہر سے دوسرے شہر تک ڈاک کے پہنچنے میں دنوں، ہفتوں لگ جاتے تھے ہندوستانی اخباروں میں خبریں یا تو انگریزی سے ترجمہ کر لی جاتی تھیں یا نامہ نگاروں کی مرسلہ چٹھیوں سے ترتیب دی جاتی تھیں ۔ چنانچہ اس وقت کے اخباروں میں شائع ہونے والی خبریں کئی ہفتوں پرانی ہوتی تھیں جن سے تعلق رکھنے والے اکثر واقعات قصہ پارینہ بن چکے ہوتے ۔ اس زمانے میں خبریں اس طرح پڑھی جاتی تھیں جس طرح کہ تاریخ یا قصے کا مطالعہ کیا جاتا ہے اس لیے خبروں کی تحریر کا انداز بھی حکایتی ہوتا تھا جیسے:

"اخبار کے پڑھنے سے ذہن نشین ہوا"
"اخبار کے دیکھنے سے سمجھا گیا"
"اخبار کے کاغذ میں دیکھا گیا"
"اخبار کے کاغذ میں لکھا ہوا ہے"
"اخبار کے کاغذ سے دریافت ہوا" (۱)

ان اخباروں میں خبروں کے علاوہ مضامین اور کبھی کبھار منظومات بھی شامل رہتے تھے اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اردو میں علمی و ادبی صحافت کی ابتدا اخبار نویسی کے آغاز کے ساتھ

ہوئی۔

بہت کم لوگ اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ اواخر اٹھارویں صدی سے انیسویں صدی کے اواخر تک اردو زبان و ادب کے فروغ و ترقی کے سلسلے میں جو بھی اہم اقدامات ہوئے ان کے محرک انگریز حکمران تھے اور ان اقدامات کا منشا ہندوستان میں برطانوی حکومت کی جڑوں کو مضبوط کرنا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت سے پہلے فارسی کو ملک کی سرکاری اور تمدنی زبان ہونے کا مرتبہ حاصل رہا۔ اردو کی حیثیت محض ایک تجارتی، معاشرتی و تہذیبی رابطے کی زبان کی رہی۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ فارسی کا بھی ستارہ غروب ہونے لگا۔ اورنگ زیب کے بعد ملک میں جو سیاسی خلفشار پیدا ہوا اس کی وجہ سے سکون و اطمینان کی وہ فضا باقی نہیں رہی جو درس و تدریس و تحصیل علم کے لیے ضروری ہوتی ہے چنانچہ عوام کی تعلیمی حالت دن بدن پست ہوتی گئی۔ نتیجتاً فارسی کا چلن بھی کم ہوتا گیا۔ اس کا اثر فارسی شاعری پر بھی پڑا اور وہ بادشاہوں اور امرا کے دربار تک محدود ہو کر رہ گئی اور جب درباروں کی حالت بھی خستہ و خراب ہو گئی تو شاعر جو صرف "خواص پسند" شعر کہتے تھے اب "عوام سے گفتگو پر مائل ہوگئے اور اردو میں شعر کہنے لگے۔ برسر اقتدار آنے کے بعد انگریزوں نے بھی ابتداً فارسی کو اپنایا کیوں کہ یہی سرکاری اور دفتری زبان تھی۔ اسے اچانک بدلا نہیں جا سکتا تھا۔ کمپنی کے ملازمین کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ فارسی سیکھیں اس کے لیے انہیں "منشی کا الاؤنس دیا جاتا تھا" (۲)

گلکرسٹ نے سب سے پہلے یہ محسوس کیا کہ فارسی زبان صرف اونچی سطح پر سرکاری کاموں میں معاون ہو سکتی ہے لیکن عوام سے حقیقی رابطہ کی زبان نہیں برخلاف اس کے ہندوستانی ایک ایسی زبان ہے جو تمام اقطاع ہند میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس نے کمپنی کے ملازمین کو فارسی سے زیادہ ہندوستانی سکھانے کی اہمیت پر زور دیا چنانچہ اسی کی کوشش سے فورٹ ولیم کالج میں ہندوستانی زبان کا ایک شعبہ قائم ہوا۔ گلکرسٹ نے اردو زبان کی تدریس کی سہولت کو پیش نظر رکھتے ہوئے آسان اور بول چال کی زبان میں کتابیں لکھوائیں جس کی وجہ سے بالواسطہ طور پر اردو زبان کو فائدہ پہنچا اور اردو نثر کی ترقی کے لیے راستہ کھل گیا۔

ہندوستان میں برطانوی سیاست کا سب سے بڑا حربہ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" تھا۔ ان کا یہ حربہ اس لیے کارگر اور کامیاب ثابت ہوا کہ ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک میں مختلف لسانی، مذہبی اور نسلی گروہوں سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد تھے جو صدیوں کے ارتباط اور اختلاط کی وجہ سے ایک مشترکہ ہندوستانی تہذیب کے رشتہ و اتحاد میں منسلک ہوگئے تھے۔ مشترکہ ہندوستانی تہذیب کے تشکیلی عناصر قومی اتحاد، مذہبی رواداری اور لسانی یک جہتی وغیرہ ہمیشہ انگریزوں کی آنکھوں میں کھٹکتے تھے۔ (۳)

ویسے انگریزوں کی اکثریت ہندوستانی زبانوں اور ہندوستان کی تہذیب کو حقارت کی

نظر سے دیکھتی تھی اور یہ چاہتی تھی کہ اس کی جگہ انگریزی زبان اور انگریزی تہذیب کو رائج کیا جائے۔ مثال کے طور پر میکالے نے کہا۔

"..... ہندوستان کے اس حصے کے باشندوں کی عام طور پر بولیوں میں نہ تو ادبی سرمایہ ہے نہ ہی سائنٹفک معلومات اور وہ اتنی کم مایہ اور ٹھیٹ ہیں کہ جب تک انہیں کسی دوسرے ذریعوں سے مالامال نہ کیا جائے ان میں کسی میں بھی ادبی علمی کام کو منتقل کرنے کا کام آسان نہ ہو گا۔ اس بات سے بھی ہر طرف اتفاق نظر آتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کی استطاعت رکھنے والوں کا ذہنی ارتقاء صرف اسی زبان کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے جو مقامی نہ ہو۔

میکالے نے یہ بات کھل کر کہی کہ "ایک اچھے یورپین کتب خانے کی صرف ایک الماری قدر و قیمت میں ہندوستان اور عرب کے سارے ادب کے برابر ہے۔"
(۴)

انگریزی کی افادیت اور اہمیت کے بارے میں اس نے لکھا

"خود اپنی زبان کے استحقاق کا اعادہ کرنا بالکل غیر ضروری ہے مغربی زبانوں میں بھی اس کی ایک ممتاز حیثیت ہے یہ ایسی تخیلی تخلیقات سے بھری پڑی ہے جو یونان کے چھوڑے ہوئے بہترین ترکے سے کسی طرح بھی کم نہیں اس میں ہر قسم کی فصاحت کے نمونے موجود ہیں ایسے تاریخی مضمونوں کی فراوانی ہے جنہیں اگر محض بیانیہ مضامین بھی سمجھ لیا جائے تو بھی یہ لاثانی ہیں اگر انہیں اخلاقی و سیاسی تعلیم کا ذریعہ سمجھا جائے تب بھی یہ بے نظیر رہیں گے۔ ان تخلیقات میں انسانی فطرت اور حیات انسانی کی حقیقت پسندانہ اور جاندارانہ تصویر کشی ہے، مابعد الطبیعات، اخلاق، حکومت قانون اور تجارت سے متعلق انتہائی راسخ نظریات، انسان کی ذہنی نشوونما، صحت اور آسائش سے متعلق تجرباتی سائنس کی تمام معلومات کا ایک خزانہ ملتا ہے جو بھی اس زبان کو جانتا ہے کرہ زمین کی تمام ذہین قوموں کے اس عظیم سرمائے تک اس کی پہنچ انتہائی آسان ہو جاتی ہے جسے پچھلی نوے پشتوں نے تخلیق کر کے محفوظ کر دیا ہے۔ اس بات کے کہنے میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں کہ اس وقت اس زبان میں جتنا ادب موجود ہے اس کی افادیت تین سو سال پہلے کی دنیا کی تمام زبانوں کے سارے سرمائے سے کہیں زیادہ ہے۔" (۵)

ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہدہ داروں کو اردو زبان و ادب سے بے لوث محبت نہ تھی۔ اردو زبان کی سرپرستی میں خود ان کا مفاد مضمر تھا۔ فارسی کی مخالفت کا ایک اور سبب بھی تھا۔ فارسی زبان پیشرو مسلمان حکمرانوں کی یادگار اور ان کے تمدنی ورثہ کی امین تھی۔ انگریز یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ کسی قوم کو اخلاقی پستی کا شکار بنانے کا بہترین حربہ یہ ہے کہ اس کا رشتہ اعلیٰ

تمدنی روایات سے منقطع کر دیا جائے۔ اس لیے انہوں نے فارسی کو ختم کر کے اردو کو اس کی جگہ دے دی جو ملک میں سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ انگریزی کو وہ اس لیے سرکاری زبان نہیں بنا سکتے تھے کہ اس کے جاننے والے بہت کم تھے اگرچہ یہ بات ان کے منصوبے میں شامل تھی کہ آئندہ انگریزی زبان کی تعلیم عام ہو جانے کے بعد اس کو سرکاری زبان کا مرتبہ دیا جائے۔ جیسا کہ ڈاکٹر صفیہ بانو بھی لکھتی ہیں۔

"سنہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد بنگال کے دیوانی انتظام کے سلسلے میں جو معاہدہ کیا گیا اس میں فارسی کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا تھا لیکن انگریزوں نے اس معاہدہ کو بھی دیگر معاہدوں کی طرح پورا نہ کیا وہ فارسی زبان کو مغلوں کی سلطنت کا ایک زندہ نشان سمجھتے تھے جسے وہ جلد از جلد ختم کر دینا چاہتے تھے لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں تھا لہذا اس عبوری دور سے گزرنے کے لئے انہوں نے سنہ ۱۸۳۵ء میں اردو کو سرکاری اور عدالتی زبان بنایا لیکن ساتھ ہی ہندی کا جھگڑا بھی کھڑا کر دیا دوسری طرف انگریزی کی اشاعت کے لئے تمام ممکن ذرائع استعمال کئے۔" (۶)

انگریز چاہتے تھے کہ ہندوستانیوں کو مغربی علوم اور سائنس کی ترقیوں سے واقف کروائیں تا کہ ذہنی سطح پر مغربی کلچر کی مزاحمت کم ہو وہ اس کی برتری کو تسلیم کریں اور اپنے روایتی علوم و تمدن کو کم تر جان کر اس سے کنارہ کشی اختیار کریں سب سے پہلے یہ کام عیسائی مشنریوں نے انجام دیا اور پھر خود حکومت نے اس کا بیڑہ اٹھایا اور اس مقصد کے پیش نظر اخبار "جام جہاں نما" اردو زبان میں جاری کیا گیا۔ "جام جہاں نما" میں انگریزی اخباروں سے خبریں ترجمہ کر لی جاتی تھیں ان خبروں میں انگریزوں کے کاموں اور کارناموں کو توصیفی انداز میں پیش کیا جاتا تھا اور ہندوستانی امرا کے بارے میں جو خبریں ہوتی تھیں ان میں بالواسطہ طور پر ان کی عیش پسندی کو شہرت دی جاتی تھی اور عوام کے بارے میں ایسی خبریں نمایاں شائع کی جاتی تھیں جن میں ان کی تہذیبی پستی اور توہم پرستی آشکار ہوتی تھی۔

ہندوستانی امرا کے تعلق سے اخبار کا رویہ اور خبروں کا انداز ملاحظہ ہو۔ اس طرح کی خبروں میں بڑی ہوشیاری سے عام دلچسپی کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا مگر خبر کی زیریں لہروں میں ہندوستانی روساء اور جاگیرداروں کی منقصت مقصود ہوتی تھی۔

لکھنؤ کی خبر

"اخبار کے کاغذ سے دریافت ہوا کہ ربیع الثانی مہینے کی پہلی تاریخ منگل کے دن اس روز موافق معمول کے صاحب ریذیڈنٹ بہادر کے واسطے حاضری کی تیاری تھی حضرت بادشاہ کو کرایل کی طرف سے سیر کر کے قصر شاہی میں رونق افروز ہوئے پانچ گھڑی دن چڑھے تک منتظر بیٹھے تھے کہ صاحب ریذیڈنٹ بہادر آئے آٹھ انگریز عالی قدر ساتھ

لائے ۔ جہاں پناہ نے سب مصاحبوں کے ساتھ حاضری تناول فرمائی اور اس کے بعد اختلاط کی باتیں ہوا کیں ۔ آخر بڑے صاحب رخصت کے وقت عطر پان جو کچھ رسم ہے لے کر کوٹھی کو سوار ہو گئے تس پیچھے جب حضرت کے کھانے کا وقت آیا اور سب قسم کا کھانا دستر خوان پر چنا گیا ۔ حضرت نے خشکے کے چاولوں کو بادشاہی طعام کے لائق نہ دیکھا غلام حسین داروغہ کو ارشاد ہوا کہ للو مودی اور چمن لال مشرف باورچی خانے کا مقید ہو آخر دونوں نے اپنی غفلت پر نادم ہو کر پانچ ہزار روپئے احمقانہ کے گزرانے ۔ بادشاہ خطا بخش نے قصور معاف فرمایا ۔" (۷)

لکھنؤ کے دربار کی کچھ اور خبریں ملاحظہ ہوں ۔

"ایک دن سیتا بیگ کوتوال نے حکم دیا کہ جتنی لونڈیاں شہر میں بکیں انہیں حضور کی دیوڑھی پر حاضر کیا کرو ۔" (۸)

"ایک عرضی پہنچی کہ احسان علی بردہ فروش چار کنیزیں لایا ہے اور اس نے آٹھ کنیزیں مرزا سیتا بیگ کوتوال کو بھیجی تھیں وہ بھی در دولت پر حاضر ہیں ارشاد ہوا کہ انہیں احسان علی کے پاس روانہ کردو جو کنیزیں کوتوال کے پاس آئی تھیں ان کو مسترد کر دیا" (۹)

اسی طرح عوام کے تعلق سے ایسی خبریں شائع کی جاتی تھیں جن سے ان کی تہذیبی پستی اور توہم پرستی ظاہر ہوتی تھی بظاہر اس طرح کی سنسنی خیز اور چٹ پٹی خبریں آج بھی شائع ہوتی ہیں لیکن دور حاضر میں اخبارات کا رویہ ایسی خبروں کی اشاعت سے عوام کی اصلاح ہوتا ہے مگر اس دور میں مقصد تضحیک و تحقیر تھا ۔ مثلاً مندرجہ ذیل خبر میں بہتر برس کی بیوہ عورت کی ستی کی منظر کشی میں "مردانہ کام کیا" کا فقرہ قابل غور ہے ۔

"اخبار کے کاغذ میں دیکھا گیا کہ برھان پور کے ملک میں دکن کے علاقہ میں ایک برھمن رہتا تھا اتفاقات سے وہ ایک دن کسی کام کے واسطے ایک جنگل میں جا نکلا ۔ اس کو اکیلا دیکھ کر ایک باگھ کئی دن کا بھوکا جو اپنی تھل میں پڑا ہوا تھا یک بارگی بجلی کی طرح تڑپ کر اس دکھیا برھمن پر گرا حقیقت میں چنڈال غریب برھمن کے خون کا پیاسا تھا ۔ اپنا کام کر گیا ۔ یہ خبر برھمن کے گھر پہنچی ۔ لوگ لاش کو جنگل سے اٹھا لائے ۔ اس کی بڈھی جورو نے بہتر برس کی عمر میں کہ ہاتھ پاوں ہلانے کی طاقت نہیں کیا ہی مردانہ کام کیا کہ اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ جل کر راکھ ہو گئی ۔ جس وقت وہ ستی ہونے چلی خلق اللہ کا ھجوم تھا اس نے پکار کر یہ کہا کہ اس برس مہنگی پڑے گی اور بیماری بہت بڑھے گی" (۱۰)

خبروں کے علاوہ اس اخبار میں تاریخی مضامین کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا ۔ ایک سلسلہ تاریخ انگلستان کے ترجمہ کا تھا دوسرا تاریخ عالمگیری کے ترجمہ کا ۔ تاریخ عالمگیری کے ترجمہ میں بظاہر اورنگ زیب کی تعریف کرتے ہوئے اس کے مذھبی تعصب کو ابھار کر پیش کیا جاتا تھا ۔

یہاں تک کہ خود مترجم نے اورنگ زیب کے متعلق اپنی رائے کا یوں اظہار کیا ہے۔

"اب راقم گذارش کرتا ہے کہ اورنگ زیب تیموریہ خاندان میں بہت لائق و فائق تھا سب علوم و فنون پر اس کو بخوبی مہارت حاصل تھی رعیت پروری اور نصفت پروری جیسی اس نے کی اس کے خاندان میں دوسرے سے نہیں ہوئی۔ اورنگ زیب نے تن آسانی اور عیاشی نہیں کی غریب غرباء کو ہزاروں لاکھوں بخشے۔ سپاہ کو ہمیشہ انعام و اکرام سے راضی رکھا۔ اصراف (کذا) اس کو پسند نہ تھا صرف یہ بات کے اورنگ زیب کو مذہب کا تعصب بہت تھا درست مگر مذہب کی پاسداری (کو) سب علماء نے جائز رکھا ہے بلکہ اپنے کو مذہب کو استحکام کا سبب جانتے رہے ہیں۔" (۱۱)

اس کے علاوہ جو اخبار مقامی لوگوں نے جاری کئے ان میں مغربی علوم و فنون سے متعلق مضامین شائع کئے جاتے تھے اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ہندوستانیوں کے ذہنوں میں یہ تجسس تھا کہ اہل مغرب اور ان کی تعلیمات کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔

غرض ان اخباروں کی وجہ سے سرسید احمد خاں کی اصلاحی تحریک کے لیے زمین پہلے ہی ہموار ہو چکی تھی آگے چل کر جب باضابطہ ماہانہ علمی ادبی رسائل شائع ہونے لگے تو ان کے ذریعے زیادہ منظم طریقے سے مغربی علوم و فنون کی ترویج ہونے لگی۔

سرسید احمد خاں ہوں، محمد حسین آزاد ہوں یا ماسٹر رامچندر ان تمام دانشوروں کا یہی خیال تھا کہ ہندوستانیوں کی ترقی کا واحد راستہ یہ ہے کہ وہ مغرب کی تقلید کریں چنانچہ ماسٹر رامچندر حب الوطنی کو ایک نیکی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ایسے آدمی بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں کہ وہ دل و جان سے اپنے ملک کی بہبودی چاہتے ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ (یہ) نیکی ہندوستانیوں میں نہیں پائی جاتی، اس حال میں یہاں کے باشندوں کو بہت ضرورت تحصیل علوم مختلفہ کی ہے بدون اس کے ان کی آنکھیں کبھی نہ کھلیں گی۔ مطالعہ تاریخ آزاد قوموں کا سب سے زیادہ ضروری ہے کیوں کہ ان کی عالی ہمتی اور حب الوطنی کو دیکھ کر انہیں بھی عزم (ہو)" (۱۲)

اس میں شک نہیں کہ آگے چل کر اردو صحافت نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے خلاف عوام کے جذبات کو بھڑکانے میں بھی اہم حصہ لیا اس سلسلے میں اخبار الظفر (دہلی) اور اردو اخبار (دہلی) قابل ذکر ہیں۔ لیکن غدر کے بعد مغرب پرستی کا رجحان عود کر آیا۔ اس تعلق سے ذیل کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

"ولایت میں انگریزوں کے لئے چھوٹی عمر سے ایسی عمدہ سوسائٹی موجود ہے جس کے سبب بچپنے سے دماغی اور ذہنی اور اخلاقی قوت بڑھتی جاتی ہے اور وقت کی پابندی اور

سوشیل برتاؤ کی ان کو عادت مثل طبیعت ثانی کے ہو جاتی ہے اور اپنی ڈیوٹی کا وہ بہت خیال رکھتے ہیں اور جن علوم کو وہ حاصل کرتے ہیں اپنی مادری زبان سے حاصل کرتے ہیں اور لٹریچر گویا ان کی مادری زبان ہوتی ہے۔ ہندوستانیوں کو ان میں سے کوئی بات بھی نصیب نہیں ہے۔" (۱۳)

"ملک جب نامہذب ہوتا ہے تو ضرور کچھ نہ کچھ گورنمنٹ میں ناتہذیبی آجاتی ہے اور جب گورنمنٹ مہذب ہوتی ہے تو کسی نہ کسی قدر تہذیب ملک میں ہوتی جاتی ہے۔

ملک کا نامہذب ہونا تو اس ملک کے باشندوں کا نامہذب ہونا ہوتا ہے کیوں کہ جب یہ کہیں کہ انگلینڈ، فرانس، جرمنی، امریکہ نہایت مہذب ملک ہیں تو اس کے معنی یہی ہوں گے کہ وہاں کے رہنے والے تہذیب و تربیت یافتہ ہیں۔" (۱۴)

موضوعاتی اخبارات و رسائل:- بعض اخبارات و رسائل خاص خاص شعبوں مثلاً قانون، طب اور شاعری کے لیے مخصوص تھے۔ ذیل میں ان کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے

ایسٹ انڈیا کمپنی کے برسر اقتدار آنے کے بعد کچھ عرصہ تک قدیم عدالتی نظام برقرار رہا اور زیادہ تر دیسی قوانین کے مطابق فیصلے کئے جاتے تھے۔ جاگیرداری دور میں شاہی احکام و فرامین کو قانون کا مرتبہ دیا جاتا تھا۔ شاہی کے خاتمہ کے بعد ایسے قانون ساز ادارے کی ضرورت محسوس ہوئی جو بدلتے ہوئے حالات اور وقت کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق قانون سازی کرتا رہے۔

انگریزی قانون کی شروعات چارلس دوم نے سنہ ۱۶۶۱ء میں کی۔ اس نے کمپنی کے گورنروں اور کونسلوں کو دیوانی اور فوجداری معاملات میں ملک کے قانون کو مد نظر رکھنے اور ہندوستانی ماہر قانون سے صلاح و مشورہ کرکے انصاف کرنے کا اختیار دیا۔ سنہ ۱۶۸۳ء میں چارلس نے ہی اس اختیار کو وسیع کیا اور عدالتوں میں ایک عالم جو دیوانی قوانین سے واقف ہو اور دو تاجروں یا شہریوں کا تقرر عمل میں لایا۔

عدلیہ اور قانون کسی حکومت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کا کام کرتے ہیں۔ ہر نئی حکومت کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اپنے اقتدار کو استحکام بخشنے کے لیے قوانین میں ضروری رد و بدل کرے اور سماجی تبدیلیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے قوانین وضع کرے تاکہ عوام میں حکومت کے خلاف بے چینی پیدا نہ ہو اور انہیں یہ طمانیت حاصل ہو کہ ان کے ساتھ انصاف ہو رہا ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی یہی کیا۔ اس نے ملک کے قانونی ڈھانچہ کو بتدریج بدلنا شروع کیا۔ نئے نئے قوانین وضع کئے جانے لگے تو خود حکومت نے اس کی تشہیر کی ضرورت محسوس کی جیسے:

"ایک ضابطہ جو صدر کلکتہ کی تجویز اور سوپریم گورنمنٹ کی منظوری سے مقرر ہو کر ذیل

میں مندرج کیا گیا ہے صدر غربی کے حکام کو بھی مقبول ہو کر محکمہ جات ماتحت کی اطلاع اور ہدایت کے لئے مشتہر کیا جاتا ہے۔" (۱۵)

دوسری طرف دیسی باشندوں میں بھی نیا قانونی شعور پیدا ہوا۔ انصاف طلبی کے لیے نئے قوانین سے آگہی ضروری تھی اس ضرورت کی تکمیل کے لیے حکومت اخباروں اور جرائد کے ذریعہ نئے احکام و قوانین کی تشہیر کرنے لگی دوسری طرف عوام کی قانون سے آگہی کی خواہش اور تجسس کو دیکھتے ہوئے ایسے اخبار و رسائل شائع ہونے لگے جو تمام تر قانونی معلومات کے لیے وقف تھے۔ اردو میں اس نوعیت کا پہلا قانونی ہفتہ وار اخبار "فوائد الشائقین" تھا جو نومبر ۱۸۴۶ء میں دہلی سے جاری ہوا۔ اس میں دیوانی، فوجداری اور مال کے قوانین کے علاوہ ہندوستانی اور برطانوی عدالتوں کے اہم فیصلے شائع کئے جاتے تھے تاکہ نظائر کے طور پر استعمال ہوں۔ مزید برآں اس میں قانونی امور کے بارے میں قارئین کے استفسارات کے جواب بھی دئے جاتے تھے۔ اس کے بعد سنہ ۱۸۵۰ء میں لاہور سے ایک ہفتہ وار اخبار "کوہ نور" جاری ہوا جس میں خبروں کے علاوہ علمی ادبی اور معلوماتی مضامین شائع کئے جاتے تھے۔ اس کا ایک حصہ قانون کے لیے وقف تھا جس میں سرکاری اعلانات اور احکامات ہوتے تھے۔ اسی طرح ایک اور اخبار فروری سنہ ۱۸۵۷ء میں "سفیر پنجاب" کے نام سے لاہور ہی سے شائع ہونے لگا۔ اس کے ایک سال پہلے سنہ ۱۸۵۶ء میں آگرہ سے ایک ماہ نامہ رسالہ "معدن القوانین" جاری ہوا۔ یہ پہلا قانونی ماہ نامہ تھا اس میں مقدمات کے فیصلے درج ہوتے تھے اور قانونی مشورے دئے جاتے تھے۔

طبی اخبار و رسائل: مخصوص موضوعاتی جرائد کی ایک قسم طبی جرائد کی تھی۔ ہندوستان میں انگریزوں کی آمد کے ساتھ ہی ایلوپیتھک کے طریقہ علاج کا رواج شروع ہوا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے انگریزی ملازمین کے علاج کے لیے ڈاکٹروں کا بھی تقرر کیا۔ عیسائی مشنری جو رفاہی کاموں کے ذریعے مقامی عوام میں اعتماد پیدا کر کے مذہب کی اشاعت کرتی تھی سب سے پہلے ہسپتال اور مدرسے قائم کرتی تھی۔ ان کے ہسپتالوں میں ایلوپیتھک طریقہ سے علاج کیا جاتا تھا۔ جب ہندوستان میں برطانوی اقتدار مستحکم ہو گیا تو رعایا کے علاج کے لیے باضابطہ محکمہ طبابت کا قیام عمل میں آیا جس کے تحت جگہ جگہ ایلوپیتھک دواخانے کھولے گئے لیکن یہ دواخانے عوام کی ضروریات کے لیے کافی نہیں تھے۔ ایک تو ایلوپیتھک ڈاکٹروں کی کمی تھی جو عموماً انگریز ہوا کرتے تھے اور انگلستان میں طب کی تعلیم حاصل کر کے آئے تھے دوسرے رعایا کی اکثریت مذہبی معتقدات و توہمات کی بنا پر ایلوپیتھک علاج سے گریز کرتی تھی۔ اس وجہ سے حکومت کو ایلوپیتھک کے ساتھ ساتھ دیسی طریقہ علاج کو بھی منظم و بہتر بنانے پر مجبور ہونا پڑا۔ اسی غرض سے یونانی اور آیورویدک طریقہ علاج کی تعلیم کا بھی علاحدہ انتظام کیا گیا اور اسی طرح کے دواخانے کھولے گئے۔

دیسی ریاستوں نے بھی اس کی تقلید کی ۔ عوام میں بھی صحت و تندرستی کو بہتر بنانے کا شعور پیدا ہوا اور وہ طب سے دلچسپی لینے لگے ۔ اس کا نتیجہ تھا کہ اخباروں اور رسالوں میں دیگر علمی موضوعات کے ساتھ طب پر بھی مضامین شائع کئے جانے لگے ۔ انیسویں صدی کی پانچویں اور چھٹی دہائی میں بعض ایسے رسالے شائع ہوئے جو صرف طب کے لیے مخصوص تھے ۔

طب پر سب سے پہلا رسالہ " رسالہ طبابت حیدر آباد " (١٦) نومبر ١٨٥٥ء میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوا ۔ جو نہ صرف طب کا بلکہ حیدر آباد کا پہلا اردو رسالہ تھا ۔ یہ حکومت آصفیہ کے میڈیکل اسکول سے شائع ہوتا تھا ۔ اس میں طبیب اپنے تجربات اور عمل جراحی کے نتائج لکھا کرتے تھے اور ساتھ ہی مفید طبی معلومات بھی بہم پہنچائی جاتی تھیں ۔

اسی نام سے سنہ ١٨٦١ء میں ایک رسالہ پشاور سے جاری ہوا ۔ " اخبار طبابت " میں یونانی اور آیورویدک طریقہ علاج کے علاوہ جراحت سے متعلق مضامین ہوتے تھے ۔ اس کے دوسرے سال "بحر حکمت " نامی ایک پندرہ روزہ آگرہ سے جاری ہوا جو یونانی طب کے لیے مخصوص تھا ۔

گلدستے: موضوعات کے لحاظ سے تخصیصی رسالوں میں گلدستوں کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے ۔ گلدستہ ایسے اخبار یا رسالہ کو کہا جاتا ہے جو صرف شاعری کے لیے مخصوص ہوتا ہے ۔ اردو بولنے والے شاعری سے جس قدر دلچسپی رکھتے ہیں اس کی مثال ہندوستان کی کسی اور زبان میں مشکل ہی سے ملے گی ۔ اردو شاعری کی مقبولیت میں شاعروں کا خاص حصہ رہا ہے ۔ طباعت کی سہولتیں عام ہوئیں تو ایسے اخبار اور رسالے شائع ہونے لگے جو شاعری کے لیے مخصوص تھے ۔ یہ گلدستے مشاعروں کا نعم البدل ہوتے تھے ۔

گلدستے دو قسم کے ہوتے تھے (١) جن میں کسی انجمن یا تنظیم کے تحت پابندی سے منعقد ہونے والے مشاعروں کی غزلیں اور نظمیں شائع کی جاتی تھیں تا کہ جو لوگ (بالخصوص دور دراز کے رہنے والے) مشاعرے میں شرکت سے قاصر رہے ہوں وہ اس کلام سے محظوظ ہو سکیں (٢) دوسری قسم کے گلدستے وہ تھے جن کا تعلق مشاعروں سے نہیں تھا ان گلدستوں کے لیے بالعموم کوئی مصرعہ طرح دیا جاتا تھا جس پر شعرا غزلیں کہتے اور اشاعت کے لیے روانہ کرتے تھے ۔ ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ کسی عام رسالہ یا جریدہ میں اتنی کثرت سے منظومات اشاعت کے لیے وصول ہونے لگیں کہ ان کو شائع کرنا ممکن نہ تھا تو مجبوراً اس رسالہ کے مالک یا ایڈیٹر نے ضمیمے کے طور پر گلدستے بھی جاری کیے تاکہ شاعروں کو شکایت نہ رہے اور ساتھ ہی رسالہ کے خریداروں کے شعری ذوق کی بھی تسکین ہو ۔

" گل رعنا " اردو کا سب سے پہلا گلدستہ تھا جو سنہ ١٨٤٥ء میں دہلی سے جاری ہوا ۔ آگرہ سے سنہ ١٨٤٨ء میں ایک گلدستہ "معیار الشعرا " کے نام سے نکلنے لگا ۔ اس کے ایک سال بعد یعنی سنہ ١٨٤٩ء میں ایک گلدستہ " گلزار ہمیشہ بہار " کے نام سے نکلنے لگا ۔

"اخبار انجمن پنجاب" آخر زمانے میں گلدستے کی شکل اختیار کر گیا تھا جس میں انجمن پنجاب کے مناظموں کا کلام شائع کیا جاتا تھا۔ "کوہ نور" گلدستہ تو نہیں تھا لیکن کوہ نور کے دفتر میں ایک طرحی مشاعرہ منعقد کیا جاتا تھا جس کی منتخب غزلیں اس اخبار میں شائع کی جاتی تھیں۔

اوراق گزشتہ کے تاریخی، سیاسی اور سماجی تناظر میں اب، ہم اردو کی علمی و ادبی صحافت کا ایک سرسری جائزہ پیش کرتے ہیں جو آغاز سے ۱۸۶۵ء تک کے عہد کو محیط ہے۔ یہ جائزہ حیدرآباد کی علمی و ادبی صحافت کا ایک پس منظر فراہم کرتا ہے۔ یہاں صرف ایسے اخباروں اور رسالوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے مواد کے بارے میں معلومات مہیا ہو سکی ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سے ایسے اخباروں اور رسالوں کے نام ملتے ہیں جن کے بارے میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ آیا ان میں علمی و ادبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔

اردو کا پہلا اخبار "جام جہاں نما": اردو کا پہلا اخبار "جام جہاں نما" ۲۷ مارچ سنہ ۱۸۲۲ء کو کلکتہ سے جاری ہوا (۱۷) یہ ہفتہ وار اخبار تھا۔ ابتدا میں اس اخبار کے چند پرچے اردو میں نکلے پھر یہ اخبار فارسی زبان میں نکلنے لگا۔ ایک سال بعد فارسی اخبار کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے ساتھ جام جہاں نما کا اردو ضمیمہ شائع ہونے لگا۔ (۱۸) اس کے ایڈیٹر منشی سدا سکھ تھے اور چھاپنے کی ذمہ داری ولیم پیٹرسن کاپ کنس اینڈ کمپنی کے سپرد تھی۔ (۱۹) اس اخبار کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اس میں خبروں کے علاوہ فارسی اور انگریزی مضامین ترجمہ کر کے شائع کئے جاتے تھے۔ کبھی کبھی ایک آدھ غزل بھی چھاپ دی جاتی تھی۔ خبروں کا تناسب مضامین کے مقابلے میں کم تھا۔ بعد میں خبروں کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔ (۲۰) آگے چل کر اس میں تاریخ انگلستان اور محاربات نپولین بالاقساط درج ہوتی رہی پھر ۱۷ جون سنہ ۱۸۲۷ء سے ۲۳ جون سنہ ۱۸۲۸ء تک تاریخ عالم گیر کا ترجمہ چھپتا رہا۔ (۲۱)

اخبار "جام جہاں نما" کے بعد چوتھے دہے میں "دہلی اخبار" اور "سید الاخبار" جیسے ہفتہ وار اخباروں نے اسی انداز صحافت کو ترقی دی۔

دہلی اخبار (دہلی): یہ اخبار سنہ ۱۸۳۶ء میں جاری ہوا۔ (۲۲) جب کہ عتیق صدیقی اس کا سنہ اجرا ۱۸۳۷ء بتاتے ہیں (۲۳) یہ دہلی کا پہلا اور اردو کا دوسرا اخبار تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر تھے۔ اس میں روزمرہ کے حالات و واقعات ملکی اور سیاسی خبروں کے علاوہ ادبی خبریں اور علمی مضامین بھی شائع ہوا کرتے تھے۔ بعض خبروں کے ساتھ ان پر ایڈیٹر کا تبصرہ بھی ہوتا تھا۔ ذوق، غالب، مومن، ظفر اور دوسرے شعرا کی غزلیں بھی چھپتی تھیں (۲۴)

سید الاخبار (دہلی): یہ سرسید احمد خاں کے بھائی سید محمد خاں کا اخبار تھا جسے انہوں نے سنہ ۱۸۳۷ء میں جاری کیا۔ اس میں اور موضوعات کے علاوہ قانون سے متعلق مضامین

خصوصی طور پر شائع کئے جاتے تھے۔ اس پرچے میں سرسید کے ابتدائی مضامین شائع ہوئے (۲۵)
علمی و ادبی صحافت کے نقطہ نظر سے شائع ہونے والے قابل ذکر ہفتہ وار "صادق الاخبار" سنہ ۱۸۴۴ء، قران السعدین سنہ ۱۸۴۵ء، فوائد الشائقین سنہ ۱۸۴۶ء، اسعد الاخبار سنہ ۱۸۴۷ء، معیار الشعراء سنہ ۱۸۴۸ء۔ قطب الاخبار سنہ ۱۸۴۹ء اور کوہ نور سنہ ۱۸۵۰ء وغیرہ ہیں۔

صادق الاخبار (دہلی): یہ اخبار سنہ ۱۸۴۴ء میں جاری ہوا۔ ابتداً اس کی زبان فارسی تھی مگر دو سال بعد اردو کر دی گئی۔ اس میں دہلی کے دربار، ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسروں اور ہندوستان کے مختلف شہروں کی خبروں کے علاوہ انگریزی اخباروں میں شائع شدہ مضامین کے ترجمے بھی ہوتے تھے۔ (۲۶)

قران السعدین (دہلی): یہ مصور اخبار تھا جو سنہ ۱۸۴۵ء میں جاری ہوا۔ اس میں سائنسی، ادبی اور سیاسی مضامین بھی شائع کئے جاتے تھے۔ (۲۷)

فوائد الشائقین (دہلی): یہ سنہ ۱۸۴۶ء میں جاری ہوا۔ اس میں سوال و جواب کی صورت میں انگریزی قوانین کی وضاحت کی جاتی تھی (۲۸) اس کے علاوہ برطانوی عدالتوں کے اہم فیصلوں کے ترجمے بھی شائع کئے جاتے تھے (۲۹)

اسعد الاخبار (آگرہ): یہ اخبار سنہ ۱۸۴۷ء میں جاری ہوا۔ اس میں اسلامی تاریخ اور بزرگان دین سے متعلق مضامین بھی ہوتے تھے۔ (۳۰) کیوں کہ اس میں خبروں کا تناسب بہت کم ہوتا تھا اس لیے محمد عتیق صدیقی اس کو رسالہ قرار دیتے ہیں۔ (۳۱)

معیار الشعراء (آگرہ): اس کا اجرا سنہ ۱۸۴۸ء میں ہوا۔ یہ اردو کا پہلا ہفتہ وار تھا جو صرف شاعری کے لیے مخصوص تھا۔ آگے چل کر اس نوعیت کے رسالوں کو گلدستہ سے موسوم کیا جانے لگا لیکن معیار الشعراء محض گلدستہ نہیں تھا اس میں علم عروض و قافیہ کے بارے میں مضامین اور ہم عصر شعراء کا تذکرہ بھی چھاپا جاتا تھا۔ (۳۲)

قطب الاخبار (آگرہ): اس اخبار کو محمد امیر خاں نے مطبع قادری سے سنہ ۱۸۴۹ء میں جاری کیا۔ ابتدا میں اس میں صرف خبریں شائع ہوتی تھیں مگر سنہ ۱۸۵۱ء میں اس کے مطبع اور ملکیت میں تبدیلی کے بعد اس اخبار کا نام بدل کر "قطب الاخبار و تذکرۃ الاشعار و احکام سرکار و تواریخ الاخبار" رکھا گیا۔ اور اس میں مقامی خبروں، حکومت کے احکام، پیغمبروں اور شہدا کے حالات کے علاوہ شعر و شاعری سے اخبار کو زینت دی جانے لگی۔ (۳۳)

کوہ نور (لاہور): یہ پنجاب کا پہلا اردو اخبار تھا (۳۴) جو جنوری سنہ ۱۸۵۰ء میں جاری ہوا۔ یہ پرچہ ابتدا میں ہفتہ وار تھا سنہ ۱۸۵۱ء میں ہفتہ میں دو مرتبہ پھر ہفتہ میں تین مرتبہ چھپنے لگا اور سنہ ۱۸۸۳ء میں روزنامہ ہو گیا اور بعد میں پھر سے ہفتہ وار ہو گیا۔ (۳۵) اس میں سرکاری اعلانات اور احکام ملکی اور بین الاقوامی خبروں کے علاوہ ادبی معلومات، غزلیات اور ادبی مقالے

شائع ہوتے تھے ۔ (۳۶) اور ساتھ ہی کتابوں پر آزادانہ تنقیدیں بھی کی جاتی تھیں ۔

"کوہ نور" کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ اس کی ادارت ہر مذہب و ملت ہندو، مسلمان اور عیسائیوں کے ہاتھوں میں رہی جیسے مولانا نادر علی شاہ سیفی، تاج الدین، منشی نولکشور، مرزا موحد، منشی نثار علی شہرت، منشی لال سنگھ، مولوی سیف الحق ادیب، مولوی عبد اللہ، مولوی دین فوق اور منشی محرم علی چشتی جیسے ادیب اس سے وابستہ رہے ۔ (۳۷)

انیسویں صدی کے نصف اوائل میں نور الابصار (سنہ ۱۸۵۲ء) آفتاب ہند (سنہ ۱۸۵۳ء، کشف الاخبار (سنہ ۱۸۵۵ء) مظہر الاخبار (سنہ ۱۸۵۶ء) خیر خواہ خلائق (سنہ ۱۸۵۸ء) اور اودھ اخبار (سنہ ۱۸۵۸ء) جیسے ہفتہ وار ملتے ہیں جن میں علمی ادبی مضامین شائع ہوا کرتے تھے ۔

نور الابصار (آگرہ): نور الابصار سنہ ۱۸۵۲ء میں بمقام آگرہ سے جاری ہوا ۔ اس کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ یہ ایک ساتھ ہندی اور اردو میں شائع ہوتا تھا ۔ ہندی حصہ کا نام "بدھی پرکاش" تھا ۔ اس میں مضامین اور ملکی خبروں کے علاوہ ہر شعبہ علم کے بارے میں معلوماتی مضامین شائع کئے جاتے تھے ۔ (۳۸)

آفتاب ہند (بنارس): آفتاب ہند ۱۸۵۳ء میں بنارس سے شائع ہونے لگا ۔ اس میں بلند پایہ علمی ادبی مضامین شائع ہوتے تھے ۔ (۳۹) مضامین کے علاوہ اس میں ملکی اور بین الاقوامی خبریں اور گورنمنٹ گزٹ کے اقتباسات بھی دئے جاتے تھے (۴۰)

کشف الاخبار (بمبئی): یہ سنہ ۱۸۵۵ء میں جاری ہوا ۔ اس میں خبروں کے علاوہ مقامی حالات پر تبصرہ معلوماتی اور ادبی مضامین شائع ہوتے تھے ۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ٹائیٹل پر منظوم فہرست مضامین دی جاتی تھی ۔ شروع کے چند مہینوں میں یہ نظم (۴۲) شعروں کی چھپی اس کے بعد چار مصرع رہ گئے ۔ بیالیس شعروں کے منتخب اشعار یہ ہیں ۔

کرچکا پہلے جب بحکم خبیر
حمد خالق و نعت پیغمبر
تب بہت دل مرا بحال ہوا
مدح اخبار کا خیال ہوا
نام اخبار کا اب کروں اظہار
کشف الاخبار الاسرار
ہے یہ امید اہل دولت سے
دستگیری کریں عنایت سے
چندہ کی شرح کے تعلق سے
سوا سکہ پہ ماہوار جولے

وہ سوا تیرہ ، سال پیشگی دے
بدھ کو اخبار چھاپ لیتا ہوں
پنجشنبہ کو بانٹ دیتا ہوں (۴۱)

مظہر الاخبار: یہ اخبار سنہ ۱۸۵۶ء میں مدراس سے نکلنے لگا۔ ابتدا میں یہ دس روزہ تھا مگر بعد میں ہفتہ وار ہو گیا۔ اس میں ملکی و بین الاقوامی خبروں کے علاوہ سماجی و معاشرتی رسومات پر تبصرے، مضامین اور غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ (۴۲)

خیر خواہ خلائق (اجمیر): یہ اجمیر کا اردو اخبار تھا جو سنہ ۱۸۵۸ء میں جاری ہوا۔ اس ہفتہ وار اخبار میں سیاسی امور پر بے خوف اور بے لاگ اظہار خیال کیا جاتا تھا۔ معاشرت کی اصلاح سے متعلق مضامین بھی ہوتے تھے۔ (۴۳)

اودھ اخبار: (لکھنو سنہ ۱۸۵۸ء) اسے ہم ہفتہ وار اخباروں کا گل سر سبد کہہ سکتے ہیں اس اخبار کے ترتیب کاروں اور قلمی معاونین میں محمد خاں تپش، پنڈت رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، امجد علی اشہری، مرزا حیرت دہلوی اور مولانا جالب دہلوی جیسے مشہور انشا پرداز اور شاعر شامل تھے۔ سرشار کا فسانہ آزاد اسی اخبار میں بالاقساط شائع ہوا۔ اس اخبار نے اردو ظرافت نگاری کو ترقی دینے میں اہم حصہ لیا اور ہندوستانی معاشرہ کی اصلاح کے لیے طنز و مزاح کو ایک آلہ کے طور پر استعمال کیا۔ (۴۴)

اردو کے پندرہ روزہ اخباروں کا عمومی انداز ہفتہ وار اخباروں جیسا تھا۔ ان میں بھی خبریں اور مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔

فوائد الناظرین (سنہ ۱۸۴۵ء): غالباً یہ پہلا پندرہ روزہ اخبار تھا جس کے ایڈیٹر ماسٹر رامچندر تھے۔ ابتدا میں اس کی نوعیت ایک علمی و ادبی رسالہ کی تھی پھر کچھ عرصہ بعد اس میں مضامین کے علاوہ خبریں بھی شائع کی جانے لگیں۔ مضامین زیادہ تر معلوماتی اور علمی ہوا کرتے تھے جو خود ماسٹر رامچندر لکھا کرتے تھے۔ (۴۵)

فوائد الناظرین کے بعد شائع ہونے والے پندرہ روزہ اخباروں و رسالوں میں معیار الشعرا (سنہ ۱۸۴۸ء) زائرین ہند (سنہ ۱۸۵۰ء) ہمائے بے بہا (سنہ ۱۸۵۳ء) سفیر پنجاب (سنہ ۱۸۵۷ء) خیر خواہ خلق (سنہ ۱۸۶۲ء) اور بحر حکمت (سنہ ۱۸۶۲ء) قابل ذکر ہیں۔

معیار الشعرا، آگرہ (سنہ ۱۸۴۸ء): یہ ایک گلدستہ تھا۔ ماسٹر رامچندر کے فوائد الناظرین (نومبر سنہ ۱۸۴۸ء) میں اس کا حسب ذیل اشتہار شائع ہوا تھا۔

"واضح ہو کہ تفریح طبع کے واسطے پندرھویں روز مجلس مشاعرہ راقم کے مکان میں منعقد ہوتی ہے۔ چوں کہ سب اضلاع کے رئیس اس سے حظ حاصل نہیں کر سکتے۔ لہذا راقم کو منظور ہے کہ ہر مشاعرہ کی غزلیں ایک دو ورقہ (میں) مثل اخبارات کے طبع ہوا کریں

اور چوں کہ بعض شعراء علم عروض وقافیہ سے کم ماہر ہوتے ہیں اس لحاظ سے نصف آخیر صفحہ میں اس کے اس کا بیان ہے (ہو) کہ خریداران اس کے علم عروض سے واقف ہوجاویں اور شدہ شدہ ایک تذکرہ شعرائے حال کا سبب اس کے کہ شروع غزل میں حال مختصر شاعر کا مندرج ہوگا۔ تیار ہو جاوے اور نظر رفاہ عام چار آنے ماہواری جو کہ صرف کاغذ اور چھپائی کے واسطے تھا۔ قیمت اس کی مقرر کی۔ ہاں اکثر غزلیں زیادہ ہوں گی اور پرچہ اس قدر بڑھ جاوے کہ اس کے صرف کے واسطے وہ قیمت کافی نہ ہو تو فی ورق کچھ مناسب رقم زیادہ کرنی پڑے گی اور مصرع طرح مشاعرہ آیندہ کا اس کے اخیر میں طبع ہوگا۔ لہذا یہ اشتہار دیا جاتا ہے کہ جس صاحب کو اس پرچہ موسوم بہ معیار الشعرا کا خریدنا منظور ہو تو درخواست اپنی راقم کے پاس مدرسہ آگرہ میں ارسال فرمادیں اور محصول ذمہ خریدار ہوگا۔ یہ پرچہ بتاریخ ۲۱ نومبر روز سہ شنبہ کے طبع ہوگا۔ مورخہ ۱۱ نومبر سنہ ۱۸۴۸ء فقط ابوالحسن مدرس فارسی مدرسہ آگرہ۔" (۴۶)

اس گلدستے میں مشاعرے کی غزلیں شائع ہوتی تھیں اور مشاعروں میں سنائے جانے والے کلام کے علاوہ اس وقت کے قدیم و جدید شعرا کا غیر طرحی کلام بھی شائع کیا جاتا تھا۔

زاد رین ہند: (سنہ ۱۸۵۰ء) یہ بنارس سے شائع ہوتا تھا۔ گارسان دتاسی کے بیان کے مطابق اس میں خبروں کے علاوہ مختلف قسم کے مضامین بھی ہوتے تھے۔ (۴۷)

ہمائے بے بہا: (سنہ ۱۸۵۳ء) یہ لاہور سے شائع ہوتا تھا۔ اس میں تعلیمی اور سائنسی موضوعات پر مضامین شائع ہوتے تھے۔ چند مضامین کے عنوانات یہ ہیں۔ ڈاک بجلی یعنی ٹیلی گراف -- سیر کرہ زمین -- وسعت عالم -- سمندر میں لوہے اور پتھر کا ترنا -- باکو کا آتش فشاں پہاڑ وغیرہ۔ (۴۸)

سفیر پنجاب: (سنہ ۱۸۵۷ء) یہ لاہور سے شائع ہوتا تھا۔ اس میں خبروں کے علاوہ قانونی سرکلر، حکومت کے احکامات، اشتہارات اور قانونی معلومات درج کئے جاتے تھے۔ اس رسالے کی عمر بہت کم تھی غالباً ایک سال بعد اسے "کوہ نور" میں ضم کر دیا گیا۔ (۴۹)

خیر خواہ خلق: (سنہ ۱۸۶۲ء) آگرہ سے شائع ہوتا تھا۔ اسے عیسائی مشنری نے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے مقصد سے جاری کیا تھا لیکن اس میں مذہب کے علاوہ تاریخی، علمی و ادبی موضوعات پر مضامین بھی شائع کئے جاتے تھے۔ (۵۰)

بحر حکمت: اسے سنہ ۱۸۶۲ء میں منشی گوری شنکر نے آگرہ سے جاری کیا تھا۔ اس میں یونانی طب سے متعلق مضامین ہوتے تھے (۵۱)

اردو میں ماہوار علمی و ادبی رسالوں کی اشاعت کا آغاز سنہ ۱۸۳۷ء میں ہوا جبکہ امریکن مشنری سوسائٹی نے مسیحی مذہب کی تبلیغ اور اشاعت علم کی غرض سے ایک ماہ نامہ "خیر خواہ ہند"

کے نام سے سنہ ۱۸۳۷ء میں مرزا پور (بنارس) سے جاری کیا۔ اس کے ایڈیٹر لندن کی مشنری سوسائٹی کے پادری آر، سی، ماتھر تھے۔ یہ اردو کا پہلا رسالہ تھا۔ اس کے مضامین فارسی اور رومن رسم الخط میں شائع کئے جاتے تھے۔ لیکن زبان اردو ہوتی تھی۔ چند سال بعد یہ رسالہ بند ہو گیا اور سنہ ۱۸۶۱ء سے دوبارہ شائع ہونے لگا۔ اس بار مضامین فارسی اور ناگری رسم الخط میں چھاپے جانے لگے بیشتر مضامین سائنسی ترقی اور ایجادوں کے بارے میں ہوتے تھے (۵۲)۔ سنہ ۱۸۶۰ء میں "خیر خواہ ہند" کے دور اول میں چھپے ہوئے معلوماتی مضامین کے دو مجموعے شائع ہوئے۔ ایک کا نام "منتخب العلم" تھا اور دوسرے کا "مفرح القلوب" امداد صابری کے بیان کے مطابق ان کتابوں میں بھاپ کی کلوں، دخانی جہازوں، انگلستان کی آہنی سڑکوں، سرنگوں چھاپہ خانوں، لیتھو طریقہ طباعت اور مختلف ممالک کے پرانے باشندوں کے حالات پر مضامین شامل ہیں۔ (۵۳)

گل رعنا (دہلی) دوسرا ماہ نامہ "گل رعنا" تھا جو سنہ ۱۸۴۵ء میں جاری ہوا۔ اس کو مولوی کریم الدین نے دہلی سے جاری کیا تھا۔ اس کی نوعیت گلدستہ کی تھی مولوی کریم الدین مہینہ پندرہ روز میں ایک مشاعرہ منعقد کرتے تھے اس مشاعرہ میں جو کلام سنایا جاتا وہ اسے "گل رعنا" میں شائع کرتے تھے۔ "گل رعنا" اردو میں شائع ہونے والا پہلا گلدستہ تھا۔

خیر خواہ ہند / محب ہند دہلی ماسٹر رامچندر نے ستمبر سنہ ۱۸۴۷ء میں ایک ماہ نامہ دہلی سے جاری کیا۔ پہلے انھوں نے اس کا نام خیر خواہ ہند رکھا تھا لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ اس نام کا ایک رسالہ مرزا پور سے شائع ہوتا ہے تو نومبر سنہ ۱۸۴۷ء سے اس کا نام بدل کر "محب ہند" رکھ دیا (۵۴)۔ ماسٹر رامچندر نے فوائد الناظرین میں اس رسالہ کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا "اہل دانش نے اس کی بڑی قدر کی انشاءاللہ اس میں مضامین مدام ایسے چھپیں گے کہ جو خلقت ہند کو مفید ہوں گے اور تواریخ ہر دیار کی مثل ہندوستان، فرنگستان، ایران، افغانستان وغیرہ کے اور مضامین پند و نصائح درج ہوں گے اور باتیں علم و اخلاق اور علم طبعی اور علم ہیئت کی مفصل بیان کی جائیں گی تاکہ ہر ایک فہمید میں آسکیں اور حال پارلیمنٹ کا اور تجویزیں اور اصلاحین حکام انگلستان کی اور عجیب و غریب حالات اور اشعار بڑے بڑے استادوں کے حتی المقدور مع تصویرات ان کی لکھے جائیں گے۔ اس رسالے میں تصویرات بادشاہوں کے اور نقشہ جات مکانات وغیرہ کے جہاں کہیں جیسی تصویریں ضرور ہوں گی مندرجہ ہوں گی۔ صفحے اس رسالہ کے پچاس ہوتے ہیں اور قیمت اس کی روپیہ ماہواری یعنی فی جلد ایک روپیہ۔

صاحبان علم دولت پر واضح ہو کہ یہ رسالہ مثل اور پرچہ اخبارات کے نہ ہوگا کہ بعد دیکھنے کے وہ کچھ کام کا نہیں رہتا ہے بلکہ یہ مثل نایاب کتاب کے رہے گا (۵۵)۔

یہ باتصویر رسالہ تھا اس میں علمی و ادبی مضامین اور چند قصے انگریزی کے ہوتے تھے اور اس کے علاوہ غزلیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔ ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک مختصر

فہرست دی جاتی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں کس طرح کے مضامین شائع ہوتے تھے

" مضمون در باب ہوا ۔ کرہ زمین کی مقدار کا بیان ، علم اخلاق ، اقوال حکیم اسفینوس ، زیروں کا بیان ، چشموں اور دریاؤں کا بیان ، اسٹیم کوچ ٹرین ، مریخ کا بیان کرہ زمین کا حال ، سوف ، جغرافیہ ، کلام اول علم ہئیت ، بیان طریقہ تعلیم کا ، چہل ستون الہ آباد ، حال گورنمنٹ انگریزی ہندوستان کا ، اکبر بادشاہ دہلی ، آثار الصنادید ، سوانح اولیاء ، حال دہلی کا ، ذکر شاہ البرٹ ، تخت جمشید ، حال فردوسی کا ، ریاست ایران ، تاریخ رومہ (۵۶) وغیرہ ۔

رسالہ مراۃ العلوم (بنارس) ۱۸۴۹ء میں ہربنس لال کی ادارت میں بنارس سے ایک رسالہ مراۃ العلوم کے نام سے جاری ہوا ۔ اس میں جدید تاریخ اور زراعت کے انگریزی طریقوں سے متعلق مضامین ہوتے تھے ۔ (۵۷)

معلم ہند یکم جولائی ۱۸۵۴ء میں اس کا اجراء عمل میں آیا اس کے ایڈیٹر محمد حسن کلانوری تھے اس میں بیشتر تعلیمی مسائل پر مضامین ہوتے تھے ۔ (۵۸)

خورشید پنجاب (لاہور) جنوری سنہ ۱۸۵۶ء میں یہ ماہوار رسالہ مطبع کوہ نور کے زیر اہتمام لاہور سے جاری ہوا ۔ اس رسالہ کا اہم مقصد اشاعت علوم کو فروغ دینا تھا ۔ اس میں اخلاقی علمی ، تاریخی اور جغرافیائی اور مختلف النوع موضوعات سے تعلق رکھنے والے مضامین جگہ پاتے تھے اس کے علاوہ سائنسی موضوعات پر مقالات تصویریں اور خاکے بھی شائع ہوتے تھے (۵۹)

نور علی نور (سیالکوٹ) ابتداء میں یہ ہفتہ وار اخبار تھا جو سنہ ۱۸۵۶ء میں جاری ہوا تھا اس کے بند ہو جانے کے بعد منشی دیوان چند نے سنہ ۱۸۵۶ء میں ہی اسی نام سے ایک علمی و ادبی ماہ نامہ سیالکوٹ سے جاری کیا (۶۰) ۔ اس کے مشمولات کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی ۔

معدن القوانین (آگرہ) سنہ ۱۸۵۶ء میں آگرہ سے حاجی حسن مرحوم نے اسے جاری کیا یہ قانونی ماہ نامہ تھا اس کا مقصد قارئین کو قانونی معلومات اور مشورے بہم پہنچانا تھا اس رسالہ میں مقدموں کے فیصلے بھی شائع کئے جاتے تھے (۶۱) ۔

گنج شائگان یہ ماہ نامہ سنہ ۱۸۶۰ء میں جاری ہوا یہ بھی قانونی رسالہ تھا اس میں اہم قوانین منتخب فیصلے ۔ سرکاری احکام اور سرکلر شائع کئے جاتے تھے اس کے مالک منشی ہرسکھ رائے مہتمم مولوی افضل الدین اور مدیر پنڈت سورج بھان تھے (۶۲) ۔

اخبار طباعت (پشاور) یہ ماہ نامہ رسالہ سنہ ۱۸۶۱ء میں پشاور سے جاری ہوا ۔ اس کا نصب العین یہ تھا کہ ویدک اور یونانی طب سے دل چسپی رکھنے والوں کو تبادلہ خیال کا ایک ذریعہ بہم پہنچایا جائے اور طبابت اور جراحت کی معلومات میں اضافہ کیا جائے ۔ تاکہ اس علم کو ترقی دی جائے (۶۳)

سرکاری اخبار ۔ اتالیق پنجاب " سرکاری اخبار " جو یکم مئی سنہ ۱۸۵۸ء کو جاری

ہوا محکمہ تعلیم کا اخبار تھا اس کے پہلے ایڈیٹر پنڈت اجودھیا پرشاد تھے سنہ ۱۸۶۹ء میں منشی پیارے لال آشوب مدیر اور محمد حسین آزاد نائب مدیر مقرر ہوئے ۔ چند ماہ بعد ہی یعنی جولائی سنہ ۱۸۶۹ء میں اس اخبار کو بند کر کے اس کی جگہ اتالیق پنجاب جاری کیا گیا ۔ پہلے یہ ماہ نامہ تھا غالباً سنہ ۱۸۶۹ء میں تنظیم جدید کے بعد اسے پندرہ روزہ کر دیا گیا ۔ (۶۴)

سرکاری اخبار میں صوبہ شمال و مغربی کی تعلیمی حالات کے بارے میں رپورٹیں شائع ہوتی تھیں اس کے علاوہ دوسرے صوبوں اور بیرونی ملک بالخصوص یورپ کی اہم تعلیمی خبریں شائع کی جاتی تھیں ۔ تعلیمی امور کے علاوہ ہندوستان اور یورپ کے شہروں اور خاص طور پر پنجاب کی اہم خبریں دی جاتی تھیں ۔ علمی اور مفید موضوعات پر مضامین بھی شامل رہتے تھے ۔ ماسٹر پیارے لال اور محمد حسین آزاد کی ادارت میں اس رسالہ کا ادبی اور علمی معیار کس قدر اونچا ہو گیا تھا اس کا اندازہ پنجابی اخبار (لاہور) ۲۴ ۔ اگست سنہ ۱۸۶۹ء کے اس تبصرے سے لگایا جا سکتا ہے ۔

" جس آب و رنگ سے یہ اخبار ان کے اہتمام میں جاری رہا ایک عالم نے دیکھا کوئی دنوں جب قلم خاص سے لکھا جاتا تھا کوئی اخبار اس سے لگا نہ کھاتا تھا ۔ مضامین ویسے ہی آبدار مملو از فوائد ہوتے تھے ۔ ایسے ایسے علمی آرٹیکل دیئے جاتے تھے جو اردو میں کبھی شائع نہ ہوتے تھے اور مرغوب ایسے کہ شاید اب تک بھی اخباروں میں اگر ان کی نقل چھپتی تو عجب نہیں ۔ خبریں ویسی ہی نفیس اور دلچسپ ہوتی تھیں کوئی اخبار اس سے ہمسری و برابری مضامین علمی میں نہ کر سکتا تھا زبان اس کی نہایت بارد و ئے معلی تھی کوئی کلمہ اس کا ملاحت و لطف سے خالی نہ تھا (۶۵) ۔

رسالہ انجمن اسلامیہ (کلکتہ) سنہ ۱۸۶۳ء میں جاری ہونے والا یہ رسالہ کلکتہ کی انجمن اسلامی کا ترجمان تھا ۔ جس کا اصلی نام " مجلس مذاکرہ علمیہ " تھا ۔ جناب مولوی عبد اللطیف خاں بہادر نے جو بنگال کی قانونی کونسل کے رکن اور اعزازی مجسٹریٹ تھے ۔ ۲ ۔ اپریل سنہ ۱۸۶۳ء کو اس مجلس کی بناء ڈالی تھی وہی اس کے میر مجلس تھے اس مجلس کے ماہانہ جلسے انہیں کے مکان پر منعقد ہوا کرتے تھے ان جلسوں میں مختلف علمی موضوعات پر تقریریں ہوتی تھیں مقصد یہ تھا کہ مسلمان نوجوانوں میں علوم کا شوق پیدا کیا جائے ۔ مجلس کے بانی عبد اللطیف خاں صاحب اس کے سکریٹری تھے ۔ سر ولیم گرلے صاحب لفٹننٹ گورنر بنگالہ اس کے سرپرست ، قاضی عبد الباری صاحب صدر اور جناب مولوی عباس علی صاحب نائب صدر تھے ۔ اس مجلس کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور اس رسالہ انجمن اسلامیہ میں اسلامی مجلس کے جلسوں کی رودادیں اور اس کے جلسوں میں پڑھے جانے والے مضامین شائع کئے جاتے تھے (۶۶) ۔

بنگال کے مسلمانوں پر اس انجمن کے کارناموں کا بڑا اثر پڑا یہی وجہ ہے کہ سر سید احمد خاں نے جب سائنٹفک سوسائٹی کا قیام عمل میں لایا تو اس کے اغراض و مقاصد کی تشریح کے لئے خاص طور پر کلکتہ گئے اور ۶ ۔ اکتوبر سنہ ۱۸۶۳ء کو اس مجلس میں ایک طویل لکچر فارسی زبان

میں دیا (۶۷) ۔

آئینہ علم (الہ آباد) سنہ ۱۸۶۴ء میں موھن لال نے یہ ماہ نامہ رسالہ الہ آباد سے جاری کیا تھا ۔ اس میں قانونی مضامین کے علاوہ عدالت کے احکام اور نظائر شائع ہوتے تھے ۔ (۶۸)

مخزن القوانین (بنارس) سنہ ۱۸۶۴ء میں یہ رسالہ بنارس کے ضلع رام نگر سے شائع ہوتا تھا ۔ بابو پیارے موہن بنرجی اس کے مہتمم تھے اس میں قانون سے متعلق مضامین ہوتے تھے (۶۹) ۔

گلدستہ شعراء (فتح گڑھ) اسے سنہ ۱۸۶۵ء میں نواب مرزا کلب حسین خاں بہادر نادر نے کیمپ فتح گڑھ سے جاری کیا تھا ۔ منشی شنکر سروپ نجات اس کے مہتمم تھے یہ ماہ نامہ شاعری کا گلدستہ تھا اس میں مختلف شعرا کا کلام شائع ہوتا تھا (۷۰) ۔

گیاونی پتریکا (لاہور) یہ ماہ نامہ رسالہ لاہور سے یکم جون سنہ ۱۸۶۵ء کو جاری ہوا دتاسی نے اس کا نام گیان پرو ینی پتر کا لکھا ہے ۔ پنڈت مکند رام کشمیری اس کے ایڈیٹر تھے ۔ اس میں ایک ساتھ اردو اور ناگری میں مضامین چھاپے جاتے تھے ۔ اس رسالہ میں زیادہ تر علمی ادبی مضامین شائع کئے جاتے تھے اور تصویریں بھی دی جاتی تھیں ۔ اس میں ویدون اور شاستروں کے اشلوک سنسکرت میں دیئے جاتے تھے پھر ان کی تشریح ہندی / اردو میں کی جاتی تھی اس کے علاوہ معروفت و حقائق اور اخلاقی موضوعات پر مضامین بھی دیئے جاتے تھے ۔ (۷۱)

رسالہ انجمن اشاعت مفیدہ، پنجاب / اخبار انجمن پنجاب یہ رسالہ انجمن اشاعت مفیدہ، پنجاب کا ترجمان تھا جو سنہ ۱۸۶۵ء میں جاری ہوا یہ انجمن جنوری سنہ ۱۸۶۵ء میں قائم کی گئی اس کے سرپرست گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل ڈاکٹر ڈبلیو ۔ بی ۔ لائنٹر Dr. W.B.Leitner تھے ۔ محمد حسین آزاد اس انجمن کے سرگرم رکن تھے اور سنہ ۱۸۶۷ء میں اس کے معتمد مقرر ہوئے (۷۲) ۔

علم و ہنر کی ترقی کے علاوہ معاشرے کی اصلاح، فلاح و بہبود کے کام انجمن کے مقاصد میں شامل تھے انجمن کے ہفتہ وار جلسے سکھشا سبھا (لاہور) کی عمارت میں منعقد ہوا کرتے تھے ۔ محمد حسین آزاد نے ان جلسوں میں متعدد لکچر دیئے ۔ اس رسالہ میں انجمن کے ہفتہ وار جلسوں کی روداد یں اور ان میں پڑھے گئے مضامین بھی شائع کئے جاتے تھے ۔ انجمن پنجاب کی عمارت میں جو مناظمے منعقد کئے جاتے تھے اس کی نظمیں بھی اس رسالہ میں شائع کی جاتی تھیں اس کے علاوہ شعراء کا عام کلام اس میں شائع ہوتا تھا ۔ آخر آخر میں یہ رسالہ شعر و شاعری کا گلدستہ بن گیا (۷۳) ۔

ڈاکٹر عبد السلام خورشید کے بموجب یہ رسالہ سنہ ۱۸۷۰ء میں بند ہو گیا (۷۴) ۔ لیکن امداد صابری اپنی کتاب تاریخ صحافت اردو (جلد دوم) میں تردید کرتے ہیں کیونکہ ان کی نظر سے اپریل سنہ ۱۸۸۰ء کا شمارہ بھی گزرا تھا (۷۵) ڈاکٹر عبد السلام خورشید نے لکھا ہے کہ انجمن نے

سنہ ۱۸۷۰ء میں ایک ہفتہ وار ہمائے پنجاب جاری کیا۔ پھر ایک سال بعد سنہ ۱۸۷۱ء میں اس کی جگہ اخبار انجمن پنجاب نے لے لی جو ہفت روزہ اخبار تھا اخبار انجمن پنجاب کے مقاصد یہ تھے۔

"اس اخبار کا اجراء انجمن پنجاب کی طرف سے ہے اس سے مقصد اصلی یہ ہے کہ ہمارے ہم وطن خیالات انگریزی اور منشائے سرکار اور سرگزشت زمانہ سے واقف ہوں اور سرکار کو دیسی لوگوں کے خیالات ظاہر ہوں۔ تاکہ اس سے حاکم اور محکوم دونوں کو فائدہ پہنچے اور بہبودی ملک ہو اس میں اپنے اپنے موقعہ پر مضامین مفصلہ ذیل درج ہوتے ہیں۔

۱۔ آرٹیکل یعنی جو مواد وقتاً فوقتاً غور طلب ہوں ان پر اپنی اور اہل ملک کی رائے۔

۲۔ ایضاً دیگر انگریزی اور دیسی اخباروں کی رائے۔

۳۔ مضامین علمی و بیان عیب و صواب کتب وغیرہ نو تصنیف شدہ۔

۴۔ حالات ممالک غیر اور ذکر رسم و رواج مختلف اقوام یورپ ایشیاء افریقہ امریکہ کا جواب تک اس ملک کے لوگوں کو معلوم نہیں اور حال ان ممالک کی تاریخ قدیم کا۔

۵۔ خطوط اور خبریں۔

۶۔ خلاصہ قوانین و احکامات تبدیلی و تقرری وغیرہ عہدہ داران و ملازمان سرکاری۔

۷۔ اشتہارات مفید عام و مفید خاص (۷۶)،

اخبار انجمن پنجاب میں ملکی اور بین الاقوامی خبروں کے علاوہ مختلف معاشرتی تمدنی اور ادب سے متعلق مضامین شائع کئے جاتے تھے (۷۷)۔

حیدرآباد (دکن) ---- ثقافتی و لسانی مطالعہ

صحافت کا تعلق کسی قوم اور ملک کی پوری ہئیت اجتماعی سے ہوتا ہے۔ حیدرآباد کی علمی و ادبی صحافت کے آغاز کا جائزہ لینے کے لیے اس ریاست کی سماجی، سیاسی اور تہذیبی زندگی کا سرسری مطالعہ بھی ناگزیر ہے۔ یوں تو حیدرآباد کی تاریخ کا تجزیہ چودھویں صدی عیسوی سے ہی ہوتا ہے لیکن صحافت اور ذرائع ابلاغ اور نشر و اشاعت کے وسائل کا جدید تصور حکومت آصفیہ کے قیام کے بعد ہی وجود میں آیا۔

حکومت آصفیہ کا قیام: حکومت آصفیہ کا باضابطہ قیام ۱۱ اکتوبر سنہ ۱۷۲۴ء کو عمل میں آیا۔ جب شکر کھیڑ کی جنگ کے بعد محمد شاہ نے نظام الملک کو آصف جاہ کا خطاب اور نو ہزاری منصب عطا کیا اور دکن میں ان کی صوبیداری کو مستقل حیثیت حاصل ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ سلطنت دہلی میں وکیل کی حیثیت سے ان کا عہدہ بھی برقرار رہا۔ (۷۸) نظام الملک عملاً اس صوبہ کے بااقتدار حکمران تھے اگرچہ انہوں نے اپنی خود مختاری کا اعلان نہیں کیا۔

صوبہ دکن کا قیام اورنگ زیب کی فتوحات کے بعد عمل میں آیا تھا۔ دراصل یہ صوبہ چھ ریاستوں سے مل کر بنا تھا۔ یہ چھ مختلف تہذیبی اکائیاں تھیں جن میں کچھ عناصر مشترک تھے۔ صوبہ دکن کے قیام کے بعد ان مختلف تہذیبوں میں امتزاج کا عمل شروع ہوا۔

سلطنت آصفیہ دکن میں مغلیہ سلطنت کی نمائندہ تھی اور جانشین بھی۔ پہلے اس کا پایہ تخت اورنگ آباد تھا۔ اورنگ زیب کے تسخیر دکن کے بعد دکن پر مغلیہ تہذیب کے اثرات پڑنے شروع ہوئے تھے۔ آصف جاہی دور کے اوائل میں یہ اثرات زیادہ جڑ پکڑنے لگے۔ لیکن حیدرآباد میں دلی کی بہ نسبت تہذیبی تغیرات کی نوعیت الگ تھی۔ یہ علاقہ اس ترقی یافتہ تہذیب کا مرکز رہ چکا تھا جسے قطب شاہوں نے مسلسل سنہ ۱۵۱۲ء سے سنہ ۱۶۸۷ء تک سینچا اور پروان چڑھایا تھا۔ یہاں کا تمدن اتنا جاندار تھا اور اس کی جڑیں یہاں کی سماجی زندگی میں اس حد تک پیوست تھیں کہ اس پر مغلیہ تمدن پوری طرح غالب نہیں آسکتا تھا۔ اسے مقامی تہذیب سے سمجھوتہ کرنا پڑا۔ اس طرح قطب شاہی اور مغلیہ تہذیب کی آمیزش سے یہاں ایک نئی تہذیب نشو ونما پانے لگی۔

اٹھارویں صدی کے چھٹی دہائی سے سلطنت آصفیہ پر انگریزوں کا اثر بڑھنے لگا یہاں تک کہ اس کی آزادی اور خود مختاری برائے نام رہ گئی۔ سیاسی آزادی کے محدود ہونے کا اثر تہذیبی اقدار پر بھی پڑا اور انگریزوں کے زیر اقتدار علاقوں کی طرح یہاں بھی مغربی تہذیب جڑ پکڑنے لگی۔ ایک طرف انگریزی زبان اور مغربی علوم کی تعلیم عام ہونے لگی دوسری طرف انگریزی حکومت کی تقلید کرتے ہوئے ملکی نظم ونسق کے تمام شعبوں کی تشکیل جدید کی جانے لگی اس طرح حیدرآباد میں ایک نئی تہذیب کے خدو خال ابھرنے لگے جس کے پس منظر میں قطب شاہی اور مغلیہ تہذیب کی جڑیں تھیں مگر جس کے برگ و بار پر انگریزی تہذیب جدید کی بھی چھاپ تھی۔

کسی بھی تمدنی ڈھانچے کی بنیادیں معاشی نظام پر استوار ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں انگریزوں کے برسر اقتدار آنے کے بعد بظاہر جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ ہو گیا لیکن اس کی جگہ سرمایہ دارانہ نظام نہیں لے سکا اس کی وجہ یہ ہے کہ انگریز نہیں چاہتے تھے کہ ہندوستان میں صنعت و حرفت کو فروغ ہو، وہ اسے ایک زرعی ملک باقی رکھنا چاہتے تھے تاکہ یہاں سے سستے داموں میں خام پیداوار حاصل کریں اور اپنے ملک انگلستان کے کارخانوں میں بنی ہوئی مصنوعات یہاں لاکر فروخت کریں۔ حیدرآباد تو ایک دیسی ریاست تھی جہاں بادشاہت اور جاگیردارانہ نظام کی کارفرمائی تھی۔ ابتدائی سلاطین نے انگریزوں کی سامراجی پالیسی کی مقاومت کی کوشش کی۔ آصف جاہ رابع ناصر الدولہ کو صحیح معنوں میں سودیشی تحریک کا بانی کہا جاسکتا ہے۔ انہوں نے یہ احکام جاری کئے تھے کہ ریاست میں انگلستان کی بنی ہوئی چیزیں استعمال نہ کی جائیں (۷۹)۔ اس کی وجہ سے ملک میں دستکاری کو فروغ ہوا۔ لیکن پہلی جنگ عظیم سے قبل بڑے پیمانے کی کوئی صنعت یہاں قائم نہ ہوسکی۔ ناصر الدولہ کو برار کے معاملہ میں شکست ہو جانے کے بعد ریاست کی آزادی اور خود مختاری کا رہا سہا بھرم بھی ختم ہو گیا (۸۰)

ریاست کا ریذیڈنٹ، انگریزوں کے مفادات (بشمول معاشی مفادات) کی دیکھ بھال

کرتا تھا۔ ریاست کے مدار المہام بادشاہ سے زیادہ انگریز حکومت کے وفادار ہوتے تھے ایسے ماحول میں یہ ممکن نہ تھا کہ ریاست میں صنعتی ترقی ہو۔ یہی وہ ماحول تھا جس میں نظم و نسق کے مختلف شعبوں میں انگریزوں کی مرضی اور پالیسی کے مطابق تبدیلیاں لائی جانے لگیں۔ مقصد یہ تھا کہ مغلیہ سلطنت کے جانشین کی حیثیت سے اس ریاست کی انفرادیت باقی نہ رہے اور ہر شعبے میں انگریز سرکار کی پیروی کی جائے۔

ریاست کے عوام دوہری غلامی کا شکار تھے لیکن انہیں اس مغالطہ میں بتلار کھا گیا تھا کہ وہ آزاد ہیں کیوں کہ وہ ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے باشندے ہیں۔ ایک طویل مدت تک یہاں کے عوام اسی گمراہی میں بتلار ہے اور ان میں صحیح سیاسی شعور پیدا نہ ہو سکا۔ اس کا ایک اہم سبب تعلیم کی کمی بھی تھا۔ شمس الامرا ثانی نے محدود پیمانے پر مغربی علوم کو فروغ دینے اور تعلیم کو پھیلانے کی کوشش ضرور کی تھی۔ اس وقت ریاست میں مدارس کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ شمس الامرا امیر کبیر نے سنہ ۱۲۵۸ھ م سنہ ۱۸۴۳ء میں "مدرسہ فخریہ" قائم کیا تھا (۸۱) جہاں مغربی علوم کی تعلیم کا انتظام تھا اور ان کے دار الترجمہ کی کتابیں شریک نصاب تھیں۔ بعد میں کچھ اور مدارس میں بھی یہی نصاب رائج ہوا لیکن اصل ضرورت انگریزی زبان سے آگہی تھی جس کے بعد ہی کوئی طالب علم اس قابل بن سکتا تھا کہ انگریزی کتابوں اور رسالوں کے براہ راست مطالعہ سے اپنی ذہنی افق کو وسیع کر سکے۔ ریاست کی سیاسی زندگی امرا کی سازشوں اور ملکی اور غیر ملکی مسئلہ تک محدود تھی اور اس کی وجہ سے کسی قسم کی سیاسی بیداری کا کوئی تصور نہ تھا جس کے نتیجے کے طور پر انگریزی کی تعلیم کا مسئلہ بھی پس منظر میں چلا گیا تھا۔

ملکی نظم و نسق مغلوں کے رائج کردہ اصولوں کے مطابق چلایا جاتا رہا۔ قوانین بھی مغلیہ دور کے رائج تھے اور عدلیہ کا نظام بھی قدیم تھا۔

کم و بیش یہی صورت شمالی ہند میں بھی تھی۔ غدر کے بعد جب انگریزوں کی حکومت مستحکم ہوئی تو انہوں نے مغلیہ نظام کی جگہ رفتہ رفتہ جدید نظام رائج کیا اور حکومت انگلستان کے قوانین اور نظم و نسق کے طریقوں کو تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ اپنایا جانے لگا۔ ریاست حیدرآباد میں بھی اسی کی پیروی کی گئی چنانچہ انیسویں صدی کے اواخر سے ریاستی امور میں نمایاں تبدیلیاں شروع ہوئیں۔ نئے محکمے قائم کیے جانے لگے اور موجودہ محکموں کی جدید تنظیم کی جانے لگی۔ مثلاً برطانوی ہند میں سنہ ۱۸۷۲ء میں پہلی بار مردم شماری ہوئی اس کی تقلید میں ۱۱ محرم ۱۲۹۸ھ م سنہ ۱۸۸۰ء میں ممالک محروسہ میں مردم شماری کا آغاز ہوا۔ (۸۲)

سنہ ۱۸۷۵ء میں ایک مجلس قانون (لا کمیٹی) قائم ہوئی تا کہ ملک کے لیے فوجداری اور دیوانی معاملات کے متعلق گشتیاں جاری کرے (۸۳)۔ مختلف ضلعوں میں عدالتیں قائم کی گئیں اور باضابطہ نظماء عدالت کا تقرر عمل میں آیا جب کہ اس سے قبل عہدہ داران مال ہی عدالتی فرائض

انجام دیتے تھے ۔ (۸۴)

لیکن یہ تبدیلی صرف چند اضلاع تک ہی محدود رہی ۔ عدلیہ کو کلیتہ عاملہ سے علاحدہ نہیں کیا گیا ۔ عہدہ داران مال سے عدالتی اختیارات سنہ ۱۹۲۱ء میں علاحدہ کر دئے گئے ۔ (۸۵)

سنہ ۱۲۸۳ھ میں ممالک محروسہ سرکار عالی کو پانچ صوبوں اور سترہ ضلعوں میں تقسیم کیا گیا ۔ ہر ایک صوبہ پر ایک صدر تعلقدار (کمشنر) ہوتا تھا اور ہر ایک ضلع پر ایک اول تعلقدار (کلکٹر) جس کے تحت دو یا تین تعلقدار ہوتے تھے اور ہر ایک تعلقہ پر ایک ایک تحصیلدار ہوتا تھا صیغہ جوڈیشیل ، صیغہ تعمیرات ، صیغہ طبابت اور محکمہ صفائی بھی اسی سال قائم کئے گئے (۸۶) ۔ ریاست میں پہلے پولیس کا باقاعدہ وجود نہ تھا باضابطہ ضلع بندی کے بعد رجب سنہ ۱۲۸۶ھ میں پولیس کے محکمہ کا قیام عمل میں آیا ۔ (۸۷) پہلے تعلیم کا صیغہ محکمہ مالگذاری کے تحت تھا لیکن سنہ ۱۲۷۶ھ میں سررشتہ تعلیمات کا قیام عمل میں آیا (۸۸) ۔ آصف جاہ سادس کے دور میں برطانوی ہند کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ملکی نظم و نسق میں بنیادی تبدیلیاں کی گئیں لیکن تبدیلیوں کی رفتار ابتدأ بہت سست رہی ۔

تعلیم کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ ایک نیا تمدنی شعور ابھرنے لگا ۔ اس شعور کو پیدا کرنے میں کسی حد تک بیرون ریاست تعلیمی ، اصلاحی اور سیاسی تحریکات کے زیر اثر رونما ہونے والے سماجی تغیرات اور جنگ عظیم سے قبل اور بعد کے بین الاقوامی حالات کا بھی اثر رہا ہے اور سب سے بڑھ کر نظام سابع کی شخصیت کی کار فرمائی رہی ہے جنہوں نے ایک ترقی یافتہ خوشحال مملکت کا خواب دیکھا تھا اور تمام ذہنی اور مادی وسائل کو کام میں لاکر اس خواب کو تعبیر کی شکل دی ۔ اپنی تخت نشینی (۲۹ اگست سنہ ۱۹۱۱ء) کے فوراً بعد ہی انہوں نے اپنی ساری توجہ ریاست کی ہمہ جہتی ترقی پر مبذول کر دی جس کی وجہ سے چند ہی برسوں میں یہ ریاست ایک عصری مملکت بن گئی ۔ آصف سابع صحیح معنوں میں ایک مدبر سیاست دان تھے ۔ وہ ملکی اور بین الاقوامی حالات سے اچھی طرح آگاہ تھے انہیں جمہوری دور کے عصری تقاضوں کا پورا احساس تھا چنانچہ انہوں نے ایک اہم کام یہ کیا کہ اقتدار کو اپنی ذات میں مرکوز رکھنے کے بجائے باب حکومت کا قیام عمل میں لاکر اسے وزرا کی کونسل کے سپرد کر دیا اس کے ساتھ ہی نظم و نسق کے تمام شعبوں کو جدید خطوط پر لانے کا کام شروع کیا اور کئی نئے محکمے قائم کئے جن میں سررشتہ صنعت و حرفت ، سررشتہ زراعت ، سررشتہ شہری منصوبہ بندی ، محکمہ سیاسیات ، سررشتہ معلومات عامہ ، سررشتہ سمکیات ، محکمہ لیبر اور فائیر سرویس وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ ان سررشتوں کی فہرست سے ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قومی ترقی میں زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں رہ گیا تھا جس کی منظم ترقی کی طرف توجہ نہ دی گئی ہو ۔ نظام سابع کو عصری زندگی کے تقاضوں کا پورا احساس تھا وہ اپنی ریاست کو ایک مثالی مملکت بنانا چاہتے تھے ۔ اگر ایک ایک شعبہ کو لے کر تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ثابت ہوگی کہ ریاست

حیدرآباد کئی اعتبار سے برطانوی ہند پر سبقت رکھتی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس ریاست میں قدیم تمدنی روایات کا تسلسل قائم تھا جب کہ برطانوی ہند کے زیر اقتدار علاقوں میں قدیم تمدنی روایات کا نام و نشاں مٹانے کی شعوری کوشش ہو رہی تھی۔ حیدرآباد میں قدیم اور جدید کے امتزاج سے جس تمدن کی تشکیل ہوئی تھی وہ آپ اپنی مثال تھا۔ تعلیم کے فروغ کے سلسلے میں سب سے پہلے شمس الامرا نے مغربی طرز تعلیم کو رواج دینے کی کوشش کی۔ ایک دیسی ریاست میں رہ کر انہوں نے یہ کام اس وقت شروع کیا جب کہ مسلمانوں کی تعلیمی اور اصلاحی تحریکات وجود میں نہیں آئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمس الامرائی یہ تحریک وقت سے بہت پہلے شروع ہوئی تھی اور اس کے لیے زمین پوری طرح ہموار نہ تھی اس لیے اس کے خاطر خواہ نتائج نہ نکلے۔ اس وقت اردو کو سرکاری زبان کا مرتبہ حاصل نہیں تھا اور تمدنی زبان فارسی تھی۔ ایسے ماحول میں اردو میں علمی کتابوں کی اشاعت کا کام قبل از وقت تھا جب کہ ریاست سے باہر بھی ان سے استفادہ کی کوئی صورت نہیں تھی۔ سر سید احمد خاں اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے ابتدائی خیال پر قائم رہتے تو ممکن تھا کہ شمس الامرا کے ان کارناموں کی نہ صرف پذیرائی ہوتی بلکہ انہی خطوط پر اس کام کو آگے بڑھایا جاتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جدید تعلیم کی ضرورت اور اہمیت کو جس شدت کے ساتھ برطانوی ہند میں محسوس کیا گیا وہ احساس ریاست حیدرآباد میں عام نہیں تھا۔ برطانوی ہند میں تعلیمی تحریک اصلاحی تحریکوں سے مربوط تھی جب کہ ریاست حیدرآباد میں بادشاہت قائم تھی اور غدر کے بعد بھی یہاں وہ حالات پیدا نہیں ہوئے تھے جو پستی اور زوال کا احساس دلاتے اس لیے یہاں فوری طور پر کسی اصلاحی تحریک کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ مگر پھر بھی علی گڑھ تحریک کے اثرات بدیر سہی یہاں بھی اپنا رنگ دکھانے لگے۔ اس تحریک کے رہنماؤں کا مالیہ کے سلسلے میں ریاست کے اکابرین سے ربط قائم تھا اس کے علاوہ اعلیٰ تعلیم کے شائقین، جن میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو شمالی ہند سے یہاں آکر بس گئے تھے اپنے بچوں کو علی گڑھ بھیج کر تعلیم دلوانے لگے۔ رفتہ رفتہ ایک ایسا ذہنی ماحول پیدا ہوا جس سے تعلیم کو عام کرنے اور تعلیمی نظام کو بہتر بنانے کی طرف ارباب اقتدار کی بھی توجہ مبذول ہوئی۔ آصف جاہ سادس (جن کی تعلیم و تربیت میں انگریز حکام نے خاص دلچسپی لی تھی) علوم فنون کی اہمیت سے آگاہ تھے۔ حکومتی اختیارات حاصل کرنے کے بعد انہوں نے ۱۶ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۲ھ م سنہ ۱۸۸۴ء میں ایک فرمان جاری کیا جس میں اشاعت تعلیم کی اہمیت پر زور دیا (۸۹)۔ انہوں نے اعلان کیا۔

"میں رعایا کی پر امن زندگی و خوش حالی کا متمنی ہوں۔ نیز رعایا کی مالی ترقی، اشاعت علوم و فنون کا خواہاں ہوں تاکہ عوام کی علمی و ذہنی ترقی سے حکومت ترقی کے مدارج طے کر سکے۔" (۹۰) چنانچہ ان کے حکم پر سررشتہ تعلیمات کی نئی تنظیم عمل میں آئی۔ نظامت تعلیمات و معتمد تعلیمات کو الگ الگ کر دیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ ہر شعبے کے مستقر پر ایک ہائی اسکول اور جہاں دس ہزار کی

آبادی ہو مقامی زبان کے اسکول (۹۱) اور قابل لحاظ آبادی رکھنے والے ہر موضع میں ایک تحتانیہ مدرسہ قائم کیا جائے ۔ آصف جاہ سادس کی اس تعلیمی پالیسی کو نظام سابع نے اور وسعت دی ۔ مسٹر میہو مشیر تعلیم کے ذمے یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ توسیع تعلیم کے سلسلے میں تجاویز پیش کریں ۔ مسٹر میہیو نے جو رپورٹ پیش کی اس میں تحتانوی تعلیم کی توسیع اور تحتانوی درجہ میں مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے علاوہ پست اقوام کی تعلیم، تعلیم نسواں، ورزش جسمانی اور علوم مشرقیہ کے سلسلے میں اہم تجاویز شامل تھیں ۔ ان تجاویز پر فوراً عمل کیا گیا جس کے نتیجہ میں دو چار برسوں کے اندر ہی ریاست کے طول و عرض میں بے شمار مدرسے قائم ہوگئے ۔ صنعتی تعلیم کی ترقی پر خاص توجہ کی گئی اساتذہ کی تربیت کے مراکز قائم کئے گئے ۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں تعلیم بالغان کی تحریک کا آغاز ہوا اور ۱۹۲۶ء میں تعلیم بالغان کا آغاز ہوا (۹۲) اور دو سال کے اندر یہ تحریک پوری ریاست میں پھیل گئی اور بالغوں کی تعلیم کے کئی مدارس قائم ہوگئے ۔ نابینا اور گونگے بچوں کی تعلیم کے لیے بھی ایک بڑا مدرسہ قائم کیا گیا ۔ اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہے کہ نظام سابع کی تخت نشینی کے بعد ایک چوتھائی صدی میں مدارس اور طالب علموں کی تعداد میں اوسطاً پانچ گنا اضافہ ہو گیا ۔ نظام سابع کی اشاعت تعلیم سے خصوصی دلچسپی کا اندازہ اس امر سے بھی ہو سکتا ہے کہ ریاستی بجٹ میں تعلیم کے لیے جو رقم مختص کی گئی تھی وہ آبادی کے تناسب کے اعتبار سے برطانوی ہند کے تعلیمی بجٹ سے ڈھائی گنا زیادہ تھی (۹۳) ۔ تعلیم کے فروغ سے حکومت کے علاوہ عوام نے بھی پوری دلچسپی کا اظہار کیا ۔ اس دلچسپی کا ایک مظہر حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس تھی جس کا قیام سنہ ۱۳۳۲ھ م سنہ ۱۹۱۴ء (۹۴) میں عمل میں آیا ۔ اس کے پہلے اجلاس ہی میں اردو ذریعہ تعلیم کی یونیورسٹی کے قیام کی تجویز منظور ہوئی اور حضور نظام کو ایک عرضداشت پیش کی گئی ۔ نظام سابع نے قیام جامعہ عثمانیہ کی فی الفور اجازت دے دی اور سنہ ۱۹۱۸ء میں ایک منشور خسروی صادر ہوا جس کے نتیجہ میں ۷ اگست ۱۹۱۹ء کو "جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا ۔ اردو میں نصابی کتابوں کی فراہمی کے لیے سررشتہ تعلیم و ترجمہ قائم کیا گیا اور اس کے ساتھ مجلس وضع اصطلاحات تشکیل دی گئی ۔ اس طرح اشاعت تعلیم کی تحریک تکمیل کے اعلیٰ مدارج تک پہنچ گئی ۔

تعلیم کی توسیع کے ساتھ مطالعہ کا ذوق بھی عام ہوا ۔ جگہ جگہ دار المطالعہ اور کتب خانے قائم ہوئے ۔ حیدرآباد کے شاہی کتب خانے کو وسعت اور ترقی دے کر عوام کے استفادہ کے لیے ایک نئی عمارت میں منتقل کیا گیا اور ہزارہا ناظرین اس کتب خانہ سے استفادہ کرنے لگے ۔

علمی و ادبی تحقیق اور تدوین کی طرف بھی توجہ ہوئی اور اس کام کو فروغ دینے کے لیے مختلف علمی و ادبی ادارے سرگرم عمل ہوئے جس میں انجمن ترقی اردو، ادارہ ادبیات اردو اور سالار جنگ مخطوطات کمیٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

اشاعت تعلیم کے ساتھ اردو زبان و ادب کی ترقی کا ایک نیا باب کھل گیا ۔ یوں تو شمس

الامرا کی مساعی سے اردو کو محدود پیمانہ پر ذریعہ تعلیم کے طور پر استعمال کیا جانے لگا تھا اور بعض مدارس مدرسہ فخریہ، دار العلوم وغیرہ میں مغربی علوم کی تعلیم اردو میں دی جارہی تھی ۔ لیکن اردو کو سرکاری زبان قرار دینے کے بعد بیشتر سرکاری مدارس میں تحتانوی مدارس سے لے کر اعلیٰ سطح تک اردو ذریعہ تعلیم بن گئی ۔ دوسری طرف نظم و نسق میں ہر جگہ اردو کا استعمال ہونے لگا اور رفتہ رفتہ ریاست کی تمدنی زندگی کے تمام شعبوں میں اردو ہی اظہار و ابلاغ کا ذریعہ بن گئی ۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ریاست کی ہمہ جہتی ترقی کے ساتھ جو نئی فضا پروان چڑھی اسے، ہم اردو کلچر کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں ۔

ریاست میں اردو زبان کے اس ہمہ گیر پھیلاؤ کا نتیجہ تھا کہ یہاں انیسویں صدی کے وسط ہی میں اردو صحافت کی داغ بیل پڑ گئی ۔ حیدرآباد میں اردو صحافت کا آغاز جدید علوم کی اشاعت کی تحریک کے ساتھ ہوا تھا ۔ حیدرآباد کا پہلا اردو رسالہ " رسالہ طبابت حیدرآباد " ہے جو ریاست میں قائم کردہ پہلے میڈیکل اسکول کا ترجمان تھا ۔ یہ ادارہ مغربی طب کی تعلیم اور تحقیق کے لیے کام کیا کرتا تھا اس طرح مختلف کالجوں اور تعلیمی اداروں کے قیام کے ساتھ اردو رسالے بھی شائع کئے جانے لگے تھے جن میں علمی و ادبی موضوعات پر اساتذہ اور طلبا کے مضامین شائع ہوتے تھے ۔

دکن کو اردو شعروادب کا پہلا گہوارہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ بہمنی سلطنت کے قیام کے بعد سے عہد آصفی تک دکن کی ریاستوں کے سلاطین نے اردو زبان و ادب کی خاصی سرپرستی کی جب کہ شمالی ہندوستان میں صدیوں تک یہ محض بول چال کی زبان بنی رہی جسے سلاطین اور امرا کی سرپرستی سے حاصل نہیں تھی۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ شمالی ہندوستان میں سرکاری علمی اور تہذیبی زبان کی حیثیت سے فارسی کا چلن عام تھا۔ ہر پڑھا لکھا شخص فارسی جانتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگان دین نے بھی مذہب کی اشاعت کا کام فارسی میں انجام دیا۔ دکن میں صورت حال مختلف تھی۔ گجرات اور مرہٹواڑے کے استثنا کے ساتھ (جن کو مورخین نے دکن میں شامل کیا ہے) باقی تمام اقطاع دکن میں دڑاوڑی زبانیں رائج تھیں۔ یہاں فارسی کا اثر و نفوذ کم تھا لیکن اردو زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے بزرگان دین نے اپنے تبلیغی کام میں بھی اسی زبان سے مدد لی جس کے نتیجہ میں ابتدا میں بہت سا مذہبی ادب تخلیق ہوا۔ یہاں کے سلاطین نے بھی کچھ تو اردو کی مقبولیت کے پیش نظر اور کچھ مغلیہ سلطنت کے مقابلہ میں اپنی انفرادیت کو نمایاں کرنے کے لیے فارسی کے مقابلہ میں اردو زبان و ادب کی زیادہ سرپرستی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو یہاں کی تہذیبی زبان بن گئی۔ مغلوں کے برسر اقتدار آنے کے بعد یہ زبان شاہی سرپرستی سے محروم ہو گئی۔ ابتدائی سلاطین آصفیہ سلطنت مغلیہ کے صوبیدار تھے اور اس حیثیت سے انہوں نے اپنی ریاست میں فارسی کو سرکاری زبان کی حیثیت دی۔ ابتدائی سلاطین آصفیہ خانہ جنگیوں اور سیاسی سازشوں میں گھرے رہے اس لیے وہ فنون لطیفہ شعرو ادب اور دوسرے علوم کی ترقی کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکے۔ آصف جاہ ثالث کے بعد جب ریاست میں داخلی استحکام پیدا ہو گیا اور انگریزوں کے مطیع ہو جانے کی وجہ سے خارجی امور سے سروکار نہیں رہا تو یہاں کے سلاطین و امرا کو اتنی فراغت و فرصت مل گئی کہ وہ شعرو ادب فنون لطیفہ اور تعمیری کاموں سے دلچسپی لینے لگے۔ شاہان اودھ کی طرح تمام آصف جاہی سلاطین کو شاعری سے لگاؤ رہا۔

آصف جاہ اول: آصف جاہ اول فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ عبدالقادر بیدل سے تلمذ

تھا۔ آپ ایک فقیر منش انسان تھے تصوف سے بے حد لگاؤ تھا۔ فارسی میں دو دیوان مرتب کئے۔ ابتدا میں شاکر تخلص کرتے تھے بعد میں آصف تخلص اختیار کیا۔ بعض تذکروں کی اردو شاعری کے نمونے مل جاتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔

ان کا زمانہ زیادہ تر جنگوں میں اور سلطنت کے داخلی اور خارجی معاملات کو سلجھانے میں گزرا۔ اس کے باوجود وہ علم و ادب کے لیے بھی وقت نکال لیتے تھے۔ علماء مشائخین و شعرا کے قدردان تھے۔ خوافی خان نے خزانہ عامرہ میں تحریر کیا ہے کہ ان کی قدردانی کی شہرہ سن کر بیرون ہند سے بہت سے عالم اور مشائخ دکن میں آکر بس گئے تھے (۹۵)۔ ان کے عہد میں اورنگ آباد اردو شاعری کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ولی کے اثر سے یہاں غزل گوئی کو فروغ ہوا۔ آصف جاہ اول کے دور میں اورنگ آباد اور برہانپور میں شاہ سراج، مرزا داؤد، غضنفر، درگاہ قلی خاں درگاہ، عارف الدین عاجز، ابدال، اعظم، عاشق علی خان ایمان، نور محمد عاصی وغیرہ داد سخن دے رہے تھے۔

اورنگ آباد میں غلام علی آزاد بلگرامی کی شخصیت مینارہ نور بنی ہوئی تھی۔ وہ بہت بڑے عالم، عربی اور فارسی کے ماہر اور ایک بڑے مورخ ہونے کے علاوہ فارسی زبان کے شاعر بھی تھے۔ اس دور کے بہت سے عالم مورخ اور شاعر ان سے فیضیاب ہوئے۔ اس زمانے میں اورنگ آباد بزرگان دین اور صوفیائے کرام کا مرجع بنا ہوا تھا۔ جن میں حضرت شیخ نظام الدین رح، حضرت شاہ عبدالرحمن چشتی رح، شاہ سلیمان رح، شاہ نور اللہ رح، شاہ محرم رح، شاہ فخرالدین ترمذی رح وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اورنگ آباد اور برہانپور کے علاوہ ریاست کے دوسرے شہروں میں بھی بیسیوں شاعر موجود تھے۔ مثلا محمد ماہ محرم کا تعلق برار سے تھا وجدی کا دھارواڑ سے روحی کا حیدرآباد سے۔

آصف جاہی دور سے قبل دکن میں بالخصوص گولکنڈہ اور بیجاپور جیسے مراکز میں مشاعروں کا رواج نہیں تھا۔ اورنگ آباد میں غزل کے فروغ کی وجہ سے اور کچھ دہلی کے اثر سے مشاعروں کی گرم بازاری تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دہلی میں فارسی کی جگہ رفتہ رفتہ اردو شاعری کو فروغ ہو رہا تھا اور فارسی مشاعروں کے مقابلے میں مراختے منعقد ہو رہے تھے۔ اورنگ آباد میں فارسی مشاعروں کی کوئی روایت موجود نہیں تھی۔ یہاں مشاعروں کی ابتدا اردو سے ہوئی۔

تذکروں میں علمی و ادبی جلسوں اور مشاعروں کا ذکر ملتا ہے جن میں غلام علی آزاد، موسوی خاں جرات، عبدالقادر سامی، سراج، داؤد اور بہت سے علما و شعرا شریک ہوتے تھے۔ مصنف تذکرہ شعرائے دکن نے سراج کے ذکر میں لکھا ہے "خوب مشاعرے و جلسے حریفانہ ہم مشرب کے ہوتے تھے آپ باوجود ایک گوشہ نشینی، بزرگوں کے اعراس و شعرا کے مشاعروں میں ضرور شریک ہوتے تھے۔ اگرچہ درویشی کے بعد شعر گوئی ترک کر دی تھی مگر کبھی کبھی یارانہ (کذا) جلسہ کے اصرار سے کہہ دیتے تھے۔ شعرا کے کلام کو نہایت شوق سے سنتے تھے۔ غور و فکر کی

ترازو میں خوب تولتے تھے ۔ نقاد سخن تھے منصف مزاج و حق پسند تھے ۔ سخن سنجیدہ و کلام پسندیدہ کی داد دیتے تھے ۔ شعرا کے دلوں کو باغ باغ کر دیتے تھے (۹۶)

عاجز کے بیان میں "گل رعنا" کے حوالے سے لکھا ہے کہ مشاعرے میں شعر کو باآواز بلند پڑھتا تھا اہل مشاعرہ اشعار عاجز کو سن کر اس قدر واہ واہ کہتے تھے کہ مکان کے در و دیوار سے صدا گونجتی تھی (۹۷) ۔ اس طرح داؤد کے بارے میں لکھا ہے کہ "آپ غزل کو مشاعرے میں خوش الحانی سے پڑھتے تھے آپ کی (کذا) لحن داؤدی سے مشاعروں میں ایک لطف و مزاج ہوتا تھا یاران ہم صحبت کو سرور ہوتا تھا ۔ (۹۸) " ۔ قزلباش خان امید ، مبارز خاں کے ہمراہ حیدرآباد آئے تھے معرکہ جنگ میں آصف جاہی فوج میں قید ہوئے ۔ اسیری کی حالت میں ایک غزل آصف جاہ کے خدمت میں بھیجی ۔ آصف جاہ نے امید کو نہ صرف رہا کر دیا بلکہ سابق خدمت اور جاگیر بھی عطا کر دی ۔ سنہ ۱۱۵۰ھ م سنہ ۱۷۳۷ء تک وہ حیدرآباد میں مقیم رہے ان کے مکان پر عالموں اور شاعروں کا مجمع رہتا تھا آئے دن مشاعرے اور سماع کے جلسے منعقد ہوتے رہتے تھے ۔ (۹۹)

یہاں کے مشاعروں اور مجالس میں میر عبدالولی عزلت کی شرکت کا ذکر ملتا ہے اس شہر میں آپ کی ذات مرجع خلائق تھی عبدالجبار ملکاپوری نے لکھا ہے کہ "ہر قسم کے لوگ آپ کی خدمت میں فیض یاب ہوتے تھے ۔ جو طلبا ہوتے تھے علم و فن حاصل کرتے تھے جو شائق موسیقی ہوتے تھے گانے کے اصول و فروغ میں لیاقت پیدا کرتے تھے جو شاعری کے طالب تھے وہ شعر و شاعری میں مزہ پاتے تھے ۔ جو درویش اور تصوف کے جویا تھے وہ بھی مستفیض ہوتے تھے جو مصوری کے شائق تھے وہ بھی آپ کی خدمت میں تصویر کشی سیکھتے تھے آپ مشاعرے میں جب غزل شروع کرتے تب سامعین آپ کی خوش تقریر سے تازہ دل ہوتے تھے ۔ آپ مجمع شعرا میں گویا ستاروں میں چاند اور حاضرین مجلس میں مثل شمع تھے ۔ (۱۰۰)

ناصر جنگ شہید ناصر جنگ شہید کو بھی علوم و فنون سے خاص لگاؤ تھا ۔ عربی ، فارسی اور سنسکرت میں مہارت رکھتے تھے ۔ موسیقی ، مصوری اور خطاطی میں کمال حاصل تھا (۱۰۱) ۔ وہ خود بھی اچھے شاعر تھے فارسی میں تین دیوان مکمل کئے ۔ صائب کے پیرو تھے اور اس کے رنگ کو اس کمال کے ساتھ اپنایا تھا کہ ان کے اشعار پر صائب کے کلام کا دھوکہ ہوتا ہے ۔ اردو کے بھی اچھے شاعر تھے لیکن کسی دیوان کا پتہ نہیں چلتا ۔ تذکروں میں چیدہ چیدہ اشعار مل جاتے ہیں ۔ آزاد بلگرامی کے بڑے مداح اور سرپرست تھے سنہ ۱۱۵۸ھ م سنہ ۱۷۴۵ء میں جب آصف جاہ نے انہیں اورنگ آباد میں اپنا نائب مقرر کیا اس وقت انہوں نے آزاد کو اپنا مصاحب اور استاد مقرر کیا اور جب تک وہ زندہ رہے یہ سلسلہ جاری رہا ۔ آزاد نے خزانہ عامرہ میں ان کی علمی ادبی محفلوں کا حال تفصیل سے لکھا ہے جن میں اس وقت کے بڑے بڑے علما و شعرا شریک ہوتے تھے ۔ ناصر جنگ کا دور حکومت (۱۷۴۸ء تا سنہ ۱۷۵۰ء) بہت مختصر رہا ۔ مظفر جنگ کی صوبیداری بھی چند

روز رہی اس کے بعد صلابت جنگ ان کے جانشین ہوئے اور تقریباً گیارہ برس تک برسراقتدار رہے ۔ انہیں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی باہمی رسہ کشی اور مرہٹوں کی لوٹ مار کی وجہ سے اتنی مہلت نہیں ملی کہ وہ سکون کے ساتھ حکومت کرتے ۔ فرانسیسیوں کی دوستی انہیں مہنگی پڑی ۔ انگریزوں نے شاہ عالم سے سازش کر کے انہیں صوبیداری سے بیدخل کروادیا اور میر نظام علی خاں ان کے جانشین بنے اور آصف جاہ ثانی کہلائے ۔ ان کا بیالیس سالہ دور حکمرانی بہت ہی ہنگامہ خیز رہا اور وہ زیادہ تر جنگوں میں مصروف رہے ۔ ان ہی کے عہد میں اورنگ آباد کے بجائے حیدرآباد پایہ تخت قرار پایا (۱۰۲) ۔ امرا و وزرا کے علاوہ کئی علما، شعرا بھی حیدرآباد آگئے ۔

آصف جاہ ثانی کے دور میں ریاستی دیوان صمصام الدولہ کی وجہ سے شہر حیدرآباد میں شعر و ادب کا احیا ہوا ۔ وہ بہت بڑے عالم اور شاعر تھے پہلے وفا تخلص کرتے تھے بعد میں صارم تخلص اختیار کیا (۱۰۳) ۔ فارسی میں دیوان مرتب کر لیا تھا ۔ اردو میں بھی شعر کہتے تھے ۔ صاحب "تذکرہ شعرائے دکن" لکھتے ہیں "آپ علما و فضلا کے قدر دان، فقرا و غربا کے فیض رساں تھے ۔ شعرا کی بھی بڑی قدر کرتے تھے ۔ ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے ۔ سرکاری کاموں سے فراغت پا کر علما و شعرا کے ساتھ مجالسہ و مکالمہ فرماتے تھے ۔" (۱۰۴)

صارم کے علاوہ اورنگ آباد سے حیدرآباد آنے والوں میں لچھمی نارائن شفیق، عاجز، حفیظ، محمد سیف اللہ انور، اسد علی خاں تمنا، جمال اللہ عشق، میر غلام علی مصطفے سخن، خواجہ محمد منعم خاں قادر، شاہ قاسم، مرزا علی تقی خاں، نجم الدین پنچھی، محمد علی خان شوق، ان کے علاوہ اور بعض شاعر شمالی ہند اور دوسرے علاقوں سے حیدرآباد آئے جن میں میر قمر الدین منت، مرزا علی لطف، ہدایت اللہ خاں ہدایت وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ اس دور میں حیدرآباد میں بھی کئی شاعر موجود تھے جیسے میر علی مردان خاں بیدل، نوازش علی خاں شیدا، شیر محمد خان ایمان، ماہ لقا بائی چندا، شاہ تجلی علی تجلی، کاظم علی کاظم، ابوالبرکات خاں عشرت، لطف النساء امتیاز، قادر ہاشم علی، محمد علی نیاز وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

صمصام الدولہ صارم کے بعد شمس الامرا ارسطو جاہ، میر عالم اور چندو لال شاداں نے شاعروں، ادیبوں اور عالموں کی خاص سرپرستی کی ۔

شمس الامرا اول: (سنہ ۱۲۰۵ھ م سنہ ۱۷۹۱ء) شمس الامرا کا نام تیغ جنگ ابوالفتح خان تھا ۔ وہ پہلے امیر پائیگاہ نواب ابوالخیر خاں کے فرزند تھے ۔ ریاست حیدرآباد میں پائیگاہی نظام آصف جاہ اول کے زمانے سے قائم ہو گیا تھا ۔ امیر پائیگاہ سب سے بڑے جاگیردار ہوتے تھے ۔ انہیں چند جاگیریں ذاتی مصارف کے لیے عطا کی گئی تھیں ۔ ان کے علاوہ بے شمار جاگیریں جن کی آمدنی تیس لاکھ (سالانہ) (۱۰۵) تھی اور بعد میں معتدبہ اضافہ ہو گیا تھا جو اس غرض سے دی گئی تھیں کہ ان کے محاصل سے سلطنت کی حفاظت کے لیے ایک جرار فوج ہمیشہ تیار

رکھی جائے ۔ شمس الامرا کو چار پشتوں تک خاندانی خطاب رہا ۔ امیران پائیگاہ صاحب سیف ہونے کے ساتھ صاحب قلم بھی تھے اور شعر و ادب کا اچھا ذوق رکھتے تھے ۔ ابو سلمان شاہ جہاں پوری کے بیان کے بموجب امرا پائیگاہ نے حیدر آباد کی اسلامی ریاست کے قیام سے لے کر اس کی تعمیر و ترقی تک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا ۔ ریاست اور ریاست کے عوام کی بیش بہا خدمات انجام دی تھیں اور دکن میں اسلامی و مشرقی تہذیب و ثقافت کے فروغ و ترقی اور علوم و فنون کی نشر اشاعت اور ان کی تالیف و تدوین کے باب میں اہم اور تاریخ ساز کردار ادا کیا تھا ۔ (۱۰۶)

ارسطو جاہ (سنہ ۱۱۴۵ھ سنہ ۱۲۱۹ھ) : اس دور میں علم و ادب کے بڑے سرپرست ارسطو جاہ گزرے ہیں جو آصف جاہ ثانی کے عہد میں ظفر الدولہ کے بعد مدار المہامی کی خدمت پر فائز ہوئے ۔ وہ ایک بہت بڑے مدبر، سیاس اور سپاہ سالار ہونے کے علاوہ عالم اور شاعر بھی تھے اور علم و فن کے بڑے قدر دان تھے ۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر زور لکھتے ہیں ۔ " ان کی بارگاہ ہر علم و فن اور ذوق و ہنر کے صاحبان کمال کا مرجع اور مرکز تھی ... انہوں نے تقریباً دو سو شاعروں کی سرپرستی اور ہمت افزائی کی " ۔ (۱۰۷)

ارسطو جاہ کی مدح میں اس زمانے کے بے شمار شاعروں نے قصیدے لکھے ۔ شاہ تجلی نے ان قصائد کے دو مجموعے " مجموعہ فصاحت " اور " خزینۂ سخن " کے نام سے مرتب کئے ۔ ان میں قریب ایک سو بیس شعرا کا کلام درج ہے جن میں غلام علی ارشد، عباس علی خاں ایما، شیر محمد خاں ایمان، اسد علی خاں تمنا، شاہ تجلی علی تجلی، احسن الدین خاں بیان، چھمی نارائن شفیق، ملا فیروز، میر محمد علی خاں ماہ، نظام الدین واثق وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

مرزا علی لطف اسی زمانے میں حیدر آباد آئے اور ارسطو جاہ کے دربار سے وابستہ ہوئے ۔ اس دور میں غزل گوئی اور قصیدہ نگاری کا زیادہ چرچا رہا اور کسی حد تک مثنوی نگاری کو ترقی ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جب شمالی ہند میں اصلاح زبان کی تحریک رنگ لا رہی تھی اور اردوئے معلیٰ کی زبان کو مسلمہ حیثیت حاصل ہو گئی تھی ۔ دکن پر شمال کے سیاسی غلبہ کی وجہ سے دکنی زبان اپنا وقار اور اعتبار کھو چکی تھی ۔ جیسا کہ عبد القادر سروری لکھتے ہیں ۔

> " اس دور میں آصف جاہی پایہ تخت شمالی ہند اور دکن کے بڑے بڑے شعرا کا مسکن بن گیا تھا اور ان کے پاس آپس کے میل جول سے قدیم دکھنی شاعری اس قدر متاثر ہو رہی تھی کہ نظام علی خاں بہادر کے آخری زمانے تک دکھنی شاعری کا اسلوب بالکل بدل گیا تھا ۔ " (۱۰۸) اب دکن کے شاعر اور ادیب شمالی ہند کی زبان کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنانے لگے ۔ حیدر آباد میں شمالی ہند سے آنے والے ادیبوں اور شاعروں میں زیادہ تر دہلی سے تعلق رکھتے تھے اور بعض کا تعلق لکھنؤ سے تھا ۔ لیکن بظاہر یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ شعرا حیدر آباد نے میر اور درد کے مقابلے میں جرات اور انشا کی شاعری کو اپنے

لیے نمونہ بنایا لیکن اگر ہم اس دور کے تمدنی ماحول اور اس کے سیاسی و سماجی محرکات کو سامنے رکھیں تو یہ صورت حال تعجب خیز نہیں رہتی۔ اودھ کی طرح حیدر آباد میں بھی ایک نئی اور بظاہر خود مختار ریاست وجود میں آئی، طویل خانہ جنگیوں کے بعد سیاسی استحکام اور ٹھہراؤ کی صورت پیدا ہوئی لیکن اس ظاہری عروج اور استحکام کی تہہ میں تہذیبی زوال اپنے آخری مراحل سے گذر رہا تھا۔ ریاست کے حکمران کسی حد تک اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ وہ خود مختار حکمران ہیں لیکن ان کے بااعتماد امرا و مصاحبین در پردہ انگریزوں سے ربط ضبط بڑھا رہے تھے اور ان کے سامراجی عزائم کی تکمیل کے لیے راستہ ہموار کر رہے تھے۔ نظام الملک کوئی موروثی بادشاہ نہیں تھے وقت اور حالات سے فائدہ اٹھا کر دکن کی صوبیداری کو انہوں نے بادشاہت کی نوعیت دینی چاہی۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اولوالعزم سپاہ سالاروں امرا کی اعانت حاصل کی اور ان کی وفاداری کو مستقل شکل دینے کی خاطر شادی بیاہ کے ذریعے رشتہ داری کے تعلقات قائم کئے۔ نظام کو برسر اقتدار لانے کے ذمہ دار ان کے رفیق ابوالخیر خاں تھے پھر ان کے فرزند تیغ جنگ ابوالفتح خان نے صلابت جنگ اور آصف جاہ ثانی کی جنگی مہمات کو کامیاب بنانے میں اہم حصہ لیا۔ پائیگاہ کا قیام دراصل اس احسان مندی کا اظہار تھا جس کی حیثیت ریاست حیدر آباد کے اندر ایک چھوٹی سی ریاست کی سی تھی جو اپنے داخلی معاملات میں پوری طرح آزاد تھی۔ (۱۰۹)

نظام الملک آصف جاہ ثانی کے عہد میں ریاست میں انگریزوں کا عمل دخل بڑھتا چلا گیا تھا کیوں کہ آصف جاہ ثانی انگریزوں کے اثر سے برسر اقتدار آئے تھے۔ صلابت جنگ کے فرانسیسیوں سے تعلقات تھے اس کی شکایت انگریزوں نے شاہ عالم سے کی جس کی بنا پر انہوں نے ایک فرمان کے ذریعے میر نظام علی خاں کو دکن کا صوبیدار مقرر کیا تھا (۱۱۰)۔ آصف جاہ ثانی کا زمانہ ۂ زیادہ تر مرہٹوں، میسور اور ارکاٹ کے خلاف جنگوں اور بغاوتوں کو فرو کرنے مین گزرا۔ انگریز یہاں بھی اپنی سوچی سمجھی پالیسی پر کار بند تھے۔ ہندوستان پر سلطنت مغلیہ کی جگہ اپنا اقتدار قائم کرنے کے لیے انہوں نے یہ پالیسی اختیار کی تھی کہ مختلف مغلیہ سلطنت کے صوبیداروں کے ساتھ مراسم بڑھا کر انہیں اپنا حلیف بنا لیا جائے اور فوجی امداد کے ذریعے ان کے صوبوں کے رقبوں کو وسعت دے کر ایک وسیع ریاست کی شکل دی جائے۔ اور ریاست کو بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رکھنے کے بہانے ریاست کے قرض پر اپنی فوجیں مستقل طور پر متعین کر دی جائیں اور وہاں کے امرا سے سازش کر کے نام نہاد فرمانروا کو بے دست و پا کر دیا جائے اور پھر انہی امرا کے ذریعے بالواسطہ طور پر داخلی امور بھی اپنے ہاتھ میں

لے لیا جائے ۔ سلطنت اودھ میں ان کی یہ پالیسی بہت کامیاب رہی ۔ دکن میں بھی
انہوں نے اپنی اس پالیسی کا اعادہ کیا۔

اس دور کی عجیب و غریب سیاسی صورت حال یہ تھی کہ دہلی میں مغل بادشاہ
برائے نام شہنشاہ تھے ۔ صوبوں کے حکمرانوں نے موروثی بادشاہت قائم کر لی تھی لیکن
اپنی بادشاہت کا اعلان نہیں کیا تھا ۔ شہنشاہ دہلی انگریزوں کے زیر اثر تھا بلکہ یہ کہنا
چاہیئے تھا کہ وہ کٹھ پتلی بنا ہوا تھا ۔ انگریزوں کے لیے یہ بہت آسان تھا کہ وہ مغلیہ
سلطنت کا خاتمہ کر دیتے لیکن ہندوستان کے عوام شاہ پرست واقع ہوئے تھے اور وہ ان
کی شاہ پرستی کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے سے ڈرتے تھے اگر چہ انہیں حقیقی اقتدار
حاصل تھا ۔ لیکن وہ اس اقتدار کو کام میں لانے کے لیے شہنشاہ کی آڑ لیتے تھے ۔ مرکز کی
طرح صوبوں میں بھی انہوں نے یہی پالیسی اختیار کی کہ پہلے صوبیدار کو موروثی بادشاہ کی
حیثیت دیں اور عملاً اپنا اقتدار قائم کریں ۔ انگریزوں نے اپنا جال اس طرح پھیلایا کہ
دہلی کا نام نہاد شہنشاہ ہو یا صوبوں کے حکمران سب اس میں بے تحاشہ پھنس گئے ۔
صوبوں (ریاستوں) کے امراو وزرا بھی اپنے جاہ و اقتدار کے لیے انگریزوں کے دست
نگر تھے ۔ ریاستوں کے معاملات میں ان کا عمل دخل اتنا بڑھ گیا تھا کہ وزارت اور
دوسرے بڑے عہدوں پر انہی افراد کا تقرر ہو سکتا تھا جنہیں انگریزوں کی خوشنودی
حاصل تھی ۔ اب صورت حال یہ تھی کہ انگریزوں کے خلاف حیدر علی کا ساتھ دے کر
میر نظام علی خان نے شکست اٹھائی (۱۱۱) اور ان کے چنگل میں بری طرح پھنس گئے ۔
انہیں ریاست کے بعض علاقے انگریزوں کے حوالے کرنے پڑے (۱۱۲) ۔ اور یہ معاہدہ
کرنا پڑا کہ نظام علی خان اور انگریز وقت ضرورت ایک دوسرے کی فوجی اعانت کریں
گے ۔ لیکن اس پر انگریز کار بند نہیں رہے ۔ سنہ ۱۷۷۴ء میں رگھو ناتھ راؤ بیدر پر حملہ
آور ہوا اور لوٹ مار کر کے خود انگریزوں کی پناہ میں سورت چلا گیا (۱۱۳) ۔ اسی طرح
سنہ ۱۷۹۵ء میں کھڑلہ کی جنگ میں میر نظام علی خان کو مرہٹوں کے مقابلے میں شکست
اٹھانی پڑی اور بطور یرغمال وہ ارسطو جاہ کو مرہٹوں کے حوالے کرنے پر مجبور ہوئے
(۱۱۴) اس تمام کاروائی کے پیچھے انگریزوں کا ہاتھ تھا کیوں کہ اس کے بعد ارسطو جاہ کے
قائم مقام راجہ ساہراج (جو مدار المہام ارسطو جاہ کی عدم موجودگی میں امور کلی انجام دے
رہے تھے) اور میر عالم سے سازش کر کے انہوں نے ریاستی فوج میں تخفیف کر وادی ۔
دکھاوے کے لیے حیدرآباد میں متعین انگریزی فوج میں بھی تخفیف کی گئی (۱۱۵) ۔ لیکن
دراصل مقصد نظام کی فوجی قوت کو کمزور کرنا تھا کیوں کہ دو ہی سال بعد عہد معاونت
طے پایا جس کی رو سے انگریزی فوج کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا اور حیدرآباد کنٹنجنٹ کا

قیام عمل میں آیا جس کا خرچہ سرکار نظام کے ذمے کیا گیا۔ (۱۱۶)

دوسری طرف سنہ ۱۷۶۸ء کے معاہدے سے انگریزوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ اول تو انہوں نے نظام کو حیدر علی خاں سے اور ٹیپو سلطان سے الگ کر دیا پھر ان سے فوجی مدد حاصل کر کے ٹیپو سلطان کا خاتمہ کر دیا جس کا وجود انگریزوں کے سامراجی عزائم کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا تھا اور اس کے بعد میسور میں ایک مہاراجہ کی کٹھ پتلی حکومت قائم کر دی۔ (۱۱۷)

ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد اکتوبر اٹھارہ سو عیسوی میں پھر انگریزوں اور سرکار نظام کے درمیان ایک عہد نامہ مرتب ہوا جس کی رو سے طے پایا کہ انگریزوں یا نظام کے علاقوں پر کوئی تیسری طاقت حملہ کرے تو وہ ایک دوسرے کی فوجی مدد کریں گے (۱۱۸)۔ آصف جاہ ثانی کے ساتھ انگریزوں کا رویہ بظاہر مساویانہ اور دوستانہ تھا۔ شمس الامرا اور ارسطو جاہ کی وفاداریاں میر نظام علی خاں کے ساتھ وابستہ تھیں۔ انگریزوں کے ساتھ ان کے روابط و تعلقات تھے بھی تو وہ میر نظام علی خاں کے منشا اور مصلحت کے مطابق تھے۔ انگریز میر نظام علی خاں کو کسی سازش کا شکار نہیں بنا سکتے تھے اس لیے انہوں نے ایک دور رس منصوبہ کے تحت ریاست کے بعض کمتر درجے کے امرا اور حکام سے ساز باز کرنا شروع کیا۔ انہی امرا میں میر عالم اور چندو لال شاداں جیسے لوگ بھی تھے۔ میر عالم کی انگریز دوستی کو ارسطو جاہ بھانپ گئے چنانچہ انہوں نے اسے قلعہ دھارواڑ میں قید کروادیا (۱۱۹)۔ چونکہ ٹیپو سلطان کے خلاف نظام علی خاں نے انگریزوں کی مدد کی تھی اس لیے وہ اپنے دوست میر عالم کی نظر بندی پر مصلحتاً خاموش رہے لیکن ۱۸۰۳ء میں جب میر نظام علی خان کا انتقال ہو تو ان کے فرزند سکندر جاہ آصف جاہ ثالث تخت نشین ہوئے اور اس کے ایک سال بعد ہی یعنی ۱۸۰۴ء (۱۲۰) میں ارسطو جاہ وفات پا گئے تو انگریزوں نے نواب سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کو مجبور کر دیا کہ وہ میر عالم کو مدار المہام بنائیں (۱۲۱)۔

صلابت جاہ ہوں کہ آصف جاہ ثانی ان کی حیثیت بساط سیاست پر انگریزوں اور فرانسیسیوں کے مہروں کی سی تھی۔ یہ خود کسی کے صحیح معنوں میں وفادار نہیں تھے ان کا واحد نصب العین ذاتی اقتدار کا حصول اور بقا تھی۔ وہ ہوا کا رخ دیکھ کر پینترے بدلتے تھے۔ اس سلسلے میں نظام علی خاں کے کردار کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو کبھی حیدر علی خان کو خطابات سے نوازتے ہیں اور اس کی تائید میں انگریزوں سے برسرپیکار ہوتے ہیں لیکن شکست ہونے پر انگریزوں سے دوستی و اتحاد کا سلسلہ قائم کر لیتے ہیں۔ ارسطو جاہ کے بیٹے کے انتقال پر ان کا غم غلط کرنے کے لیے اپنی اولاد کو ان کے حوالے کر دیتے ہیں اور مرہٹوں کے مقابلے میں شکست کھا کر ارسطو جاہ کو بطور یرغمال مرہٹوں کے حوالے کر دیتے ہیں (۱۲۲)۔ یہی مصلحت کوشی اور ذاتی مفاد پر مبنی وفاداری اس دور کا تہذیبی کردار بنی ہوئی تھی۔

ارسطو جاہ اس تہذیبی کردار کے پروردہ تھے اور سیاسی پینترے بازی کے ماہر بھی تھے اور شکار بھی ہوئے لیکن یہ امر حیرت انگیز ہے کہ انہوں نے ایسے دور اور اس قسم کے حالات میں بھی شعروادب سے اپنی دلچسپی برقرار رکھی ۔

سکندر جاہ آصف جاہ ثالث: سنہ ۱۸۰۳ء میں آصف جاہ ثانی کا انتقال ہوا اور ان کے دوسرے فرزند سکندر جاہ آصف جاہ ثالث بر سراقتدار آئے ۔ ان کے بارے میں تاریخ رشید الدین خانی میں لکھا ہے کہ نواب صاحب عادل باذل کثیر الفضل بردبار آزاد فراخ حوصلہ عربی فارسی کے ماہر تھے اور علم بلاغت اور طب سے بے حد رغبت تھی (۱۲۳) ۔

سکندر جاہ کی تخت نشینی کے ایک سال کے بعد ارسطو جاہ انتقال کر گئے اور ان کی جگہ راجہ راجندر رگھوتم راؤ عارضی طور پر مدار المہامی کے فرائض انجام دیتے رہے ۔ سکندر جاہ چاہتے تھے کہ راجہ مہبت رام کو مدار المہام بنائیں لیکن انگریزی حکومت کے دباؤ سے مجبور ہو کر بادل نخواستہ میر عالم کو اس عہدہ پر (۱۵ ربیع الاول سنہ ۱۲۱۹ھ م سنہ ۱۸۱۴ء) (۱۲۴) فائز کیا ۔

میر عالم کے تقرر کے واقعہ نے یہ ثابت کر دیا کہ دیوان یا مدار المہام کا انتخاب انگریزی گورنمنٹ یا کمپنی کی ایما و منظوری سے ہونا چاہئے ۔ اس طرح انگریزی حکومت نے معاہدہ کو بالائے طاق رکھ کر سرکار آصفیہ کے اس خالص اندرونی مسئلہ میں پہلی بار مداخلت کی اور میر عالم کے حق میں اپنا پورا زور صرف کر دیا ۔ (۱۲۵)

میر عالم نے چندو لال کو اپنا پیشکار بنایا اور سارے دفتری امور ان کے سپرد کر دئے ۔ میر عالم اور چندو لال دونوں انگریزی حکومت کے ایجنٹ تھے اور تمام معاملات میں انگریزوں کے مفاد بلکہ خوشنودی کو اولیت دیتے تھے ۔

میر عالم کا دور وزارت بہت مختصر رہا ۔ اس دور کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی کے معاملات میں انگریزی اثر کافی بڑھ گیا ۔ میر عالم خود یہ چاہتے تھے کہ انگریزوں سے تعاون کیا جائے چاہے اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑی ۔ (۱۲۶) اس میں شبہ نہیں کہ میر عالم کے عہد میں تھوڑی بہت انتظامی اصلاح کی کوشش بھی کی گئی ۔

میر عالم بہت بڑے عالم اور علم دوست شخص تھے ۔ انہوں نے اردو شعر و ادب کی کافی سرپرستی کی ۔ خود اردو فارسی کے عالم و فاضل تھے اور ان دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے ۔ ان کے نام سے کئی کتابیں موسوم ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کئی تصانیف ایسی ہیں جو محض خوشنودی کی خاطر اس عہد کے مصنفین نے ان کے نام سے منسوب کر دیں ۔

میر عالم نے کئی شعرا کی سرپرستی کی جن میں محکم ، مرزا علی لطف ، میر ذوالفقار علی خاں صفا لکھنوی ، ماہ لقا بائی چندا ، غلام رسول بیگ وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

سنہ ۱۸۰۶ء میں میر عالم کا انتقال ہوا اور ان کی جگہ منیر الملک مدار المہام بنائے گئے لیکن

عملاً دیوانی کے تمام اختیارات چندو لال کو حاصل تھے۔ جنہیں پیش کار کے عہدہ سے ترقی دے کر نائب مدار المہام مقرر کیا گیا تھا (۱۲۷) ۔چندو لال نے انگریزوں سے سازش کر کے ریاست کے نظم و نسق کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں۔ مالی اعتبار سے اسے دیوالیہ بنادیا اور ریاست کے خرچ پر رسل بریگیڈ (۱۲۸) کے نام سے ایک انگریزی جمعیت ترتیب دی، جس کا در پردہ مقصد یہ تھا کہ انگریزوں کے فوجی مصارف کی پابجائی، جس کے لیے رسل نے چندو لال سے ساز باز کر کے پال مر کمپنی سے چوبیس فیصد شرح سود پر چھتیس لاکھ روپیہ حکومت حیدرآباد کو قرض دلوائے (۱۲۹) ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرض کا بار بڑھتا چلا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ناصر الدولہ آصف جاہ رابع کو قرض کی ادائگی اور کنٹنجنٹ کے اخراجات کی پابجائی کے لیے برار کا علاقہ انگریزی حکومت کے حوالہ کر دینا پڑا (۱۳۰) ۔ حکومت کا سارا خزانہ چندو لال کے ہاتھ میں تھا اور وہ اسے من مانی طور پر بے دریغ خرچ کرتا تھا۔ اپنی بد دیانتی اور سازش پر پردہ ڈالنے کے لیے اس نے ایک نئی کا روپ دھار لیا تھا۔ وہ غرض مندوں سے نذرانوں کے نام پر رشوت لیتا اور دوسری طرف ہر صبح ہزاروں غریبوں اور فقیروں میں خیرات تقسیم کرتا، بھٹئی اور خوشامد کرنے والے شاعروں کو بے دریغ انعامات دیتا اور مصاحبوں کو بھی انعام و اکرام سے نوازتا۔ (۱۳۱) اس کی شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ نہایت مردم آزار تھا۔ یہاں تک کہ شاہی خاندان کے افراد بھی اس کے ظلم سے محفوظ نہ تھے۔ جیسا کہ مکھن لال نے چندو لال کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

"ہر چند ہر روز بازار کے سخاوت گرم دارند لیکن مثال آن طبیب حاذق این مقال کہ طبیبے ہر آگاہ بہ گورستان رفتے چادر بروئے خود کردے مردمان پرسید نہ کہ سبب این چیست گفت کہ از مردگان این گورستان شرم می کنم زیرا کہ از دوائے من مردہ اند۔ جناب مہاراجہ اندیشہ عافیت نمیدارند و از خدا ہم شرم ندارند۔" (۱۳۲)

ارسطو جاہ کے بعد ریاست حیدرآباد میں چندو لال شاداں شعر و ادب کا بڑا سرپرست سمجھا جاتا ہے لیکن اس سرپرستی کا حال یہ تھا کہ ارسطو جاہ کے مداحین چندو لال شاداں کے گرد جمع ہوگئے تھے اور ارسطو جاہ کے بجائے صرف چندو لال کے قصیدے گانے لگے تھے۔ اسی گروہ میں تازہ واردان ہوائے بساط دل بھی شامل ہونے لگے۔ چندو لال شاداں کے دربار سے تعلق رکھنے والے چند قابل ذکر شاعر یہ ہیں۔ شاہ نصیر دہلوی، شیخ محمد حفیظ دہلوی، غلام ضامن اکرم، حاجی محمد علی ساغر، میر مفتون، میر حسن علی خاں ایما، حافظ تاج الدین مشتاق، ذوالفقار علی خاں صفا، میر عنایت علی، خواجہ ہمت علی خاں، ہمت، مرزا عابد بیگ خان ظہور، مولوی ابوتراب، حکیم شفائی خاں، ملا محمد فایز، محمد صدیق قیس، میر عباس علی خاں کافی، رماز، نمود، امیر علی، محوی، محمد مولانا، احسن، عیاں، طلب خاں شور، مرزا محمد، راجہ مکھن لال مکھن، ماہ لقا بائی چندا، غلام مصطفی خاں سخن، غلام حسین خاں جوہر، غلام محی الدین خاں متین، میر حسن علی خاں جولان، غلام رسول

بیگ شوق، غلام امام خاں ترین ہجر، مرزا علی رضا دہلوی مرہون وغیرہ۔

شاعری کے ساتھ ساتھ یہاں پر اردو کی نثری خدمات بھی انجام دی جاتی رہیں۔ ابتدا میں چند داستانوں کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ سنگھاسن بتیسی:

"اگرچہ فورٹ ولیم کالج میں لالہ للولال نے اس کا ترجمہ اردو میں کیا تھا مگر دکن میں بھی اس کا ترجمہ ہوا ہے۔ اس داستان کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں موجود ہے۔ دکھنی مترجم کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ (۱۳۳)

۲۔ قصہ شاہ و چتر لیکھا:

"یہ داستان بھی دکن میں مرتب ہوئی۔ اس داستان کے بھی مصنف کا نام معلوم نہیں ہوا (۱۳۴)

۳۔ قصہ ملکہ زماں و کام کندلا:

"یہ انگریزوں کو تعلیم دینے کے لیے دکن میں مرتب ہوئی تھی۔ اس داستان کو فارسی مثنوی جواہر سخن سے کرناٹکی زبان میں منتقل کیا گیا ہے۔ اس کے بھی مصنف کا نام معلوم نہیں ہوا۔

۴۔ قصہ کام روپ:

۵۔ "مصباح الصلوٰۃ" اس کتاب کو مولوی قادر علی نے عربی سے دکھنی میں سنہ ۱۲۳۲ھ میں ترجمہ کیا۔

۶۔ "انوار سہیلی" سنہ ۱۲۴۰ھ م ۱۸۲۴ء میں میاں محمد ابراہیم بیجاپوری نے دکھنی زبان میں ترجمہ کیا۔

سنہ ۱۲۳۸ھ میں میر منشی محمد التفات حسین بنارسی نے روسا و امرائے سلطنت آصفیہ کے حالات "تاریخ نگارستان آصفی" میں قلمبند کئے۔

نواب ناصر الدولہ آصف جاہ رابع نواب سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کا انتقال ۱۷ ذیلعقدہ سنہ ۱۲۴۴ھ م سنہ ۱۸۲۹ء کو ہوا۔ ان کے بعد نواب ناصر الدولہ آصفجاہ رابع ۱۹۔ ذیلعقدہ سنہ ۱۲۴۴ھ (۱۳۵) م ۱۸۲۹ء کو تخت نشین ہوئے۔ تخت و تاج حاصل کرنے کے ساتھ ان کو چندولال جیسا شاہ خرچ پیشکار بھی ملا۔

سنہ ۱۸۳۲ء میں نواب منیر الملک امیر الامراء بہادر کے انتقال کے بعد راجہ چندولال مدار المہام مقرر ہوئے مگر یہ پہلے ہی سے عہدہ دیوانی کے تمام اختیارات استعمال کرتے تھے (۱۳۶)

مہاراجہ چندولال چونکہ بے حد مخیر تھے ان کی بے نظیر داد و دہش کا اثر معاملات ریاست

بر پڑ رہا تھا۔ خزانہ خالی، محلات شاہی اور منصبداروں کی تنخواہیں بند ہو گئیں تھیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے نواب ناصر الدولہ نے ان کو سنہ ۱۲۵۹ھ م سنہ ۱۸۴۳ء میں معزول کر دیا اور دو سال کے اندر سنہ ۱۲۶۱ھ م سنہ ۱۸۴۵ء میں مہاراجہ کا انتقال ہو گیا (۱۳۷)۔

عہد ناصر الدولہ میں عہدہ مدار المہامی میں پے در پے تبدیلیاں ہوتی رہیں راجہ چندولال کے بعد کئی شخص بدلے گئے۔ کبھی راجہ رام بخش نے مدار المہامی کی کبھی نواب سراج الملک نے اور کبھی نواب شمس الامرا نے تو کبھی دوبارہ سراج الملک نے آخر کار سرسالار جنگ بہادر مئی سنہ ۱۸۵۳ء میں اس عہدے پر فائز ہوئے اور تاحیات اس عہدے پر فائز رہے (۱۳۸)۔

ناصر الدولہ کا دور نہایت پر آشوب رہا۔ وزارت عظمیٰ کی وقت بے وقت کی تبدیلیوں سے سلطنت کا نظام درہم برہم ہو گیا اور اندرون ملک کافی شورشیں اور فسادات برپا ہوئے۔

چندولال کے زمانہ وزارت میں ان کی بے انتہا داد و دہش سے سرکاری خزانہ خالی ہو گیا تھا جس کی وجہ سے کنٹنجنٹ کی تنخواہیں ادا نہ ہو سکیں تھیں لہذا نواب سراج الملک بہادر کے عہد وزارت میں افواج کنٹنجنٹ کی تنخواہ باقی رہ جانے کی وجہ سے ۵۱ لاکھ کا ملک صوبہ برار ۱۳ شعبان سنہ ۱۲۶۹ھ م ۱۸۵۳ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے سپرد کر دیا گیا۔ (۱۳۹)

ناصر الدولہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بیدار مغز حکمران تھے۔ ان کے دور حکومت میں انگریزی حکومت کا دباؤ جو غیر معمولی بڑھ رہا تھا وہ کم ہو گیا۔ ویسے یہ بھی حکومت برطانیہ کے بچے دوست اور بہی خواہ تھے اور کسی بھی موقع پر حکومت انگلینڈ کی مالی اور فوجی مدد کرنے سے گریز نہیں کیا کرتے تھے۔

ان کو صحیح معنوں میں سودیشی تحریک کا بانی کہا جا سکتا ہے۔ انہوں نے یہ احکامات جاری کئے تھے کہ "کوئی انگریزی چیز استعمال نہ کی جائے۔ بلکہ اپنے ملک کی ساختہ شئے استعمال ہو۔" (۱۴۰) جس کی وجہ سے دستکاری کو فروغ ہوا۔ سرکاری دفاتر میں ملک میں تیار شدہ کاغذ استعمال ہوتا اور ضلع ناندیڑ کے بنے ہوئے کپڑے پہنے جاتے تھے اور خود ناصر الدولہ نے اپنی تمام عمر میں کسی قسم کا انگریزی کپڑا نہیں پہنا۔ (۱۴۱)

اس دور میں کئی اصلاحی کام انجام دئے گئے جیسے ۲ ربیع الاول سنہ ۱۲۷۲ھ م سنہ ۱۸۵۵ء میں بردہ فروشی کی رسوم موقوف ہوئی (۱۴۲) اور "رسم ستی" کا قانوناً انسداد کیا گیا۔ (۱۴۳)

اس کے علاوہ تعلیم کی طرف کافی توجہ کی گئی۔ خصوصاً مغربی طب کی سرپرستی کی گئی۔ طبی مدرسے قائم کئے گئے اور طب پر مستقل کتابیں اردو زبان میں طلبا کے لیے لکھی گئیں۔

سنہ ۱۲۶۱ھ م ۱۸۴۵ء میں ایک طبی مدرسہ "حیدر آباد میڈ کل اسکول" کے نام سے شہر حیدر آباد میں کھولا گیا۔ اس مدرسہ کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ یہاں پر طلبا کو اردو زبان میں مغربی طب کی تعلیم دی جاتی تھی اور اس مقصد کے لیے طلبا کو اردو میں کتابیں ترجمہ کروا کے مہیا کی جاتی

تھیں اور ایک زمانہ دراز تک حیدرآباد اور اضلاع کے دواخانوں میں صرف وہی ڈاکٹر مامور ہوتے تھے۔ جنہوں نے یہاں کے مدرسے طلبیہ میں اردو زبان میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اس مدرسہ کے بعض فارغ التحصیل ڈاکٹر فن جراحی میں ایسے ماہر تھے کہ انگریز ڈاکٹر بھی ان کے ہاتھ چومتے تھے۔ (۱۴۴) اور ان کی صلاحیتوں کا لوہا مانتے تھے۔

سنہ ۱۸۴۶ء میں سرکاری طور پر شفاخانہ افضل گنج کا قیام عمل میں آیا سنہ ۱۲۶۳ف م ۱۸۵۴ء میں ایک اور میڈیکل اسکول بلارم میں قائم کیا گیا۔ (۱۴۵) سنہ ۱۲۷۲ھ میں سالار جنگ نے مدرسہ دارالعلوم قائم کیا۔یہاں عربی فارسی کے ساتھ ریاضی اور سائنس کی تعلیم اردو میں دی جاتی تھی۔ (۱۴۶)

سنہ ۱۲۵۸ھ م سنہ ۱۸۴۳ء میں (۱۴۷) میں نواب محمد فخرالدین خاں شمس الامرا ثانی نے حیدرآباد میں سب سے پہلا ہائی اسکول "مدرسہ فخریہ" کے نام سے قائم کیا۔ اس مدرسہ کے تعلق سے نصیرالدین ہاشمی لکھتے ہیں۔

"اس مدرسہ کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہاں مغربی علوم کی ترجمہ شدہ کتابیں بھی درس میں شامل تھیں جو تمام طلبہ کو مفت دی جاتی تھیں۔ اس طرح یہاں کے طلبہ نہ صرف حدیث، فقہ، صرف و نحو وغیرہ کے ماہر ہوتے بلکہ کیمیا، طبیعات، ریاضی اور ہیئت کے جدید مغربی مسائل سے بھی واقف ہوتے تھے۔ اس طرح آج سے ایک صدی پیشتر یہاں کے طلبہ سائنس کی اور ریاضی کی تعلیم اردو زبان میں حاصل کرتے تھے گویا جامعہ عثمانیہ کا نقش اول تھا۔" (۱۴۸)

اس جدید تعلیم کی افادیت کا احساس اس وقت ہوا جب حیدرآباد میں پہلا میڈیکل اسکول (۱۸۴۵ء) قائم ہوا۔ اس اسکول میں داخلہ لینے والے "مدرسہ فخریہ" کے فارغ التحصیل طلبا تھے جو جدید سائنسی علوم سے واقف تھے۔ (۱۴۹)

اس دور کے چند اہم شعرا میں محمد مرزا مرزا، حاجی سید قربان حسین قربان، شاہ معین الدین شاہ خاموش رح، بدرالدین تمیز، راجہ مکھن لال مکھن، محمد ہدایت علی خاں ہدایت، جوہر، خواجہ احسن اللہ بیان (دہلی) محمد حبیب اللہ ذکا قابل ذکر ہیں۔

اس دور میں اردو نثر میں داستانوں اور تاریخی کتابوں کے علاوہ ترجموں کے ذریعہ مغربی علوم و فنون کے خزانے اردو زبان میں منتقل کیے گئے۔ اس سلسلے میں شمس الامرا ثانی کی علمی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ شمس الامرا نہایت قابل اعلیٰ تعلیم یافتہ اور زبان اردو کے بہت بڑے محسن تھے۔ شعرا ادیب اور علما و فضلا کے لیے آپ کی ذات ایک مربی اور حقیقی سرپرست کی حیثیت رکھتی تھی۔ آپ کو انجینرنگ، ریاضی، جغرافیہ، علم ہئیت اور دوسرے علوم فنون سے کافی دلچسپی تھی مشرقی علوم کے ساتھ مغربی زبانوں مثلاً انگریزی اور فرانسیسی پر کافی عبور

حاصل تھا۔ انہوں نے اہل علم کو ایک جماعت اپنے گرد جمع کر لی تھی جو ان کی فرمائش پر تالیف و ترجمہ کا کام انجام دیتی تھی۔

شمس الامرا ثانی نے سب سے پہلے سائنس کی کتابوں کا یورپی زبانوں سے اردو میں ترجمہ کرنے کا انتظام کیا چنانچہ اس کام کو منظم پیمانہ پر چلانے کے لیے انہوں نے سنہ ۱۸۳۴ء میں ایک دار الترجمہ کی بنیاد رکھی اور اس دار الترجمہ کے ساتھ ایک مطبع بھی قائم کیا جو "سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا" کے نام سے موسوم تھا۔ اس مطبع میں تصویر کشی کا بھی انتظام تھا لیتھو میں سائنسی آلات کے نقشے چھپتے تھے۔ (۱۵۰)

شمس الامرا نے مغربی علوم کی کتابوں کے ترجمہ کا کام اس زمانہ میں کیا جب کہ علی گڑھ میں سائنٹفک سوسائٹی ابھی قائم نہیں ہوئی تھی اور کہیں اس قسم کے ٹھوس علمی کام کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔ البتہ فورٹ ولیم کالج نے اردو نثر کی طرف توجہ ضرور کی تھی مگر یہاں صرف قصہ کہانیوں کی کتابیں ترجمہ کروائی گئیں۔ اس کے علاوہ دلی کالج میں بھی کچھ علمی کتابیں ترجمہ کروائی گئی تھیں۔ لیکن شمس الامرا نے جو کتابیں ترجمہ کروائیں ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ ان کے علمی ذوق و خدمات کے تعلق سے مانک راؤ وٹھل راؤ، مولف " بستان آصفیہ " لکھتے ہیں۔

" انہیں علمی معاملات سے بے حد دلچسپی تھی ریاضی کو خاص طور سے پسند فرماتے تھے تراجم اور تصنیف کے ذریعہ سے انہوں نے حیدرآباد کے علمی ذخیرہ میں بہت کچھ اضافہ کیا۔" (۱۵۱)

شمس الامرا کی ان کوششوں کی بدولت اردو ادب کی تاریخ میں سائنسی ادب کی تحریک شروع ہوئی۔ عوام میں تعلیم کے ساتھ سائنسی شعور بیدار ہوا اور عوام کو سائنسی کارناموں سے دلچسپی پیدا ہوئی جو آگے چل کر اردو صحافت کی ابتدا کا محرک بنی کیوں کہ حیدرآباد میں صحافت کا آغاز جس رسالہ سے ہوا وہ ایک علمی رسالہ " رسالہ طبابت حیدرآباد " تھا جس میں سائنسی اور مغربی طب پر مضامین شامل ہوتے تھے۔ جو ایک خاص تعلیمی غرض کو پورا کرنے کے لیے نکالا گیا تھا۔

اسی دور میں غلام امان خاں جو بڑے پایہ کے مورخ تھے اپنے آقا نواب رشید الدین خاں خلف شمس الامرا کے حکم سے اردو زبان میں ہندوستان و دکن کی تاریخ تین جلدوں میں لکھی (جو سنہ ۱۲۷۰ھ میں مکمل ہوئی) اس کی پہلی جلد میں سلاطین ہند کا تذکرہ (ابو ظفر بہادر شاہ کے عہد تک کا) درج ہے۔ دوسری جلد میں فتح الاسلام سے ناصر الدولہ کے عہد تک تمام شاہان دکن کے حالات درج ہیں۔ تیسری جلد میں انگریزوں کی تاریخ درج ہے (۱۵۲)۔ اس دور کے ایک اور مورخ حکیم غلام حسین المخاطب بہ خاں زماں خان نے تاریخ گلزار آصفیہ سنہ ۱۲۶۰ھ میں تالیف کی (۱۵۳)

حیدرآباد میں اردو صحافت کا آغاز: کسی صنف کا نقطہ آغاز خلا میں نہیں ہوتا اور نہ

وہ یک لخت وجود پذیر ہوتی ہے بلکہ اس کے ارتقائی مدارج تاریخی عوامل کے رہین منت ہوتے ہیں اور سماجی، سیاسی اور تہذیبی اثرات اس کے لیے پس منظر کا بھی کام دیتے ہیں۔ اس کی روایت سازی بھی کرتے ہیں اور اسے آگے بھی بڑھاتے ہیں چنانچہ عہد آصفی میں آصف جاہ اول سے آصف جاہ رابع تک جو تجزیہ پیش کیا گیا اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ ان اسباب و عوامل پر روشنی ڈالی جا سکے جنہوں نے دکن میں اردو صحافت کے لیے راہیں ہموار کیں۔ لیکن ابھی اردو زبان کو سرکاری حیثیت حاصل نہیں ہوئی تھی اور ہنوز ایک ایسے سماج کی تشکیل بھی نہیں ہوتی تھی جہاں صفحات ایک صنف اور ابلاغ و ترسیل کے ضمن میں ایک ادارہ بن سکے۔

چنانچہ صحافت کے سلسلے میں جس روایت کی داغ بیل پڑی تھی اس روایت کے ڈانڈے شعر و ادب کے وسیع تر مفہوم سے ملتے تھے اس لیے آئندہ صفحات میں آصف جاہ خامس، آصف جاہ سادس اور آصف سابع کے ادوار کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ دکن میں اردو صحافت کے آغاز و ارتقا کی تصویر مکمل طور پر سامنے آسکے۔

اگر شمس الامرا کی سائنس سے خصوصاً میڈیکل سائنس سے دلچسپی نہ ہوتی اور وہ تراجم کی طرف متوجہ نہ ہوتے تو شاید پہلا رسالہ طب کے عنوان سے سنہ ۱۸۵۵ء میں ان کے دور انتظام و انصرام میں وجود میں نہ آتا۔ جیسے جیسے ادب کی جملہ اصناف کا پھیلاؤ بڑھتا گیا اور انگریزی اثرات کی چھاپ گہری ہوتی گئی رسائل و جرائد کا تصور بھی اپنی وسعتوں کے ساتھ ابھرا۔ آئندہ صفحات میں ان ہی اثرات کو پیش کیا گیا ہے تاکہ طب کے علاوہ دوسرے موضوعات اور اصناف پر جو رسائل نکلے ان کی نشاندہی بھی ہو سکے اور ان اسباب و محرکات پر بھی روشنی پڑ سکے جو صحافت کے ارتقا میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔ آصف جاہ خامس، آصف جاہ سادس اور آصف جاہ سابع کا دور حکومت کن تاریخی حالات سے گزرا اور ہندوستانی تاریخ کی وہ کونسی کروٹیں تھیں جن کی بنا پر ایک نیا افق نظر آیا ان کا تجزیہ آئندہ صفحات میں کیا گیا ہے۔

افضل الدولہ آصف جاہ خامس: ناصر الدولہ کے انتقال (۲۲ رمضان سنہ ۱۲۷۳ ھ) کے بعد ان کے فرزند میر تہنیت علی خاں افضل الدولہ آصف جاہ خامس ۲۴ رمضان المبارک سنہ ۱۲۷۳ھ (۱۵۴) م سنہ ۱۸۵۷ء کو تخت نشین ہوئے جس کے چند ہی روز بعد ہندوستان میں تحریک آزادی کی لہر سپاہیوں کی بغاوت کی صورت میں اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے دہلی، میرٹھ، لکھنو جھانسی، گوالیار، غازی پور اور پنجاب تک پہنچ گئی۔ اس وقت حکومت برطانیہ کو سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ "غدر" کی خبریں جب حیدرآباد پہنچیں تو یہاں پر بھی چند منچلے پٹھانوں نے ریذیڈنسی پر حملہ کیا (۱۵۵)۔ مگر بہت جلد اس شورش پر قابو پا لیا گیا۔ ایسے نازک وقت میں افضل الدولہ نے نہ صرف حیدرآباد کو "خطرہ سے محفوظ" رکھا بلکہ سرکار انگریزی کی "بھرپور حمایت" کی اور اپنی دولت اور فوج کو حکومت برطانیہ کی حفاظت کے لیے "وقف" کر دیا۔ رحم علی الہاشمی مولف

اسٹار ڈائر کٹری لکھتے ہیں ۔

" اگر افضل الدولہ بہادر نے اس سیلاب کا ساتھ دیدیا ہوتا تو آج ہندوستان کی تاریخ کا رخ دوسرا ہوتا لیکن در حقیقت ہندوستان میں انگریزی حکومت کی بقا کا اصلی سبب یہی تھا کہ افضل الدولہ بہادر نے انگریزوں کے ساتھ معاہدوں کو وفاداری کے ساتھ قائم رکھا اور یہی نہیں بلکہ حیدرآباد کی افواج نے غدر کو فرو کرنے میں عملی اور نمایاں حصہ لیا ۔ " (۱۵۶)

جب بغاوت ختم ہوئی تو حکومت برطانیہ نے شوراپور کا علاقہ ریاست حیدرآباد میں شامل کر دیا ۔ اس کے علاوہ دوآبہ رائچور کا علاقہ بھی حیدرآباد کو واپس کر دیا گیا ۔ پچاس لاکھ کا قرضہ بھی جو حیدرآباد کے ذمہ تھا معاف کر دیا گیا اور ۱۳ اعلاقے جو ریاست حیدرآباد کی مغربی سرحد پر احمد نگر اور شوراپور سے متصل تھے وہ بھی سرکار نظام کے سپرد کر دئے گئے (۱۵۷) ۔

نواب افضل الدولہ اور ان کے مدار المہام اور چند عمائیدین کو انگریزی حکومت کی طرف سے قیمتی تحائف عطا ہوئے اور انگریزوں نے حمایت اور دوستی کے اعتراف میں ناصر الدولہ کو جی ۔ سی ۔ ایس ۔ آئی کا خطاب عطا کیا (۱۵۸)

افضل الدولہ کا دور حکومت مملکت آصفیہ کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے ۔ ایک طرف تو ملک دکن بغاوت کی آگ سے الگ رہا اور دوسری طرف بہت سے علاقے ریاست حیدرآباد کو واپس مل گئے اور سالار جنگ کی وزارت عظمیٰ کے باعث ملک میں ایسے اصول و قوانین مرتب و رائج ہوئے جو ایک باضابطہ گورنمنٹ کے لیے ضروری تھے ۔

افضل الدولہ کی تعلیم و تربیت کے لیے ان کے والد ناصر الدولہ نے بڑے بڑے عالم منتخب کئے تھے جن میں مولانا نیاز الدین احمد بدخشانی قابل ذکر ہیں ۔ نواب سالار جنگ مختار الملک بہادر اور نواب شمس الامرا بحیثیت اتالیق ان کے نگران تھے ۔

افضل الدولہ کے عہد میں ریاست نے ہمہ گیر ترقی کی ۔ اس دور میں جہاں ملکی اصلاحات پر کافی توجہ دی گئی وہیں کل اضلاع و تعلقات میں دواخانہ جات اور اشاعت علم کے لیے مدارس قائم کئے گئے ۔ اس سلسلے میں مدار المہام سالار جنگ کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ۔ انہوں نے نئے نئے محکمہ جات قائم کئے اور ان کی خصوصی دلچسپی کی وجہ سے حیدرآباد دکن میں علمی سرگرمیاں کافی بڑھ گئیں ۔ نظم و نسق کے مختلف شعبوں میں بھی اصلاحات کی گئیں ۔ سب سے پہلے مال گزاری کی اصلاح کی طرف توجہ کی گئی تاکہ حکومت کی آمدنی مستحکم بنیاد پر قائم ہو جائے اور سنہ ۱۲۸۰ھ م سنہ ۱۸۶۳ء میں مجلس مال گزاری قائم کی (۱۵۹) ۔ سنہ ۱۲۸۳ھ میں ممالک محروسہ کو پانچ صوبوں اور سترہ ضلعوں میں تقسیم کیا گیا ۔ (۱۶۰) انہوں نے عدالتی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا ۔ اس محکمہ کی جدید تنظیم کی اور عدالتوں کے انصرام کے لیے ایک سکریٹریٹ قائم کیا اور سنہ ۱۸۷۵

میں ایک مجلس قانون (لا کمیٹی) قائم کی تاکہ وہ ملک کے لیے فوجداری اور دیوانی معاملات کی گشتیاں جاری کرے (۱۶۱)۔ ابتدا میں مدرسوں کا تعلق بورڈ آف ریونیو سے تھا لیکن انہوں نے ایک بورڈ آف ایجوکیشن علاحدہ قائم کیا۔ سنہ ۱۲۸۳ھ میں محکمہ عدالت، محکمہ تعمیرات، محکمہ طبابت اور محکمہ تعلیمات وغیرہ قائم کئے۔ (۱۶۲)

ریاست میں پہلی مرتبہ ایک ناظم تعلیمات ایک ناظم طبابت اور ایک چیف انجنیر کا تقرر ان کے حکم سے عمل میں آیا۔ (۱۶۳) سالار جنگ نے سنہ ۱۸۵۷ء میں ایک سٹی ورناکلر اسکول قائم کیا جہاں مدراس یونورسٹی کے میٹرک کا امتحان ہوتا تھا۔

سنہ ۱۲۸۹ھ م سنہ ۱۸۷۳ء میں "مدرسہ عالیہ" امرا کے بچوں کے لیے قائم کیا گیا جسے بعد میں ترقی دے کر نظام کالج بنادیا گیا۔ محبوب کالج بھی اس زمانہ میں قائم ہوا۔ سنہ ۱۲۸۰ھ میں ایک مدرسہ سول انجنیرنگ کے لیے بصدارت ولکنسن کھولا گیا۔ سنہ ۱۲۸۲ھ میں انگلوور نیکولر اسکول چادر گھاٹ کا قیام عمل میں آیا۔ یہ اسکول سنہ ۱۲۹۰ف میں اول درجے کا کالج بن گیا (۱۶۴)۔ اس کے علاوہ عیسائی مشنریوں کے جو اسکول قائم ہوئے تھے انہیں بھی سرکاری امداد دی گئی تاکہ انگریزی تعلیم کو ممالک محروسہ میں فروغ حاصل ہو۔

مختار الملک ارباب کمال کے بڑے قدر شناس تھے۔ ہندوستان کے مختلف مقامات سے ذی علم اصحاب کو طلب کر کے ملک کے بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا۔ ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے تین حکمرانوں یعنی نواب ناصر الدولہ، نواب افضل الدولہ اور اعلحضرت میر محبوب علی خاں کے ہاں مدار المہامی کے فرائض اس خوبی سے انجام دئے کہ سب حکمران ان سے خوش تھے۔

افضل الدولہ جید عالم تھے۔ علما و فضلا کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ ۱۳ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۵ھ م سنہ ۱۸۶۹ء کو ان کا انتقال ہوا (۱۶۵)۔ ان کے عہد میں فارسی کا رواج کم ہونے لگا اور مختلف علوم و فنون کی کتابیں اردو زبان میں لکھی جانے لگیں۔

اس دور کے مشہور شعرا میں مرزا عبداللہ بیگ ہوش، میر احمد علی عمر، میر حیات الدین صاف، سید احسن علی احسن، سدانند جوگی بہاری لال رمز، محمد حفیظ الدین پاس، بچولال تمکین وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس: نواب میر محبوب علی خاں افضل الدولہ کے بڑے صاحبزادے ۵ ربیع الاخر سنہ ۱۲۸۳ھ م ۱۷ اگست سنہ ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے۔ افضل الدولہ کے انتقال کے وقت ان کی عمر صرف ۲ سال سات ماہ تھی۔ (۱۶۶)

انگریزوں کی خواہش تھی کہ افضل الدولہ کے بھائی روشن الدولہ تخت نشین ہوں مگر مدار المہام سالار جنگ نے افضل الدولہ کے انتقال کے فوری بعد حسب رواج قدیم شہر کے تمام

دروازے بند کروادئے اور جملہ اراکین سلطنت اور نواب سالار جنگ و شمس الامرا امیر کبیر نے اتفاق رائے سے افضل الدولہ کے انتقال کے تیسرے روز ۱۵ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ م سنہ ۱۸۶۹ء کو میر محبوب علی خاں کو سریر آرائے دولت کر دیا۔ اس وقت ان کی عمر دو سال سات ماہ دس یوم تھی۔ (۱۶۷)

اسی وقت ریذیڈنٹ نے دھمکی دی کہ ہم مسند نشینی کے دربار میں نہیں آئیں گے کیوں کہ مسند نشینی کے سلسلے میں، ہم کو لاعلم رکھا گیا اور کوئی مشورہ طلب نہیں کیا گیا۔ اس موقعہ پر سالار جنگ اور شمس الامرا نے تدبر سے کام لیتے ہوئے جواب دیا کہ آئین آصفی کے مطابق ولی عہد کو جانشین بنایا گیا ہے اور ان کی فرمانروائی کو رعایا تسلیم کرتی ہے۔ انگریزی حکومت سے استمزاج یا استفسار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بالآخر ریذیڈنٹ اور ان کے ساتھی اس شرط پر مسند نشینی کے دربار میں شریک ہونے پر رضامند ہوئے کہ ریذیڈنٹ، ان کے اسٹاف اور فوجی افسروں کے لیے دربار میں کرسیاں رکھی جائیں۔ اب تک دربار مغلیہ میں انگریز فرش پر بیٹھا کرتے تھے۔ (۱۶۸)

ریجنسی کا قیام: میر محبوب علی خاں کی کمسنی کی وجہ سے ریجنسی کی سخت ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ ان کے سن شعور کو پہنچنے تک نواب امیر کبیر شمس الامرا عمدۃ الملک بہادر نائب حضور اور نواب مختار الملک بہادر اعظم سلطنت کے کفیل قرار پائے۔ (۱۶۹) ریذیڈنٹ سے بعض امور میں صلاح لی جاتی تھی۔

نواب میر محبوب علی خاں کی تعلیم و تربیت کے لیے حکومت ہند نے خاص ہدایات جاری کیں۔ اپنے ایک مراسلہ (۱۸ مارچ سنہ ۱۸۶۹ء) میں ان کو ہر قسم کی تعلیم دینے کی ضرورت پر زور دیا۔ (۱۷۰) چنانچہ ان کی تعلیم و تربیت کے لیے مولانا محمد زمان خاں صاحب، مولوی انوار اللہ خاں، حافظ محمد انور اور محمد اشرف وغیرہ جیسے علما کو ان کا اتالیق اور معلم مقرر کیا گیا اور کپتان جان کلارک انگریزی تعلیم کے لیے مامور کئے گئے۔

مدار المہام سالار جنگ کی یہ خواہش تھی کہ جلد از جلد نو عمر بادشاہ عنان حکومت سنبھال لے لیکن یہ خواہش ان کی زندگی میں پوری نہ ہو سکی۔ ۸ فروری سنہ ۱۸۸۳ء کو سالار جنگ کا انتقال ہو گیا۔ سالار جنگ کے انتقال کے بعد گورنر جنرل وائسرائے بہادر نے خود حیدرآباد آکر مراسم جلوس ادا کئے اور مکمل اختیارات کے ساتھ ان کو ۵ فروری سنہ ۱۸۸۴ (۱۷۱) کو مسند نشین کیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب کہ گورنر جنرل بذات خود اس طرح کی تقاریب میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔

میر محبوب علی خاں انگریزوں کے وفادار اور سچے دوست تھے۔ انہوں نے اپنی ایک تقریر میں سرکار انگریز کو مخاطب کرکے فرمایا تھا۔ " میں ہر وقت روپیہ، فوج اور تلوار سے مدد

دینے کے لیے مستعد ہوں ۔ " (۱۷۲) ان کے دور حکمرانی میں اندرونی اور بیرون ملک کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا ۔ سوائے رود موسیٰ (۱۷۳) کی طغیانی کے جس سے حیدر آباد کو ناقابل تلافی جانی ، مالی اور علمی و ادبی نقصان پہنچا ۔ اس کے علاوہ سنہ ۱۹۰۲ء میں انگریز حکومت نے صوبہ برار کو ہمیشہ کے لیے ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ پر ٹھیکہ پر لے لیا ۔ اکثر چھاونیاں توڑ دی گئیں اور افواج کنٹنجنٹ میں تخفیف کر دی گئی ۔ (۱۷۴)

ملکی اصلاحات: میر محبوب علی خاں کے عہد حکومت میں برطانوی ہند کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ملکی نظم و نسق میں بنیادی تبدیلیاں لائی جانے لگیں ۔ بڑے پیمانے پر ملکی اصلاحات ہوئیں ۔ قدیم محکمہ جات میں نئی روح پھونکی گئی ۔ نئے نئے محکمے قائم کئے گئے ۔ (البتہ ان تبدیلیوں کی رفتار ابتداً سست تھی) اس عہد کی ملکی ترقی کے تعلق سے نجم الغنی مولف " تاریخ حیدر آباد " لکھتے ہیں کہ " مہمات ریاست اور حکومت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں نواب میر محبوب علی خاں کے عہد میں مناسب اصلاحیں نہ ہوئی ہوں ۔ تعلیمات ، طب ، فوج ، پولیس ، تعمیرات عامہ غرض وہ تمام خصوصیات جو آج کل مہذب سلطنتوں کے لیے ضروری ہیں ریاست حیدر آباد میں مکمل صورت میں موجود ہوگئے اور یہ انگریزوں کے مشورے کا طفیل تھا جنہوں نے ان تمام محاکم کو برٹش گورنمنٹ کے نمونے پر ڈھالا ۔ " (۱۷۵)

نواب میر محبوب علی خاں نے صدر المہاموں اور معین المہاموں (نائب وزرا) کے فرائض ایک دوسرے میں ضم کر دئے اور ۱۳۰۰ھ میں کونسل آف اسٹیٹ (مجلس سلطنت) قائم کی جس کی صدارت خود اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں فرماتے تھے ۔ سنہ ۱۳۰۲ھ م سنہ ۱۸۸۵ء میں محکمہ معتمد پولیٹیکل و فینانس مقرر ہوا (۱۷۶) ۔ سنہ ۱۳۱۰ھ میں ایک قانونچہ حصہ اول و دوم شائع ہوا ۔ اس قانونچہ کے تعلق سے مولوی سید خواجہ صاحب وکیل مولف " گلزار آصفیہ " لکھتے ہیں ۔ " ملک سرکار عالی میں قانون کی ابتدا اسی سے ہوئی یہ ایک مجمل قانون ہے جس میں چند فرامین شاہی مجمل طور پر نسبت انتظام شائع کئے گئے ہیں ۔ مگر وہ اصول اعلیٰ انتظام پر مبنی اور جملہ قوانین کا مبدا ہے ۔ (۱۷۷)

فروری سنہ ۱۸۹۳ء میں مجلس وضع قوانین قائم کی گئی تاکہ سرکاری اعلیٰ عہدہ داروں اور غیر سرکاری اراکین کو موقع ملے کہ وہ آپس کے مشورے اور بحث و تمحیص کے بعد ملک کے لیے موزوں قوانین مرتب کریں جو میر محبوب علی خاں کی منظوری کے بعد نافذ کئے جائیں ۔ (۱۷۸)

سنہ ۱۳۰۸ھ میں بلدہ میں یونانی مطب کھولے گئے اور پوسٹ کارڈ کا طریقہ رائج کیا گیا ۔ (۱۷۹)

سنہ ۱۳۱۰ھ میں کونسل آف اسٹیٹ کو موقوف کر کے کیبنٹ کونسل قائم کی گئی ۔ (۱۸۰) جو حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کی مجلس شوریٰ تھی اور جس میں ریاست کا سالانہ موازنہ پیش

ہوتا تھا اور اہم انتظامی مسائل پر مشورہ کیا جاتا تھا۔

۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۳ھ م سنہ ۱۹۰۶ء کو جدید ضلعبندی کا حکم بذریعہ جریدہ غیر معمولی نافذ ہوا۔ (۱۸۱)

پروفیسر عبدالقادر سروری، میر محبوب علی خاں کے عہد کو جدید حیدرآباد کا سنگ بنیاد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"آصف جاہ سادس کے عہد تک ریاست کا نظم ونسق قدیم مغلیہ اساس پر مبنی تھا ریاست کے چاروں طرف نئے نظام کا رواج ہوا تو ریاست کو ماحول کے ساتھ ہم آہنگی اور ہندوستانی نظم کے ساتھ یکسانیت کے خیال نے اپنے نسقی (کذا) نظام کو بدلنے پر مجبور کیا لیکن یہ کام اس نے بتدریج کیا اور اس کا آغاز اسی عہد سے ہوتا ہے اس لیے یہ عہد جدید حیدرآباد کا سنگ بنیاد ہے۔" (۱۸۲)

توسیع تعلیم: میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس نے تعلیم کی طرف خاص توجہ دی۔ انہوں نے کہا تھا۔

"میں ہمہ تن اپنی رعایا اور سلطنت کی بہبودی اور راحت و ترقی علوم وفنون میں بہ دل و جان کوشش کرتا رہوں گا۔" (۱۸۳)

میر محبوب علی خاں اور سالار جنگ کے حکم پر کئی علمی طبی اور فنی مدرسے قائم کیے گئے۔ ابتدائی تعلیم کے لیے بھی ملک کے ہر ایک صوبہ میں بیشمار مدارس کھولے گئے۔ سنہ ۱۲۹۷ھ م سنہ ۱۸۸۰ء میں حیدرآباد کالج کا قیام عمل میں آیا۔ ۲۱ ذلجہ ۱۳۰۲ھ م یکم اکتوبر سنہ ۱۸۸۵ء کو چادر گھاٹ میں سیول سرویس کلاسس قائم کی گئیں جس میں متعدد سیولین، مال، عدالت، کوتوالی اور انجینری میں کافی لیاقت حاصل کر کے سرکار عالی کی خدمت کے قابل بنے۔ انہیں مناسب ملازمتیں بھی دی گئیں۔ (۱۸۴)

سنہ ۱۳۰۴ھ میں حیدرآباد کالج کو مدرسہ عالیہ میں ضم کر کے "نظام کالج" نام رکھا گیا۔ سنہ ۱۲۸۷ھ میں مدرسہ فن تعمیرات قائم کیا گیا (۱۸۵)۔ مظاہرات کے مطالعے اور ہیئت کی عملی تعلیم کے لیے رصد گاہ نظامیہ قائم کی گئی۔ سنہ ۱۳۰۷ھ میں طلبا کی اعانت کے لیے پانچ ہزار روپیے کمپنی کے تفویض کیے گئے تاکہ جو طلبا غریبی و مفلسی کی وجہ سے اقطاع ہند میں کالج کلاسوں کی اعلیٰ تعلیم پانے سے محروم رہ جاتے ہیں ان کو تعلیمی وظائف بنام "وظائف نظامیہ" دئے جائیں۔

میر محبوب علی خاں کے دور میں تعلیم نسواں کی طرف بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ تعلیم نسواں کے متعلق جدید انتظام سنہ ۱۳۰۲ھ م سنہ ۱۸۸۵ء سے ہوا اور سنہ ۱۳۰۲ھ م سنہ ۱۸۸۵ء میں ایک مدرسہ تعلیم نسواں کا قائم کیا گیا۔ (۱۸۶) سنہ ۱۸۸۷ء میں زنانہ مڈل اسکول نام پلی کا قیام عمل میں آیا جس کو سنہ ۱۹۰۸ء میں فوقانیہ کا درجہ دے دیا گیا اور اسی سال محبوبیہ گرلز اسکول کا

بھی افتتاح عمل میں آیا۔ (۱۸۷)

نواب میر محبوب علی خاں نے محکمہ تعلیم کو منظم پیمانے پر ترقی دینے کی غرض سے ۱۹۱۰ء میں مسٹر اے ۔ آئی میہیو آئی ۔ ای یس کا دو سال کے لیے بحیثیت مشیر تعلیم تقرر فرمایا۔ (۱۸۸)

کتب خانہ آصفیہ: عوام کی علمی و ادبی پیاس بجھانے کے لیے ۲ رمضان ۱۳۰۸ھ میں کتب خانہ آصفیہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے علاوہ کئی اور کتب خانے کھولے گئے۔

ادبی انجمنوں کا قیام: اس دور میں حیدر آباد میں مختلف علمی و ادبی انجمنیں قائم ہونے لگیں جہاں پر علمی و ادبی موضوعات پر تقریریں اور مذاکرات منعقد ہونے لگے تھے ۔ اردو کی اشاعت و ترقی میں ان انجمنوں کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں سے چند اہم انجمنوں کا ذکر درج ذیل ہے ۔

(۱) انجمن ثمرۃ الادب: سنہ ۱۳۱۲ھ میں یہ انجمن مدرسہ دار العلوم میں قائم ہوئی اس کا اہم مقصد طلبا میں عام معلومات کی اشاعت تھا ۔ (۱۸۹) اس انجمن کو حکومت سے ماہوار امداد ملتی تھی ۔

(۲) انجمن اتفاق دکن: سنہ ۱۳۲۰ھ میں اس انجمن کا قیام عمل میں آیا ۔ یہاں علمی ، اخلاقی ، تمدنی اور معاشرتی موضوعات پر ہر ہفتہ پابندی سے مضامین پڑھے جاتے تھے (۱۹۰)

(۳) انجمن اصلاح خیالات: سنہ ۱۳۲۱ھ میں اس انجمن کا قیام عمل میں آیا ۔ اس کا مقصد ملک میں اچھے مقرر پیدا کرنا اور عوام کے علمی ، اخلاقی ، معاشرتی معلومات میں اضافہ کرنا تھا یہاں ہر ہفتہ پابندی سے جلسے ہوا کرتے تھے ۔ (۱۹۱)

(۴) انجمن ترقی علوم قدیمہ: سنہ ۱۳۲۲ھ میں یہ انجمن قائم ہوئی ۔ اس کا مقصد مشرقی علوم کی نایاب کتابوں کی اشاعت تھا ۔ اس کے تحت نادر کتابوں کا ایک کتب خانہ بھی تھا (۱۹۲) ۔

(۵) انجمن سرمایہ تعلیمی: ۱۵ آذر سنہ ۱۳۱۶ف میں اس انجمن کا قیام عمل میں آیا ۔ اس کا مقصد عوام سے چندہ جمع کر کے مستحق اور ہونہار طلبا کو وظائف دے کر مدرسۃ العلوم علی گڑھ یا ہندوستان یا یورپ و امریکہ کے کسی کالج میں خاص فنون کی تعلیم دلانا تھا ۔ اس انجمن کے صدر نشین مولوی محمد عزیز مرزا صاحب اور معتمد مولوی عبد الحق صاحب بی ۔ اے تھے ۔ (۱۹۳)

(۶) انجمن معیار العلوم: سنہ ۱۹۰۶ء میں یہ انجمن قائم ہوئی ۔ اس کا مقصد طلبا یا مستحقین و شائقین علم کا امتحان لے کر ان کو سند عطا کرنا تھا ۔ یہاں پر منشی ، منشی عالم ، منشی فاضل ، مولوی ، مولوی عالم ، مولوی فاضل کے امتحان ہوتے تھے اور نصاب پنجاب یونیورسٹی کا تھا ۔ (۱۹۴)

(۷) انجمن ترقی اردو: ۱۴ ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۵ھ حیدر آباد میں اردو زبان و ادب کی ترقی کے لیے اس انجمن کا قیام عمل میں آیا ۔ اس کا مقصد تراجم و تالیف کے ذریعہ اردو کے ذخیرہ

میں اضافہ کرتا تھا ۔ اس کے سرپرست میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس تھے اور سکریٹری مولوی عبدالحق بی ۔ اے تھے ۔

شعر و ادب: نواب میر محبوب علی خاں نہایت پر گو اور صاحب دیوان شاعر تھے ۔ آصف تخلص فرماتے تھے ۔ ابتدا میں حفیظ الدین پاس جانشین فیض سے اصلاح سخن لی لیکن جب داغ کا شہرہ سارے ہندوستان میں پھیل گیا تو انہوں نے انہیں حیدرآباد بلاکر اپنا استاد مقرر کیا ۔ پندرہ سو روپیہ ماہوار اور انعام و اکرام کے علاوہ " مقرب السلطان بلبل ہندوستان جہاں استاد ناظم یار جنگ دبیر الدولہ فصیح الملک " کا معزز خطاب عنایت کیا ۔ اس قدر دانی کے متعلق رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں ۔

> " حیدرآباد میں داغ کو دنیاوی ثروت کا جس قدر عروج حاصل ہوا ہمارے خیال میں کسی اور شاعر کی کسی رئیس کے دربار میں نہ اس قدر عزت اور قدر و منزلت کی گئی اور نہ اتنی بیش قرار تنخواہ کبھی کسی کو ملی ہوگی ۔ " (۱۹۵)

حقیقت تو یہ ہے کہ دہلی اور لکھنو کے اجڑنے کے بعد حیدرآباد ہی اہل علم کی تنہا پناہ گاہ باقی رہ گئی تھی جو اپنی پچھلی روایتوں کے مطابق علم و فضل کی ترقی کر رہی تھی ۔ داغ کی آمد کے بعد شاعری کا بازار کافی گرم ہوگیا ۔ میر محبوب علی خاں کی علم نوازی اور قدر دانی سخن کا شہرہ سن کر شمالی ہند اور مختلف مقامات کے کئی شعرا حیدرآباد میں جمع ہوگئے جن میں سید کاظم حسین شیفتہ لکھنوی ، امیر احمد امیر مینائی ، ظہیر الدین ظہیر دہلوی ، مولوی حافظ جلیل حسن جلیل مانکپوری ، محمد عبدالجلیل نعمانی (رام پوری) ترک علی شاہ ترکی لاہوری (پنجاب) سید خواجہ معین الدین چشتی سلام مدراسی ، مرزا قربان علی بیگ سالک دہلوی ، ضیا لکھنوی ، محمد عبداللہ خاں ضیغم لکھنوی ، عدیل کنتوری ، محمد باقر فکر کانپوری ، قدر بلگرامی ، شمس الحق میکش تھانوی ، وحید دہلوی والہ مدراسی ، ہادی دہلوی ، عاجز مدراسی ، عشق مدراسی ، حیدر یار جنگ نظم طباطبائی ، عبدالرحمن بیدل سہارنپوری ، امراء مرزا نادان دہلوی ، احسان الحق زار دہلوی ، درگا پرشاد ذکا کانپوری ، نادر علی برتر قنوجی ، سید محمد شاہ وارثی بے نظیر ، نجم الدین ثاقب بدایونی ، نواب مرزا شکیب دہلوی عابد مرزا بیگم لکھنوی ، ابوالحمید آزاد دہلوی ، امیر حسن فروغ لکھنوی ، اصغریار جنگ اصغر ، اختریار جنگ اختر مینائی وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ ان کے علاوہ مشہور مرثیہ گو میر انیس بھی یہاں مرثیے پڑھنے کے لیے آیا کرتے تھے ۔

یہاں کے مقامی شعرا میں خود نواب میر محبوب علی خاں آصف ، مہاراجہ کشن پرشاد شاد ، سید نوازش علی لمعہ ، لقمان الدولہ دل ، میر وزیر علی خاں جوش ، احمد اللہ واصل ، ڈاکٹر احمد حسین مائل ، میر نوازش علی مست ، خواجہ بہاء الدین دارا ، میر حسن علی خاں افسر ، محمد ابوالحمید ، میر محمد علی بخشی ، میر اسد علی ششدر ، میر تراب علی زور ، میر نادر علی رعد ، محمد امداد حسین عازم ، احتشام

الدین تجلی، عباس حسن خاں شہید، عبدالحئی بازغ، سید عبدالقادر قانع، محمد سلیمان مہدی، سید عیسیٰ خاں مہدوی، حکیم عاشق حسین خاں ہاتف، مولوی نجم الدین حسن قادری افضل، میر حشمت علی حشمت، محمد اعجاز علی شہرت، سید رضی الدین حسن کیفی، غلام صمدانی خاں گوہر کے علاوہ بیسیوں شعرا موجود تھے۔ اس دور کے شعرا پر داغ اور امیر کی زبان اور طرز بیان کا بڑا گہرا اثر پڑا داغ کے آگے تمام مقامی شاعروں کی شہرت ماند پڑنے لگی تو ایسے وقت صفی اور ان کے حیدرآبادی شاگرد احمد اللہ واصل اور ڈاکٹر احمد حسین مائل، داغ کے مقابلہ پر اتر آئے۔ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ حیدرآباد میں جو شاعر ہیں وہ بھی فصیح زبان لکھ سکتے ہیں۔ اس دور میں پہلی بار غیر ملکیوں کے تعلق سے مخالفانہ جذبات ابھرے۔

واصل ترقی دیں گے ہم اردو زبان کو
ملک دکن کو ہند کا ہمسر بنائیں گے

میرا ذمہ زباں میں ہو دکن بھی ہند کا ہمسر
رہیں واصل اگر جلسے یونہی یاران یکدل کے

اسی طرح داغ کی مشہور تعلی ع "کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے" کا جواب واصل نے اس طرح دیا۔

نہیں کوئی اردو کی تخصیص واصل
کہ آتی ہے ہر اک زباں آتے آتے

مائل نے بھی اسی طرح داغ پر چوٹ کی۔

زباں کا بڑا جن کو دعویٰ ہے مائل
انہیں بھی تو آئی زباں آتے آتے

ان شعرا کو اہل ملک سے شکایت تھی کہ وہ خوانخواہ بیرونی شعرا کو اہمیت دیتے ہیں۔ وہ بتانا چاہتے تھے کہ حیدرآبادی شاعر بھی اہل دہلی یا اہل لکھنو جیسی زبان لکھ سکتے ہیں۔

توجہ اگر ہو تو اردو ہے کیا چیز
کہ راز خدا آدمی جانتا ہے

اس چشمک کے نتیجے میں اہل دکن میں خود اعتمادی اور زندگی کی لہر پیدا ہوئی۔ اس دور کے شعرا میں کیفی ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ وہ حالی اور آزاد کی جدید شاعری کی تحریک سے متاثر تھے بقول نصیر الدین ہاشمی "انہیں حیدرآباد کا حالی قرار دیا جا سکتا ہے ..... حالی کی طرح کیفی نے قومی اسٹیج پر نغمہ سنجی کی۔" (۱۹۶)

شعرا کے علاوہ شمالی ہند کے بہت سے ادیب اور انشا پرداز بھی اس زمانے میں حیدرآباد

میں جمع ہوئے ان میں عبدالحلیم شرر، پنڈت رتن ناتھ سرشار، نواب محسن الملک، مولوی چراغ علی، شبلی نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ظفر علی خاں، مولوی مشتاق حسین قابل ذکر ہیں۔

شاعری کے ساتھ اس دور میں نثرنگاری کو بھی کافی ترقی ہوئی۔ ہر موضوع پر کتابیں لکھی گئیں۔ ذیل میں چند اہم تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مولوی ظفر علی خاں نے "خیابان فارس" اور معرکہ مذہب و سائنس کا ترجمہ کیا۔

شمس العلما سید علی بلگرامی نے "تمدن عرب" اور "تمدن ہند" کا ترجمہ کیا۔ ملا عبدالقیوم نے "استدعا تعلیم جبری" مرتب کی۔

عبدالجبار خاں ملکاپوری جو مشہور مورخ گزرے ہیں انہوں نے محبوب الزمن تذکرہ۔ شعرائے دکن " (دو جلدوں میں) " محبوب ذی الوطن تذکرہ سلاطین دکن " اور " محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن " لکھ کر حیدرآباد کی تاریخ کو محفوظ کر دیا۔ دکن پر کوئی کتاب ان کتابوں سے مدد لیے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

مانک راؤ وٹھل راؤ نے "بستان آصفیہ" لکھی جو سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی دکن کے سلاطین خاندانوں اور خاندان آصفیہ کے حالات تفصیل سے درج ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے "خیابان آصفیہ" "دستور حکمرانی" حالات و مقالات سقراط" "مرہٹوں کا تمدن" وغیرہ کتابیں لکھی۔

غلام صمدانی خاں گوہر نے "تزک محبوبیہ" (دو جلدوں میں) " ریاض آصف " اور " دربار آصف " کے نام سے سلاطین ہند اور سلاطین دکن کی مکمل تاریخ قلمبند کی۔ اس کے علاوہ ایک ناول "صادق و رحیم النسا" بھی لکھا۔

عزیز مرزا نے قانون، تاریخ، فلاحت، لغت وغیرہ پر نثر میں کئی کتابیں لکھیں جس کی بنا پر ان کو خان بہادر شمس العلماء کا خطاب دیا گیا۔

اردو بحیثیت سرکاری زبان: اس دور کا سب سے اہم عہد آفریں کارنامہ اردو کا سلطنت آصفیہ کی سرکاری زبان قرار پانا ہے۔

گورنمنٹ ہند نے سنہ ۱۸۳۵ء میں سرکاری دفتروں اور عدالتوں کی زبان اردو کو قرار دیا۔ اس کا مقصد فارسی زبان کو ختم کرنا تھا جو مغلیہ سلطنت کی یادگار تھی۔ ویسے بھی فارسی کا چلن کم ہو گیا تھا اس کے مقابلے میں اردو ہی ایسی زبان تھی جو سارے اقطاع ملک میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔

دکن میں عادل شاہی اور قطب شاہی حکمرانوں نے بھی ابتدا ہی سے اردو شعر و ادب کی سرپرستی کی۔ سلطنت آصفیہ کے قیام کے بعد یہاں کے حکمرانوں اور امرا نے بھی اردو شعر و ادب میں کافی دلچسپی لی جس کی وجہ سے یہاں اردو شاعری کا کافی چرچا رہا اور شمالی ہند کے اکثر شعرا یہاں

جمع ہونے لگے اور یہاں کے عوام میں بھی اردو شعر و ادب سے لگاؤ پیدا ہو گیا ۔ شمس الامرا نے اردو کی ہمہ گیر اہمیت کو سمجھتے ہوئے سب سے پہلے علمی، سائنسی کتابوں کے ترجمے اردو زبان میں کروائے اور اردو ذریعہ تعلیم کے مدرسے قائم کیے ۔ یہاں تک کے سائنس، ڈاکٹری اور انجنیری کی تعلیم بھی اردو زبان میں ہونے لگی ۔

مگر ابھی تک یہاں کے سرکاری کاروبار فارسی میں انجام دئے جاتے تھے ۔ یہاں کے حکمران ، امرا ، شرفا اور اکثر عہدہ داروں کی مادری زبان اردو تھی مگر جب یہ لوگ اپنے سرکاری فرائض انجام دیتے تو ان کو اپنے کام کی تنقیح کے سلسلے میں کافی مشکلات پیش آتی تھیں ۔ اس طرح تعلقداران اضلاع کو بھی یہ مسئلہ درپیش تھا ۔ ان کو اس قدر مہلت نہیں ملتی تھی کہ وہ کاغذات پر لفظاً لفظاً غور و خوص کر کے دستخط کریں ۔ اس سلسلے میں مولف " دکن میں اردو " لکھتے ہیں کہ سنہ ۱۲۸۸ھ میں یہ مسلہ پیش ہوا اور صرف اتنی اجازت دی گئی تھی کہ نظماء عدالت کی رائے ہو تو وہ گواہوں یا اہل معاملہ سے اظہار اردو میں قلمبند کریں ۔ " (۱۹۷)

اس کے بعد پھر سنہ ۱۲۹۳ھ میں دفاتر عدالت کی کاروائی زبان اردو میں کرنے کا مسئلہ چھڑ گیا (۱۹۸) ۔ تب کچھ پیش رفت ہوئی اور نظماء عدالت کی رضامندی کی قید اٹھادی گئی اور یہ لازم کر دیا گیا کہ اردو میں اظہار قلمبند ہوا کرے مگر اہل مقدمہ کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنی درخواست خواہ اردو میں پیش کریں خواہ فارسی میں ۔ عدالت کے ساتھ اس زمانے میں دفاتر مال اور بند و بست اردو میں کر دئے گئے ۔

سنہ ۱۳۰۱ھ میں جب یہ دیکھا گیا کہ دفاتر میں دو عملی ہو گئی ہے اور امثلہ میں فارسی اور اردو مخلوط ہو جاتی ہے اور کوئی دفتر فارسی میں مراسلت کرتا ہے اور کوئی اردو میں ۔ کسی ناظم عدالت کا فیصلہ تمام تر اردو میں ہوتا ہے تو کسی کا فارسی اور اردو سے مخلوط ۔ اس دو عملی کو دور کرنے اور نقائص کو مٹانے کے لیے نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس نے اپنی تخت نشینی کے فوری بعد ایک خصوصی گشتی (مورخہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ) کے ذریعہ مملکت آصفیہ کی سرکاری زبان بجائے فارسی کے " اردو " کو قرار دیا (۱۹۹) ۔ اس کے بعد تمام دفاتر مکمل طور سے اردو میں منتقل ہو گئے ۔

اخبارات و رسائل : عوام میں علمی و ادبی ذوق پیدا کرنے کے ساتھ ان کی عام معلومات میں اضافہ اور حالات حاضرہ سے واقفیت کے لیے حیدرآباد دکن میں بیسوں اخبارات و رسائل نکلنے لگے ۔ ذیل میں چند اہم اخبارات کے نام درج کئے جاتے ہیں ۔

اخبارات

۱ ۔ جریدہ اعلامیہ سرکار عالی یہ ہفتہ وار اخبار ابتدا (سنہ ۱۲۸۶ھ م سنہ ۱۸۶۹ء) میں فارسی زبان

میں جاری ہوا۔ پھر سنہ ۱۳۰۱ھ سے یہ بجائے فارسی کے اردو میں شائع ہونے لگا۔
۲۔ ہزار داستان۔ یہ روزنامہ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۱ھ میں زیر ادارت مولوی محمد سلطان دہلوی جاری ہوا۔
۳۔ معلم شفیق۔ یہ ہفتہ وار اخبار ماہ شوال سنہ ۱۳۰۱ھ میں مولوی محب حسین کی ادارت میں جاری ہوا۔
۴۔ اخبار آصفی۔ یہ ہفتہ وار اخبار ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۰۱ھ میں محمد سلطان دہلوی کی ادارت میں نکلنے لگا۔
۵۔ پیک آصفی۔ یہ روزنامہ سنہ ۱۸۸۵ء میں سید حسن کی ادارت میں جاری ہوا۔
۶۔ افسر الاخبار۔ یہ اخبار مورخہ ۷ محرم سنہ ۱۳۰۴ھ میں بسرپرستی نواب کرنل افسر الملک بہادر جاری ہوا۔
۷۔ سفیر دکن۔ یہ ہفتہ وار اخبار تھا جو ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۰۵ھ میں مولوی سید امجد علی اشہری کی ادارت میں نکلنے لگا۔
۸۔ دکن پنچ / مشیر دکن۔ دکن پنچ ہفتہ وار اخبار تھا جو فروری سنہ ۱۸۸۷ء میں جاری ہوا پھر سنہ ۱۸۹۲ء سے یہ اخبار مشیر دکن کے نام سے روزآنہ شائع ہونے لگا۔
۹۔ محبوب القلوب۔ یہ ہفتہ وار اخبار تھا جو ۱۹ جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۷ھ میں عماد السلطنت بہادر کی سرپرستی میں نکلنے لگا۔
۱۰۔ نظارہ عالم۔ یہ ہفتہ وار ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۱۴ھ میں جاری ہوا۔ اس کے مدیر منشی قدرت اللہ مضطر تھے۔
۱۱۔ عزیز الاخبار۔ یہ اخبار ماہ صفر سنہ ۱۳۲۰ھ میں شمس العلماء نواب عزیز جنگ بہادر کی ادارت میں جاری ہوا۔
۱۲۔ دکھنی۔ یہ ہفتہ وار ماہ محرم سنہ ۱۳۲۱ھ میں زیر ادارت مولوی محمد عبدالرحیم (وکیل ہائیکورٹ) جاری ہوا۔
۱۳۔ جلوہ محبوب۔ یہ ہفتہ وار اخبار مورخہ ۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۱ھ میں جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی غلام صمدانی گوہر تھے۔
۱۴۔ علم و عمل۔ یہ روزنامہ ۲۱ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۲ھ میں زیر ادارت مولوی محب حسین جاری ہوا۔
۱۵۔ محبوب گزٹ۔ یہ ہفتہ وار ماہ شوال سنہ ۱۳۲۳ھ میں زیر اہتمام منشی پیارے لال جاری ہوا۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد: حیدرآباد دکن میں اردو کی سرپرستی اور ترقی میں مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد کا بھی کافی حصہ رہا ہے۔ آپ میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس کے

ہاں ابتدا میں پیشکاری کے عہدہ پر فائز ہوئے پھر ۲۶ رجب سنہ ۱۳۲۰ھ کو مستقل مدار المہام بنائے گئے (۲۰۰) ۔ مہاراجہ نے سرکاری فرائض کو ہمیشہ حسن وخوبی سے انجام دیا جس کی وجہ سے ان کی مختلف خدمات کی ستائش کی گئی ۔ انگریز حکمران بھی ان کی بلند پایہ شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ۔

مہاراجہ بڑے ذی علم ، علم دوست ، علم پرور اور اردو کے بڑے محسن تھے ۔ علما ، فضلا فقرا و دیگر ارباب کمال کے بھی بڑے قدردان تھے ۔ وہ فارسی اور اردو کے اعلیٰ پایہ کے شاعر اور ایک اچھے انشا پرداز تھے ۔ شاد تخلص فرماتے تھے ۔ بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا ۔ ابتدا میں بچولال تمکین سے اصلاح سخن لیا کرتے تھے ۔ ان کے انتقال کے بعد میر عبدالعلی والا اور مظفر الدین صاحب معلیٰ کو اپنا کلام دکھاتے رہے پھر انہوں نے داغ دہلوی سے تلمذ حاصل کیا اور آخر میں اعلحضرت نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کیا ۔ (۲۰۱)

ان کی دیوڑھی میں شعر و سخن کی محفلیں آراستہ ہوتی تھیں جن میں مقامی شعرا کے علاوہ بیرونی شعرا بھی شریک ہوتے تھے ۔ شعرا میں فانی بدایونی ، ضامن کنتوری ، جوش ملیح آبادی ، نظم طباطبائی ، ضیا یار جنگ ضیا ، غلام پنجتن ، حیرت بدایونی ، عزیز یار جنگ عزیز ، تراب یار جنگ سعید اصغر یار جنگ اصغر ، آقا محمد علی خاں دای الاسلام ، مہدی حسین الم ، مسعود علی محوی ، عبداللہ عمادی جیب الدین صغیر ، اکرام الدین خاں اکرام ، وحید الدین خاں وحید ، عبدالصمد واصفی قابل ذکر ہیں ۔

مہاراجہ کی شعرا پروری اور ادب نوازی کا چرچا عام تھا جیسا کہ ڈاکٹر جیب ضیا لکھتی ہیں کہ " جب کبھی باہر سے کوئی شاعر آتا تو اس کے اعزاز میں مہاراجہ بڑے اہتمام سے مشاعرہ منعقد کرواتے چنانچہ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی اور علامہ اقبال وغیرہ کی آمد پر بڑے شاندار مشاعرے منعقد ہوتے تھے ۔ (۲۰۲)

مہاراجہ کو شاعری کے ساتھ ساتھ نثر نگاری پر بھی عبور حاصل تھا ۔ نثر میں ابتدا میں محمد مظفر الدین صاحب اور بعد میں پنڈت رتن ناتھ سرشار سے اصلاح لی ۔ (۲۰۳)

مہاراجہ چالیس سے زیادہ کتابوں کے مصنف و مولف ہیں (۲۰۴) جن میں ناول ، افسانہ مجموعہ مضامین ، دواوین ، مجموعہ رباعیات ، سفرنامے اور مذہبی کتابیں شامل ہیں جن میں سے چند قابل ذکر تصانیف کے نام درج ذیل ہیں ۔

ناول --- مطلع خورشید -- چنچل نار -- بزم خیال

سفرنامہ و روزنامچہ --- جذبات شاد (سفرنامہ) جام جہاں نما (روزنامچہ) سیر پنجاب (سفرنامہ) سیر و سفر (سفرنامہ) روزنامچہ گلبرگہ (روزنامچہ) سفر شاد نگر (سفرنامہ) شکار شیر (سفرنامہ)

وغیرہ۔
مقالات و علمی مضامین --- لطائف بے نظیر، ارض الرمل -- ضلع جگت -- آزادی ارمغان وزارت -- محز القوافی -- گیان درپن -- نور چشم -- معراج ترقی -- دسہرا -- موتیوں کی لڑی وغیرہ
نظم اردو، فارسی، ہندی --- باغ شاد -- رباعیات -- آشوب عظیم -- نظم دو پیسہ -- پریم درپن -- بزم شاد -- مثنوی حسن و عشق -- نغمہ شاد -- خمکدہ شاد -- ترانہ شاد -- شگوفہ بہار -- ارمغان زیباو غیرہ۔

مہاراجہ کی زندگی کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں گذرا۔ ان کو صحافت سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ انہوں نے کئی رسائل کی سرپرستی فرمائی۔ ان کی سرپرستی میں نکلنے والے رسائل درج ذیل ہیں۔
ا دبدبہ آصفی ۲ شوکت عثمانی ۳ رسالہ محبوب الکلام ۴ تزک عثمانیہ ۵۔ گلدستہ جشن آصفیہ ۶۔ رسالہ حیات سخن وغیرہ۔

مہاراجہ نے جس طرح اپنی سیاسی زندگی میں کافی شہرت پائی اسی طرح ادب میں بھی ان کے کارناموں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ بقول ڈاکٹر حبیب ضیا" مہاراجہ شاد کی ان فیاضیوں اور سرپرستیوں کو دیکھکر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے انہوں نے اردو زبان و اشاعت کے لیے اپنے خزانے وقف کر دئے ----- اپنی سرپرستی سے اردو زبان و ادب کو سربلندی عطا کی تھی اور ریاست میں اس زبان سے محبت کرنے کی جو فضا پیدا کر دی تھی اس فضا نے بھی اردو کو معراج کمال پر پہنچنے میں بالواسطہ مدد دی۔ (۲۰۵)۔

نواب میر عثمان علی خاں بہادر آصف سابع: نواب میر عثمان علی خاں بہادر آصف سابع سلطنت آصفیہ کے آخری تاجدار تھے جو ۲۹ جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۳ھ م ۵ اپریل سنہ ۱۸۸۶ء کو تولد ہوئے (۲۰۶)۔ ان کے والد بزرگوار کو ان کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال تھا۔ اس لیے بچپن ہی سے ہر علم و فن کی تعلیم کے لیے جداگانہ اتالیق اور معلم مقرر کئے گئے جیسے مولانا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ عربی اور دینی تعلیم کے لیے، نواب عماد الملک، مولوی سید حسین بلگرامی اور سید علی شوستری فارسی کے لیے اور مسٹر اجرٹن انگریزی کے لیے مقرر ہوئے (۲۰۷) اور مصاحبت کے لیے بھی تعلیم یافتہ، ہوشیار اور تجربہ کار اصحاب رکھے گئے۔ آپ کو امور سلطنت اور قوانین سے واقف کرانے کی غرض سے یہ انتظام کیا گیا تھا کہ مختلف محکموں کے کاغذات اور امثلہ ان کے مددگاروں کے ذریعہ سے ان کے ملاحظہ میں پیش کئے جاتے تھے اور دفتری پیچیدگیوں اور قانونی نکتوں سے انہیں واقف کرایا جاتا اس کے علاوہ ان کو ممالک محروسہ کا کئی بار دورہ کرایا گیا تاکہ ریاست کے نظم و نسق سے آگاہی حاصل ہو۔ چنانچہ اسی مقصد کے تحت نواب میر محبوب علی

خاں نے کلکتہ اور دہلی کے سفر میں ان کو اپنے ساتھ رکھا۔

میر عثمان علی خاں کو چھ زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ اردو کے علاوہ انگریزی، ترکی، عربی فارسی اور تلنگی میں کافی مہارت تھی۔ انہوں نے اپنے والد میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس کے انتقال کے بعد ۲۶ برس کی عمر میں ۴ رمضان سنہ ۱۳۲۹ھ م سنہ ۱۹۱۱ء کو عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی (۲۰۸)۔ ان کی تخت نشینی کے وقت مہاراجہ سرکشن پرشاد مدار المہام تھے۔ جولائی سنہ ۱۹۰۲ء میں ان کی جگہ میر یوسف علی خاں سالار جنگ سوم مدار المہام مقرر ہوئے لیکن اگست سنہ ۱۹۱۴ء میں وہ اس عہدہ سے سبکدوش ہوگئے۔ اس سال پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی۔ ایسے نازک موقع میں حضور نظام نے مدار المہامی کے فرائض اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ میر عثمان علی خاں انگریزی حکومت کے دوست اور وفادار تھے۔ دوران جنگ انہوں نے حکومت برطانیہ کی ہر طرح سے مدد کی۔ ہزاروں کی تعداد میں سپاہی میدان جنگ میں بھیجے اور لاکھوں پونڈ کی نقد رقمی امداد دی۔ جنگ ختم ہونے پر سلطنت برطانیہ نے آپ کی دوستی کے اعتراف میں ۲۴ جنوری سنہ ۱۹۱۸ء کو "ہزاگزالٹیڈ ہائی نس کا خطاب اور یار وفادار سلطنت برطانیہ" کا لقب عطا کیا۔ (۲۰۹)

صوبہ برار کے تعلق سے پہلی جنگ عظیم کے بعد جب کہ برطانوی حکومت کو یکسوئی حاصل ہو چکی تھی حضور نظام نے ۲۵ اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ء کو لارڈ ریڈنگ والیسرائے ہند کے نام ایک مکتوب میں مسئلہ برار کی دستوری نوعیت کو جو دستاویزی شہادتوں پر مبنی تھی واضح فرمایا۔ کئی بار خط و کتابت اور گفت و شنید کے بعد بالاخر ۲۴ اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ء کو ایک معاہدہ اعلیٰ حضرت اور ہز مجسٹی ملک معظم کے مابین پایہ تکمیل کو پہنچا جس کی رو سے علاقہ برار پر اعلیٰ حضرت کے مالکانہ شاہانہ حقوق کو علانیہ طور پر برطانوی حکومت نے تسلیم کر لیا۔ (۲۱۰)۔

اصلاحات: آصف سابع ایک اچھے مدبر اور سیاستداں تھے۔ ان کی ذات میں ایک بڑے مصلح اور قومی رہنما کی تمام صفات موجود تھیں۔ انہوں نے ایک خوشحال اور ترقی یافتہ مملکت کا خواب دیکھا اور بہترین ذہنی اور مادی وسائل کو کام میں لاکر اس خواب کو تعبیر کی شکل دی۔

آصف سابع ملکی اور بین الاقوامی حالات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کو عصری تقاضوں کا پورا احساس تھا چنانچہ انہوں نے اقتدار کو اپنی ذات میں مرکوز رکھنے کے بجائے ۱۷ نومبر سنہ ۱۹۱۹ء (۲۱۱) کو ایک فرمان خاص کے ذریعہ ایک مجلس انتظامی کے سپرد کر دیا یعنی ملک کی حکومت میں وزرا کی ایک مجلس کو شریک کیا۔ اس مجلس میں ایک صدر اور سات اراکین تھے اور اس مجلس کا نام "باب حکومت" قرار پایا۔ اس مجلس کی صدارت عظمیٰ کا منصب سب سے پہلے سر علی امام کو تفویض کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی نظم و نسق کے مختلف شعبوں اور محکموں مثلاً زراعت، طبابت قانون، مالیات، امور عامہ، پولیس، فوج، مواصلات اور تعلیم کی تنظیم جدید کی اور کئی نئے محکمے

قائم کئے جیسے۔

سنہ ۱۹۱۳ء میں سررشتہ زراعت کا قیام عمل میں آیا۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں سررشتہ آثار قدیمہ کا قیام عمل میں آیا۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں فارسٹ ایکٹ میں ترمیم کی گئی اور نظام آباد فارسٹ اسکول کھولا گیا

سنہ ۱۹۲۰ء میں اسپورٹس کے محکمے کا قیام عمل میں آیا۔

سنہ ۱۹۲۱ء میں ملک میں پہلی دفعہ دیہی ترقیات کی ابتدا ہوئی۔

سنہ ۱۹۳۱ء میں سررشتہ معلومات عامہ کا قیام عمل میں آیا۔

سنہ ۱۹۴۱ء میں انڈسٹریل ریسرچ بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی۔

سنہ ۱۹۴۵ء میں محکمہ لیبر کا قیام عمل میں آیا۔

نظام سابع نے اقتدار سنبھالنے کے بعد اشاعت تعلیم کی طرف خاص طور پر توجہ کی۔ آپ زبردست عالم، علم پرور اور علم کے شیدائی تھے۔ انہوں نے اپنے دور حکومت میں علم و ادب کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔

میر عثمان علی خاں نے محکمہ تعلیم کو نئے خطوط پر منظم کیا۔ اس سلسلے میں مسٹر اے۔ آئی میہیو آئی۔ اے۔ ایس مشیر تعلیم کی رپورٹ (سنہ ۱۹۱۲ء) کی متعدد سفارشات کو روبہ عمل لاتے ہوئے سنہ ۱۹۱۹ء اور سنہ ۱۹۲۰ء کے درمیان چار ٹیچر ٹریننگ اسکول قائم کئے گئے اور ایک فرمان کے ذریعہ تحتانوی تعلیم کو مفت قرار دیا۔

میر عثمان علی خاں کے دور میں تعلیم کو جو غیر معمولی ترقی ہوئی اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۱ء میں جب وہ تخت نشین ہوئے اس وقت مدارس کی تعداد (۱۰۳۶) تھی۔ طلبا کی تعداد (۶۶۴۸۴) تھی اور سنہ ۱۹۴۷ء میں مدارس کی تعداد (۶۷۰۰) اور طلبا کی تعداد زاہد از پانچ لاکھ ہو گئی۔ اس طرح سنہ ۱۹۰۱ء میں تعلیمات پر مصارف چودہ لاکھ روپے تھے جب کہ سنہ ۱۹۴۷ء میں یہ رقم تین کروڑ روپیے سے زیادہ ہو گئی۔ (۲۱۲)

اس کے علاوہ آصف سابع نے ریاست کے باہر کے مشہور اور بڑے تعلیمی اداروں کو گرانقدر مالی امداد دی جن میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، شانتی نکیتن، ڈومسٹک سائنس کالج دہلی، بنارس ہندو یونیورسٹی، عثمانیہ کالج کرنول، پونہ یونیورسٹی، لیڈی ہارڈنگ میڈیکل کالج، لیڈی اروِن کالج اور انسٹی ٹیوٹ آف سائنس، بنگلور قابل ذکر ہیں۔

ہندوستان بھر میں ریاست حیدرآباد کو یہ فخر اور امتیاز حاصل ہے کہ یہاں پست اقوام کی تعلیم کے لیے خصوصی مدارس قائم کئے گئے اور ان مدارس کی نگرانی کے لیے انسپکٹر کا تقرر کیا گیا۔

جامعہ عثمانیہ کا قیام: عہد عثمانی کا سب سے بڑا کارنامہ جس کی وجہ سے اردو زبان

کی ترقی کا ایک نیا راستہ کھل گیا" جامعہ عثمانیہ " کا قیام ہے۔

لارڈ ولیم بینٹنگ کے زمانے سے یہ بحث چل رہی تھی کہ ہندوستان کی درس گاہوں میں ذریعہ تعلیم کونسی زبان ہو۔ آخر میں لارڈ میکالے کا تصور غالب آیا۔ لیکن دیسی ریاستوں میں خاص طور پر حیدرآباد میں فارسی تعلیم کا زور تھا۔ نواب رفعت یار جنگ مرحوم نے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر یہ محسوس کیا کہ ذریعہ تعلیم "اردو" کو قرار دیا جانا چاہیئے۔ چنانچہ اس تحریک کو جو تین صفات پر مشتمل تھی نواب مختار الملک کی پسندیدگی کا شرف بھی ملا لیکن کوئی اعلیٰ درجہ کی مکمل درس گاہ کا قیام عمل میں نہ آسکا البتہ ایک مدرسہ اعزہ (جولائی سنہ ۱۸۷۸ء) (۱۲۹۴) کا قیام عمل میں آیا۔

چودھویں صدی ہجری کے آغاز کے موقع پر سالار جنگ ثانی نے "نظام یونیورسٹی" کا تصور پیش کیا اور اس یونیورسٹی کے سلسلے میں میر محبوب علی خاں اور سر سید احمد خاں کی بھی ملاقات ہوئی۔ "نظام یونیورسٹی" کا تصور پورے زور و شور سے ابھرا مگر پھر رقص شرر کی طرح بجھ کر رہ گیا۔

سنہ ۱۸۹۴ء میں ایک بار یہ تحریک پھر ابھری۔ سر وقار الامراء اس کے پشت پناہ تھے اور یہ تحریک اتنے زور و شور سے چلی کہ شبلی اس مشرقی یونیورسٹی سے "ندوہ" کا الحاق کرنے والے تھے۔

ان تمام تحریکات کے پس منظر میں تین پہلو بہت اہم تھے۔

۱۔ ذریعہ تعلیم اردو ہو۔

۲۔ جملہ علوم و فنون کی تعلیم ہو۔

۳۔ انگریزی کو برقرار رکھا جائے ساتھ ہی ساتھ مذہبی تعلیم کا بھی بندوبست ہو۔

ان تحریکوں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ حیدرآباد دیسی ریاست تھی لیکن تھوڑی سی نیم خود مختاری کی جو کیفیت تھی اس نے پڑھے لکھے طبقے میں اس خیال کی جڑیں مضبوط کر دیں تھیں کہ ذریعہ تعلیم مقامی زبان میں ہی ہونا چاہیئے اور اس وقت مقامی زبان کا اگر کوئی تصور تھا تو وہ اردو تھی جو تقریباً پورے ہندوستان کی رابطہ کی زبان تھی چنانچہ دانشوروں کے ایک طبقہ نے اس کی کوشش شروع کی کہ دار العلوم کو یونیورسٹی کے درجہ پر پہنچایا جائے۔ اس تحریک کے روح رواں محمد مرتضیٰ مرحوم تھے جنہوں نے اس نظریہ کی اشاعت کی کہ اردو کو ذریعہ تعلیم بنا کر ایک یونیورسٹی قائم کی جائے کیوں کہ سلطنت کا استحکام اسی پر منحصر ہے۔

دوسری جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں دار العلوم کی ساٹھ سالہ جوبلی منائی گئی۔ اس میں بھی اس تحریک کی صدائے بازگشت سنی گئی۔ دوسرے سال ایجوکیشنل کانفرنس کے پہلے اجلاس (سنہ ۱۳۳۳ھ) میں صدر سر حیدر نواز جنگ جو معتمد تعلیمات تھے انہوں نے بھی

اس طرف اشارہ کیا کہ جلد ہی دار العلوم ایک عظیم الشان یونیورسٹی میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس کے ایک سال بعد کانفرنس کے دوسرے سالانہ اجلاس میں مولوی محمد جیب الدین نے نہایت مدلل طریقے سے دوسری ریاستوں کی مثال دیتے ہوئے ایک ایسی یونیورسٹی کے قیام کی دعا بھی کی اور پیشین گوئی بھی۔ چنانچہ میر عثمان علی خاں آصف سابع اس اعتبار سے یقیناً آنے والے دور کی چاپ سن رہے تھے کہ کسی بھی ملک کی اخلاقی، سیاسی، تہذیبی اور دانشورانہ ترقی کے لیے ملکی زبان میں تعلیم دی جانی چاہیے چنانچہ نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر کی یادداشت (سنہ ۱۳۳۶ھ م سنہ ۱۹۱۷ء) پر انہوں نے یہ احکام صادر کئے کہ۔

"ممالک محروسہ کے لیے ایک ایسی یونیورسٹی قائم کی جائے جس میں مشرقی اور مغربی علوم کا امتزاج اس طور سے کیا جائے کہ موجودہ نظام تعلیم کے نقائص دور ہو کر جسمانی دماغی اور روحانی تعلیم کے قدیم و جدید طریقوں کی خوبیوں سے پورا فائدہ حاصل ہو سکے اور جس میں علم پھیلانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ایک طرف طلبہ کے اخلاق کی درستی کی نگرانی ہو اور دوسری طرف تمام علمی شعبوں میں اعلیٰ درجہ کی تحقیق کا کام بھی جاری رہے۔ اس یونیورسٹی کا اصل اصول یہ ہونا چاہیے کہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہماری زبان اردو قرار دی جائے اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی بحیثیت ایک زبان کے ہر طالب علم پر لازمی گردانی جائے اس یونیورسٹی کا نام عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد ہوگا۔" (۲۱۴)

پھر سنہ ۱۹۱۸ء میں ایک اور منشور خسروی صادر ہوا۔ اس منشور کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ حیدرآباد دکن میں ایک جامعہ (یونیورسٹی) بنام جامعہ عثمانیہ یکم محرم الحرام سنہ ۱۳۳۷ھ سے قائم کی جائے۔

۲۔ جامعہ عثمانیہ کا مقصد یہ ہے کہ مذہبی، ادبی، فلسفی، طبعی، تاریخی، طبی، قانونی، زراعتی، تجارتی، اعلیٰ تعلیم کا اور دیگر مفید علوم و فنون و سودمند پیشوں اور صنعت و حرفت وغیرہ سکھانے اور ان سب میں تحقیقات و ترقی کا انتظام کرے۔

۳۔ جامعہ عثمانیہ کی خاص خصوصیت یہ ہوگی کہ جملہ علوم کی تعلیم زبان اردو میں دی جائے گی اور اس کے ساتھ انگریزی زبان و ادب کی تعلیم لازمی ہوگی۔ (۲۱۵)

جامعہ عثمانیہ میں باضابطہ تعلیم کا آغاز ۷ اگست سنہ ۱۹۱۹ء سے ہوا اور ایک شاہی منشور (مورخہ ۲۲ ستمبر سنہ ۱۹۱۸ء) کی رو سے حضور نظام جامعہ کے سرپرست اور وزیر اعظم وقت امیر جامعہ ہوئے۔

سررشتہ تالیف و ترجمہ (دارالترجمہ): چونکہ عثمانیہ یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اردو

تھا اس لیے یونیورسٹی کا پہلا مسئلہ فراہمی کتب کا تھا چنانچہ اس کے لیے جامعہ عثمانیہ کے قیام کے اعلان کے ساتھ ہی اگست سنہ ۱۹۱۷ء میں "سررشتہ تالیف و ترجمہ" کا قیام عمل میں لایا گیا اور اس کے ناظم مولوی عبدالحق صاحب مقرر کئے گئے ۔ اس سررشتہ کا مقصد تمام علوم و فنون کی تعلیم اردو میں دینے کے لیے مغربی زبانوں کی فلسفہ، سیاسیات، تاریخ، معاشیات، قانون، سیول و میکانیکل انجینئری، ریاضی اور طب وغیرہ کی کتابیں اردو زبان میں ترجمہ و تالیف کرنا تھا

اس دار الترجمہ کے ساتھ ہی ایک "مجلس وضع اصطلاحات" کا قیام بھی عمل میں آیا ۔ اس مجلس میں دکن و ہندوستان کے زبان و لسانیات نیز علوم و فنون کے ماہر دونوں شریک تھے ۔ ہر فن کا ماہر اپنے الفاظ و اصطلاحات کی تشریح کر کے سمجھاتا اور زبان کے ماہر، ان کے مترادف تلاش کرتے یا نئے الفاظ وضع کرتے ۔ اس سلسلے میں جو مختلف لفظ پیش کئے جاتے انہیں پرکھنے اور زبان کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ۔ جب اہل فن اور اہل زبان دونوں کا اطمینان ہوجاتا تو وہ اصطلاح قرار دئے جاتے ۔ باوجود مشکلات کے جو ترجمے میں اور خصوصاً وضع اصطلاحات وغیرہ میں درپیش آتی تھیں، نہایت کامیابی کے ساتھ یہ کام جاری رہا ۔ اس دار الترجمہ کے ساتھ "دار الطبع جامعہ عثمانیہ" سنہ ۱۳۳۶ف میں قائم کیا گیا جس میں دار الترجمہ کی تیار کردہ کتابیں چھپتی تھیں ۔ اس کی وجہ سے مغربی علوم و فنون کی سینکڑوں کتابیں اردو میں منتقل ہونے لگیں ۔ اس شعبہ نے قابل تعریف کام انجام دیا سنہ ۱۹۴۷ء تک جس قدر کتابیں ترجمہ ہو کر اشاعت پا چکی تھیں ان کی تعداد ۲۱۹ تھی اور ۶۷ کتابیں ایسی تھیں جو زیر طبع تھیں اور ۹۳ کتابوں کی نظر ثانی ہورہی تھی یا زیر ترجمہ تھیں ۔ (۲۱۶)

دار الترجمہ کے مترجمین میں علامہ عبداللہ عمادی، مولوی مسعود علی محوی، عنایت اللہ دہلوی، قاضی تلمذ حسین، چودھری برکت علی، سید علی ہاشمی فرید آبادی، ظفر علی خاں، نظم طباطبائی، مرزا محمد ہادی رسوا، عبدالماجد دریابادی اور عبدالحلیم شرر قابل ذکر ہیں اور اس دار الترجمہ کے ناظر ادبی، اردو کے مشہور شاعر شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی تھے ۔

اس طرح جامعہ عثمانیہ کے قیام نے علم و حکمت کی نئی راہیں کھول دیں ۔ ایک جانب تحصیل علوم کے نئے طریقۂ تعلیم کو ملک میں رائج کیا تو دوسری جانب اردو زبان کو علمی زبان بنا ڈالا اور اس میں اتنی صلاحیت پیدا کر دی کہ وہ ہر قسم کے علمی و فنی مطالب کو بہ آسانی ادا کر سکے اور یہ ثابت کر دیا کہ اردو ایک زندہ و جاندار اور ہمہ گیر زبان ہے ۔

حضور نظام نواب میر عثمان علی خاں نے جامعہ عثمانیہ کے قیام میں جو ذاتی دلچسپی لی اس کے اعتراف میں ان کی خدمت میں جامعہ عثمانیہ کی مجلس اعلیٰ اور مجلس رفقا کی جانب سے ۲۷ اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ء کو "سلطان العلوم" کی اعزازی ڈگری پیش کی گئی ۔

فنی اور صنعت و حرفتی اداروں کا قیام: سنہ ۱۹۲۲ء میں عثمانیہ ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ

قائم کیا جسے بعد میں کالج کا درجہ دیا گیا۔

سنہ ۱۹۲۶ء میں تعلیم بالغان کا آغاز ہوا۔

سنہ ۱۹۲۷ء میں عثمانیہ میڈیکل کالج قائم ہوا۔

سنہ ۱۹۲۹ء میں عثمانیہ انجنیرنگ کالج اور عثمانیہ ٹریننگ کالج کا قیام عمل میں آیا۔

سنہ ۱۹۳۷ء میں کورو کرر گنگ بچوں کی تعلیم کے لیے اسکول قائم کیا گیا۔

سنہ ۱۹۳۸ء میں صنعتی تعلیم کا علاحدہ محکمہ قائم کیا سنہ ۱۹۴۷ء تک (۲۴) ٹکنیکل اور پیشہ ورانہ تعلیمی ادارے قائم کئے۔ (یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان تمام کالجس اور مدارس کا ذریعہ تعلیم اردو تھا۔)

سنہ ۱۹۴۱ء میں بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن کا قیام عمل میں لایا۔

شاعری: میر عثمان علی خاں نے علوم و فنون کے ساتھ شعر و سخن کی بھی کافی سرپرستی کی۔ آپ خود اردو اور فارسی کے ایک خوش فکر اور خوش گو شاعر تھے۔ اوائل عمری سے ہی ان کو شاعری کا شوق تھا۔ حضرت جلیل مانک پوری سے اصلاح سخن لیتے تھے اور عثمان تخلص فرماتے تھے۔ ان کے کلام کا انتخاب مرتب ہو کر شائع ہو چکا ہے۔

ان کے دور میں باضابطہ جدید شاعری کا آغاز ہوا۔ لمعہ، ذہین، عظمت اللہ خاں، کیفی اور امجد نے شاعری کے موضوع کو بڑی وسعت دی اور ہر طرح کے جدید خیالات کو نظم کیا۔

اس دور کے شعرا میں صفی اورنگ آبادی، اعظم اللہ خاں حسینی اطہر، حبیب الدین صغیر، تشنہ، ضامن کنتوری، نواب عزیز یار جنگ عزیز، عبد القدیر حسرت صدیقی، مولوی محمد حسین آزاد، گوسرن بلی آزاد، رگھوناتھ راؤ درد، رگھویندر راؤ جذب، نواب سید محمد مہدی خاں مہدی، میر محمد علی مسرور، راجہ محبوب راج محبوب، نواب تراب یار جنگ سعید، محمد بہبود علی صفی، عبد الصمد واصفی، عبد الغفور خاں نامی، الم، قادر حسین قادر، محمد حبیب اللہ وفا، لطف الدولہ لطف، معین الدولہ معین، آفتاب علی خان مہر، قاضی لطف علی عارف، معظم جاہ بہادر شجیع، صمد رضوی ساز، سکندر علی وجد، مخدوم محی الدین، محمد علی خاں میکش، جوش ملیح آبادی، علی حسین زیبا، اکبر وفاقانی، ڈاکٹر بدر الدین بدر، جلال الدین اشک، عبد القیوم خاں باقی، مہندر راج سکسینہ، ڈاکٹر رگھونندن راج سکسینہ، ناظر الحسن ہوش، بشیر النسا بیگم بشیر۔ عبد الرزاق بسمل، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، سلیمان اریب، عبد الوہاب عندلیب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ان کے علاوہ اس دور کے شعرا میں مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد کے دربار سے وابستہ تمام شعرا اور خود مہاراجہ شاد قابل ذکر ہیں۔

نثری خدمات: نواب میر عثمان علی خاں کے عہد میں اردو کی ترقی کی رفتار بہت تیز ہو گئی خاص طور پر اردو نثر میں نہایت متنوع اور گرانمایہ سرمایے کا اضافہ ہوا۔ ادبی کارناموں کے علاوہ

اس دور میں مختلف علمی موضوعات پر بھی بے شمار کتابیں اور مقالے لکھے گئے اور حیاتیات، طبیعات، عمرانیات، معاشیات، فلسفہ، تاریخ، طب، قانون اور اسی طرح کے دوسرے کئی علوم میں نہ صرف کتابیں اور مقالے لکھے گئے بلکہ مغربی زبانوں کے خزانوں کو بھی اردو میں منتقل کیا گیا اور اس طرح اردو میں ہر طرح کے جدید علوم و فنون کا سرمایہ اکٹھا ہوا۔ یہاں تک کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کی وجہ سے سارے شعبوں کی تعلیم صرف اردو میں ہی ہونے لگی۔

ان صفحات پر یہ ممکن نہیں ہے کہ عہد عثمانی کے نثری کارناموں پر سیر حاصل تبصرہ کیا جاسکے۔ یہ خود ایک علاحدہ موضوع کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے صرف اشارے کر دئے گئے ہیں۔

اخبارات ورسائل: اس دور میں تو علمی و ادبی سرگرمیاں اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھیں۔ توسیع تعلیم کے ساتھ تصنیف و تالیف کی کثرت اور علمی و ادبی انجمنوں کے قیام کے باعث اردو صحافت کو کافی فروغ ہوا۔ چنانچہ اب یہاں سے ایسے اخبارات و رسائل شائع ہونے لگے کہ جن کی اہمیت اور افادیت سے آج بھی انکار نہیں کیا جاسکتا اور ساتھ ہی اردو کی ترقی میں ان کی خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ذیل میں چند اہم اخبارات کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ رہبر دکن۔ یہ روزنامہ مورخہ ۲۶ شہریور سنہ ۱۳۳۰ف کو مولوی سید احمد محی الدین صاحب کی ادارت میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔

۲۔ صبح دکن۔ یہ اخبار ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۰ھ سے مولوی احمد عارف صاحب کی ادارت میں جاری ہوا۔

۳۔ منشور۔ یہ اخبار ۴ آبان ۱۳۳۹ف سے مولوی عبدالرحمن صاحب کی ادارت میں جاری ہوا۔

۴۔ پیام۔ یہ روزنامہ ماہ محرم سنہ ۱۳۵۳ھ میں قاضی عبدالغفار صاحب کی ادارت میں جاری ہوا۔

۵۔ نظام گزٹ۔ یہ ہفتہ وار یکم رجب سنہ ۱۳۴۶ھ کو مولوی وقار احمد صاحب و مولوی حبیب اللہ رشدی صاحب کی ادارت میں جاری ہوا۔

۶۔ رعیت۔ یہ ہفتہ وار اخبار ماہ آذر سنہ ۱۳۳۷ف سے زیر ادارت مسٹر نرسنگ راؤ جاری ہوا۔

۷۔ دکن گزٹ۔ یہ روزنامہ سنہ ۱۹۲۷ء میں ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب نے جاری کیا۔

رسائل

نام رسالہ	مدیر / سرپرست	نوعیت	ماہ و سنہ اشاعت
۱۔ تاج	غلام محمد انصاری وفا	ماہنامہ	جنوری ۱۹۱۳ء
۲۔ رہبر مزارعین	مسٹر جان کمپنی		۱۹۱۳ء
۳۔ ذخیرہ	سید ناظر الحسن ہوش بلگرامی	۔	اکتوبر ۱۹۱۵ء
۴۔ اردو	مولوی عبدالحق	۔	جنوری ۱۹۲۱ء
۵۔ ترقی تعلیم	محمد افضل شریف	۔	جولائی ۱۹۲۲ء

نمبر	رسالہ	مدیر	نوعیت	تاریخ اجرا
۶ـ	لسان الملک	سید محمد ضامن کنتوری	ـ	جنوری ۱۹۲۳ء
۷ـ	حیدر آباد ٹیچر	سید فخر الحسن ملا	سہ ماہی	جنوری ۱۹۲۶ء
۸ـ	مجلہ عثمانیہ	ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور	سہ ماہی	فبروری ۱۹۲۷ء
۹ـ	مجلہ مکتبہ	محمد عبد القدر سروری	ماہنامہ	اپریل ۱۹۲۸ء
۱۰ـ	تاریخ	مولوی حکیم سید شمس اللہ قادری	سہ ماہی	جنوری ۱۹۲۹ء
۱۱ـ	حسن کار	سید محمد اکبر وفاقانی	پندرہ روزہ	نومبر ۱۹۳۲ء
۱۲ـ	شہاب	محمد عبد الرزاق بسمل	ماہنامہ	فبروری ۱۹۳۳ء
۱۳ـ	سب رس	صاحبزادہ میر محمد علی خان میکش		جنوری ۱۹۳۸ء
۱۴ـ	سیاست	ڈاکٹر یوسف حسین خان	سہ ماہی	جنوری ۱۹۳۰ء
۱۵ـ	ہندوستانی ادب	غلام محمد خان	ماہنامہ	جلن ۱۹۳۱ء

علمی، ادبی انجمنیں و ادارے: اس دور میں کئی علمی و ادبی انجمنیں قائم ہوئیں ۔ ان انجمنوں نے اردو کی ترقی و بقا کے لیے عملی طور پر حصہ لیا اور عوام میں اردو کا صحیح مذاق پیدا کیا ۔ چند اہم انجمنیں جو اس دور میں اردو ادب کی خدمات میں سرگرم کار تھیں ان کے نام درج ذیل ہیں

۱ ـ حیدر آباد ایجوکیشنل کانفرنس ۲ ـ انجمن ترقی اردو ۳ ـ ادارہ ادبیات اردو ۴ ـ انجمن ارباب اردو ۵ ـ مجلس علمیہ ۶ ـ انجمن ترقی ڈرامہ ۷ ـ انجمن طیلسانیین عثمانیہ ۸ ـ انجمن طلبائے قدیم سٹی کالج ۹ ـ مکتبہ ابراہیمیہ ۱۰ ـ لٹریری اکیڈیمی ۱۱ ـ بزم تمثیل ۱۲ ـ بزم اردو نظام کالج ۱۳ ـ بزم اقبال ۱۴ ـ پریم چند سوسائٹی ۱۵ ـ ادارہ اشاعت علوم و فنون ۱۶ ـ حیدر آباد اکیڈیمی ۱۷ ـ انجمن ترقی پسند مصنفین ۱۸ ـ بزم اردو کلیہ جامعہ عثمانیہ ـ ـ وغیرہ ـ

نشر گاہ حیدر آباد: حیدر آباد دکن میں اردو کی ترقی و اشاعت میں نشر گاہ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ۔

برطانوی ہند میں پہلی نشر گاہ سنہ ۱۹۲۳ء میں بمبئی میں قائم ہوئی (۲۱۷) اور اس کے ایک سال بعد کلکتہ میں ایک اور نشر گاہ کا قیام عمل میں آیا ۔ ان دونوں نشر گاہوں کا تعلق خانگی کمپنیوں سے تھا ۔

سنہ ۱۹۲۹ء میں حکومت برطانوی ہند نے ان نشر گاہوں کو اپنے زیر انتظام لے لیا ۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں دلی میں ایک اور نشر گاہ قائم کی گئی ۔ اس کے بعد آل انڈیا ریڈیو کے نام سے ایک نیا محکمہ قائم کیا گیا ۔ (۲۱۸)

حیدر آباد دکن میں نشر گاہ کا قیام برطانوی ہند کی طرح خانگی طور پر سنہ ۱۹۳۳ء میں عمل

میں آیا (۲۱۹) ۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں حکومت نظام نے اس نشرگاہ کو خرید لیا اور یہاں سے تمام ضروری انتظامات کی تکمیل کے بعد یکم جولائی سنہ ۱۹۳۹ء سے نشریات کا آغاز ہوا ۔ (۲۲۰)

اس نشرگاہ کے پروگراموں میں خبروں اور عالم دلچسپی کے پروگراموں کے علاوہ مختلف علمی و ادبی موضوعات پر تقریریں نشر کی جاتی تھیں اور کبھی کبھی مشاعرے بھی نشر کیئے جاتے تھے ۔ جس کی وجہ سے عالم لوگوں میں بھی اردو شعر و ادب سے دلچسپی اور لگاؤ پیدا ہو گیا ۔ نئے نئے موضوعات پر معلومات آفریں تقریریں اور مشاعروں سے ان کے ذوق کو جلا ملی ۔

حیدرآباد میں مطبعوں کا قیام

طباعت ہندوستان کے مختلف مقامات میں: طباعت کی ایجاد کا سہرا چینیوں کے سر ہے ۔ اور علی ابن الحسین زیدی کے قول کے مطابق "یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ سب سے پہلے چین میں سنہ ۸۶۸ء کے قریب چھپائی کا آغاز ہوا ۔ " (۲۲۱) ۔ ہندوستان میں طباعت کی ابتدا پرتگالیوں نے کی ، سنہ ۱۵۵۰ء میں ایک پرتگالی جہاز جزیرہ (مالابار) ملیبار کے ساحل پر اور سامان کے علاوہ دو چھاپے خانوں کا سامان بھی اتارا ۔ (۲۲۲) اور پھر سات سال بعد "گوا" میں چھاپہ خانہ قائم ہوا ۔ (۲۲۳)

پرتگالی مبلغوں کو ہندوستان میں مسیحیت کی تبلیغ کے لیے مذہبی کتابوں کی ضرورت پیش آئی چنانچہ انہوں نے سنہ ۱۵۵۷ء میں "اصول مسیحیت" کے نام سے تامل میں پہلی کتاب چھاپی ۔ اس کے دو سال بعد یعنی ۱۵۵۹ء میں اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن چھاپا گیا ۔ (۲۲۴) اس کتاب کی اشاعت کے بیس برس بعد ۱۵۷۷ء میں "ترچور" کے قریب "امبال کاڈو" کے مقام پر ملیالم زبان میں ایک اور کتاب چھاپی گئی ۔

دیسی زبان کا دوسرا چھاپہ خانہ ۱۵۷۸ء میں پونی کایل ضلع ٹناویلی میں قائم کیا گیا ۔ ۱۶۰۲ء میں ایک اور چھاپہ خانہ وائی ۔ پی ۔ کوٹا میں کھولا گیا ۔ (۲۲۵)

انگریزوں نے اپنا پہلا چھاپہ خانہ سنہ ۱۶۷۴ء میں بمبئی میں قائم کیا ۔ ۱۷۷۲ء میں مدراس میں مطبع کا قیام عمل میں آیا اور ۱۷۷۹ء میں ایک سرکاری مطبع کلکتہ میں قائم ہوا ۔ (۲۲۶)

عتیق صدیقی مولف "ہندوستانی اخبار نویسی" لکھتے ہیں کہ "چارلس ویکنس جو آگے چل کر سر چارلس ویکنس ہوئے ۔ ۔ ۔ ۔ انہوں نے بنگلہ رسم الخط کا ٹائپ تیار کر لینے کے بعد فارسی رسم الخط کا ٹائپ بھی تیار کیا ۔ اٹھارویں صدی کے اواخر کی فارسی کتابیں اور انیسویں صدی کے اوائل کی فارسی کتابیں و اردو کتابیں اور اخبارات کی طباعت کے لیے وہی ٹائپ استعمال کیا جاتا تھا جو ویکنس نے ایجاد کیا تھا ۔ اٹھارویں صدی کی نویں اور دسویں دہائی میں کلکتے کے انگریزی اخباروں کے چھاپے خانوں میں بنگلہ ، فارسی اور عربی رسم الخط کے ٹائپ موجود تھے ۔ " (۲۲۷)

فارسی ٹائپ کا اولین نمونہ ۴ مارچ ۱۷۸۴ء کو منظر عام پر آیا۔ کلکتہ گزٹ کے صفحہ اول کے ایک کالم میں "خلاصہ اخبار دربار معلی بہ دار الخلافہ شاہ جہاں آباد" فارسی ٹائپ میں چھپا اور یہ سلسلہ کئی ہفتے جاری رہا۔ (۲۲۸) اس زمانے میں فارسی اور عربی دونوں قسم کے رسم الخط کے ٹائپ موجود تھے۔

اس دور میں دیسی حکمرانوں میں بھی چھپائی کے ذوق کا پتہ چلتا ہے چنانچہ جب ۱۸۱۳ء میں لارڈ لیک کی کمان میں برطانوی فوج نے آگرہ کے قلعہ شاہی پر قبضہ کیا تو مال غنیمت میں ایک چھاپہ خانہ بھی ہاتھ آیا۔ (۲۲۹)

سنہ ۱۸۰۱ء میں کلکتہ کے انگریزی اخباروں کے تقریباً چار چھاپے خانوں میں فارسی اور دیوناگری رسم الخط کے ٹائپ موجود تھے۔ ان مطبعوں کے نام یہ ہیں۔ ہرکارہ پریس، کلکتہ گزٹ پریس، میرا پریس، ٹے لی گراف پریس۔ ان مطبعوں میں ۱۸۰۱ء میں درج ذیل کتابیں طبع ہوئیں۔ "چہار درویش" (فارسی) "میر حسن" (فارسی) "گلستان" (فارسی) "طوطا کہانی" (فارسی

سنہ ۱۸۰۲ء میں گل کرسٹ نے ہندوستانی چھاپہ خانہ یا ہندوستانی پریس قائم کیا۔ (۲۳۰) یہاں سے ۱۸۰۳ء میں "اخلاق ہندی" شائع ہوئی۔

۱۸۳۶ء میں لیتھو کی طباعت کی ابتدا ہوئی۔ یہ طباعت چونکہ خوبصورت اور ٹائپ کی طباعت کے مقابلے میں ارزاں تھی اس لیے بہت جلد مقبول ہو گئی۔ (۲۳۱)

حیدرآباد میں مطبعوں کا قیام: انگریز مطبع کی اہمیت سے واقف تھے اور وہ اس کے خطرناک حربے یعنی صحافت سے خوفزدہ تھے۔ اگر ان کا بس چلتا تو وہ ہندوستان میں سرے سے اخبار جاری ہی نہ ہونے دیتے۔ وہ حتی المقدور کوشش کرتے کہ دیسی حکمرانوں کے ہاں مطبع قائم ہی نہ ہو۔ اس سلسلے میں لارڈ منٹو کے ایک واقعہ کا ذکر عتیق صدیقی مولف "ہندوستانی اخبار نویسی" نے کیا ہے۔ "حیدرآباد کے ریزیڈنٹ نے ایک مرتبہ نظام کو کچھ تحائف پیش کئے تو ان میں ایک چھاپہ خانہ بھی تھا کمپنی کی حکومت کے چیف سکریٹری کو جب اس کا علم ہوا تو یہ بات اس کو انتہائی ناگوار ہوئی اور رزیڈنٹ کو اس نے آڑے ہاتھوں لیا۔ ریزیڈنٹ نے اس کے جواب میں چیف سکریٹری کو طنزاً لکھا کہ۔

> "نظام کی خدمت میں مدنیت کا یہ خطرناک حربہ پیش کرنے سے اگر حکومت کو پریشانی ہو گئی ہے تو میں توشہ خانے میں جا کر آسانی سے مشین کو اس طرح از کار رفتہ کر سکتا ہوں کہ وہ کبھی کام ہی نہ کر سکے۔" (۲۳۲)

حیدرآباد دکن میں نواب محمد فخرالدین خان امیر کبیر شمس الامرا ثانی (۱۱۹۵ - ۱۲۷۹ھ) نے سنہ ۱۸۳۴ء میں ایک دار الترجمہ کی بنیاد رکھی اور اس کے ساتھ ایک مطبع کا قیام بھی عمل میں

لایا۔ یہ مطبع " سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا " کے نام سے موسوم تھا۔ اس مطبع میں تصاویر کے علاوہ لیتھو میں سائنسی آلات کے نقشے چھپتے تھے اور اس مطبع میں پچاس سے زیادہ کتابیں طبع ہوئیں۔ یہ تمام کتابیں نسخ میں ہیں۔

محترمہ زینت ساجدہ نے " حیدرآباد کے ادیب " (انتخاب نثر) (حصہ اول) کے صفحہ سات پر لکھا ہے۔

> " موجودہ معلومات کی حد تک حیدرآباد کا پہلا باضابطہ مطبع نواب فخرالدین خان شمس لامرا نے اپنی دیوڑھی واقع شاہ گنج میں ۱۲۴۱ھ میں قائم کیا تھا۔ " (۲۳۳)

اور اس طرح محترمہ زینت ساجدہ نے "حیدرآباد کے ادیب (انتخاب نثر) کے حصہ دوم کے پیش لفظ میں لکھا ہے:

> " حیدرآباد کی نثرنگاری کی تاریخ میں سنہ ۱۸۲۵ء م ۱۲۴۱ھ سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سال نواب فخرالدین خان شمس الامرا نے مطبع قائم کیا۔ " (۲۳۴)

لیکن موصوفہ نے اپنی معلومات کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے دوسری طرف خواجہ حمید الدین شاہد کی کتاب " اردو میں سائنسی ادب قدیم ترین کارنامے " میں یہ عبارت ملتی ہے۔

> " ۱۸۳۴ء میں انہوں نے (شمس الامرا) نے ایک دار الترجمہ کی بنیاد رکھی ----- دار الترجمہ کے ساتھ ایک مطبع بھی قائم کیا گیا جو " سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا " کے نام سے موسوم تھا۔ " (۲۳۵)

اسی طرح میر حسن اپنے مضمون " اردو زبان میں وضع اصطلاحات کے مسائل " مشمولہ " ترجمہ کا فن اور روایت " (مرتب قمر رئیس) میں لکھتے ہیں۔ " امیر کبیر نواب فخرالدین خان شمس الامرا نے مدارس اور رصدگاہ جہاں نما کے علاوہ ایک دار الترجمہ بھی ۱۸۳۴ء میں قائم کیا تھا جس کی کتابیں ان کے سنگی چھاپے خانے میں چھپتی تھیں۔ " (۲۳۶)

راقم الحروف کو سالار جنگ میوزیم لائبریری میں اس مطبع کی چھپی ہوئی اولین دو کتابیں (۱) " رسالہ موتی کی چونکالنے کا " (۲) " کتاب شمس الہندسہ " دستیاب ہوئیں۔

(۱) " رسالہ موتی کی چونکالنے کا " پر سنہ اشاعت " ۱۲۵۱ھ " درج ہے۔ اس رسالہ کے پہلے صفحہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

> " یہ رسالہ عہد میں نواب فلک جناب بند کانعالی (کذا) حضرت آصف جاہ نظام الملک نظام الدولہ فتح جنگ (کذا) میر فرخندہ علی خان بہادر مد ظلہ العالی کے بیچ سنگی چھاپہ خانی سرکار نواب شمس الامرا بہادر امیر کبیر کی شہر فرخندہ بنیاد

حیدر آباد میں بیچ سنہ ۱۲۵۱ھ ہجری کی چھپا۔" (۲۳۷)

اسی طرح اس مطبع کی ایک اور اولین کتاب "شمس الہندسہ" (بہ زبان فارسی) ہے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن بھی کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ ہے۔

اس کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے۔

"برائے شائقین ہندسہ و واقفین نکتہ نقط و خط و سطحہ مخفی نماند کہ قبل ازیں کتاب فیض انتصاب (کذا) مسے شمس الہندسہ تالیف حضرت -- محمد فخرالدین خان المخاطب شمس الامرا---- بحتوجہ جنابہ در سنہ یک ہزار و دو صد و پنجاہ و یک ہجری (۱۲۵۱ھ) بعہد نواب --- نظام الدولہ نظام الملک حضرت آصف جاہ چہارم انزل اللہ علیہ الرحمہ والغفران طبع شدہ. بہریک از شائقین و سائیلین تقسیم یافتہ درین زماں نایاب معرفعہ مشتاقان درباب، طمع آن لغایت رسید .بناد علیہ این .بندہ مسے محمد رشید الدین خان بہادر ---- بہ عہد .بندگان میر محبوب علی خان، بہادر نظام الدولہ ---- در سنہ یک ہزار و دو صد و نود ہجری (۱۲۹۰ ہجری) ---- ثانیا طبع کنایدو تطیر ایں تسطیر باعث سعادت خود تصور یدہ ---اصحابہ اجمعین میگوید مولف این رسالہ محمد فخرالدین خان المخاطب شمس الامرا کہ کتاب اقلیدس اگرچہ حاوی جمیع اصول ہندسیہ است۔"
(۲۳۸)

یہ کتاب سنہ ۱۲۴۱ھ میں تصنیف ہوئی تھی اور پہلی بار سنہ ۱۲۵۱ ہجری میں طبع ہوئی تھی۔ خاتمہ پر قطعہ تاریخ تصنیف درج ہے۔

بسکہ نواب ذکی الطبع عالی فہم و ہوش + کرد بر قرطاس عالم این رسالہ چوں رقم
اصفیا سالش چنین .بنوشت از .بہر دعا + باد شمس الہندسہ مقبول ہر اہل کرم

۱۲۴۱ھ

تاریخ تصنیف اور تاریخ طباعت کے دستاویزی ثبوت دیکھنے کے بعد اب کسی بحث کی گنجائش نہیں رہ جاتی، اس لیے کہ موجودہ تحقیق کے مطابق سنہ ۱۲۵۱ھ سے قبل کوئی کتاب اس مطبع میں نہیں چھپی۔ تاریخ تصنیف یقیناً ۱۲۴۱ھ ہے اور اس تاریخ کو غلطی سے تاریخ طباعت سمجھ لیا گیا۔ حالانکہ تاریخ طباعت سنہ ۱۲۵۱ھ ہے۔

اب اگر محترمہ زینت ساجدہ صاحبہ کے قول کو صحیح تسلیم کیا جائے تو دار الترجمہ کی بنیاد سے پہلے مطبع خانہ قائم ہو چکا ہو گا۔ لیکن اگر خواجہ حمید الدین شاہد کے قول کو درست تسلیم کیا جائے تو دونوں کا قیام ایک ساتھ ہونے کی تصدیق ہو جاتی ہے یعنی ۱۸۳۴ء میں دار الترجمہ کی بنیاد رکھی گئی اور اسی سن میں پریس خرید اگیا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ پریس کا خرید اجانا، مطبع کا قیام نہیں ہے، بلکہ جب تک پریس میں کام نہ شروع ہو جائے اور کوئی چیز چھپ نہ جائے اس وقت تک "مطبع خانہ کے قیام کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا۔ اس اعتبار سے اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ شمس الامرا کے پاس ۱۸۲۵ء میں پریس آگیا تھا تو جب تک اس پریس میں چھپی ہوئی کوئی چیز سامنے نہ آئے اس پر مطبع خانہ کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ تقاضائے احتیاط کے تحت یہ کہا جائے گا کہ مشین کی خریداری ۱۸۲۵ء میں عمل میں آئی لیکن مطبع خانہ کا قیام ۱۲۵۱ ہجری م ۱۸۳۵ء میں عمل میں آیا۔

"رسالہ موتی کی چو نکلنے کا" اور "کتاب شمس الہندسہ" کی سنہ اشاعت کے پیش نظر اور دیگر آرا کی روشنی میں راقم الحروف ۱۸۳۴ء میں دار الترجمہ کے قیام کی تاریخ کو، اور ۱۲۵۱ ہجری م ۱۸۳۵ء میں مطبع خانہ کے قیام کی تاریخ کو درست سمجھتا ہے۔

مطابع کے ضمن میں ایک پہلو کی طرف متوجہ کرنا بھی ضروری ہے کہ مملکت آصفیہ نے تصنیفی اور تالیفی کام کو سرقہ سے بچانے کے لیے برطانوی ہند کے طرز پر کاپی رائٹ ایکٹ (نمبر ۱/ ۱۳۱۶ج مورخہ ۱۶۔ امرداد (۲۳۹) ۱۲۹۹ف) بنایا۔

سنہ ۱۲۷۵ف (۲۴۰) میں گورنمنٹ کی جانب سے "دار الطبع سرکار عالی" سنٹرل جیل میں قائم کیا گیا۔ ابتدا میں اس مطبع میں رجسٹر، نمونے اور ان کے علاوہ جریدہ معمولی اور جریدہ غیر معمولی کی طباعت کا کام ہوتا تھا۔

حکومت کی طرف سے دوسرا قابل ذکر مطبع، دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی ہے جو سنہ ۱۳۲۶ف میں دار الترجمہ سرکار عالی کے تحت قائم ہوا۔

ان مطبعوں کے علاوہ امرا اور عوام کی جانب سے بھی مطبع قائم کیے جانے لگے۔ چند قابل ذکر مطبعوں کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

فخر نظامی پریس، مطبع معلم شفیق، محبوب پریس، مطبع علوم و فنون، مطبع اسلامیہ، اعظم اسٹیم پریس، شمس الاسلام پریس، تاج پریس، عماد پریس، رحیم پریس، مطبع نظائر ہند، شمس پریس، مطبع مظفری، نظام سلور جوبلی پریس، مطبع اختر دکن، امانت پریس، مسعود دکن پریس، عہد آفریں پریس، مکتبہ ابراہیمیہ پریس برقی، مارواڑی پریس، مطبع مشیر دکن، مطبع معلم العلوم، مطبع دائرۃ المعارف، صحیفہ پریس، چشتیہ پریس، زندہ طلسمات فائن آرٹ پریس (یہ رنگین طباعت کا پہلا پریس تھا جو بیادگار سلور جوبلی قائم ہوا تھا۔)

حیدرآباد (دکن) کے علمی و ادبی رسائل ابتداء تا ۱۹۰۰

- ○ طبی رسائل
- ○ تہذیبی یا عمومی رسائل
- ○ قانونی رسائل
- ○ گلدستے
- ○ زراعتی رسائل
- ○ تعلیمی رسائل
- ○ ادبی رسائل

حیدر آباد دکن میں اردو صحافت کا آغاز " رسالہ طبابت حیدر آباد " سے ہوا جو ایک طبی رسالہ تھا ۔ یہ طبی رسالہ اپنا ایک پس منظر رکھتا ہے اور اس کی اشاعت کے محرکات کو سمجھنے کے لیے حیدر آباد میں علم و فن طب کی تاریخ سے واقفیت ضروری ہے اس لیے یہاں کی طبی تاریخ کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ ان محرکات کو سمجھنے میں آسانی ہو جس کے نتیجہ میں " رسالہ طبابت " کی اشاعت عمل میں آئی تھی ۔

قدیم زمانے میں یونانی طریقہ علاج رائج تھا ۔ بلدہ حیدر آباد میں عہد محمد قلی قطب شاہ (سنہ ۱۰۰۰ھ) میں مکان دار الشفا تعمیر ہوا تھا اور مریضوں کی دیکھ بھال کے لیے حکما مقرر کئے گئے تھے ۔ یہاں غربا کو مفت دوا دی جاتی تھی ۔ مریضوں کی سکونت کے لیے متعدد کمرے (وارڈ) تعمیر کئے گئے تھے جہاں ان کی دیکھ بھال کی جاتی تھی ۔ (۲۴۱)

طبابت عہد آصفی میں: عہد آصفی کے سبھی حکمرانوں کو طب سے بھی دلچسپی تھی اور انہوں نے اس کی سرپرستی بھی کی ۔ آصف جاہ اول نے جب دہلی سے دکن کا قصد کیا اس وقت دہلی سے اپنے فن کے بہتر و باکمال افراد کو اپنے ہمراہ لے کر آئے ۔ ان میں اطبا کا ایک بڑا گروہ بھی تھا جنہیں حیدر آباد دکن میں مستقل ملازمتیں دی گئیں ۔

میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کو بھی طب سے گہری دلچسپی تھی اور وہ اطبا کے قدر دان تھے ۔ ایک دفعہ آصف جاہ ثانی بیمار ہو گئے تھے اور اطبا کے علاج سے جلد آرام ہو گیا اس خوشی میں انہوں نے ۱۳ ربیع الاول سنہ ۱۱۹۴ھ کو غسل صحت کا جشن منایا اور اطبا کو جواہر اور خلعت سے سرفراز فرمایا ۔ (۲۴۲)

اس دور میں عام رعایا و مساکین کو باقاعدہ علاج سے سخت محرومی تھی اکثر غربا جھاڑ پھونک اور منتر جنتر، تعویذ گنڈہ و فلیتہ کرنے والوں کے پاس رجوع ہوتے تھے ۔ اگر سرطان وغیرہ یا کوئی پھوڑا کسی کو نکلتا یا ہاتھ پاؤں شکستہ ہوتے تو عطائی پتے پالے باندھتے تھے ۔ (۲۴۳) فن جراحی دیسی حجاموں کے ذمہ تھا ۔ یہی لوگ جراح کہلاتے تھے اور اکثر نشتر کا عمل بغیر بے ہوش کئے

نہایت بے دردی سے کرتے تھے۔ (۲۴۴) اور یہ نشتر انتہائی زنگ خوردہ ہوتے تھے جو کئی پشتوں سے زیر استعمال ہوتے۔ اسی طرح زخمی کو ٹانکے بھی یہی جراح دیتے تھے مگر اس کہنہ سوزن سے جو ان کے پاس قدیم سے چلی آرہی ہوتی۔ (۲۴۵)

سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کا دور طبی سرپرستی اور سرگرمی کے لحاظ سے ایک درخشاں دور تھا۔ ان کے دربار میں نامور اطبا جمع تھے۔ ان کے مدار المہام میر عالم نے جہاں رفاہ عام کے اور کام کیے وہیں عوام کی حفظان صحت کے خیال سے ایک انگریز ڈاکٹر مسمی " بور " کو دو ہزار روپیہ ماہوار پر مامور کیا۔ یہ سب سے پہلا ڈاکٹر تھا جو ریاست آصفیہ میں سرکاری ملازم ہوا تھا۔ میر عالم کی وزارت سے قبل اور اس کے بعد بھی یہ ڈاکٹر ریزیڈنٹ کے اسٹاف میں تھا۔ (۲۴۶)

ناصر الدولہ آصف جاہ رابع نے اپنے والد کی طرح اس فن کی پوری سرپرستی اور قدردانی کی۔ ان کے عہد میں کئی مشہور یونانی اطبا موجود تھے۔ ان ہی کے دور میں ایلوپیتھی طریقہ علاج کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس سلسلے میں مانک راؤ وٹھل راؤ مولف بستان آصفیہ نے لکھا ہے " سنہ ۱۲۵۱ ف / ۱۲۵۷ھ میں نواب ناصر الدولہ کو حرقت بول کی شکایت ہو گئی تھی یونانی اطبا کے علاج سے فائدہ نہ ہوا۔ ریزیڈنٹ فریزر صاحب نے ڈاکٹر میکلسن ریزیڈنسی سرجن کو پیش کیا اور ڈاکٹر مذکور کے علاج سے صاحب عالیشان بہادر کو افاقہ ہوا۔ حضرت خوش ہوئے اور ملک سرکار عالی میں ڈاکٹری کا مدرسہ کھولنے کا حکم صادر فرمایا۔ " (۲۴۷)

چنانچہ سنہ ۱۲۶۱ھ م ۱۸۴۵ء میں توپ کا سانچہ (حیدرآباد) کے قریب ایک طبی اسکول قائم کیا گیا اور اس کا نام "حیدرآباد میڈیکل اسکول" رکھا گیا۔ یہاں ڈاکٹری کی تعلیم اردو میں دی جاتی تھی ڈاکٹر میکلسن نے جو اس مدرسہ کے سرپرست تھے بذات خود اردو سیکھ کر اردو میں طب کی تعلیم دینی شروع کی۔ سنہ ۱۸۵۴ء میں ڈاکٹر میکلسن نے اپنا جانشین ڈاکٹر جارج اسمتھ کو مقرر کیا۔

چونکہ اب ایسے حالات پیدا ہو چکے تھے کہ امراض کی تشخیص اور ادویات کا باضابطہ استعمال شروع ہو گیا تھا اور مغربی تمدن کی آمد نے نئے طرز علاج سے بھی باخبر کر دیا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اطبا بھی یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ انہیں دور حاضر کے تقاضوں کا ساتھ دینا ہے۔ اس کی ضرورت بھی محسوس ہوئی کہ عام لوگوں کو بھی جدید طب کے فوائد سے آگاہ کیا جائے۔ ذرائع ابلاغ کا فعال حیثیت سے وجود میں آنا اس وقت ممکن ہوتا ہے جب ایسے حالات پیدا ہو جائیں اور لوگوں میں موضوع سے دلچسپی کا رجحان پیدا ہو۔ چونکہ طب کے موضوع سے دلچسپی پیدا ہو چکی تھی اس لیے فطری طور پر نشر و اشاعت کی ضرورت بھی محسوس کی گئی اور اسے عمل میں لایا گیا چنانچہ سنہ ۱۸۵۵ء میں " رسالہ طبابت حیدرآباد " کا اجرا عمل میں آیا۔

رسالہ طبابت حیدرآباد۔ (حیدرآباد میڈیکل جنرل): اردو صحافت کو فروغ دینے میں حیدرآباد نے نمایاں اور اہم حصہ لیا ہے۔ حیدرآباد میں اردو صحافت کی ابتدا ایک علمی مجلہ

" رسالہ طبابت حیدرآباد " سے ہوتی ہے ۔ سب سے پہلے اس رسالہ کا ذکر مانک راؤ وٹھل راؤ مولف بستان آصفیہ (حصہ اول) نے کیا ہے ۔ ان کے بیان کے مطابق ناصر الدولہ کے حکم سے حیدرآباد میڈیکل اسکول سنہ ۱۲۶۱ھ میں توپ کے سانچہ کے قریب قائم کیا گیا ۔ سنہ ۱۲۷۷ھ میں اسی اسکول سے رسالہ طبابت جاری ہوا ۔ (۲۴۸) لیکن بستان آصفیہ کی دوسری جلد میں مانک راؤ وٹھل راؤ لکھتے ہیں کہ اس رسالہ کا نمبر ۸ جلد ۲ ہماری نظر سے گزرا ہے جو ۲۴ جمادی الثانی سنہ ۱۲۷۷ھ کی مطبوعہ ہے ۔ " (۲۴۹)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ " رسالہ طبابت حیدرآباد " کا اجرا سنہ ۱۲۷۷ھ سے پہلے ہوا ۔ مانک راؤ وٹھل راؤ نے رسالہ طبابت کے جلد دوم ہی کے سن کو بستان آصفیہ کے جلد اول میں غلطی سے اس کا سن اجرا لکھ دیا ۔

بستان آصفیہ کے بعد حکیم سید شمس اللہ قادری اور نصیر الدین ہاشمی نے اس رسالہ کا تذکرہ کیا ہے ۔ حکیم شمس اللہ قادری نے اپنے ایک مضمون "آثار الکرام " میں کسی حوالے کے بغیر اس رسالہ کی تاریخ اجرا سنہ ۱۲۷۵ھ (۲۵۰) درج کی ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بستان آصفیہ حصہ دوم کا مذکورہ اندراج ان کی نظر سے گزرا تھا جس میں رسالہ طبابت جلد دوم شمارہ آٹھ کی اشاعت جمادی الثانی سنہ ۱۲۷۷ھ بتلائی گئی ہے غالباً انہوں نے جلد اور شمارہ کا حساب جوڑ کر تاریخ اجرا کا تعین کیا اور سنہ ۱۲۷۵ھ دستیاب کیا ، نمبر ۸ جلد ۲ دیکھ کر انہیں یہ گمان گزرا کہ رسالہ طبابت ایک ماہ وار رسالہ ہے ۔ آٹھواں شمارہ جمادی الثانی سنہ ۱۲۷۷ھ میں شائع ہوا ہے اس اعتبار سے جلد دوم کے پہلے شمارے کی تاریخ اشاعت ذیقعدہ سنہ ۱۲۷۶ھ قرار پاتی ہے گویا اس کی اجرائی اس کے ایک سال قبل یعنی ذیقعدہ سنہ ۱۲۷۵ھ میں ہوئی ۔

نصیر الدین ہاشمی نے بھی سید شمس اللہ قادری کی درج کردہ تاریخ کو کسی تحقیق کے بغیر قبول کر لیا اور سنہ ۱۲۷۵ھ کے مطابق سن عیسوی سنہ ۱۸۵۹ء درج کیا (۲۵۱) اس کے علاوہ انہیں اپنے والد کے کتب خانہ میں دوسری جلد کا پہلا شمارہ دستیاب ہوا تھا جو بقول ان کے ماہ صفر سنہ ۱۲۷۸ھ میں شائع ہوا تھا (۲۵۲) ۔ اتفاق سے دوسری جلد کے تمام شمارے ہمارے پیش نظر ہیں ۔ دوسری جلد کا پہلا شمارہ پانچویں ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۲۷۵ھ مطابق گیارھویں ماہ فروری سنہ ۱۸۵۹ء شائع ہوا تھا ۔ اور ماہ صفر المظفر سنہ ۱۲۷۸ھ میں دوسری جلد کا دسواں شمارہ طبع ہوا تھا ۔ اگر اس شمارے کو سامنے رکھ کر وہ جلد کے جدید تصور کے تحت رسالہ کے سن اجرا کا تعین کرتے تو وہ سنہ ۱۲۷۷ھ ہوتا لیکن انہوں نے آنکھ بند کر کے شمس اللہ قادری کے متعین کردہ سن سنہ ۱۲۷۵ھ کو قبول کر لیا اور خود ان کے بیانات میں جو تناقض پیدا ہو گیا تھا اس کی طرف توجہ نہیں کی ۔ نصیر الدین ہاشمی نے اسے سہ ماہی رسالہ قرار دیا ۔ حیدرآباد کے ایک اور محقق سید تمکین کاظمی صاحب نے اپنے مضمون " حیدرآباد دکن کے اردو اخبارات اور رسائل " میں رسالہ طبابت کو

ہندوستان میں اردو کا پہلا ماہوار رسالہ قرار دیا اور اس کا سن اجرا سنہ ۱۸۵۸ء لکھا ہے (۲۵۳)۔ غالباً ان کے پیش نظر بھی سنہ ۱۲۷۵ھ کا سن تھا۔ اجرائی کے مہینے کے عدم تعین کی وجہ سے اس کی مطابقت انہوں نے سنہ ۱۸۵۸ء سے کی۔

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے نصیر الدین ہاشمی کا تتبع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حیدر آباد دکن میں صحافت کا آغاز علمی مجلوں سے ہوا۔ سنہ ۱۸۵۹ء میں ایک طبی رسالہ جاری ہوا۔ (۲۵۴) غالباً ان کا اشارہ اسی "رسالہ طبابت حیدر آباد" کی طرف ہے۔

بعد کے مصنفین اور مضمون نگاروں نے بھی بیشتر نصیر الدین ہاشمی ہی کے تحریر کردہ تاریخ اجرا کو من و عن نقل کر دیا ہے۔

طیب انصاری نے اپنی کتاب "حیدر آباد میں اردو صحافت" میں صفحہ بارہ پر یہی سنہ کسی حوالے کے بغیر درج کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "جہاں تک حیدر آباد کی اردو صحافت کا تعلق ہے اس کی ابتدا سنہ ۱۸۵۹ء میں رسالہ طبابت کی اشاعت سے ہو گئی تھی۔" (۲۵۵) لیکن اس کتاب کے صفحہ ۹۷ پر انہوں نے اس رسالہ کی اجرائی کی تاریخ مختلف درج کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "حیدر آباد میں رسائل کی اشاعت کا آغاز جس رسالہ کو سمجھا جاتا ہے وہ در حقیقت طبی رسالہ ہے جو سنہ ۱۲۷۵ھ م سنہ ۱۸۵۷ء میں جاری ہوا۔ (۲۵۶) یہاں بھی انہوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا البتہ صفحہ ۱۲۸ پر "روزنامہ سیاست" میں ہرمزجی کے ایک مراسلہ کے حوالے سے سنہ ۱۸۵۷ء کو رسالہ طبابت کا سن اجرا قرار دیتے ہیں ہرمزجی نے اپنے مراسلہ میں تحریر کیا تھا کہ "اس رسالہ کی ابتدا سنہ ۱۸۵۸ء میں نہیں سنہ ۱۸۵۷ء میں ہوئی تھی۔" (۲۵۷)

طیب انصاری نے رسالہ طبابت حیدر آباد کی ابتدا سنہ ۱۸۵۹ء بتائی تھی۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ بغیر کسی بحث و تمحیص اور تحقیق مزید کے ہرمزجی کے تحقیق کردہ سن کو کیوں کر قبول کر لیا۔

ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال نے اپنے مقالہ جنوبی ہند کی اردو صحافت میں ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کی تحریر کردہ تاریخ کو جوں کا توں درج کر دیا ہے۔ (۲۵۸) اور نصیر الدین ہاشمی کی پیروی میں اسے سہ ماہی رسالہ قرار دیا۔

رسالہ طبابت کی تاریخ اجرا کے بارے میں یہ جو اختلافات رونما ہوئے ہیں اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مانک راؤ وٹھل راؤ کے پیش نظر صرف دوسری جلد کا آٹھواں شمارہ تھا جو ۲۴ جمادی الثانی سنہ ۱۲۷۷ھ کا مطبوعہ تھا جسے مانک راؤ وٹھل راؤ نے غلطی سے سنہ ۱۲۷۷ھ کو رسالہ کا سن اجرا قرار دیا۔ بعد ازاں سید شمس اللہ قادری نے مانک راؤ وٹھل راؤ کے بیانات کے تضاد کو محسوس کیا لیکن رسالہ طبابت کو تلاش کر کے اس کے اجرائی کی صحیح تاریخ معلوم نہ کر سکے اور مانک راؤ وٹھل راؤ کی درج کردہ تاریخ کی مدد سے "رسالہ طبابت حیدر آباد" کے پہلے شمارے کی

تاریخ اجرا کو متعین کرنے کی کوشش کی۔

راقم الحروف کو کتب خانہ سالار جنگ اور حیدر آباد کے بعض دوسرے کتب خانوں میں رسالہ طبابت کے ابتدائی دو فائل اور چیدہ چیدہ رسالے دستیاب ہوئے ہیں جن کے دیکھنے سے نہ صرف رسالہ کی حقیقی تاریخ اجرا کا تعین ہو جاتا ہے بلکہ اس سلسلے میں محققین کو جو غلط فہمیاں ہوئیں اور ان کی قیاس آرائیوں نے جو گل کھلائے اس کی ایک دلچسپ روداد سامنے آتی ہے۔

رسالہ طبابت کا پہلا شمارہ ۲۳ صفر المظفر سنہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۴ نومبر سنہ ۱۸۵۵ء کو نواب سالار جنگ بہادر مختار الملک کے پریس میں چھپ کر شائع ہوا۔

یہ رسالہ ماہنامہ تو قطعاً نہیں تھا اور نہ ہی خود رسالہ میں کہیں اس کے سہ ماہی ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ سنہ ۱۲۷۲ ہجری میں اس کے تین شمارے شائع ہوئے۔ سنہ ۱۲۷۳ھ میں اس کے صرف دو شمارے شائع ہوئے۔ سنہ ۱۲۷۴ھ میں اس کے چار شمارے شائع ہوئے۔ مختلف شماروں کی تاریخ اشاعت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ قیاس ضرور کیا جا سکتا ہے کہ اسے سہ ماہی رسالہ کے طور پر جاری کیا گیا ہو لیکن کتابت اور طباعت کی دشواریوں کی وجہ سے رسالہ وقت پر شائع نہیں ہو سکا اور رسالہ کے منتظمین نے اشاعت کے مقررہ مہینے کا نام چھپانے کے بجائے ایمانداری کے ساتھ رسالہ کی اشاعت کا حقیقی مہینہ درج کر دیا۔ مہینہ کے ساتھ تاریخ کا اندراج ایک مہینہ یا ایک مہینہ سے زیادہ کے رسائل میں عام طور پر نہیں کیا جاتا اور مندرجہ مہینہ کی پہلی تاریخ، تاریخ اشاعت متصور ہوتی ہے لیکن رسالہ طبابت حیدر آباد میں اشاعت کی حقیقی تاریخ ہی درج کی گئی ہے۔

اس رسالہ کا پہلا شمارہ ماہ صفر سنہ ۱۲۷۲ھ میں شائع ہوا۔ سہ ماہی ہونے کے حساب سے دوسرا شمارہ جمادی الاول سنہ ۱۲۷۲ھ میں شائع ہونا چاہئے تھا اس کے بجائے ایک مہینہ تاخیر سے جمادی الثانی سنہ ۱۲۷۲ھ میں شائع ہوا۔ تیسرا شمارہ شعبان سنہ ۱۲۷۲ھ کے بجائے شوال سنہ ۱۲۷۲ھ میں شائع ہوا چوتھا شمارہ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۲ھ میں شائع نہ ہو سکا اور چار ماہ بعد جمادی الاول سنہ ۱۲۷۳ھ میں شائع ہوا۔ صفر سنہ ۱۲۷۲ھ سے لے کر رمضان سنہ ۱۲۷۳ھ تک کے شمارے کو سامنے رکھیں تو یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ رسالہ چار ماہی ہے لیکن اگلے سال بعض شمارے ایک یا دو مہینوں کے وقفہ سے شائع ہوئے۔ سنہ ۱۲۷۴ھ میں جملہ چار شمارے شائع ہوئے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رسالہ جاری کرنے والوں کا منشا سال میں چار شمارے شائع کرنا تھا۔ وہ اس کی پابندی نہیں کر سکے۔

حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب نے مانک راؤ وٹھل راؤ کے حوالے کو سامنے رکھ کر یہ تصور کر لیا کہ یہ ماہنامہ رسالہ ہے کیوں کہ مانک راؤ وٹھل راؤ نے جس رسالہ کا حوالہ دیا ہے وہ دوسری جلد کا آٹھواں شمارہ ہے۔ شمس اللہ قادری کے ذہن میں یہ بات تھی کہ جلد سال بھر کے

شماروں پر مشتمل ہوتی ہے ظاہر ہے کہ رسالہ اگر ماہ نامہ ہی ہو تو کسی جلد میں آٹھویں شمارہ کی نوبت آسکتی ہے۔ اسی بنا پر انہوں نے رسالہ طبابت کو غالباً ماہ نامہ تصور کیا۔ دوسری جلد کے آٹھ اور پہلی جلد کے بارہ شماروں کا حساب جمع کر کے انہوں نے پہلے شمارہ کا سن اشاعت سنہ ۱۲۷۵ھ متعین کیا حالانکہ رسالہ کے مرتبین کے ذہن میں "جلد" کا تصور بالکل مختلف تھا۔ انہوں نے پہلے دس شماروں کو یکجا کر کے ایک جلد قرار دی۔ اس طرح جلد اول کی ابتدا صفر سنہ ۱۲۷۲ھ سے ہوتی ہے اور دسویں شمارے مطبوعہ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۵ھ پر یہ جلد ختم ہوتی ہے اور جلد دوم کا ابتدائی شمارہ نمبر اول ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۲۷۵ھ سے شروع ہو کر شمارہ نمبر دس ماہ صفر سنہ ۱۲۷۸ھ پر ختم ہوتا ہے۔

دونوں جلدوں کے شماروں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

جلد نمبر ۱

شمارہ نمبر(۱) ۲۳ صفر المظفر سنہ ۱۲۷۲ھ
مطابق ۳/نومبر ۱۸۵۵ء
شمارہ نمبر(۲) ۲۳ ماہ جمادی الاول ۱۲۷۲ھ
مطابق ۲/مارچ سنہ ۱۸۵۶ء
شمارہ نمبر(۳) ماہ شوال المکرم سنہ ۱۲۷۲ھ
مطابق ۶ ماہ جون سنہ ۱۸۵۶ء
شمارہ نمبر(۴) پہلی ماہ جمادی الاول سنہ ۱۲۷۳ھ
مطابق ۲۹ ماہ دسمبر سنہ ۱۸۵۶ء
شمارہ نمبر(۵) بارھویں ماہ رمضان المبارک ۱۲۷۳ھ
مطابق ساتویں ماہ مئی سنہ ۱۸۵۷ء
شمارہ نمبر(۶) ستائیسویں ماہ محرم الحرام ۱۲۷۳ھ
مطابق سترھویں ماہ ستمبر ۱۸۵۷ء
شمارہ نمبر(۷) سولھویں ماہ جمادی الاول ۱۲۷۳ھ
مطابق پہلی ماہ جنوری سنہ ۱۸۵۸ء
شمارہ نمبر(۸) اٹھائیسویں ماہ رجب المرجب ۱۲۷۳ھ
مطابق پندرھویں ماہ مارچ ۱۸۵۸ء
شمارہ نمبر(۹) چوبیسویں ماہ شوال المکرم ۱۲۷۳ھ
مطابق ساتویں جون سنہ ۱۸۵۸ء
شمارہ نمبر(۱۰) اکیسویں ماہ ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ
مطابق چھٹویں ماہ دسمبر ۱۸۵۸ء

جلد نمبر ۲

شمارہ نمبر(۱) پانچویں ماہ شعبان المعظم ۱۲۷۵ھ
مطابق گیارھویں ماہ فروری ۱۸۵۹ء
شمارہ نمبر(۲) ستائیسویں ماہ شوال المکرم ۱۲۷۵ھ
مطابق اکتیسویں ماہ مئی ۱۸۵۹ء
شمارہ نمبر(۳) چہارم ماہ محرم الحرام سنہ ۱۲۷۶ھ
مطابق چہارم ماہ اگست سنہ ۱۸۵۹ء
شمارہ نمبر(۴) چودھویں ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۷۶ھ
مطابق بارھویں ماہ اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ء
شمارہ نمبر(۵) بیسویں ماہ رجب المرجب سنہ ۱۲۷۶ھ
مطابق تیرھویں ماہ فروری سنہ ۱۸۶۰ء
شمارہ نمبر(۶) بیسویں ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۲۷۶ھ
مطابق گیارھویں ماہ جون ۱۸۶۰ء
شمارہ نمبر(۷) اٹھارویں ماہ صفر المظفر سنہ ۱۲۷۷ھ
مطابق پانچویں ماہ ستمبر ۱۸۶۰ء
شمارہ نمبر(۸) چوبیسویں ماہ جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ
مطابق سات ماہ جنوری سنہ ۱۸۶۱ء
شمارہ نمبر(۹) تیرھویں ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۲۷۷ھ
مطابق چوبیسویں ماہ مئی سنہ ۱۸۶۱ء
(۱۰) ستائیسویں ماہ صفر المظفر ۱۲۷۸ھ
مطابق چوتھی ماہ ستمبر ۱۸۶۱ء

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسالہ طبابت کا اجرا ۲۳ صفر سنہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۴ نومبر سنہ ۱۸۵۵ء کو ہوا۔ رسالہ طبابت حیدر آباد کے سن اجرا کے بارے میں عام محققین کو غلط فہمیاں ہوئی ہیں اور کسی نے بھی تحقیق کے ذریعہ رسالہ کے اجرا کی صحیح تاریخ دریافت کرنے کی کوشش نہیں کی جب کہ اس رسالہ کے فائل حیدر آباد کے مختلف کتب خانوں میں آج بھی دستیاب ہیں۔

یہ طبی رسالہ ناصر الدولہ کے قائم کردہ "حیدر آباد میڈیکل اسکول" سے شائع ہوا تھا۔ اس میڈیکل اسکول کے سرپرست اعلیٰ ڈاکٹر میکلیسن تھے۔ سنہ ۱۸۵۴ء میں انہوں نے ڈاکٹر جارج اسمتھ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ ڈاکٹر جارج اسمتھ نے اس اسکول کا چارج حاصل کرتے ہی جہاں مدرسہ کے نصاب کی از سرنو تنظیم کی وہیں طلبا کے استفادہ کے لیے ایک رسالہ کا اجرا بھی عمل میں لایا۔ ابتدا میں اس رسالہ کے ایڈیٹر خود ڈاکٹر جارج اسمتھ تھے۔ ۲۴ مئی سنہ ۱۸۶۱ء سے اس کی ایڈیٹری کے فرائض ڈاکٹر فلیمنگ بہادر انجام دینے لگے اور پھر ۴ نومبر سنہ ۱۸۶۳ء سے یہ رسالہ ڈاکٹر پیمبرٹن کی ادارت میں نکلنے لگا۔ یہ رسالہ سرمئی رنگ کے ولایتی کاغذ پر خط نستعلیق میں نواب مختار الملک کے چھاپے خانے میں طبع ہوتا تھا۔ اس کی ضخامت عموماً ۵۰ تا ۷۵ صفحات ہوتی تھی۔ اس رسالہ کی قیمت فی پرچہ ۴ آنہ تھی۔

" رسالہ طبابت حیدر آباد " حیدر آباد دکن کا پہلا " اردو رسالہ " تھا جو میڈیکل اسکول کا ترجمان تھا۔ اس میں طب مغربی اور طب یونانی اور فن طب سے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے۔ حیدر آباد کے مختلف ڈاکٹر اور حکیم اپنے تجربات و مشاہدات اور عمل جراحی کے کارنامے اس میں شائع کرواتے تھے اس کے علاوہ مدرسہ طبیہ کی رپور میں کلاس کا ٹائم ٹیبل، امتحانات کے سوالات امتحانات کے نتائج، حتیٰ کہ کلاس میں پڑھائے گئے اسباق بھی اس رسالہ میں درج کئے جاتے تھے تا کہ آئندہ آنے والے طلبا ان سے استفادہ کر سکیں۔ حسب ضرورت چارٹ اور اشکال بھی چھاپے جاتے تھے اور مختلف بیماریوں اور ان کے علاج کے تعلق سے بھی معلومات انگیز مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس رسالہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر جارج اسمتھ نے لکھا " میں اس رسالے کو حتی المقدور تربیت نامہ بنانے کی کوشش کرتا ہوں چنانچہ اولاً جو کچھ ان طلبا کے لیے فی الواقع مفید ہے سو اس کو منتخب کروں ثانیاً اس انتخاب میں مقدمات طرح طرح کے جو حکیموں اور طبیبوں کو ضرور ہوں لکھوں۔ بعضے نادر اطلاع پذیر بیماریوں کا حال جو تم میں سے کوئی مجھے لکھیں گے (کذا) سو وہ بھی اس رسالے میں مذکور ہو گا۔" (۲۵۹)

اسی طرح ڈسمبر سنہ ۱۸۵۶ء کے شمارے میں ڈاکٹر اسمتھ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ایک واسطہ ہے ترقیات کا درمیان مدرسہ طبابت حیدر آباد کے اور درمیان ان شاگردوں کے جو اس مدرسے میں لیاقت نامہ پاکر حیدر آباد کے ممالک میں تعلقات پر مامور ہوئے ہیں اور یہ حکیمان فقط مدرسے سے ہی دور نہیں ہوئے بلکہ ایک دوسرے سے جدا ہوگئے ہیں اور اپنے علم و ہنر کی ترقی سے محروم بنے ہیں اور یہ مقصد بھی اس سے ہے کہ ان کی محنت وسعی اور تجربات خلائق پر ظاہر ہووے۔ جس سے ان کی قدردانی ہو اور سرکار ان کی جانب میں توجہ فرماوے ------ ہر تعلقے کا حکیم جس کو ہر بار ایک ایک رسالہ بمدست ہوتا تھا سو اس سے واقف ہے کہ ان کی آگاہی کے لیے مفید ہے۔ ساتھ اس کے دلچسپ طور سے لکھا جاتا ہے اور یہ بھی ان پر ظاہر ہے کہ ان کے خدمات جو قابل ذکر ہیں اور ان کے جراحی کسب ان رسالوں میں مذکور ہوتے ہیں۔" (۲۶۰)

اس کے علاوہ اس رسالہ کا ایک اور مقصد مدرسہ کے طلبا کو اردو زبان میں طبی معلومات بہم پہنچانا تھا کیوں کہ اس وقت علم طب پر کوئی کتاب کم از کم حیدر آبا میں اردو زبان میں نہیں تھی جب کہ مدرسہ کا ذریعہ تعلیم اردو تھا لہذا اس مدرسہ کے سرپرست خود اردو سیکھ کر طلبا کو اردو زبان میں تعلیم دیتے تھے۔ اس کے لیے انہیں مغربی زبان کی کتابوں کا ترجمہ کرنا پڑتا تھا اور ساتھ ہی روز بہ روز ہونے والی طبی ترقیوں سے بھی انہیں واقف کرانا پڑتا تھا۔ اور ساتھ ہی ان مقاصد کو پورا کرنے کی خاطر ڈاکٹر فلیمنگ نے ایک تجویز بھی پیش کی تھی کہ "ہر مہینے کو چاہیئے سب حکماؤں کی جو شہر میں ہیں مدرسے میں ایک بار مجلس مقرر ہووے اور اس سے فایدہ یہ ہے کہ علم ترقی کرے گا اور آپس میں جو کچھ کہ تعصب ہو سو وہ دور ہوگا اور رسالے کے واسطے نئے نئے کیفیتیں ہاتھ آئیں گے۔" (۲۶۱)

ذیل میں اس رسالہ کے ایک مضمون کا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے تا کہ صرف لسانی پہلو ہی سامنے نہ آئے بلکہ اس دور کی املا الفاظ کی قرآت اور خصوصیت کے ساتھ انگریزی الفاظ کو اردو میں لکھنے کا رجحان بھی سامنے آسکے۔

> تعلقہ عمر کھیڑ میں مستو طبیب پیر خانصاب کے کسب کا بیان ایک لڑکا چودہ سال کی عمر کا کھیڑ کے دواخانے میں آیا نام اس کا رحمان خان مسلمان ذات کا اور اس کو النار یڈی کی شکست ہوئی تھی اور خم کونی تنگ سٹراوٹ پھنچی تھی جبکہ

طبیب دریافت کیئے سو وقت وہ سڑاوٹ کا نشان کہ لین
اف ڈی مار کیشن ہی یعنے خط سرحدی خم کونی کے تھوڑا
اوپر تھا اس بیمار کے خویش و اقارب اور مادر و پدر کی
خوشی کے باوجود جراحی ہتیار ہونے کے ایک تیز نوکدار
چھوری سے یومرل آٹری کا خون ب باوٹ سے موقوف کر
کر لین آف ڈی ، رکیشن کے اوپر سے اس بیمار کا ہتہ قلم
کیئے ۔ اور یومرل آٹری اور ایک شاخ اور دوسرے
شاخوں سے جو موٹی تھی سو اسے بہی رشتے سے الگ الگ
باندھکر ٹانکے اچھی طرح سے دے ۔ بعدازاڈی زف
پلاسٹر کے پٹیاں سیون کے درمیان میں دیکر اوپر سے
بیانڈیج باندھا ہے اور وہ بیمار ہتہ قلم کیئے سو ایک مہنیہ
کے عرصے میں صحت کلی حاصل کر کر اپنے مکان کو
رخصت ہوا ۔

" رسالہ طبابت حیدرآباد " اپنے مقاصد اور موضوع کی اہمیت کی وجہ سے نہ صرف حیدرآباد دکن میں بلکہ ہندوستان کے کئی شہروں جی سے کلکتہ ، مدراس ، آگرہ اور بمبئی وغیرہ میں کافی مشہور و مقبول تھا اور یہاں کی حکومتیں بھی اس رسالہ کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر اس رسالہ کی سرپرستی اور ہمت افزائی کرتی تھیں ۔ اس تعلق سے ڈاکٹر جارج اسمتھ لکھتے ہیں کہ " اس کے سوا دوسرے سرکار بھی ان رسالوں کی تقویت و تائید کر چکی ہیں مثلاً سرکار کلکتہ اور سرکار مدراس اور سرکار آگرہ پچاس پچاس رسالے ہر بار لیتے ہیں اور سرکار بمبئی پچیس ۔ " (۲۶۲)

اس رسالہ کی اس قدر اہمیت اور مقبولیت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ جسطرح یہ حیدرآباد دکن کا " پہلا اردو رسالہ " تھا ۔ اسی طرح یہ ہندوستان بھر میں بھی فن طب پر اردو

زبان کا پہلا طبی رسالہ تھا۔

اس رسالہ کے مضمون نگاروں میں زیادہ تر اسی مدرسہ کے اساتذہ اور طلبا کے علاوہ حیدرآباد دکن کے مختلف مقامات کے حکیم و ڈاکٹر تھے جن میں ڈاکٹر جارج اسمتھ، ڈاکٹر فلیمنگ بہادر، ڈاکٹر محمد اشرف صاحب، حکیم محمد رضا صاحب، حکیم مرزا علی، حکیم فقیر صاحب، حکیم غلام دستگیر صاحب اور حکیم عبدالرحمن صاحب قابل ذکر ہیں۔

ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک فہرست پیش کی جاتی ہے جس سے اس رسالہ کے مضامین کی نوعیت کا اندازہ ہوگا۔

(۱) ہوا کا بیان (۲) علم فزیالوجی (۳) استجاد ریافت کرنے کی ترکیب (۴) رینو ہلاسٹک آپریشن (۵) بینی بریدہ عورت کی کیفیت (۶) چیچک کی وبا (۷) وبا کا بیان (۸) ملیریا کا بیان (۹) تنفس معطل کا علاج (۱۰) پانی کا بیان (۱۱) کانچ کا بیان (۱۲) بواسیر کا بیان (۱۳) امبے لیکل ہرنیہ کا بیان (۱۴) بیان سربراہی اطفال (۱۵) زوا یعنی کرم کا بیان (۱۶) اسکالٹیشن (۱۷) سنگ مثانے کا بیان (۱۸) سانپ کاٹا تو اس کے علاج کی ترکیب (۱۹) گوبری کا بیان (۲۰) برانکائٹس کا بیان (۲۱) علم کیمیا کا بیان (۲۲) فزیالوجی یعنی علم موجودات کا بیان (۲۳) ہیپر ٹروفی (۲۴) تیومر یعنی رسولی کا بیان ؛ (۲۵) کالر یعنی قئے جلاب کا بیان (۲۶) بیان افعال اصطلاحات ادویہ (۲۷) گردن کے پھلے منکے کا بیان وغیرہ۔

اس رسالہ کے کچھ اور پہلو قابل ذکر ہیں (۱) اس وقت تک ہندوستان میں جدوجہد دی کی تحریک کی باقاعدہ داغ بیل نہیں پڑی تھی انگریز یہ چاہتے تھے کہ دیسی ریاستوں میں روشن خیالی اور عوامی بہتری کے نام پر اور ساتھ ہی ساتھ دیسی لوگوں کے طرز فکر کے مقابلے میں اپنے طرز فکر کی برتری جتا کر انہیں ہموار کریں چنانچہ اس رسالہ میں طب یونانی پر کم اور طب مغربی پر زیادہ لکھا جاتا تھا اور جس کی زیریں لہر میں طب مغربی کے طب یونانی پر تفوق کا اظہار تھا۔ (۲) اس رسالہ کے ذریعے انگریز رعایا کے ساتھ یک جہتی اور یگانگت پیدا کرنا چاہتے اور اس احساس اجنبیت کو دور کرنا چاہتے تھے جو ہندوستانیوں میں انگریزوں کی طرف سے تھا۔ (۳) عبارت کے جو نمونے دیے گئے ہیں ان میں ہی ایک واقعہ عمر کھیڑ کے ایک لڑکے کے سلسلے میں سرجری کا ہے ہندوستانی طریقہ علاج میں ہڈی بٹھانے کا رواج تھا لیکن انگریزوں کے یہاں فاسد عنصر کو نکال پھینکنے کا اور اس طرح آخر میں صحت کلی کا لفظ لکھ کر یہ بتایا گیا تھا کہ اس طریقہ علاج میں ہی صحت و سلامتی ہے۔ ان سب امور سے قطع نظر اس رسالہ کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ یہ ایک ایسے دور میں جب اردو نثر پر، داستانی نثر اور مذہبی نثر کا عنصر غالب تھا اس رسالہ نے خالص سائنسی مضامین کو اردو میں پیش کیا اور اسطرح اردو میں علمی مضامین پیش کرنے کے امکانات کی طرف

اشارہ کیا جس سے یہ پہلو بھی روشن ہوا کہ اس زبان میں ایسے خیالات کو ادا کرنے کی توانائی موجود ہے۔

جہاں تک اس رسالہ کی زبان کا تعلق ہے اس پر دکنی کا رنگ غالب تھا مگر پھر بھی سادہ سلیس زبان میں طبی و علمی مضامین لکھے اور ترجمہ کیے جاتے تھے۔ اس دور کی زبان کے سلسلے میں یہ فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ میرامن کے یہاں بھی "کرکے" کے بجائے "کرکر" استعمال ہوا ہے اور یہ سلسلہ سرسید تک چلا ہے۔ اس رسالہ کی زبان میں بھی "کرکر" کی تنافر صوتی موجود ہے اور دوسری بات یہ کہ زبان کی نحوی ساخت اور جملوں میں فاعل، فعل، متعلقات فعل کی موجودہ ترتیب انیسویں صدی کے اواخر کی پیداوار ہے۔ اس دور میں زبان کا رنگ و آہنگ فارسی اور عربی انداز کی پیروی میں تھا۔ مثلاً "جاتا تھا وہ" اور "کہی اس سے یہ بات" وغیرہ۔ یہی انداز اس رسالہ میں بھی ہے۔ طرز تحریر سے لگتا ہے جیسے تقریری زبان کو تحریر کا روپ دے دیا گیا ہے لیکن زبان کے اس پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں طب کی اہم اور مشکلوں اصطلاحوں کو بڑی ذہانت کے ساتھ اردو میں منتقل کیا گیا تھا۔ اس دور میں نہ تو "علی گڑھ تحریک" شروع ہوئی تھی اور نہ ہی "دار الترجمہ" کا قیام عمل میں آیا تھا اور نہ ہی کسی "وضع اصطلاحات کمیٹی" کا وجود تھا جو ان کی رہبری کرتا اس کے باوجود جس عمدگی اور ہوشیاری سے طبی اصطلاحوں کو اردو میں منتقل کیا گیا اس کی وجہ سے اردو زبان میں علمی و سائنسی مطالب کو ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔

ذیل میں بطور نمونہ اصطلاحات کی ایک فہرست درج کی جاتی ہے۔

(۱) الکٹرسٹی کا کنڈکٹر۔ الکٹرک پہنچانے والا (۲) سلفر، گندک (۳) چارکول۔ کویلا (۴) اکسیڈ آف ایرن، زنگ آہن (۵) ایلیمنٹ۔ عنصر (۶) رماٹ۔ قربنیق (۷) ہمور ایڈس بواسیر (۲۶۳) (۸) امبے لیکل ہرنیہ۔ ناف کی فتق (۲۶۴) (۹) ڈیاگنوزس۔ تشخیص (۲۶۵) (۱۰) زوا۔ کرم (کیڑے) (۱۱) پرگٹیف انسٹل (۲۶۶) ممنیٹکس، مسہلات کرم کش (۱۲) اُنسس ٹیڈ ٹیومر۔ کیسہ دار رسولی (۲۶۷) (۱۳) نروس ٹسیو۔ اعصاب کی بافت (۱۴) والنٹری۔ اختیاری (۱۵) ان والنٹری۔ بے اختیاری (۱۶) ویٹل پراپرٹیس۔ زندگی کی خاصیتیں اور قوتیں (۱۷) سن سیبلیٹی۔ حس کی قابلیت (۱۸) السٹی سٹی۔ لچکداری (۱۹) انفانٹیل کنول شنس۔ تشنج اطفال (۲۶۸) (۲۰) مانسے لیٹس۔ حلق کی جلن (۲۱) علم فزیالوجی۔ علم قوے اور افعال (۲۶۹) جسم زندہ سے تعلق رکھتا ہے (۲۲) علم اناٹمی۔ علم تشریح (جسم مردے سے علاقہ رکھتا ہے (۲۳) اسٹرکچر۔ تعمیر (۲۷۰)، ساخت (۲۴) انے ملز۔ حیوانات (۲۵) ویجے ٹیبلز۔ نباتات (۲۶) لیف۔ جان (۲۷) اریجن۔ ابتدا (۲۸) ڈیوریشن۔ پائیداری (۲۹) ڈیجس شن۔ ہضم کرنا (۳۰)

ایسارشن ۔ جذب کرنا (۳۱) سرکیولیشن ۔ گردش خون (۳۲) نیوتریشن ۔ پرورش (۳۳) تیومر ۔ رسولی (۳۴) پرگیتو ۔ ادویہ مسہلہ (۳۵) کالرا ۔ قئے جلاب (۲۷۱)

اس رسالہ کی ایک " بد قسمتی " یہ بھی رہی کہ جہاں اس کے آغاز و اجرا کے سلسلے میں اختلاف سنین رہا اور زمانہ اشاعت کا صحیح وقت متعین نہیں جاسکا وہاں یہ پہلو بھی غلط فہمی کا شکار ہوگیا تھا کہ یہ رسالہ کب بند ہوا اور کیوں بند ہوا اور اس سلسلے میں اکثر محققین کا قلم خاموش ہے البتہ بعض مضمون نگاروں کا قیاس ہے کہ میڈیکل کالج کے ذریعہ تعلیم میں تبدیلی کی وجہ سے اس کی اشاعت موقوف کردی گئی ہوگی (میڈیکل اسکول میں سنہ ۱۸۸۴ء (۲۷۲) سے ذریعہ تعلیم اردو سے انگریزی کردیا گیا تھا)

اس رسالہ کے تین مدیر تھے ۔ ڈاکٹر جارج اسمتھ، ڈاکٹر فلیمنگ اور ڈاکٹر پیمبرٹن ۔ مواخر الذکر اس کے آخری مدیر تھے ۔ موصوف کے بارے میں بستان آصفیہ (جلد دوم) میں صفحہ ۷۷۹ پر یہ عبارت ملتی ہے ۔

> " ۲۶ صفر سنہ ۱۲۸۴ھ م ۹ جون سنہ ۱۸۶۷ء کو جنرل ڈاکٹر پیمبرٹن صاحب زہر کھا کر فوت ہوئے اور دوسرے دن چار بجے اندرون احاطہ ریذیڈنسی دفن ہوئے ۔"

اس طرح ڈاکٹر پیمبرٹن صاحب کی تاریخ وفات کا تعین ہوجاتا ہے کہ ان کا انتقال جون سنہ ۱۸۶۷ء میں ہوا ۔

دوسرا نکتہ ملاحظہ ہو ۔ اسی میڈیکل اسکول کے لقمان الدولہ نے سنہ ۱۳۱۶ھ میں ایک طبی رسالہ " دکن میڈیکل جرنل " کے نام سے حیدرآباد دکن سے نکالا ۔ ان کے والد ڈاکٹر محمد اشرف جنہوں نے اسی میڈیکل اسکول سے سب سے پہلے ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا تھا اور زمانہ طالب علمی میں رسالہ طبابت میں اکثر مضامین لکھا کرتے تھے، رسالہ " دکن میڈیکل جرنل " کے اجرا کے وقت نہ صرف بقید حیات تھے بلکہ اس رسالہ میں بھی مضامین لکھا کرتے تھے ۔ اس اعتبار سے ان کی شہادت معاصر شہادت کی حیثیت رکھتی ہے ۔ ان کے صاحبزادے اس رسالہ دکن میڈیکل جرنل کے اداریہ میں رقم طراز ہیں ۔

> " ایک رسالہ ڈاکٹر میکلسن صاحب کے زمانے سے ڈاکٹر پیمبرٹن صاحب کے زمانہ تک بنام حیدرآباد میڈیکل جرنل زبان اردو میں شائع ہوا تھا ۔ جس میں نظام میڈیکل کالج کے دیسی ڈاکٹران پاس یافتہ کے مضامین درج ہوا کرتے تھے یہ رسالہ اپنے وقت میں بڑی وقعت اور چشم قدر بیں سے دیکھا جاتا تھا ۔ محل افسوس ہے کہ اس وقت سے اب تک کسی کی توجہ اس کے سلسلہ کے جاری رکھنے میں نہ ہوئی اور وہ رسالہ اس وقت خواب و خیال ہوگیا ۔ " (۲۷۳)

اداریہ کا خط کشیدہ فقرہ قابل غور ہے۔ اس بیان کی روشنی میں یہ مستنبط ہوجاتا ہے کہ رسالہ طبابت پیمبرٹن کے زمانہ ہی میں یعنی سنہ ۱۸۶۷ء میں یا اس سے قبل بند ہو گیا تھا اور اس کے بند ہونے کا سبب وہ نہ تھا جو بیان کیا جاتا رہا ہے۔ مزید شہادت کے لئے یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے کہ زمانی اعتبار سے رسالہ طبابت کے دستیاب شدہ شماروں میں سنہ ۱۸۶۳ء کے بعد کا کوئی شمارہ نہیں ملتا۔

"دکن میڈیکل جرنل": اس رسالہ کو ممبران دکن میڈیکل اسوسی ایشن نے ۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۱۶ھ م ۲۴ اگست ۱۸۹۸ء سے بتقریب سالگرہ اعلحضرت نواب میر محبوب علی خاں بہادر جاری کیا۔ اس کے ایڈیٹر مشہور ڈاکٹر و اسٹاف سرجن نواب محمد حیدر خاں لقمان الدولہ بہادر رہے۔ یہ رسالہ مطبع فیض الکریم حیدرآباد میں ۱۳۵ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس میں اردو اور انگریزی زبان میں مضامین شائع ہوتے تھے۔ حصہ اردو سو صفحات پر اور حصہ انگریزی پینتیس صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ عام خریداروں سے چھ روپیے سالانہ تھا۔

اس رسالہ کی تاریخ طبع مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد نے تین مختلف قطعات میں کہی۔ ایک قطعہ درج ہے۔

اندریں ماہ جرنل میڈیکل --- گشتہ طبع از عنایت سبحان
بلبل طبع سال تاریخش --- شاد بنوشت نغمہ لقمان

۱۳۱۶ھ

دکن میڈیکل جرنل خالص طبی رسالہ تھا۔ اس میں بھی رسالہ طبابت کی طرح ڈاکٹر اور حکیم اپنے تجربات و مشاہدات اور فن جراحی کے کارنامے درج کرتے تھے۔ مضامین کے انتخاب کے لیے ایک مجلس مشاورت تھی چونکہ یہ رسالہ اردو اور انگریزی میں ایک ساتھ شائع ہوتا تھا اس لیے اس مجلس مشاورت کے اراکین مفید مضامین کے اردو ترجمے بھی ایک ساتھ شائع کرتے تھے یہ رسالہ ڈاکٹروں اور حکیموں کے علاوہ عام لوگوں کے لیے بھی بے حد مفید اور کارآمد تھا۔

اس رسالہ کے مضمون نگاروں میں ڈاکٹر صفدر علی (سرجن سکنڈری انفیانٹری) ڈاکٹر محمد اشرف، ڈاکٹر لاری، ڈاکٹر ایم۔ جی۔ نائیڈو، ڈاکٹر احمد مرزا اور ڈاکٹر شاہ میر خاں قابل ذکر ہیں۔

ہرمزجی کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ رسالہ طبابت ہی کا نام میڈیکل جرنل رکھا گیا۔ (۲۷۴) جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں رسالہ طبابت سنہ ۱۸۶۷ء یا اس سے قبل بند ہو چکا تھا۔ دکن میڈیکل جرنل ایک نیا رسالہ تھا جسے لقمان الدولہ نے جاری کیا تھا۔ اس رسالہ کے اجرا کے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

"احقر عرصہ دراز سے اس خیال میں تھا کہ تجربات اطبا فراہم کرکے بغرض نفع عام شائع کرے جس میں یونانی اور ڈاکٹروں کے مباحثے اور روئے زمین کے بڑے بڑے حکما کے جدید

قیاسات و عملیات مندرج ہوں ۔۔۔۔۔۔ بحمد اللہ اس عہد مبارک میں اکثر یونانی مطب اور مدرسے جاری کئے گئے جس کے باعث اس فن کے تجربات حاصل کرنے کا ہر ایک کو بہت اچھا موقع ملا جن کا درج رسالہ ہونا خالی از منفعت نہ ہوگا اس کے مطالعہ سے ہر ایک بہرہ مند ہوا کرے گا۔

ان اغراض کے حصول کے لیے بتقریب جشن سالگرہ مبارک اعلحضرت قدر قدرت خداوند نعمت حضور پرنور بندگانعالی دام ملکہ میں نے اس رسالہ کے ماہانہ اشاعت کا قصد کیا۔ (۲۷۵)

اس رسالہ کے متعلق اعلیٰ حضرت نواب میر محبوب علی خاں بہادر نے اپنی سالگرہ کے جوابی ایڈریس میں ارشاد فرمایا تھا۔ "مجھے اس بات کی سماعت سے بھی نہایت خوشی حاصل ہوئی کہ تم نے اپنے فن میں ترقی کرنے کا ایک عمدہ ذریعہ قائم کیا ہے اور اس کو میری سالگرہ کا (کذا) یادگار بنایا ہے۔ تمہارا میڈیکل جرنل ایسا رسالہ ہے جس کے ذریعہ سے تم اپنے تجربہ کی باتیں دوسرے پر ظاہر کرنے کے علاوہ عوام الناس کے خیالات کو بھی اپنی رائے کے مطابق بنا سکتے ہیں اور میں بہت پسند کرتا ہوں کہ تم اس رسالہ کو اردو اور انگریزی ہر دو زبان میں شائع کرتے ہیں۔
اس سے امید کی جاتی ہے کہ ایک فن طبابت کے مشرقی و مغربی طریقوں کا آپس میں میل جول ایسا ہوگا کہ ایک دوسرے کے حسن و قبح ظاہر ہو کر اصل فن میں ترقی ہوگی اور تمہارے فن میں ترقی ہونا دراصل عامہ خلایق کی آسائش کی ترقی ہے جو مجھے بہ دل منظور ہے۔" (۲۷۶)

ذیل میں رسالہ دکن میڈیکل جرنل کے مضامین کی علمی زبان ملاحظہ فرمائیے اور اس عبارت کو پڑھنے سے پہلے ایک تو یہ امر ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اس دور میں جملوں کی ساخت پر عربی زبان کی نحوی کی چھاپ تھی دوسرے بیماریوں کے انگریزی نام اور ان ناموں کے انداز قرآت سے مضمون گنجلک ہو جاتا تھا۔ لیکن ایک بہت مثبت بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ آزادی کے بعد B.U.M.S اور B.I.M.S کی ڈگریوں کے تحت یونانی اور دیسی طریقہ علاج کے تمام کورسس شروع کیے جارہے ہیں جس میں یونانی، ددیسی اور انگریزی طریقہ علاج کو ملا کر علاج کیا جاتا ہے۔ حیرت ہوتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آج سے سو سال (۱۰۰) سال پہلے حیدرآباد میں بغیر کسی اس طرح کی ڈگری اور تحریک کے یہ تجربے کیے جارہے تھے۔ یہ مطالعہ اس دور کے رجحان کو سمجھنے میں بھی مدد دیتا ہے۔

ذیل میں اس رسالہ کے ایک مضمون کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے اس رسالہ کے مضامین کی نوعیت اور اس دور کی زبان کا اندازہ ہوتا ہے۔

"ایک بیمار بندگی نام کرستان بیانڈ والا عمر ۳۰ سالہ ۱۹ جولائی سنہ ۱۸۹۳ء کو علامت اکیوٹ پری ٹونائی ٹس سے رجوع ہوا۔ جس کی حرارت روزانہ (۱۰۳) اور (۱۰۴) تک بڑھا کرتی

تھی۔ حسب قاعدہ افیون اور کیالومل کا اندرونی استعمال رہا اور شکم پر تکمید ٹرپن ٹین وغیرہ سے کی گئی اور غذا سیال دی جاتی تھی۔ سوائے اس کے ایک وقت ۱۸ جونک بھی لگائی گئیں اور رفع قبض کے لیے روغن بید انجیر اور گرم پانی کا حقنہ چار روز تک ہر روز ایک وقت میں دیا جاتا تھا ا جس کا چوتھے روز اثر ہوا۔

رجوع ہونے کے تیسرے روز جونکوں کے منہ بچا کر پلاسٹر بھی ڈال دیا گیا اور سوائے اس کے معدہ کی چھیڑ کم کرنے کے لیے ہیڈروسیانک اسڈ ڈیلیوٹ اور کریاسوٹ کا استعمال اپنے اپنے وقت پر جاری رہا۔ رفع ناتوانی کے لیے مفرحات بھی دیے گئے۔

ترکیب مذکور الصدر سے چھ روز میں اس مرض سے افاقہ ہو گیا مگر چھٹے دن سے مریض میں ڈیافرومیاٹک پلوروس کے علامت شروع ہو گئے۔ ۱۲ اگست کو یعنے رجوع ہونے کے پندرہ دن کے بعد اور پری ٹیونائٹس کے علامات موقوف ہونے کے آٹھ دن بعد جگر کا سیدھا جانب بڑھا ہوا نظر آیا جہاں مریض شدت درد و گرانی کی شکایت کرتا تھا۔ وہاں ایکسپلورنگ نیڈل داخل کرنے سے سیاہی مائل سبز سیال اخراج پایا جس کا ایک قطرہ کلاں بین سے دیکھا گیا اس میں ایک قسم کے کیڑے کا وجود مشتبہ ہوا۔ جب تشخیص سے جگر میں پیپ پڑنا ثابت ہوا اس وقت آسپریٹر سے اخراج کیا گیا۔ پھر اس کے سات روز بعد مکرر عمل آسپریٹر کا کلوروفام سنگھا کر کیا گیا جس سے بارہ اونس ریم نکلی پھر تیسرے روز کلوروفام سنگھا کر ۳ اونس ریم کا اخراج ہوا چوتھی بار کلوروفام سنگھا کر ریم کا اخراج کیا گیا جو خون آمیز تھا۔ ہر وقت ریم نکلنے کے بعد ایک گ رین مار ٹریٹنگ سلوشن ایک خوراک دیا جاتا تھا اور کلورئیڈ آف امونیہ ایوڈ آف پٹاس اس درمیان میں جاری تھا اسی روز اس عمل کے پہلے ہی سے اجابت سے خون بمقدار کثیر تین روز تک آتا رہا۔ جس کے لیے گیالک ایسڈ کا استعمال اوپیم کے ساتھ کیا گیا۔ مگر اپیکیا کیوانا سنی ای ٹینا نصف ڈرام کی خوراک روزانہ ایک وقت بعد افیون کے استعمال کے دیتے رہنے سے خون بند ہو گیا۔

اس کے بعد ڈورز پوڈر اور کونین روزانہ دس روز تک جاری رہا جس کے دو ہفتہ بعد مریض اچھا ہو کر اپنی نوکری پر چلا گیا۔

خلاصہ

پری ٹیونائٹس میں اس بیمار کو اندرونی استعمال کیالومل اوپیم اور مقامی علاج جونک اور پلاسٹر کا عمل مفید ہوا۔ اس کے بعد لیور آپمٹس ریم کے نکلنے سے درست کیا گیا اور خونی دست الی کیاک سنی ای ٹینا کے استعمال سے موقوف ہوئے۔ کل زمانہ اس مریض کے علاج کا تخمیناً سات ہفتہ رہا۔" (۲۷۷)

راقم الحروف کو اس رسالہ کے صرف چند ہی شمارے دستیاب ہوئے ہیں اس لیے ٹھیک سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ رسالہ کب بند ہوا۔ ویسے مانک راؤ وٹھل راؤ نے بھی اس رسالہ کے

بند ہونے کی صحیح تاریخ نہیں بتلائی صرف یہ لکھا ہے "چند نمبروں کے بعد یہ رسالہ بند ہو گیا۔ (۲۷۸)

لقمان الدولہ افلاطون جنگ نواب محمد حیدر خاں دل: لقمان الدولہ حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ڈاکٹر محمد اشرف صاحب یہاں کے مشہور ڈاکٹروں میں سے تھے۔ گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد میڈیکل اسکول حیدر آباد د گرانڈ میڈیکل کالج بمبئی، گائز و میڈیکل الیکس ہاسپٹل لندن اور رائل کالج آف سرجری اڈانبرا میں علم طب و فن جراحی کی تعلیم حاصل کی اور بمبئی سے ال۔ ایم۔ اینڈ ایس۔۔ لندن سے یل۔ آر۔ سی۔ پی اور ایم۔ آر۔ ایس کی ڈگری اڈانبرا سے یف۔ آر۔ سی۔ ایس کی ڈگری حاصل کی۔ (۲۷۹)

سنہ ۱۹۱۹ء میں بحیثیت سیول سرجن اورنگ آباد سرکار عالی تقرر عمل میں آیا۔ تقریباً تین سال بعد بلدہ میں تبادلہ ہوا۔ یہاں افضل گنج دواخانہ میں مامور ہوئے۔ لقمان الدولہ اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس کے طبیب خاص تھے۔ سنہ ۱۳۱۱ھ میں بتقریب جشن "سالگرہ سرکار عالی" سے خانی و بہادری، افلاطون جنگ و لقمان الدولہ اشرف الحکما کے خطابات عطا ہوئے (۲۸۰)

ان کو شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ نہایت زندہ دل خوش گو شاعر تھے۔ داغ دہلوی کے شاگرد تھے اور دل تخلص فرماتے تھے (۲۸۱)۔ سنہ ۱۳۴۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

تہذیبی ... عمومی رسائل: رسائل کی خانہ بندی دو بنیادوں پر ہوتی ہے نمبر ایک وقفہ کی بنیاد پر جیسے ہفتہ وار۔ پندرہ روزہ۔ ماہنامہ۔ دوماہی یا سہ ماہی وغیرہ۔ نمبر دو موضوع کی بنیاد پر۔ موضوع کی کی بنیاد پر۔ موضوع کی بنیاد پر شائع ہونے والے رسائل کی بھی دو نوعیتیں ہوتی ہیں۔ تخصیصی یا عمومی۔

راقم الحروف کا موضوع علمی و ادبی ہے۔ ادبی رسائل کا تجزیہ آگے کیا جائے گا۔ علمی رسائل کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ دراصل ہر وہ موضوع جو منضبط اور باضابطہ طور پر ترتیب کے ساتھ پیش کیا جائے وہ "علم" کے دائرے میں آتا ہے۔ علم آگہی Knowledge کی Unified اور Organised شکل ہے۔ اس اعتبار سے ان تمام رسائل کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن میں تخصیصی یا عمومی طور پر مرتب اور منضبط شکل میں موضوعات کو پیش کیا گیا ہے۔

علمی رسائل میں تخصیص رسائل وہ ہیں جن میں کوئی ایک ہی موضوع غالب عنصر کی حیثیت رکھتا ہو مثلاً کسی رسالہ کا موضوع صرف طب ہے مثلاً رسالہ طبابت یا رسالہ میڈیکل جرنل وغیرہ یا کسی رسالہ کا موضوع صرف قانون ہے جیسے رسالہ "مراۃ القوانین" رسالہ "آئین دکن" یا "رسالہ مالگذاری" وغیرہ۔

عمومی رسائل میں وہ رسالے شامل ہیں جن میں بھانت بھانت کے موضوع اور ہر ذوق کی

تسکین کا سامان موجود ہوتا ہے۔ یہ رسائل ہر تہذیبی رخ کی نشاندھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح کے عمومی رسائل کو جن میں مختلف النوع موضوعات شامل ہوتے ہیں تہذیبی رسائل کا نام دیا گیا ہے انہیں عمومی جنرل بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ پہلو بھی غیر متعلق نہ ہوگا کہ اگر رسائل کی تاریخ اور اس کے ارتقا پر نظر ڈالی جائے تو دور حاضر میں ایسے ہی رسائل زیادہ مقبول ہیں چنانچہ اس دور میں بھی یہی رجحان تھا۔

اس سلسلہ کا سب سے پہلا رسالہ مئی سنہ ۱۸۷۴ء میں شائع ہوا۔ ان تمام رسائل کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی مدیران اور ان کے قلم کار اہم ترین ادبی شخصیت کے مالک تھے جیسے سید حسین بلگرامی، مولوی عبد الحق یا پنڈت رتن ناتھ سرشار وغیرہ اس دور میں مولوی محب حسین بحیثیت صحافی بھی نمایاں نظر آتے ہیں اور ان کے تین رسالے ایسے ہیں جو نظریاتی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک رسالہ عمومی حیثیت کا مالک ہے ان رسائل کے مضامین اس اعتبار سے بھی اہم ہیں کہ ان میں ادب کے اس محدود مفہوم کو جو صرف شاعری اور داستان گوئی تک رہ گیا تھا وسعت دینے کی کوشش کی گئی ہے اور مختلف موضوعات پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ اس طرح ان مضامین کی وجہ سے آگے چل کر اردو میں بسوط موضوعاتی تصانیت کی راہ ہموار ہوئی۔

رسالہ **"مخزن الفوائد"**: یہ ماہ نامہ ربیع الثانی سنہ ۱۲۹۱ھ میں مئی سنہ ۱۸۴۷ء سے زیر ادارت عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی شائع ہونے لگا۔

اس کے مہتمم مسیح الزماں تھے۔ یہ رسالہ دار الطبع سرکار عالی میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا حجم عموماً ۶۴ تا ۸۰ صفحات تھا۔ مگر نشان صفحہ کا سلسلہ ہر ایک پرچہ میں علحدہ نہیں ہوتا تھا بلکہ شمارہ نمبر ایک سے شروع ہوکر شمارہ نمبر بارہ پر ختم ہوتا تھا۔ اس کی سالانہ قیمت معہ محصول ڈاک پیشگی آٹھ روپے اور فی شمارہ ایک روپیہ تھی۔ اس کے سرورق کی پیشانی پر فارسی کا یہ شعر درج ہوتا تھا۔

در طلب میکوشم ار بابم زہے نجت بلند
ورنہ بابم سعی من افتد بزرگان راپسند

رسالہ "مخزن الفوائد" حیدر آباد دکن میں اردو کا دوسرا مگر علمی موضوع کے ساتھ ادبی موضوع پر پہلا رسالہ تھا۔ اس رسالہ کے اجرا سے حیدر آباد دکن میں علمی مضامین کے ساتھ ادبی مضامین کا بھی سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس میں نہایت اعلیٰ درجہ کے علمی، اخلاقی، تاریخی، سائنسی فلسفیانہ اور ادبی مضامین شائع ہوتے تھے۔

اس رسالہ کا پہلا شمارہ ربیع الثانی سنہ ۱۲۹۱ھ م مئی سنہ ۱۸۷۴ء میں نکلا تھا اور آخری شمارہ سنہ ۱۲۹۳ھ میں نکلا۔ اس کے بعد یہ رسالہ بند ہوگیا۔ مولوی عبد الجبار خاں ملکاپوری "تذکرہ شعراء دکن" میں مرزا قربان علی بیگ سالک کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

" مخزن الفوائد نام کا ایک رسالہ حیدرآباد میں شائع کیا ۔ اس میں اکثر مضامین مفید ہوتے تھے اصل میں رسالہ کے موجد و سرپرست مخدومی جناب مولوی سید حسین صاحب المخاطب بہ نواب عماد الملک بہادر ناظم تعلیمات سابق تھے اور ہمارے سالک صاحب اس کے (رسالہ مخزن الفواید) طبع و ترتیب کا اہتمام کرتے تھے رسالہ میں اکثر مضامین مفیدہ مطبوع ہوتے تھے اگر وہ رسالہ اب تک جاری رہتا تو ایک عمدہ ذخیرہ تاریخی ہوجاتا افسوس ، ہمارے مصلحین قوم نے اس کے بقا کا لحاظ نہیں کیا حیدرآباد میں ہر ایک چیز کے ایجاد کرتے وقت نہایت جوش کے ساتھ اہتمام ہوتا ہے لیکن آخر چند ہی روز میں اس کا خاتمہ ہوجاتا ہے ۔ (۲۸۲)

راقم الحروف کو رسالہ مخزن الفواید کے جلد اول کے تمام شمارے اور جلد دوم کا شمارہ نمبر دو اور تین جو ایک ساتھ شائع ہوئے تھے استاذی پروفیسر مغنی تبسم صاحب کے کتب خانے سے دستیاب ہوئے ۔ اس کے بعد کا کوئی شمارہ کسی بھی کتب خانہ میں دستیاب نہ ہوسکا ۔

اس رسالہ کو ابتدا ہی سے مشہور انشا پردازوں کا تعاون حاصل رہا ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سید حسین بلگرامی لکھتے ہیں کہ :

" رسالہ مخزن الفواید روز روبہ ترقی ہے اور معاون و مددگار اس کے بڑھتے جاتے ہیں ، ہمارے صدیق مولوی چراغ علی صاحب لکھنو سے اور مولوی محمد عظیم صاحب نے لاہور سے وعدہ مدد علمی کا فرمایا ہے " ۔ (۲۸۲)

اس رسالہ کے اہم مضمون نگاروں میں خود سید حسین بلگرامی عماد الملک کے علاوہ سید چراغ علی ، حسن بن عبد اللہ ، محمد عظیم (لاہور) آغا مرزا بیگ ، سید باقر علی خان بہادر ، مرزا قربان علی بیگ سالک ، سید مہدی ، مشتاق حسین (وقار الملک) سید حسن ، سید علی اکبر (بندیل کھنڈ) اور سید ابوالحسن قابل ذکر ہیں ۔

رسالہ مخزن الفواید کے مشمولات کی منتخب فہرست پیش کی جاتی ہے جس سے اس رسالہ کی نوعیت و اہمیت اور معیار کا اندازہ ہوگا ۔ " اردوئے معلیٰ " (از مرزا قربان علی بیگ سالک) " زبان اردو کا تغیر اور تبدل " (از مرزا قربان علی سالک) " اردو اور ہندی کا جھگڑا " (از سید ابو الحسن) " اردو اور ہندی کا مناظرہ " " اسطرانومی یعنی علم ہیئت " (از سید چراغ علی) " پانی اور ہوا کا بیان " (از سید حسین بلگرامی) " حفظ صحت " (از سید باقر علی خان بہادر) " سلطنت اسلامیہ " (از سید مہدی علی) " اوقیانوس یعنی بحر محیط " (از پچھداں) " مبادی علم الحیوۃ " (از سید حسین) " زمین کو کیونکر درست کرنا چاہیئے " (از سید حسین بلگرامی) " زلزلہ یعنی بھونچال " " تار برقی " (از آغا مرزا بیگ) " غذائے نباتات " (از سید حسین بلگرامی) " آئینہ کی ایجاد " (از سید چراغ علی) " آفریقہ کے

مدرستہ العلوم مسلمانان دکن اور حیدر آباد کے مسلمان اعزہ و امرا" (از مشتاق حسین) "مسلمان عورتوں کی تعلیم" (از مشتاق حسین)

اردو زبان کی ابتدا کے تعلق سے مرزا قربان علی بیگ سالک لکھتے ہیں "جن کا قول یہ ہے کہ یہ زبان عالمگیر کے لشکر سے پیدا ہوئی اور اس میں ولی نے پہلے شعر کہا عقلاً و نقلاً کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ میں بخوبی ثابت کر سکتا ہوں کہ یہ زبان سلطان غیاث الدین بلبن اور معزالدین کیقباد سے پہلے اچھی طرح مروج ہو چکی ہے کیوں کہ امیر خسرو علیہ الرحمہ اس زمانے میں موجود تھے۔ مثنوی "قران السعدین" اس کی شاہد ہے اس کے بعد مثنوی "نہ سپہر" تصنیف کی ہے۔ اوس کے ایک شعر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان قطب الدین بن سلطان علاؤ الدین خلجی کے زمانے میں امیر کی عمر ساٹھ برس سے تجاوز کر چکی تھی۔ امیر نے اپنی ابتداء کے زمانے میں اردو کو رونق دی بہت سی پہیلیاں اور مکریاں اور نسبتیں اور غزلیں اس زبان میں لکھی ہیں۔ غرض کہ امیر کے کلام سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ زبان ان سے پہلے نکل چکی تھی۔ (۲۸۴)

عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی: مولوی سید حسین بلگرامی کا وطن بلگرام (توابع، اودھ) تھا۔ انھوں نے فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم خانگی طور پر حاصل کی بعد ازاں بھاگلپور اور پٹنہ کالج میں داخلہ لیا۔ آخر میں کلکتہ یونیورسٹی میں شریک ہوئے اور یہیں سے سنہ ۱۸۶۱ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور پھر ۱۸۶۶ء میں بی۔ اے کی ڈگری امتیاز کے ساتھ حاصل کی بعد فراغ تعلیم کیننگ کالج لکھنو میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے (۲۸۵) اور ساتھ ہی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

سنہ ۱۸۷۲ء میں جب سر سالار جنگ لکھنو تشریف لے گئے تو وہاں پر جنرل بیرو نے ان کی ملاقات سر سالار جنگ سے کرائی۔ سالار جنگ نے ان کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی اور حیدر آباد پہنچ کر ان کو طلب فرمایا۔ چنانچہ سید حسین بلگرامی سنہ ۱۸۷۳ء میں سر سالار جنگ کے پرسنل سکریٹری کی حیثیت سے حیدر آباد تشریف لائے (۲۸۶)۔

سنہ ۱۳۰۱ھ م سنہ ۱۸۸۲ء میں نواب میر محبوب علی خاں آصف سادس نے انہیں اپنا پرائیویٹ سکریٹری مقرر فرمایا اور جب کونسل آف اسٹیٹ کا قیام عمل میں آیا تو اس کے معتمد مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۳۰۴ھ میں بتقریب جشن نوروز، ان کو عماد الدولہ اور سنہ ۱۳۰۸ھ میں عماد الملک کے خطابات سرکار عالی سے عطا ہوئے۔

سید حسن بلگرامی کو تعلیمی کاموں سے بے حد دلچسپی تھی۔ ان کی اس غیر معمولی دلچسپی کے پیش نظر ۱۳۰۴ھ میں انہیں ناظم سررشتہ تعلیمات مقرر کیا گیا۔ انھوں نے اس محکمہ میں کافی اصلاحیں کیں جس کی وجہ سے ملک میں کافی تعلیمی ترقی ہوئی۔ انھوں نے اس دوران شہر و اضلاع میں کئی مدرسے قائم کروائے جن میں مدرسہ اعزہ، زنانہ مدرسہ، مدرسہ انجینئرنگ، مدرسہ صنعت و

حرفت (اورنگ آباد) قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ مطبع دائرۃ المعارف، کتب خانہ آصفیہ اور نظام کلب کے قائم کرانے میں ان کی سعی و کوشش کو دخل ہے۔

مولوی سید حسن بلگرامی علی گڑھ کالج، محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے قدیم ٹرسٹی و رکن تھے۔ ان کو عربی اور انگریزی زبانوں میں نظم و نثر لکھنے پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ فرانسیسی پر بھی عبور حاصل تھا (۲۸۷) اردو سے خاص شغف تھا۔ ان کے اہم علمی و ادبی کارناموں میں سوانح عمری نواب سر سالار جنگ اعظم (مرقع عبرت) تاریخ ریاست حیدر آباد (بزبان انگریزی) "رسائل عماد الملک" جو ان کے مضامین کا بہترین مجموعہ ہے اور قرآن پاک کا (ناتمام) ترجمہ قابل ذکر ہیں۔

رسالہ "ادیب": یہ رسالہ ماہوار رسالہ "انجمن اخوان الصفا" کی جانب سے ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۲۹۷ھ م مارچ / اپریل سنہ ۱۸۸۰ء میں جاری ہو۔ اس رسالے کے سن اجراء کے تعلق سے طیب انصاری کو تسامح ہوا ہے انھوں نے اس کا سنہ اجراء ۱۸۸۲ھ (۲۸۸) لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔ یہ رسالہ دار الطبع انجمن اخوان الصفا میں طبع ہو کر مختار گنج حیدر آباد سے شائع ہوتا تھ۔ اس رسالہ کے مہتمم مولوی سید یوسف الدین صاحب تھے۔ اس کا حجم عموماً ۲۲ تا ۳۲ صفحات تھا اور سالانہ قیمت دو روپیہ چھ آنے پیشگی معہ محصول ڈاک اور نمونہ کا پرچہ چار آنہ۔

انجمن اخوان الصفا حیدر آبادی اصحاب علم کی انجمن تھی۔ اس کے مقاصد میں مفید کتابوں کی طباعت و اشاعت اور ایک کتب خانہ کا قیام تھا اس کے علاوہ اس انجمن کے زیر اہتمام ہر ماہ دو جلسے منعقد ہوتے تھے۔ ایک جلسہ علمی و ادبی اور دوسرا جلسہ تجارتی ترقی کے متعلق۔ ان دونوں جلسوں کی نگرانی اور ان کے اصول و ضوابط کو مستحکم رکھنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جو جلسہ انتظامی کے نام سے موسوم تھی

علمی و ادبی جلسہ میں مختلف علمی و ادبی موضوعات پر مضامین پڑھے جاتے تھے اور اس پر مباحث ہوتے تھے اور تجارتی ترقی کے جلسہ میں ملکی پیداوار اور مصنوعات کی تجارت کو ترقی و فروغ دینے کے تعلق سے مختلف تجاویز پر غور و خوص اور مباحث ہوتے تھے۔ اس انجمن کے منتظم سید محمد یوسف الدین تھے اور مولوی محمد غضنفر علی صاحب معتمد جلسہ علمی تھے۔

اپنے مقاصد کی اشاعت کے لیے اس انجمن نے ایک ماہور رسالہ "ادیب" جاری کیا جس میں ان تمام جلسوں کی مکمل روداد شائع ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ علمی و ادبی اور اخلاقی مضامین اور شعرا کا اردو اور فارسی کلام بھی درج ہوتا تھا اور ہر ماہ "اودھ اخبار" کا ایک مضمون یا اقتباسات بھی نقل کئے جاتے تھے۔

اس رسالہ کا ایک مقصد اور بھی تھا جس کی طرف ایڈیٹر نے اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "ہم ایک زمانے سے اس بات کے آرزو مند تھے کہ ہمارے شہر میں ایک ایسا پرچہ جاری ہو

جس میں ہم اپنے اسلاف کی حالات اور اپنی موجودہ حالت سے بحث کیا کریں کہ اس تیرہ سو برس کے عرصہ میں ہماری (کذا) تمدن اور اخلاق مین کیا گھٹاؤ اور بڑھاؤ پیدا ہوا ہے اور اس کے اسباب کیا ہوئے کیونکہ گزرے ہوئے زمانے اور زمانیوں کے حالات اور ان کے تجربہ ہمارے تربیت اور عبرت کے لیے بہ منزلہ ایک دستور العمل یا ایسے آئینہ کے ہیں کہ جس میں ہماری پوری تصویر جڑی ہے۔ جب ہم ایسے آئینہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو ضرور معلوم کر سکیں گے کہ ہماری صورت بچپن میں کیسی تھی پھر جوانی میں کیسی ہوئی اور اب کیسی ہے اس لیے آج کل یہ پرچہ شائع ہوا ہے جس کے دیکھنے سے یہ بات ناظرین پر ثابت ہوگی کہ ہم کیا تھے اور کیا ہوئے اور ہم اس پرچہ میں اپنے ہم عصر اقوام کی حالات سے بھی بحث کیا کریں گے کہ ان میں بہ نسبت ہمارے تمدن کے کونسی بھلائیاں اور خوبیاں زائد ہیں جن کے دیکھنے اور سننے سے کچھ تو اتنا ہی سہی کہ ہماری بے خبری ہم سے دور ہوتی رہے اور ہم میں ایک طرح کا ولولہ اور جوش پیدا ہوتا جاوے"۔ (۲۸۹)

اس رسالہ میں شائع ہونے والے اکثر مضامین اسی انجمن کے "علمی جلسہ" میں پڑھے جانے والے مقالہ ہوتے تھے جو عموماً انجمن کے اراکین کے تحریر کردہ ہوتے تھے۔

راقم الحروف کو ماہ فروری سنہ ۱۲۹۱ف سنہ ۱۸۸۲ء تک کے شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔

یہاں یہ عرض کرنا غیر ضروری نہ ہوگا کہ مانک راؤ وٹھل راؤ نے اس رسالہ کا اجراء ماہ آذر سنہ ۱۲۹۱ف (۲۹۰) بتلایا ہے۔ جبکہ ماہ آذر سنہ ۱۲۹۱ف کا شمارہ رسالہ ادیب کی دوسری جلد کا تیسرا شمارہ تھا۔ انھوں نے مزید یہ بھی لکھا ہے۔ "اس کے صرف ۸ نمبر نکلے اس کے بعد موقوف ہوا۔" (۲۹۱) جناب طیب انصاری نے بھی مانک راؤ وٹھل راؤ کے بیان کو درست مان کر لکھا کہ "اس کے آٹھ شمارے شائع ہوئے"۔ (۲۹۲) حالانکہ اس رسالہ کی پہلی جلد کے تمام شمارے اور دوسری جلد کے سات شمارے دستیاب ہیں جو اردو ریسرچ سنٹر میں مخزونہ ہیں۔

رسالہ "معلم شفیق": اس رسالہ کو حیدرآباد دکن کی ایک اصلاحی انجمن "جلسہ خیر خواہ ہند" نے یکم محرم سنہ ۱۲۹۸ھ م ۴ نومبر ۱۸۸۰ء کو جاری کیا۔ طیب انصاری نے اس رسالہ کا سنہ اجرا ۱۸۸۲ء (۲۹۳) لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ اس انجمن کے صدر حافظ صدر الاسلام خان بہادر اور منتظم مولوی محب حسین تھے۔ رسلہ "معلم شفیق" کے مالک محمد حسین مترجم دفتر نظام اور مہتمم تجمل حسین تھے اور اڈیٹر مولوی محب محسن تھے۔ ابتدا میں یہ رسالہ مطبع نظامی حیدرآباد دکن میں طبع ہوتا تھا ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۹۸ھ سے یہ مطبع اسلامیہ واقع چھاونی ریذیڈنسی حیدرآباد دکن میں طبع ہونے لگا۔ بعد ازاں ماہ رجب سنہ ۱۳۰۱ھ سے مطبع ہزار داستان واقع دار الشفاء حیدرآباد میں طبع ہونے لگا۔ اس رسالہ کا حجم ۱۶ تا ۶۴ صفحات تھا۔ سالانہ چندہ چھ

روپے پیشگی تھا اور فی پرچہ ۱۲آنہ یہ رسالہ ہر قمری مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا تھا - یہ ایک باتصویر رسالہ تھا - اس کی کتابت و طباعت اوسط درجہ کی تھی - معلم شفیق ایک اہم علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں ہر ماہ قدیم و جدید علوم فنون جیسے ریاضیات، طبعیات، الہیات، تاریخ، جغرافیہ، سائنس، کیمیا، نباتات، معدنیات، تجارت اور ادب پر مفید مضامین شائع ہوتے تھے اور مفید چیزیں تیار کرنے کے مجرب نسخے اور ولایتی اشیا کے بنانے کی ترکیبیں مفصل طور پر درج کی جاتی تھیں - اس کے علاوہ زراعت سے متعلق مضامین بھی شائع کیے جاتے تھے جو عموماً دوسری زبانوں سے ترجمہ کیے جاتے تھے اور کتابوں پر تبصرے بھی کیے جاتے تھے اور بعض دفعہ غزلیں و نظمیں بھی چھاپی جاتی تھیں -

اس رسالہ کو مولانا جمال الدین حسینی کا خاص تعاون حاصل تھا - چنانچہ اس تعلق سے محب حسین لکھتے ہیں کہ:

مولانا جمال الدین صاحب حسینی کا شکریہ نہایت تہہ دل سے ادا کیا جاتا ہے جنھوں نے اپنی نیک نیتی اور سچی ہمدردی اور اپنی ذاتی خوش اخلاقی کی وجہ سے اس رسالہ کی بڑی تائید فرمائی - یہ وہ صاحب ہیں جنھوں نے اپنی صفائی قلب سے اون علمی خیالات کی تائید کی جو میرے دل میں رسالہ معلم کے اجرا کی نسبت آئی تھی اور پھر ابتدا سے اس رسالہ کی امداد ہر طرح سے فرمائی اور قوم کی بھلائی کے واسطے اپنے اوپر تکلیف اوٹھاکر مضامین علمی تحریر فرمائے اور آئیندہ کے واسطے وعدہ حتمی فرمایا -" (۲۹۴)

چنانچہ جمال الدین حسینی تقریباً دو سال تک "معلم شفیق" کے لیے مضامین لکھتے رہے - ان کے مضامین میں ۱ - فوائد جریدہ ۲ - اسباب حقیقیہ سعادت و شقا سے انسان ۳ - فلسفہ وحدت جنسیت و حقیقت اتحاد لغت ۴ - فوائد فلسفہ ۵ - تفسیر مفسر اور ۶ - شرح حال اگھوریان یا شوکت و شان قابل ذکر ہیں - یہ تمام مضامین فارسی زبان میں ہیں -

ان کے علاوہ اس رسالہ کے مضمون نگاروں میں مولوی وحید الزماں صاحب حافظ فخر الدین صاحب، حکیم مرزا اصفدر علی صاحب، مولوی کرامت علی صاحب، حافظ صدر الاسلام خان بہادر، مرزا مہدی علی خان کوکب جیالوجسٹ، مولوی محمد عبد العلی صاحب، نواب حسین یار خان بہادر اور خود مولوی محب حسین قابل ذکر ہیں -

اس رسالہ میں ہر ماہ متنوع موضوعات پر معیاری مضامین شائع ہوتے تھے - ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست دی جاتی ہے جس کے مطالعہ سے اس رسالہ کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

۱ - طب کی تاریخ کا مختصر بیان ۲ - سائنس اور علوم ۳ - اپو یلیکس یا سکتہ ۴ - مختلف

علوم کے مطالعہ سے دل کو آرام و راحت دینا ۵ ۔ کرہ ارض کی حقیقت ۶ ۔ رسم و رواج اور قانون ۷
انسان بلا تعلیم و تربیت کے ایک ناتراشیدہ پتھر ہے ۸ ۔ انسان کو علم کی بہت بڑی ضرورت ہے ۹
زمین کا قطر ۱۰ ۔ حیدر آباد کی آب و ہوا ۔ ۱۱ ۔ علم ہئیت کے بچے مسائل ۱۲ ۔ فلسفہ عقلیہ ۱۳ ۔ نظام
شمسی فیثا غورث ۔ ۱۴ ۔ زمین کے اقسام ۱۵ ۔ سرکار نظام کے ملک کی اراضی ۱۶ ۔ سرجری یا جراحی
۱۷ ۔ قوت حافظہ کو ترقی دینے کی تدبیریں ۱۸ ۔ حیدر آباد کے انتظامات ملکی میں دن بدن ترقی ہے ۱۹
قواعد اہل حرفت و صنعت ۲۰ ۔ تجارت پر ایک دلچسپ مضمون ۲۱ ۔ حفظ صحت ازواج ۲۲ ۔
سوسائٹی یا کلب ۲۳ ۔ قانون سخن ۲۴ ۔ حرکت زمین ۲۵ ۔ مدوجزر ۲۶ ۔ موسم کی علامتیں ۲۷ ۔
فیلنگ یا احساس ۲۸ ۔ علم کیمیا کا مختصر بیان ۲۹ ۔ علم کی تحصیل کرنے کے اصول ۳۰ ۔ اہل علم
مدت تک زندہ رہتے ہیں ۳۱ ۔ کتابوں کی غارت گری ۳۲ ۔ پانی کا بیان ۳۳ ۔ کروسن آئیل یا مٹی
کے تیل کے کنویں ۳۴ ۔ ایسکیمو ۔

ان کے علاوہ اردو زبان کی ترقی و ترویج کے لیے بھی مضامین لکھے گئے جن میں " ترقی زبان اردو " اور " دفتری کاروائی اردو میں ہونی چاہیئے " بے حد اہم مضامین ہیں ۔

" دفتری کاروائی اردو میں ہونی چاہیئے " مضمون میں فارسی کے بجائے اردو کو دفاتر کی زبان بنانے کے تعلق سے مدلل بحث کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ :

" اہل نظر اور صاحب فکر سے پوشیدہ نہیں کہ زبان اردو کا رواج کاروائی دفاتر میں بہ نسبت زبان فارسی کے زیادہ تر مناسب ہے بلکہ دفتروں ہی پر کیا منحصر ہے جہاں تک ممکن ہو زبان اردو کو ہر کام میں ترقی دینا چاہیئے اور ہر ایک علم و ہنر اور خیالات اور جملہ دنیاوی امورات بلکہ جہاں تک ہو سکے مذہبی امور بھی زبان اردو معلیٰ میں شائع اور ظاہر ہونا چاہیئے ۔ اس زبان کی ترقی سے اہل ملک کی ترقی متصور ہے اور صدہا فوائد حاصل ہونے کی امید ہے " ۔ (۲۹۵)

اس مضمون کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اردو کو سرکاری زبان بنانے کی تحریک زور پکڑ رہی تھی جس کے نتیجے میں ۲۳ ۔ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۱ھ کو میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس نے ایک خاص گشتی کے ذریعہ اردو کو سرکاری زبان کا درجہ عطا فرمایا جس کی رو سے تمام دفاتر مکمل طور سے اردو میں منتقل ہو گئے ۔ اس رسالہ میں مشہور لوگوں کی سوانح عمریاں بھی شائع ہونے لگی تھیں ۔ یہ ایک بہت ہی اچھا اور مفید سلسلہ تھا ۔ جو سوانح عمریاں شائع ہوئیں ان میں " سوانح حکیم سقراط یونانی " سوانح عمری حکیم فیثا غورث " سوانح عمری پرنس بسمارک وزیر اعظم جرمن " " سوانح عمری امیر علی ٹھگ " " سوانح عمری ارل بیکس فیلڈ سابق وزیر اعظم سلطنتہ برطانیہ " اور " سوانح عمری لارڈ امہرسٹ سابق گورنر جنرل " قابل ذکر ہیں ۔

مولوی محب حسین نے اس ماہ نامہ کو ماہ شوال سنہ ۱۳۰۱ھ سے ہفتہ وار کر دیا اور اب اس میں ملکی نظم و نسق پر بحث اور تنقید ہونے لگی جس کی وجہ سے بعض سرکاری عہدہ داران کے مخالف ہوگئے ۔ چنانچہ اس بنا پر انہوں نے ماہ رجب سنہ ۱۳۰۲ھ سے اس رسالہ کی اشاعت موقوف کر دی ۔

مولوی محب حسین نے اس رسالہ کے ذریعے ملک اور قوم کے علاوہ اردو زبان کی بھی کافی خدمت کی اس کے علاوہ ان کا ایک اور مقصد جہاں مردوں میں علوم و فنون کی اشاعت اور اصلاح تھا وہیں وہ عورتوں کو بھی بیدار کر کے انہیں ان کے حقوق دلانا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے اس رسالہ میں عورتوں کی تعلیم و تربیت پر زور دیا اور پردے کی مخالفت میں آواز اٹھائی اور اس مقصد کے لیے سادہ سلیس اور عام فہم زبان کو اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا ۔

محب حسین: محب حسین اماوہ کے ایک معزز گھرانے میں سنہ ۱۲۶۶ھ م سنہ ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے انکے والد قاضی سلامت علی ایک علم دوست اور ادب نواز شخصیت تھے محب حسین کو بچپن ہی سے ادبی ماحول ملا تھا ۔ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت اماوہ میں ہی ہوئی اور یہیں ایک مدرسہ میں ملازم ہوئے ۔ اپنے ہم وطن مہدی علی خاں محسن الملک کے حیدرآباد میں ترقی و قدردانی اور اہل کمال کی شہرت سن کر حیدرآباد چلے آئے اور یہاں مختلف محکموں میں بحیثیت مترجم کام کرتے تھے ۔

محب حسین کی شخصیت بہت ہی پہلو دار رہی ہے ۔ وہ صحافی بھی تھے اور کئی رسالوں کی ادارت سے وابستہ بھی رہے ۔ اس کے علاوہ تعلیم نسواں کے بہت بڑے مبلغ وکیل اور موئید بھی ساتھ ہی ساتھ انہوں نے رسم پرستی کے خلاف بھی آواز اٹھائی اور معاشرتی اصلاح کی طرف بھی متوجہ ہوئے ۔ اس کے علاوہ ایک اچھے شاعر بھی تھے ۔ ان کا دیوان اور کلیات شائع ہو چکے ہیں ۔ انیسویں صدی کے اواخر کے اعتبار سے ان کی شخصیت خصوصاً جنوبی ہند کے تناظر میں بہت ہی اہم ہے ۔ اگر انہیں جنوب کا سرسید کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا ۔

محب حسین اپنے عہد کے باغی تھے ۔ ان کی ساری زندگی قومی بیداری ، سماجی شعور اور سیاسی بصیرت کو عام کرنے کی جدوجہد میں گزری ۔ جس زمانے میں سرسید احمد خاں اور ان کے

رفقا کار شمالی ہند میں قدامت اور رجعت کے خلاف بر سرپیکار تھے۔ ٹھیک انہیں دنوں محب حسین نے دکن میں فکر و عمل کی آزادی کا پرچم بلند کیا۔ حیدرآباد کی صحافتی تاریخ میں ان کی حیثیت منفرد اور ان کا نام بہت بلند ہے۔ (۲۹۶)

محب حسین کی ادارت میں نکلنے والے اخبار اور رسائل کے نام ذیل میں درج کئے جاتے تھے (۱) معلم شفیق (ماہ نامہ) سنہ ۱۲۹۸ھ (۲) معلم (ماہ نامہ) سنہ ۱۳۱۰ھ (۳) معلم نسواں (ماہ نامہ) سنہ ۱۳۱۲ھ (۴) افسر (ماہ نامہ) سنہ ۱۸۹۷ء (۵) علم و عمل (روزنامہ) سنہ ۱۹۱۴ء

داستان سیاح:

یہ ماہ نامہ ۱۶ مئی ۱۸۸۳ء کو محلہ افضل گنج سے شائع ہوا۔ اس کے بانی غوث الدین صاحب میر منشی تھے یہ رسالہ منشی سید ابراہیم صاحب عفو مترجم محاسب سرکار عالی کی زیر ادارت نکلتا تھا اور اس کے مہتمم زین العابدین صاحب تھے۔ اس رسالہ کا حجم سولہ صفحات اور سالانہ چندہ دو روپیہ بارہ آنے تھا۔ (۲۹۷)

یہ رسالہ جلد ہی بند ہو گیا۔ (۲۹۸)

"رسالہ حسن":

یہ ماہ نامہ اگست ۱۸۸۸ء سے جاری ہوا۔ اس رسالہ کی ادارت کے بارے میں مورخین اور محققین کو تسامح ہوا ہے۔ عبدالقادر سروری (۲۹۹) اور نصیر الدین ہاشمی (۳۰۰) نے لکھا ہے کہ یہ رسالہ حسن بن عبداللہ (عماد نواز جنگ) کی ادارت میں شائع ہوتا تھا اسی طرح طیب انصاری نے بھی اس رسالہ کے ایڈیٹر کا نام حسن بن عبداللہ لکھا ہے۔ (۳۰۱) جب کہ رسالہ پر کہیں بھی ایڈیٹر کا نام درج نہیں ہے۔ چونکہ اس میں عماد نواز جنگ کے اکثر مضامین شائع ہوتے تھے اس لیے یہ قیاس آرائی کی گئی کہ عماد الملک جن کا اصلی نام حسن بن عبداللہ تھا اپنے نام کی رعایت سے اس رسالے کا نام حسن رکھا ہوگا اور وہی اس کے ایڈیٹر بھی رہے ہوں گے اپنے تحقیقی کام کے دوران راقم الحروف کو مختلف رسائل کی فائیلوں کے مطالعے کا موقع ملا اور اتفاقی طور پر پتہ چلا کہ رسالہ حسن کے اصلی ایڈیٹر مولوی سید محمد فخراللہ تھے نہ کہ عماد نواز جنگ،

مولوی سید محمد فخر اللہ خود بھی مضمون نگار تھے۔ ان کے مضامین رسالہ " دبدبہ آصفی " (حیدر آباد) میں شائع ہوتے تھے اور ان کے نام کے ساتھ ایڈیٹر رسالہ " حسن " درج ہوتا تھا۔ مثلاً رسالہ " دبدبہ آصفی " کے ٦ محرم الحرام سنہ ١٣٢٢ھ کے شمارے میں صفحہ نمبر چھ پر ایک مضمون بعنوان " سوانح عمری " ملتا ہے اور اس کے مضمون نگار کا نام لکھا ہے " مولوی سید محمد فخر اللہ صاحب (ایڈیٹر رسالہ حسن) اسی طرح رسالہ دبدبہ آصفی کے ٦ ربیع الثانی سنہ ١٣٢٢ھ کے شمارے میں ایک مضمون صفحہ نمبر تین پر بعنوان "آس اور یاس" اور مضمون نگار کا نام "مولوی سید محمد فخر اللہ صاحب ایڈیٹر رسالہ " حسن " لکھا ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسالہ حسن کے ایڈیٹر مولوی سید محمد فخر اللہ اور نواب عماد نواز جنگ حسن بن عبداللہ اسکے سرپرست تھے۔ مولوی سید محمد فخر اللہ نے انہیں کے نام نامی سے اس رسالے کو منسوب کرتے ہوئے اس کا نام " حسن " رکھا تھا۔

ابتدا میں اس رسالہ کے منیجر محمد عبدالصمد خان تھے، مئی سنہ ١٨٩٠ء سے محمد یوسف صاحب مینیجر رسالہ مقرر تھے۔ رسالہ حسن کا پہلا شمارہ مطبع خاص حیدر آباد دکن میں طبع ہوا تھا پھر اس رسالہ کا ذاتی چھاپہ خانہ "مطبع حسن" کے نام سے قائم ہو گیا تو اس میں طبع ہونے لگا۔ جون سنہ ١٨٩٣ء سے یہ رسالہ مطبع "مفید عام" آگرہ میں قادر علی خان صوفی کے زیر اہتمام چھپنے لگا۔ اس رسالہ کے آگرہ میں طبع ہونے کی وجہ بتلاتے ہوئے منیجر رسالہ محمد یوسف صاحب نے لکھا تھا کہ " مطبع مفید عام آگرہ جو چھاپنے کے ضمن میں مسلم اور نہایت پسندیدہ ہے شائع ہوتا ہے تاکہ اس کے اولوالعزم ناظرین کو خوبی مضامین کے ساتھ لوازم طبع کا بھی پورا لطف حاصل ہو جو حیدر آباد کے مطابع سے باوجود کوشش ممکن نہیں۔ اس سے ہم کو اپنا حیدر آباد کا خاص مطبع بیکار کر دینا پڑا اور اخراجات کی توفیر ہوئی۔ " (٣٠٢) مگر اخراجات زیادہ ہونے کی وجہ سے پھر یہ رسالہ مئی سنہ ١٨٩٤ء سے بند ہونے تک دوبارہ مطبع حسن حیدر آباد میں چھپنے لگا۔ اس رسالہ کا حجم عموماً ٦٤ تا ٨٠ صفحات تھا۔

رسالہ حسن کو جنوبی ہند کے علاوہ شمالی ہند کے مشہور انشا پردازوں کا تعاون حاصل تھا اس کے مضامین کا معیار نہایت بلند تھا۔ اس پرچہ کو اپنے ہم عصر پرچوں میں بڑی وقعت حاصل تھی سوائے " تہذیب الاخلاق " کے کوئی پرچہ اس کے علمی و ادبی معیار کو نہیں پہنچتا تھا۔ یہ باوقعت رسالہ انگریزی کے علمی و ادبی میگزین کا ہم پلہ تھا۔ یہ اپنے عہد کا بے حد اہم اور نامور رسالہ تھا۔ مولانا شبلی نعمانی، عبدالحلیم شرر، سید علی بلگرامی، حبیب الرحمن خاں شیروانی، شمس العلماء ذکاء اللہ اور مہاراجہ کشن پرشاد بہادر جیسے بلند پایہ علماء اور انشاپرداز جن کے علمی و ادبی کارناموں سے ساری دنیا واقف ہے، رسالہ حسن کے قلمی معاون اور اس کی ثقاہت و معیار کی ضمانت تھے۔

رسالہ حسن میں ٹھوس اور بلند پایہ علمی ، ادبی ، تاریخی ، سوانحی مقالے ، سفرنامے ، فلسفیانہ اور سائنسی مضامین درج ہوتے تھے ۔ اس رسالہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ہر ماہ ایک اشرفی بطور انعام اس مضمون نگار کو دی جاتی تھی جس کا مضمون یا ترجمہ سب سے بہتر ہوتا تھا ۔ اس طرح اردو میں اس روایت کی داغ بیل پڑی جس نے آگے چل کر انعام اور پھر بہت بعد میں معاوضہ کی شکل اختیار کی ۔ " دبدبہ آصفی " اور رسالہ " افسر " میں بھی مضمون نگاروں کے منتخب مضمونوں پر اشرفی انعام میں دی جاتی تھی ۔ رسالہ حسن میں اس سلسلے میں سب سے پہلے مولوی سید علی بلگرامی جیالوجسٹ منصرم ہوم سکریٹری سرکار عالی کے مضمون " علم اللسان " پر ایک اشرفی بطور انعام دی گئی تھی ۔

سید علی بلگرامی نے اس مضمون میں لسانی نقطہ نظر سے زبان کی ابتدا اور ارتقا کا جائزہ لیا تھا ۔ زبان کی تعریف کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ " مختصر تعریف زبان کی یوں کی جا سکتی ہے کہ زبان انسان کے خیالات ظاہر کرنے کا ذریعہ ہے ۔ " وہ آگے لکھتے ہیں " لیکن خواہ مفرد ہو یا مرکب ایک حالت پر نہیں رہتی ہمیشہ اس میں تبدل و تغیر جاری ہے ۔ زبان جاندار چیز ہے اور مثل اور جانداروں کے ہمیشہ اس میں ولادت ، شباب ۔ پیری اور موت موجود ہیں ہر وقت نئے لفظوں کی ضرورت پڑتی ہے پرانے الفاظ قلت استعمال سے بھولتے جاتے ہیں یا ان کے معانی میں توسیع کی حاجت پڑتی جاتی ہے بولنے میں جو حروف ثقیل ہیں ان کا تبدل دوسرے حروف سے ہوتا جاتا ہے ۔ جوں جوں قوم کا میل دوسری اقوام سے ہوتا جاتا ہے خواہ بوجہ فاتح و مفتوح ہونے کے ہو یا تجارت و مراسلت و تعلیم کی وجہ سے اوس کا اثر زبان پر مرتب ہوتا ہے اور الفاظ غیر مانوس روز بروز زبان میں داخل ہوتے جاتے ہیں اور بتدریج ان الفاظ کی صورت اس طرح پر بدل جاتی ہے کہ ان کی اجنبیت بمشکل متمیز ہوتی ہے ۔

زبان کے جاندار ہونے کا بڑا ثبوت اختلاف محاورات و لغات ہے جس طرح انسان و حیوانات امتزاج و اختلاط و اختلاف مرزبوم سے تنوع پیدا کرتے ہیں اسی طرح زبان بھی اپنے محاورات بدلتی رہتی ہے ۔ " (ماہ اگست ۱۸۸۸ء)

اس کے علاوہ اس رسالہ میں جن مضامین پر ایک اشرفی بطور انعام دی گئی ان کی ایک منتخب فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے ۔

(۱) " اہرام مصر " (از مولوی محمد ابوالحسن صاحب) (۲) " کتب خانہ ہائے اسلامی " (از محمد شبلی نعمانی) (۳) " سکندر اعظم کے حالات زندگی پر ایک محققانہ نظر " (از مجیب احمد تمنائی) (۴) ۔ سلطان محمد خاں ثانی اور قسطنطنیہ کی فتح " (از عبدالحلیم شرر) (۵) " تذکرہ تیمور " (از احمد شفیع) (۶) " عربوں کے سویلیزیشن کی تاریخ " (از مولوی محمد یوسف علی خاں قزلباش مالک و ایڈیٹر آئینہ ہند) (۷) " اورنگ زیب کی پالیسی " (از محمد شید اعلی) (۸) " دعوت افلاطون " (از مولوی محمد

اصغر حسین صاحب) (۹) " اسلام کے علم کی تجلی یورپ میں " (از مولوی خلیل احمد صاحب اسرائیلی مدرس عربی مدرسۃ العلوم علی گڑھ) (۱۰) " الناسی بالللباسی " (از مولوی سید اقبال علی خاں بہادر) (۱۱) " حقیقت الماس " (از مجیب احمد تمنائی) (۱۲) " النظری فی التاریخ " (از خواجہ غلام الثقلین) (۱۳) " سلطان بایزید یلدرم اور تیمور اور مسلمانوں کی موجودہ پولیٹیکل حالت کی نسبت ایک خیال " (از سراج الدین احمد ایڈیٹر سرمور گزٹ) (۱۴) حالات حکیم ارسطا طالیس (از سید جلال صاحب)

مندرجہ بالا فہرست کے دیکھنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس رسالہ میں زیادہ تر تاریخی مضامین جگہ پاتے تھے اور عموماً ایسے ہی مضامین کو انعام بھی ملا کرتا تھا۔ مگر یہ بات نہیں تھی جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اس رسالہ میں علمی، ادبی، سوانحی مقالے، سفر نامے، فلسفیانہ اور سائنسی مضامین بھی درج ہوتے تھے چنانچہ ذیل میں کچھ اور مضامین کے عنوانات درج کئے جاتے ہیں جس سے یہ واضح ہوگا کہ اس کے مضامین میں کتنا تنوع تھا۔

(۱) اصول قانون " (از مولوی محمد عبدالکریم خاں صاحب آزاد گورکھپوری) (۲) " پارک شائر کے سانپوں کا بیان " (از مولوی محمد عبدالکریم خاں آزاد (۳) " ہنری ٹامس بکل کی سوانح عمری " (از مولوی اصغر حسین صاحب کلکتہ) (۴) " سفر نامہ نیلگری " (از نواب منیر الملک بہادر) (۵) " مسجد دمشق " (از عماد نواز جنگ بہادر) (۶) " انسانی طرز معاشرت پر قدرت کا اثر " (از مولوی محمد شیدا علی لکھنوی) (۷) " تجارت " (از نواب عماد نواز جنگ بہادر) (۸) " اخبار اور اس کی ضرورت " (از محمد یوسف علی خاں قزلباش) (۹) " قرآن مجید کی ترتیب " (از رفیع الدین صاحب کاکوری) (۱۰) " کروسیڈ یعنی جنگ صلیبی " (از نواب عماد نواز جنگ) (۱۱) " سفر نامہ یورپ " (مترجم مولوی محمد عزیز مرزا) (۱۲) " سوانح عمری شاہ بابر غازی " (از محمد حبیب الرحمن شیروانی) (۱۳) " سلطنت روس " (از عماد نواز جنگ) (۱۴) " آئین قیصری " (از شمس العلما ذکاء اللہ) (۱۵) " فوٹو گرافی " (اندر راجہ مرلی منوہر) (۱۶) " شاعری " (از سید محمد حسین رضوی) (۱۷) اجرام فلکی کے تاثرات " (از شریف الدین) (۱۸) " تعلیم جبری " (از مترجم عبدالواحد) (۱۹) " ایجادات اور اس کی ترقی و تنزلی کے اسباب " (از تاجپوری شاعر خاص اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن) (۲۰) " مضمون غدر سنہ ۱۸۵۷ء (از شریف الدین) (۲۱) " عقل اور اس کا استعمال " (از سید احمد حسین صاحب) (۲۲) " زندہ آدمیوں کی سوانح عمری " (از عربی پاشا) (۲۳) " آواز اور اس کی کیفیت " (از محی الدین حسین خان) (۲۴) کتب خانہ اسکندریہ " (از مولانا شبلی صاحب نعمانی پروفیسر محمڈن کالج علی گڑھ) (۲۵) " فلسفی لاک کی یادگار " (از مولوی محمد اصغر حسین صاحب) (۲۶) زراعت قیاسی " (از مولوی سید علی حسین صاحب لکھنوی) (۲۷) صنعت و حرفت " (از عماد الملک) (۲۸) آب و آتش (از شمس العلماء ذکاء اللہ) (۲۹) " دنیا میں کونسا علم سب سے زیادہ مفید ہے " (از حسام الدین

صاحب بمبئی) (۳۰) "اپیکورس کے اصول زندگی" (از مولوی اصغر حسین صاحب انڈیا کلب کلکتہ) (۳۱) "اخلاق و تمدن ترقی" (از عماد الملک)

سنہ ۱۸۹۲ء سے رسالہ "حسن" میں "تاریخ حسن واقعات دکن" کے نام سے ایک ضمیمہ کا اضافہ کیا گیا۔ یہ ضمیمہ دکن کے واقعات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے مفید اور اہم تھا۔

رسالہ حسن میں عموماً طویل مضامین سے اجتناب برتا جاتا تھا مگر بعض مضامین خاصے طویل بھی ہوتے تھے اور جہاں تک اس رسالہ کی زبان کا تعلق ہے سادہ اور سلیس زبان میں علمی و ادبی مضامین لکھے جاتے تھے۔ البتہ بعض علمی مضامین میں بوقت ضرورت انگریزی الفاظ بھی استعمال کئے جاتے تھے۔ طیب انصاری اپنی کتاب "حیدرآباد میں اردو صحافت" میں لکھتے ہیں کہ یہ رسالہ (حسن) سنہ ۱۸۹۰ء تک شائع ہونے کے بعد بند ہو گیا" (۳۰۳) مصنف مذکور کی یہ تحقیق درست نہیں ہے۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے جملہ فائلس استاذی ڈاکٹر مغنی تبسم صاحب کے کتب خانہ سے دستیاب ہوئے ہیں۔ ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۲ھ ماہ مئی / اپریل سنہ ۱۸۹۵ء سے اس رسالہ کی اشاعت موقوف ہوئی۔

نواب حسن بن عبداللہ عماد نواز جنگ: ان کا نام حسن بن عبداللہ اور خطاب عماد نواز جنگ تھا۔ یہ کیپٹین عبداللہ صاحب کے فرزند اور قریشی المذہب اولاد جعفر طیار سے تھے

حسن بن عبداللہ ابتداً سنہ ۱۲۸۲ھ میں نلارگ کے مہتمم کوتوالی مقرر ہوئے بعد ازاں سرسالار جنگ اعظم نے ضلع محبوب نگر کا کلکٹر مقرر کیا پھر محکمہ پولیس میں سکریٹری مقرر ہوئے بعد میں ضلع بیڑ کی کلکٹری پر مامور ہوئے۔ سنہ ۱۳۰۱ھ میں صدر محاسب سرکار عالی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۲ھ کو بتقریب جشن سالگرہ مبارک "خانی بہادری و عماد نواز جنگ" کا خطاب عطا ہوا اور آب کاری کا کمشنر بنایا گیا۔ ساتھ ہی انسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن و اسٹامپ بھی مقرر ہوئے۔ ان کو سیاحت کا بہت شوق تھا چنانچہ جزائر ملایا، چین، جاپان، امریکہ، یورپ وغیرہ کا دورہ کیا۔

"دکن پنچ": "ابتدا میں اس نام سے ایک اخبار ۲۸ فروری سنہ ۱۸۷۷ء سے جاری ہوا۔ پھر مارچ سنہ ۱۸۹۲ء سے اس کو ماہوار رسالہ کی شکل میں شائع کیا جانے لگا۔ اس بار چار پانچ شمارے نکلنے کے بعد بند ہو گیا۔" (۳۰۴)

رسالہ "معلم" / "معلم نسواں": رسالہ "معلم" ماہ محرم سنہ ۱۳۱۰ھ م جولائی / اگست سنہ ۱۸۹۲ء میں حیدرآباد دکن سے شائع ہونے لگا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی محب حسین تھے۔ یہ ماہوار رسالہ ابتدا میں مطبع معلم شفیق واقع بازار شیدی عنبر متصل فیل خانہ سرکاری حیدرآباد دکن میں طبع ہوتا تھا۔ بعد ازاں ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۱۲ھ سے مطبع مفید دکن واقع چھتہ بازار

حیدرآباد دکن میں طبع ہونے لگا۔ اس رسالہ کا حجم عموماً ۲۸ تا ۶۴ صفحات اور کتابت و طباعت اوسط درجے کی ہوتی تھی۔ سالانہ چندہ عام خریداروں سے جو کہ پیشگی لیا جاتا تھا دو روپیہ تھا۔

اس رسالہ میں علمی و ادبی مضامین اور مفید کتابوں کے ترجمے شائع کئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ قومی نظمیں و غزلیں، ترکیب بند، مسدس، مرثیہ، واسوخت، قصائد وغیرہ بھی شائع کئے جاتے تھے۔ اس رسالہ کا مقصد ملک میں علوم و فنون کی ترقی کے ساتھ تعلیم نسواں کو بھی فروغ دینا تھا۔

اس رسالہ میں اکثر غزلیں، نظمیں اور مضامین وغیرہ خود محب حسین کے تحریر کردہ ہوتے تھے۔ محب حسین جو ایک کامیاب مترجم بھی تھے انہوں نے عوام کو مغربی علوم و فنون سے روشناس کرانے کی غرض سے اس رسالہ میں مغربی زبان کی اہم اور مفید کتابوں کے تراجم بھی قسط وار شائع کئے۔ ان میں "چیمبرس انفارمیشن فار دی پیپل" کا ترجمہ "سوسائٹی اور گورنمنٹ"، رچرڈ ہیرس اسکوائر کی قانونی کتاب کا ترجمہ "رموز الوکالت"، میڈوس ٹیلر کی مشہور کتاب "کنفیشن آف اے ٹھگ" کا ترجمہ "امیر علی ٹھگ" اور گاسٹو میس کی کتاب "مائی فرسٹ کرائم" کا ترجمہ "میرا پہلا جرم" قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے "محب انسان" کے عنوان سے مشاہیر یورپ کے تذکرے بھی شائع کئے اور ایک انگریزی ناول کا ترجمہ "سیتا" کے نام سے کیا۔

آگے چل کر محب حسین نے "محاسن اخلاق سلاطین اسلامیہ" کے مستقل عنوان سے ہندوستان کے مشہور مسلم بادشاہوں کے اہم کارناموں اور حالات زندگی کا سلسلہ شروع کیا اور اسی طرح "تذکرۃ النسا" کے عنوان کے تحت مختلف مسلم حکمران خواتین کے تذکرے بھی قلمبند کئے۔ اس کے علاوہ محب حسین نے اس رسالہ میں کئی علمی و ادبی موضوعات پر اہم اور معیاری مضامین بھی لکھے۔ ان مضامین کے معیار کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے ہوتا ہے جو ان کے مضمون "نیچرل شاعری" سے اخذ کیا گیا ہے۔

> "ہماری حالت اب ایسی نہیں کہ ہم بیکار عشق و عاشقی کے خیالی جھگڑوں میں مصروف رہیں بلکہ اب ہماری یہ حالت پہنچی ہے کہ اس کو دیکھیں اور اوس کی سچی تصویر موثر انداز میں کھینچ کر قوم کو دکھائیں اور اس کو اسی حالت کی طرف متوجہ کریں۔
>
> فی الواقع شاعری ایک ایسا موثر اور جوش دلانے والا جادو ہے جو ایک قوم سے بڑے بڑے اخلاقی اور تمدنی کام بآسانی لے سکتا ہے اور دلوں کو ابھارنے اور طبیعتوں میں جوش پیدا کرنے کے لیے ایک کارگر تدبیر ہے پس اگر کسی شاعری سے ہمارے اخلاق پر عمدہ اثر نہ پڑے، ہماری تمدنی حالت کو مدد نہ پہونچے، ہمارے قوائے دماغی اور جسمانی کو کام کی طرف ترغیب اور

تحریص نہ ہو تو ہمارے نزدیک ایسی شاعری فضول اور محض تضیع اوقات ہے
"(۳۰۵)

یہ اقتباس حالی اور آزاد کے خیالات کی صدائے باز گشت ہے ۔ پھر بھی یہ بہت بڑی بات ہے کہ لاہور میں جو آواز بلند ہوئی اس کی گونج حیدر آباد میں سنائی دے اور تقریباً وہی خیالات جو حالی، آزاد اور سر سید جیسے بزرگوں کے تھے وہ معلم شفیق میں محب حسین کے ہاں بھی نظر آئیں ۔ اسے کوئی اتفاقی حادثہ نہ سمجھنا چاہئے ۔ محب حسین چونکہ سر سید احمد خاں کی تحریک سے متاثر تھے اور اس تحریک کے اثرات حیدر آباد دکن میں بھی نظر آرہے تھے اس لیے وہ ان خیالات کو اپنے انداز میں پیش کر رہے تھے ۔

مولوی محب حسین کے علاوہ رسالہ معلم کے اہم مضمون نگاروں میں مولانا عبدالحلیم شرر، مولانا الطاف حسین حالی، ڈاکٹر محمد عباس سرجن انچارج افضل گنج اسپتال اور مولوی حکیم محمود علی صاحب قابل ذکر ہیں ۔ مواخر الذکر دونوں اصحاب طبی موضوعات پر اہم اور مفید مضامین لکھا کرتے تھے ۔

مولوی محب حسین نے کچھ عرصہ بعد اس رسالہ میں تعلیم نسواں، پردے کی مخالفت اور بیوہ عورتوں کی شادی جیسے موضوعات پر مضامین لکھنے شروع کئے اور اپنے ان خیالات کی اشاعت کے لیے شاعری کو بھی ایک اہم ذریعہ بنایا ۔ اس کے علاوہ " اخبار نسواں " کے مستقل عنوان کے تحت ہر ماہ ایسی ملکی اور بین الاقوامی خبریں بھی شائع کیں جو صرف خواتین سے متعلق ہوتی تھیں ساتھ ہی ان خبروں پر مختصر تبصرہ بھی ہوتا تھا ۔ اس تبصرہ میں عموماً خواتین کو خرابیوں سے بچنے اور خوبیوں کو اپنانے کا مشورہ دیا جاتا تھا ۔ اس طرح انہوں نے آہستہ آہستہ اس رسالہ کو مکمل طور پر حیدر آباد کی عورتوں کی اصلاح کے لیے وقف کر دیا چنانچہ اسی مناسبت سے ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۱۲ھ نومبر / ڈسمبر سنہ ۱۸۹۴ء سے اس رسالہ کا نام بجائے "معلم " کے "معلم نسواں " کر دیا اور ساتھ ہی یہ صراحت بھی کر دی کہ " اس رسالہ کی غایت ترقی تعلیم نسواں ہے اور اس میں فقط عورتوں کی حالت سے بحث کی جاتی ہے ۔ (۳۰۶)

" معلم نسواں " کے تعلق سے طیب انصاری نے لکھا ہے کہ " محب حسین نے معلم نسواں سے قبل ۱۸۸۲ء میں معلم شفیق جاری کیا تھا بعد کو اس ماہنامہ کا نام بدل کر ۱۸۹۲ء میں معلم نسواں رکھا" ۔ (۳۰۷)

ان کا یہ بیان خلط مبحث کا نتیجہ ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ماہ نامہ " معلم شفیق (۱۸۸۰ء) کو محب حسین نے شوال ۱۳۰۱ھ سے بجائے ماہ نامہ کے ہفتہ وار اخبار کر دیا اور یہ ہفتہ وار اخبار بھی رجب ۱۳۰۲ھ میں بند کر دیا ۔ اس کے آٹھ سال بعد بھی ۱۳۱۰ھ م ۱۸۹۲ء سے " معلم " کے نام سے ایک اور ماہ نامہ جاری کیا اور پھر ۱۸۹۴ء میں اسی رسالہ کے نام کے ساتھ لفظ

"نسواں" کا اضافہ کیا۔ گویا رسالہ معلم کا نام ۱۸۹۴ء میں "معلم نسواں" رکھا گیا۔

رسالہ "معلم نسواں" بھی ماہوار رسالہ تھا۔ البتہ اس کا سالانہ چندہ چار روپیہ پیشگی کر دیا گیا تھا۔ عورتوں کے لیے رعایتاً قیمت دو روپیہ سالانہ پیشگی مقرر کی گئی تھی۔ اس رسالہ کا حجم ۳۲ تا ۶۴ صفحات ہوتا تھا بعض دفعہ اس کے شمارے صرف ۱۶ صفحات پر بھی شائع ہوتے تھے۔

معلم نسواں کے ابتدائی دو پرچے مطبع مفید دکن چھتہ بازار حیدرآباد دکن میں طبع ہوئے تھے پھر یہ رسالہ ماہ شعبان سنہ ۱۳۱۲ھ سے مطبع معلم نسواں حیدرآباد دکن میں طبع ہونے لگا اس رسالہ کے ایڈیٹر بھی مولوی محب حسین ہی تھے۔

معلم نسواں حیدرآباد میں خواتین کا پہلا رسالہ تھا۔ اس میں تمام مضامین خواتین سے متعلق درج ہوتے تھے جیسے عورتوں کی تعلیم و تربیت، ترقی، آزادی، پردے کی مخالفت، کمسنی یا بچپن کی شادی کی مخالفت، بیوہ عورتوں کی دوسری شادی، تعداد ازدواج، عورتوں کے فرائض مثلاً اولاد کی پرورش و تربیت، خانہ داری کی تدابیر، ہندوستان میں عورتوں کی موجودہ حالت اور اس کے علاوہ اس رسالہ میں ایسی خبریں اور ترجمے شائع کئے جاتے تھے جس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دوسرے ملکوں کی عورتوں کے کارناموں سے حیدرآباد کے عوام کو واقف کروایا جائے اور مشہور خواتین کی سوانح جس کے ذریعے ان عورتوں کی سیرت اور کردار سے عوام اور خصوصاً عورتوں کو باخبر کرایا جائے۔ نیز توہم پرستی یا مذہب کے وہ مباحث جن کا مقصد مذہب کے حقیقی تصورات کی غلط ترجمانی (تغلیط و تردید) تھا اس سلسلہ میں پیری و ملائی پر بھی اس رسالہ نے کافی چوٹیں کیں اس کے علاوہ ڈرامے، قومی غزلیں اور نظمیں وغیرہ بھی شائع کی جاتی تھیں اور کتابوں پر بھی تبصرہ بھی شامل کیا جاتا تھا۔

طیب انصاری اپنی کتاب "حیدرآباد میں اردو صحافت" میں رسالہ "معلم نسواں" کی پالیسی کے تعلق سے رقم طراز ہیں "جہاں تک اس رسالے کی پالیسی کا تعلق ہے اس پرچے میں "علوم قدیمہ و جدید" یعنی ریاضیات۔ طبقات (کذا) الہیات۔ تجارت۔ اخلاق۔ طب۔ تاریخ جغرافیہ۔ ادب کیمیاء اور نباتات پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔" (۳۰۸)

یہاں اس بات کی تردید کرنی ضروری ہے کہ مندرجہ بالا پالیسی رسالہ "معلم نسواں" کی نہیں بلکہ رسالہ "معلم شفیق" کی تھی جس کا اس سے قبل ذکر کیا جاچکا ہے اور جیسے مولوی محب حسین نے رجب سنہ ۱۳۰۲ھ میں بند کرنے کے بعد ماہ محرم سنہ ۱۳۱۰ھ سے رسالہ "معلم" نکالا تھا اور تقریباً ڈھائی سال بعد یعنی ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۱۲ھ سے اس رسالہ کا نام "معلم نسواں" کر دیا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی درست نہیں کہ "یہ رسالہ مطبع اسلامیہ" چھاؤنی ریذیڈنسی (۳۰۹) سے شائع ہوتا تھا۔

طیب انصاری کے دونوں بیانات خلط مبحث کا نتیجہ ہیں اور موصوف نے رسالہ "معلم

شفیق" کو "معلم نسواں" پر منطبق کر دیا۔

مولوی محب حسین تعلیم نسواں کے زبردست حامی اور پردے کے سخت مخالف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان عورتیں جب تک تعلیم یافتہ نہ ہوں گی اور موجودہ پردہ جوان کے خیال میں شرعی پردہ نہیں تھا ترک نہ کر دیں گی اور قرون اولیٰ کی عورتوں کی طرح اسلامی آزادی حاصل نہ کرلیں گی اس وقت تک ملک و قوم کی بھی ترقی نہ ہوگی چنانچہ انہوں نے اس رسالہ کے ذریعے اپنے ان خیالات کی بھرپور ترجمانی کی اور اس تحریک کو آگے بڑھانے میں مقامی اور بیرونی انشا پردازوں کا بھی تعاون حاصل کیا۔ ان کی اس تحریک کا ساتھ دینے والوں میں شمس العلما مولانا شبلی نعمانی، مولانا عبدالحلیم شرر، مولوی عبدالحق صاحب، مولوی محمد عزیز مرزا، مولوی ظہیر الدین بدایونی، حکیم اجمل خاں دہلوی جیسے نامی گرامی اشخاص شامل تھے۔ ان کے علاوہ مولوی مصباح النعمان صاحب، سید مظفر الدین صاحب کیڈٹ، مولوی محمد مرتضیٰ صاحب، مولوی میر قاسم علی صاحب بخاری، مولوی محمد منور خاں صاحب اور منشی احمد صاحب بی۔ اے بھی قابل ذکر ہیں۔

ان تمام کے تعاون کے باوجود بھی محب حسین جانتے تھے کہ ان کے خیالات سے اس دور میں متاثر ہونے والے بہت ہی کم ہیں۔ لیکن انہیں یقین تھا کہ وہ جو بیج بو رہے ہیں وہ آئندہ چل کر شجر سایہ دار کی شکل اختیار کرے گا۔ اپنی ایک نظم میں انہوں نے بتایا کہ ان کی نظریں اپنی قوم اور ملک کے مستقبل پر ہیں اور امید ہیں کہ آئندہ آنے والی نسلیں ہند کے مسلمان عورتوں کو اس حبس دوام سے نجات دلائیں۔

آنے والی نسل پردہ کو اٹھائے گی ضرور
پوچھتے کیا ہو محب ہم تو نقیب اوروں کے ہیں

ان کے باغیانہ خیالات کی وجہ سے لوگ ان کے دشمن بن گئے تھے۔

راحت ہے یہ تکلیف اٹھانا میرا
رہ جائے گا دنیا میں فسانہ میرا
رکھتا ہوں جو آزادی نسواں کو دوست
دشمن ہے محب ایک زمانہ میرا

مگر آگے چل کر ان کے خیالات میں انتہا پسندی پیدا ہوگئی اور وہ اپنے مضامین میں اعتدال باقی نہ رکھ سکے۔ خصوصاً ان کا مضمون "پردہ سے تو اقفال اچھا ہے" جو ماہ شوال سنہ ۱۳۱۷ ھج کے پرچے میں شائع ہوا تھا۔ تجدد، افراط اور عدم اعتدال کا شاہ کار تھا جس کی وجہ سے عوام میں زبردست شورش پیدا ہوگئی اور لوگ ان کے مخالف ہوگئے۔ چنانچہ اس تعلق سے وہ ایک مضمون میں اہل ملک سے شکایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اگرچہ کہ مذہب اسلام نے نکاح ثانی، تعلیم نسواں وغیرہ مفید باتوں کی شدید ہدایت کی ہے مگر ہماری اسلامی سوسائٹی پر بھی ہندوستان کے پرانے رسم و رواج کا اثر پورے طور پر پڑا ہوا ہے اور یہ اثر یہاں تک ہوا ہے کہ ہمارے مقدس مذہبی اشخاص تک ان باتوں کی اشاعت سے زبان روکتے ہیں اور تعلیم نسواں اور نکاح ثانی کے اشاعت کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے ان کے سوا ہماری قوم کے عوام الناس جو تعلیم و تربیت میں دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہیں ریفارمر کی سخت مزاحمت کرتے ہیں اور قوم میں سے بہت سے شاذ و نادر اس کی مدد پر کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اصلاح کے کام لینا دراصل اپنی عزت و آبرو اور جان و مال سے ہاتھ دھونا ہے۔" (۳۱۰)

مگر جب عوام اور امرا کے علاوہ مقامی روزناموں نے بھی ان کے خلاف مضامین لکھنے شروع کیئے تو مجبوراً حکومت وقت کو اس رسالے کی مسدودی کے لیے حکم جاری کرنا پڑا چنانچہ حسب الحکم سرکار عالی ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۸ھ میں چند ماہ کے لیے اس رسالہ کی اشاعت پر پابندی عاید کر دی گئی۔ اس حکم نامے سے دل برداشتہ ہو کر محب حسین نے رسالہ کی اشاعت ہمیشہ کے لیے بند کر دی۔ چنانچہ اس ضمن میں اس رسالہ کے آخری شمارے میں لکھتے ہیں۔

"اس رسالہ کے بند کرنے کے مخفی اسباب کا اظہار ہم اس وقت نہیں کر سکتے اس وقت ہماری قوم کے مردوں کو اپنی عورتوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں اور وہ انہیں اس غلامی کی حالت سے آزاد کرنا نہیں چاہتے ہماری قوم کی عورتیں اس قدر مجبور۔ محبوس۔ جاہل۔ ناخواندہ اور کمزور ہیں کہ ان کے کانوں تک ہماری کوئی آواز پہونچ نہیں سکتی۔

معلم نسواں نے ملک کی خدمت بیس برس کی اور اس میں سے نو برس خاص عورتوں کی آزادی کی نسبت جان توڑ کوشش کی۔ آخر ہماری قوم کے بعض بانجھ اشخاص نے ہمارے منہ میں لوہے کا قفل ڈلوادیا اور ہمارا حلق بند کرادیا، ہم ان کے اس ظلم کی نسبت بجز خدا کے اور کسی سے فریاد نہیں کر سکتے۔

اگر خدا نے مدد کی تو ہم پہلے اپنی قوم کے تعصب اور جہالت کے مضبوط قلعہ کو توڑنے کی کوشش کریں گے اور عورتوں کی نسبت ان کے دلوں میں جو ناپاک خیال پیدا کر دئے ہیں انہیں ہم مفید کتابوں اور مستقل رسالوں کے لکھنے اور شائع کرنے سے دور کرنے کی سعی بلیغ کریں گے۔ مگر یہ سب ادارے خدا کی مدد پر منحصر ہیں۔" (۳۱۱)

"رسالہ سحر بیان": رسالہ "سحر بیان" ماہ رمضان سنہ ۱۳۱۲ھ م فروری سنہ ۱۸۹۵ء میں جاری ہوا۔ اس کے مدیر مولوی مجیب احمد تمنائی اور منیجر کشن راؤ تھے۔ (تحقیق میں بنیادی ماخذ کے بجائے ثانوی ماخذ سے رجوع کرنے میں "سیمیا کی سی کیفیت" پیدا ہوتی ہے اس رسالہ کا نام "سحر بیان" ہے اور میر حسن کی مثنوی "سحرالبیان" اتنی مشہور ہے کہ محترم مولوی سید منظر علی شہر ("منظر الکرام" حیدرآباد دکن کے مشاہیر کا تذکرہ ص ۲۲۳) نے اس رسالہ کا نام سحرالبیان ہی دیا۔ بعد کے محققین نے جن میں محترم سید شمس اللہ قادری صاحب ("آثار الکرام" محولہ رسالہ ادیب (حیدرآباد بابتہ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء میں ص ۵۴) محترمہ زینت ساجدہ صاحبہ حیدرآباد کے ادیب" حصہ دوم ص ۳۷۹) اور طیب انصاری صاحب (حیدرآباد میں اردو صحافت ص ۱۰۱) نے بھی اس رسالہ کا نام "سحرالبیان" ہی لکھا ہے۔ رسالہ کا نام "سحر بیان" ہے)

یہ رسالہ مطبع آفتاب حیدرآباد میں طبع ہوتا تھا۔ یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی آخیر تاریخوں میں ۳۲ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ اور قیمت سالانہ عام خریداروں سے دو روپیہ پیشگی تھی۔

رسالہ سحر بیان میں مشاہیر کی دلچسپ و پر موعظت سوانح عمریاں اخلاقی و تاریخی نتیجہ خیز ناول ڈرامے اور اعلیٰ درجہ کے علمی مضامین پیش کئے جاتے تھے۔ اس رسالے میں اسلامی فرمانرواؤں، شہزادی سلطانہ رضیہ بلقیس جہاں کی سوانح نہایت دلچسپ انداز میں پیش کی گئی تھی اور "محاصرہ دمشق" کے نام سے ایک تاریخی ڈرامہ کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا جس میں مسلمانوں کے اسلاف کے جواہر مردانگی اور جوش مذہبی کا عبرت ناک مرقع پیش کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ مرزا مہدی خاں صاحب کوکب کا تحقیقی مضمون "زرتشتی مذہب کی تخلیق بالاقساط شائع ہوتا تھا۔

رسالہ سحر بیان کی زبان سادہ اور سلیس تھی۔ اعلیٰ علمی و ادبی مضامین کے باوجود اس رسالہ کے صرف تین شمارے نکلے اور پھر اس کا نکلنا موقوف ہوگیا۔

مجیب احمد تمنائی: مجیب احمد تمنائی سنہ ۱۸۶۹ء میں سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لکھنؤ میں حاصل کی۔ انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے حیدرآباد آئے جہاں ان کے ماموں محمد ذکریا صاحب مددگار صوبہ دار نے ان کو سینٹ جارجس گرامر اسکول میں داخل کرایا اور یہیں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد طبی (ڈاکٹری) مدرسہ میں دو سال کے لیے داخل ہوئے۔ اس زمانہ میں سر سید احمد خاں حیدرآباد میں تھے۔ یہاں سے جاتے وقت متعدد نوجوانوں کو بغرض اعلیٰ تعلیم اپنے ہمراہ علی گڑھ لے گئے ان میں مجیب احمد بھی شامل تھے۔ یہیں انہوں نے اپنی تعلیم مکمل کی اور بعد تکمیل تعلیم حیدرآباد لوٹ آئے۔

مجیب احمد تمنائی ابتدا میں محکمہ بندوبست میں بحیثیت مترجم ملازم ہوئے پھر مختلف محکموں میں کام کرنے کے بعد صدر المہام فینانس کی ماتحتی میں آگئے۔ مجیب احمد تمنائی کو طالب علمی کے زمانے سے ہی تصنیف و تالیف کا شوق تھا۔ انہوں نے رسالہ "مہذب کپور تھلہ" میں پہلی بار

اخلاق پر مضمون لکھا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔ ملک کے مختلف اخبارات و رسائل میں کافی مضامین لکھے۔ (۳۱۲)

انہوں نے کئی کتابیں لکھیں جیسے "حیات ذوالقرنین" (سکندر اعظم کی سوانح عمری) "سیرۃ الخلفا" جس میں خلفائے اسلام کا تذکرہ ہے۔ "عربوں کی گذشتہ تجارت" وغیرہ۔ مجیب احمد تمنائی ایک کامیاب مترجم بھی تھے رپورٹ مردم شماری کا ترجمہ ان کا یادگار کارنامہ ہے۔

منتخب روزگار: یہ ماہ نامہ ۲۵ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۳ھ م ۱۵ ستمبر سنہ ۱۸۹۵ء سے زیر اہتمام عاشق علی بیگ لکھنوی شائع ہونے لگا۔ یہ رسالہ مطبع مفید الاسلام واقع گاڑی خانہ حیدرآباد دکن میں عموماً (۳۲) بتیس صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس رسالہ کے مہتمم حکیم سید علی خاں صاحب تھے۔ اس کا سالانہ چندہ پیشگی چار روپیہ کلدار اور فی پرچہ ٦ آنے تھا۔

مانک راؤ وٹھل راؤ نے اس رسالہ کا ماہ اشاعت ربیع الثانی سنہ ۱۳۱۳ھ لکھا ہے (۳۱۳) جو در حقیقت جلد اول کے دوسرے شمارے کا مہینہ ہے جب کہ اس رسالہ کی جلد اول کا پہلا شمارہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۱۳ھ کو نکلا تھا (۳۱۴)۔

یہ رسالہ تین حصوں میں منقسم تھا۔ حصہ اول میں "مضامین مفید عام" کے تحت علمی، تاریخی اور اخلاقی مضامین شائع ہوتے تھے جیسے "شہنشاہ اکبر کے عقائد" (از مولوی سید الطاف حسین صاحب) مسائل نکاح پر ملحدانہ خیالات (از جناب مولوی محمد نصیر الزماں خاں وکیل ہائیکورٹ) "عورتوں کی ظاہری بے بسی" (از ک۔ ب۔ صاحبہ پردہ نشین) "نیچر اور معجزہ میں کچھ مخالفت نہیں ہے" (از جناب مولوی سید غلام حسین صاحب کنتوری) "وصیت" (از جناب ع۔ صاحب) "غذا۔ تحقیقات علم ہئیت، قدیم و جدید، انتخاب تاریخ دنیا کے مشاہیروں کا حال" (از حیدر علی صدیقی)

حصہ دوم جو ناول یا ڈرامہ کے لیے مختص تھا اس میں ڈبلیو۔ ایم رینالڈز کی مشہور ناول "میری پرائس" کا ترجمہ بالاقساط شائع ہوتا تھا۔ اس ناول کے مترجم محمد عباس صاحب تھے۔

حصہ سوم شعر و شاعری کے لیے وقف تھا جس میں مختلف شعرا کی طرحی اور غیر طرحی غزلیں درج ہوتی تھیں۔ اس رسالہ کے جلد اول اور شمارہ اول میں مولوی حاجی سید محمد کاظم حسین صاحب شیفتہ کی مثنوی "تعلیم الاخلاق" بھی شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ جمادی الاول سنہ (۳۱۵) ۱۳۱۳ھ کے شمارے میں مرزا محمد ہادی صاحب مرزا لکھنوی بی۔ اے کی ایک نظم "شکایت زمانہ و موعظت قوم" شائع ہوئی تھی۔ یہ رسالہ چند ماہ جاری رہ کر بند ہو گیا۔

رسالہ افسر: یہ ماہوار رسالہ اپریل سنہ ۱۸۹۷ء میں حیدرآباد سے شائع ہونا شروع ہوا۔ ابتدا میں اس رسالہ کے مرتب عالی جناب نواب میجر افسر الدولہ کمانڈر امپیریل سروس ٹروپ گولکنڈہ برگیڈ و ایڈیکانگ اعلحضرت بندگان عالی حضور پرنور والی ریاست حیدرآباد دکن اور معتمد

محب حسین تھے ۔ یہ رسالہ مطبع معلم شفیق واقع گوشہ محل حیدر آباد دکن میں طبع ہوتا تھا ۔ اس رسالہ کی خریداری کے تعلق سے دستور العمل میں لکھا تھا " خریداری کی نسبت درخواست یا تو براہ راست نواب میجر افسر الدولہ بہادر یا نواب ممتاز یار جنگ بہادر کپتان فوج صرف خاص یا خادم الملک محب حسین معتمد دفتر رسالہ مذکور سے کی جاسکتی ہے ۔ " (۳۱۶)

اس رسالہ کی قیمت عام خریداروں سے چار روپیہ سالانہ اور نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۸ آنہ مقرر تھی ۔

اس رسالہ میں عموماً فوج سے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے جیسے افسران فوج کے اہم مضامین کے ترجمے " مشہور سپہ سالاروں کے تذکرے " " تواریخ جنگ " " فنون سپہ گری " " جنگی کھیل " " ایجادات حرب کے حالات " وغیرہ ۔ ان کے علاوہ کبھی کبھی شکار سے متعلق بھی مضامین شائع ہوتے تھے ۔

اس رسالہ کے مضمون نگاروں کو ایک اشرفی بطور انعام دی جاتی تھی ۔ (۳۱۷) اس میں اعلیٰ افسرانِ فوجِ انگریزی کے مضامین کا ترجمہ درج کیا جاتا جن کے صلہ میں مضمون نگاروں کو ایک اشرفی بطور انعام میں دی جاتی تھی ۔ ستمبر سنہ ۱۸۹۷ء سے رسالہ افسر کے مرتب مولوی محب حسین مقرر ہوئے اور یہ رسالہ افسر الدولہ کی سرپرستی اور ممتاز یار جنگ کے زیر اہتمام شائع ہونے لگا ۔ مگر اس کے مضامین کی نوعیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ۔ زیادہ تر مضامین محب حسین کے طبعزاد یا ترجمہ ہوتے تھے ۔ ان کے علاوہ اس رسالہ کے مضمون نگاروں میں نواب حسن بن عبد اللہ عماد نواز جنگ بھی قابل ذکر ہیں ۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کی دوسری جلد کا کوئی شمارہ دستیاب نہ ہوسکا البتہ تیسری جلد کا دسواں شمارہ (اکتوبر سنہ ۱۸۹۹ء) سالار جنگ لائبریری اور اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوا ۔ اس پرچے کے تعلق سے اکبر الدین صدیقی نے رسالہ " ہماری زبان " (دہلی) میں لکھا تھا کہ " کتب خانہ سالار جنگ میں افسر کا ایک شمارہ اکتوبر سنہ ۱۸۹۹ء کا نکل آیا ۔ یہ تیسری جلد کا دسواں شمارہ ہے اور میجر افسر الدولہ بہادر کی سرپرستی ، ممتاز یار جنگ کے زیر اہتمام محب حسین صاحب نے ترتیب دیا ہے اور حیدر آباد پریس ہی میں چھپا ہے ۔ " (۳۱۸) وہ آگے لکھتے ہیں " البتہ ایک اہم عبارت بابائے اردو کے تعلق سے اس کے آخری صفحے پر ملتی ہے کہ " یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا ہے ۔ قیمت سالانہ للعہ ہے اس کے متعلق تمام خط و کتابت جناب مولوی عبد الحق صاحب بی ۔ اے (لینڈون مڈلسٹ) ہیڈ ماسٹر مدرسہ آصفیہ ملک پیٹ سے کرنا چاہیئے ۔ محمد عطا منیجر دفتر ۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولوی عبد الحق صاحب نے افسر کی ادارت جنوری سن ۱۹۰۰ء ہی سے قبول کی لیکن اکتوبر سنہ ۱۸۹۹ء سے ان کا تعلق افسر سے ہو گیا تھا ۔ " (۳۱۹)

مندرجہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسالہ افسر (اکتوبر سنہ ۱۸۹۹ء) میں مولوی عبدالحق صاحب کے تعلق سے صرف یہی عبارت شائع ہوئی تھی جس سے اکبرالدین صدیقی صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ رسالہ افسر سے مولوی عبدالحق صاحب کا تعلق اکتوبر سنہ ۱۸۹۹ء سے ہو گیا تھا لیکن رسالہ کے تفصیلی مطالعہ سے کچھ اور نئے انکشافات سامنے آتے ہیں جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نہ صرف مولوی عبدالحق صاحب کا تعلق رسالہ افسر سے اکتوبر سنہ ۱۸۹۹ء سے ہو گیا تھا بلکہ مولوی عبدالحق صاحب نے اکتوبر سنہ ۱۸۹۹ء کے پرچے میں خود کو اس رسالہ کا ایڈیٹر بھی لکھا ہے کیوں کہ اس رسالہ کے تعلق سے "ہماری زبان" (دہلی) سنہ ۱۹۶۲" تا ۱۹۶۳ء میں کافی مضامین لکھے گئے تھے جس میں اس رسالہ کی ادارت سے مولوی عبدالحق صاحب کے وابستہ ہونے کے تعلق سے قیاس آرائیاں کی گئی تھیں۔ اس لیے ہم ان تمام قیاس آرائیوں کے ازالہ کے لیے اس رسالہ کے صفحہ اول کی عبارت کو جوں کا توں یہاں نقل کرتے ہیں۔

"اطلاع ضروری"

بخدمت خریداران رسالہ افسر

رسالہ افسر تین سال سے بہ سرپرستی جناب نواب افسرالدولہ بہادر سی۔ آئی۔ اے کمانڈران چیف افواج باقاعدہ سرکار عالی و بہ اہتمام جناب کیپٹین نواب ممتاز یار جنگ بہادر جاری ہے اب تک یہ صرف فوجی مضامین کے لیے مخصوص تھا۔ لیکن اب جناب ممدوح نے بالکلیہ ہمارے حوالہ کر دیا ہے اور ہمیں اجازت دی ہے کہ چند صفحہ فوجی مضامین کے علاوہ باقی حصے کو جیسے چاہیں استعمال کریں چونکہ حیدرآباد میں اس وقت ایک علمی میگزین کی بہت ضرورت ہے۔ اس لئے ہم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اسے جہاں تک ممکن ہو ایک اعلیٰ درجہ کا علمی میگزین بنانے کی کوشش کی جائے۔۔ چنانچہ یکم جنوری سنہ ۱۹۰۰ء سے اس کی ہئیت بالکل بدل دی جائے گی اور اس کے قالب میں علمی روح نظر آئے گی۔ اس میں ہر قسم کے عمدہ عمدہ علمی۔ تاریخی۔ اخلاقی اور فلسفیانہ مضامین لکھے جائیں گے جن کی اردو زبان کو بے انتہا ضرورت ہے اور خاص کر ہمارے ہم وطنوں کے لئے مفید ہوں اس غرض سے اس کا حجم بھی بڑھا دیا جائے گا یعنی بجائے ۳۲ صفحوں کے ۴۸ صفحے کر دیے جائیں گے جن میں سے صرف ۸ صفحہ میں فوجی مضامین درج ہوا کریں گے لیکن یہ فوجی مضامین بھی اس قسم کے ہوں گے جو عام طور پر دلچسپ اور مفید ہوں۔ بلکہ یہ بھی ایک قسم کے علمی مضامین ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہم نے یہ بھی انتظام کیا ہے کہ ہر ماہ اعلیٰ درجہ کے مضمون کے لئے ایک اشرفی نذر کی جائے ہمیں امید ہے کہ ہمارے ملک کے نامور اہل قلم ہماری اعانت فرمائیں گے۔ عبدالحق بی اے ایڈیٹر رسالہ افسر" (۳۲۰)

اس سے ہٹ کر ایک اور بات بھی قابل غور یہ کہ مولوی عبدالحق نے لکھا ہے "ہم نے یہ بھی انتظام کیا ہے کہ ہر ماہ اعلیٰ درجہ کے مضمون کے لیے ایک اشرفی نذر کی جائے گی" اس

عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس سے قبل رسالہ افسر کے مضمون نگاروں کو ایک اشرفی بطور انعام دینے کا طریقہ موقوف کر دیا گیا تھا۔ جب ہی تو مولوی عبدالحق صاحب نے اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

راقم الحروف کو تیسری جلد کے اس شمارے کے بعد کا کوئی اور شمارہ دستیاب نہ ہو سکا جیسا کہ مانک راؤ وٹھل راؤ مولف بستان آصفیہ نے بھی اس رسالہ کے تعلق سے لکھا ہے کہ "چند روز کے لئے رسالہ بند ہو گیا بعد ازاں مولوی عبدالحق بی۔ اے کی زیر ایڈیٹری شائع ہونا شروع ہوا " (۳۲۱) مولف بستان آصفیہ نے "چند روز" کی وضاحت نہیں کی اس لیے چند روز کا اطلاق صرف نومبر سنہ ۱۸۹۹ء اور صرف ڈسمبر سنہ ۱۸۹۹ء پر یا پھر دونوں مہینوں پر بھی ہو سکتا ہے. بہرحال یہ رسالہ جنوری سنہ ۱۹۰۰ء سے مولوی عبدالحق کی ادارت میں نکلنے لگا اور تقریباً دو سال تک جاری رہنے کے بعد بند ہو گیا۔ اس عرصہ میں اس رسالہ نے مولوی عبدالحق کی ادارت میں کس قدر اردو کی خدمت کی اس کا اندازہ اس دور کے مضامین کی نوعیت اور اس کے مضمون نگاروں سے لگایا جا سکتا ہے جو ہندوستان کے ایسے مقبول ادیب اور انشا پرداز تھے جن کے مضامین کی اہمیت سے آج بھی اردو دنیا انکار نہیں کر سکتی۔ ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج ہے۔

(۱) اردو ناولوں پر ایک نظر (از جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے) (۲) اردو طرز تحریر (از مولوی عبدالحق بی۔ اے) (۳) اشرف المخلوقات (از جناب مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے) (۴) محمڈن یونیورسٹی (از جناب سید حسین بلگرامی) (۵) حروف مقطعات و علامات معدنی و آلات تحریر طبع (از جناب مولوی نظام الدین حسن صاحب بی۔ اے) (۶) انسان کی نشو و نما (از جناب مولوی عبدالغنی صاحب رافت) (۷) سوسائٹی اور گورنمنٹ (از مولوی محب حسین ایڈیٹر معلم نسواں) (۸) گورنمنٹ (از جناب خان بہادر شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب فیلو الہ آباد یونیورسٹی) (۹) استرقاق اور تسری (جناب مولوی چراغ علی صاحب) (۱۰) فلسفہ قیافہ (از مولوی سید نظیر حسین صاحب فاروقی) (۱۱) قوموں کی ضعف عقل کی علامتیں اور زوال کی نشانیاں اور اسباب (از مولوی خواجہ غلام الثقلین) (۱۲) انسان کی نشو و نما (از جناب مولوی عبدالغنی صاحب رافت) (۱۳) اردو اخبارات کے اڈیٹروں کو نیک صلاح (از عبدالحق بی۔ اے) (۱۴) انگریزوں کا دہلی پر قبضہ کرنا (از محب حسین)۔

اس کے علاوہ اس کے مختلف شماروں میں مولوی عبدالحق نے حسب ذیل کتابوں پر تبصرہ بھی کیا تھا۔

(۱) جدید اردو علم و ادب کے مشہور مصنفین (۲) دیوان مجروح (۳) الهارون (کذا) (۴) سیر ظلمات (۵) سفر نامہ باندا (۶) الریاض وغیرہ۔

راقم الحروف کو رسالہ افسر کی پانچویں جلد کے بھی چند شمارے (کتب خانہ) اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے چونکہ یہ جلد کمیاب ہے اس لیے ان شماروں کے مشمولات کو بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

جلد نمبر ۵ شمارہ نمبر ا (جنوری سنہ ۱۹۰۱ء)

(ا) کیولری افسروں کو چند ہدایتیں (از جناب مولوی محب حسین صاحب ایڈیٹر معلم نسواں) (۲) ایک لکچر قصباتی شرفا کی زندگی پر (از جناب خواجہ غلام الثقلین صاحب بی۔اے۔بی۔ایل انسپکٹر مدارس صوبہ گلبرگہ شریف) (۳) ایک گمنام فرقہ روشنائی اور اوس کا بانی (از مولوی غلام اکبر خان صاحب وکیل)

جلد نمبر ۵ شمارہ نمبر ۳ (مارچ ۱۹۰۱ء)

(ا) ایک لکچر اصلاح تمدن پر (از ایڈیٹر) (۲) اسکل ایٹ آرم (از جناب مولوی محب حسین صاحب (۳) عورتوں کے نسبت سر سید احمد خاں کے خیالات (از جناب مولوی محب حسین) (۴) تیری یاد (نظم) (از جناب مولوی عبد الغنی خان صاحب رافت) (۵) تقریر شمس العلماء مولانا شبلی صاحب (انجمن اصلاح تمدن میں)۔

جلد نمبر ۵ شمارہ نمبر ۴ (اپریل سنہ ۱۹۰۱ء)

(ا) دنیا کا ہوشیار ترین بچہ (ترجمہ (از حکیم احمد طالب العلم علی گڑھ کالج) (۲) "من کلام پروفیسر مرزا حیرت مرحوم" (اشعار مرزا حیرت) (۳) تربیت جسمانی" (از غلام الحسنین) (۴) "سائیکلنگ" (از مولوی محب حسین)

جلد نمبر ۵ شمارہ نمبر ۵ (مئی سنہ ۱۹۰۱ء)

(ا) مسلہ ازدواج پر ایک نظر" (از محب حسین) (۲) ایک ستارہ پرست قوم" (از علی شبیر) (۳) اردو لٹریچر کی سب سے اعلیٰ کتاب" (حیات جاوید از حالی کی کتاب پر ریویو) (از مولوی عبد الحق)

جلد نمبر ۵ شمارہ نمبر ۵ (جون سنہ ۱۹۰۱ء)

(ا) " پروفیسر دی ہٹ سک کا انعامی مضمون ہے اور اس کے ساتھ دی ہٹ سک کا تذکرہ بھی ہے (۲) " مصنفین کی نسبت غائبانہ خیال" (از مولوی عبد الحق) (۳) "سیرت رسول" (از نظیر حسین فاروقی) کی کتاب پر ریویو جو عبد الحق صاحب نے کیا ہے۔

مولوی عبد الحق: بابائے اردو مولوی عبد الحق صاحب اپنی ذات سے انجمن تھے۔ وہ اردو کے محسن عظیم اور کہنہ مشق صحافی تھے۔

۱۸۷۰ء میں ہاپوڑ ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ علی گڑھ سے بی۔اے پاس کرنے کے بعد ۱۸۹۵ء میں حیدر آباد تشریف لائے اور مدرسہ آصفیہ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے پھر ترقی کر کے انسپکٹر آف اسکولز اور پھر ڈویژنل انسپکٹر آف اسکولز مقرر ہوئے۔

عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے بعد انہیں دار الترجمہ کا ڈائرکٹر مقرر کیا گیا۔ پھر اورنگ آباد کالج کے پرنسپل کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

۱۹۱۱ء میں انجمن ترقی اردو کے اعزازی سکریٹری مقرر ہوئے۔ بعد میں عثمانیہ یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے صدر مقرر ہوئے۔

مولوی عبدالحق محقق اور نقاد تھے۔ حالانکہ ان کی بیشتر تحقیق اب غلط ثابت ہو چکی ہے لیکن پھر بھی "نقاش اول" کی حیثیت سے ان کا رتبہ بہت بلند ہے۔ تحقیق میں تدوین متن کے سلسلے میں ان کے کارنامے بہت اہمیت رکھتے ہیں خصوصاً ان کے مقدمات بہت ہی معرکہ کی چیز ہیں

حسب ذیل رسائل ان کی ادارت و نگرانی میں شائع ہوئے۔

۱۔ "افسر" (ماہ نامہ)۔ ۲۔ "اردو" (سہ ماہی)۔ ۳۔ "نورس" (دو ماہی)۔ ۴۔ "سائنس" (ابتدا میں سہ ماہی)

مولوی عبدالحق صاحب ۱۹۴۷ء میں پاکستان چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ۱۹۶۱ء میں ہوا

رسالہ "دبدبہ آصفی": یہ رسالہ ۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۱۵ھ م ۴ ستمبر سنہ ۱۸۹۷ء سے بہ یادگار سالگرہ مبارک اعلحضرت میر محبوب علی خان بہادر زیر نگرانی ٹھاکر پرشاد صاحب شوق شائع ہونے لگا۔ جناب طیب انصاری کو اس رسالہ کے سنہ اجرا کے تعلق سے تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے اس کا سنہ اجرا ۱۸۹۵ء (۳۲۲) لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

اس رسالہ کے بانی مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنت پیشکار و مدار المہام تھے۔ ابتدا میں اس کے ایڈیٹر پنڈت رتن ناتھ سرشار تھے۔ "اس رسالہ کے کل حقوق اور منافع مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد نے بطیب خاطر، پنڈت رتن ناتھ سرشار کو عطا فرمائے تھے" (۳۲۳)۔ یہ رسالہ محبوب پریس علاقہ پیشکاری میں طبع ہو کر دوسرے ماہ (جمادی الاول سنہ ۱۳۱۵ھ) سے ہر ماہ الٰہی کی پہلی تاریخ کو شائع ہونے لگا۔ اس کا حجم عموماً ۳۶ تا ۸۰ صفحات۔ قیمت تین روپیہ مقرر تھی۔

اس رسالہ کے سرورق پر درج ذیل فارسی اشعار ہوتے تھے۔

علم برکش اے آفتاب بلند
خراماں شوائے ابر مشکیں پرند
بنال اے دل رعد چوں کوس شاہ
بخندائے لب برق چون صبحگاہ

اس رسالے کے پہلے صفحہ پر میر محبوب علی خان بہادر کی تصویر ہوتی تھی۔ ابتدا میں

بھی کبھی لیتھو میں تصویریں بھی دی جاتی تھیں ۔ دبدبہ آصفی میں علمی ، ادبی ، اخلاقی ، تاریخی مضامین کے علاوہ نظمیں و غزلیں بھی شائع کی جاتی تھیں ۔ اس کے علاوہ کتابوں پر ریویو اور مختلف اخبارات کے اقتباسات بھی درج کیے جاتے تھے ۔

سرشار نے اس رسالہ کے اجرا اور پالیسی کے تعلق سے اداریہ میں لکھا تھا ۔ " کئی سال ہوئے راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد مہاراجہ بہادر وزیر فوج آصفی دام اقبالہ کی آرزو تھی کہ ایک اعلیٰ درجہ کا رسالہ ماہواری اردو زبان میں اس طرح شائع ہو جس طرح انگریزی رسالے نکلتے ہیں کیوں کہ اردو میں گو اخباروں کی اشاعت بفضلہ کثرت سے ہے اور ماہنامہ اور مہینے میں دو بار ، ہفتہ وار ، ہفتہ میں دو مرتبہ روزانہ طبع ہوتے ہیں اور مثل جام جہاں نما ہیں ، ہم لوگ گھر بیٹھے تمام دنیا کے حال سے واقفیت حاصل کرتے ہیں مگر اس قسم کے رسالے کی اشد ضرورت تھی جیسے (فورٹ نائٹلی رویو) کذا) یا (نیشنل میگزین) یا (کوائرلی رویو) وغیرہ وغیرہ ۔۔۔۔

حضور بندگان عالی کی تقریب کی تہنیت میں یہ رسالہ شائع ہوا ہے ۔ اس میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ نظم اور نثر دونوں اپنا اپنا چھاتا (کذا) ہوا جمائیں ۔ اعلیٰ درجے کے مضامین علوم جدیدہ خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ درج ہوں ۔ طلبہ اور ناظرین کو فائدہ پہونچائیں اور ہدیہ شائقین اعجوبہ گزیں ہوں سوشل معاملات پر برابر رائے زنی کی جائے گی پالیٹکس سے ، ہم کو کوئی بحث نہ ہوگی ۔ مذہبی مضامین بھی سے (کذا) سروکار نہیں ۔

کل مضامین میں متانت اور سنجیدگی سے کام لیا جائے گا ۔ ہاں ظریفانہ خیالات شائع ہوا کریں گے کیوں کہ ، ہم آدمی محرم کی پیدائش کے نہیں ہیں لیکن ظرافت میں کوئی نامہ نگار صاحب دائرہ اعتدال سے باہر قدم نہ بڑھائیں ۔ " (۳۲۴)

سرشار نے اس رسالہ کو خالص علمی و اخلاقی رسالہ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی اور ہر بار رسالہ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے بتلایا کہ " یہ کوئی اخبار نہیں شعر و سخن کا گلدستہ نہیں پنچ نہیں ۔ تصویروں کا اخبار نہیں ۔ ناول نہیں ۔ یہ ایک میگزین ہے علمی اور اخلاقی رسالہ ہے ۔ " (۳۲۵) اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ مضامین نہ اتنے طویل ہوں کہ پڑھتے پڑھتے طبیعت اکتا جائے اور نہ اتنے مختصر کہ تشنگی کا احساس ہو اور مطلب بھی واضح نہ ہو ۔ چنانچہ وہ اس تعلق سے " شیطان کی آنت " کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ " بعض مضامین ، نامہ نگاران ذیشان نے ایسے بھیجے جن کی نسبت عنوان مندرجہ بالا کی پھبتی ٹھیک عاید ہوتی ہے (مضمون کیا ہیں کہ طول امل کے ناناجان کے دادا پڑھتے پڑھتے آندھی روگ آجائے اور ناظرین کو اس کڑی منزل میں چلتے چلتے تھک کر زبان حال و قال دونوں سے تدبیر الدولہ منشی مظفر علی خان اسیر لکھنوی کا یہ مصرع پڑھنا پڑے ۔

میں سست قدم دن کوئی دو چار گھڑی ہو

پر ظاہر ہے کہ یہ ایک ماہوار رسالہ ہے اس رسالہ میں ایک اور رسالہ نکالنا یعنی رسالہ در رسالہ یعنے چہ ۔ اس قسم کے مضامین میں جن کو نامہ نگار شیطان کی آنت کی امان بناتے ہیں ہرگز درج دبدبہ آصفی نہ ہوں گے ۔ آزمودہ کارنامہ نگار خوب جانتے ہیں کہ ایجاز مخل اور اطناب ممل دونوں داخل عیب ہیں اور مخل فصاحت مضمون ماقل و دل ہونا چاہیئے کوزہ دریا نوش نہ مختصر ایسا کہ مطلب غت ربود ہو جائے نہ طویل ایسا کہ پڑھتے پڑھتے طبیعت بیزار ہو ۔ " ان ہی خیالات کو بعد میں وہ " طول امل " کے عنوان سے لکھنے لگے ۔

دبدبہ آصفی میں شائع ہونے والے علمی و ادبی مضامین کا معیار کافی بلند تھا اور اس معیار کو برقرار رکھنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جو مضامین کا انتخاب کرتی تھی ۔ اس کمیٹی کے اصول اتنے سخت تھے کہ بقول سرشار " کسی صاحب کے ساتھ اس میں رعایت نہ کی جائے گی یہاں تک کہ اگر ولی نعمی مہاراجہ پیشکار بہادر کا کوئی مضمون کمیٹی نے پسند نہیں کیا تو دست بستہ بصد عجز واپس کیا جائے گا ۔ " (۳۲۶)

اسی طرح شاعری کے تعلق سے بھی وضاحت کر دی گئی تھی کہ " کلام منظوم کی اشاعت میں حزم و احتیاط کے ساتھ کام لیا جائے گا ۔ یہ نہیں کہ جو جس کا جی چاہا وہ دھر گھسیٹا ۔ " (۳۲۷) مگر شعر و شاعری کا یہ سلسلہ صرف چند ماہ ہی رہا یعنی گلدستہ " محبوب الکلام " کے جاری ہونے کی وجہ سے اس رسالہ میں غزلیں شائع ہونا بند ہو گئیں اور صرف نثری مضامین ہی درج رسالہ ہونے لگے مگر چند سال بعد پھر شعر و شاعری کا سلسلہ شروع ہو گیا ۔

دبدبہ آصفی کی جلد اول کے دوسرے شمارے میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ جو صاحب سب سے اعلیٰ مضمون یا ترجمہ روانہ فرمائیں گے ان کو ایک اشرفی بطور انعام پیش کی جائے گی ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے مولوی غلام محمد صاحب منتظم کبنٹ کونسل کو ان کے مضمون " کرہ زمین اور اوس کی تکوین " پر ایک اشرفی انعام میں دی گئی ۔ مولوی غلام محمد صاحب کے ایک اور مضمون پر انعام ملنے پر سرشار ظریفانہ انداز میں لکھتے ہیں کہ " اس مرتبہ بھی مضمون (کرہ دنیا کی عمر) مصنفہ جناب مولوی غلام محمد صاحب منتظم کبنٹ کونسل کمیٹی کو اتنا پسند آیا اور بالاتفاق رائے قرار پائی کہ مولوی صاحب موصوف کو پھر اشرفی صلے میں دی جائے بڑے خوش نصیب ہو مولانا کہ اس علمی گھوڑ دوڑ میں آپ کے گھوڑے نے بازی جیتی اور دو مرتبہ گولڈن کپ یعنی سونے کا پیالہ پایا مبارک ۔ " (۳۲۸)

ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست پیش کی جاتی ہے جس سے اس کے معیار اور اہمیت کا اندازہ ہو گا اور ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو گا کہ " دبدبہ آصفی " کی ہر اشاعت میں مختلف النوع موضوعات پر خامہ فرسائی کی جاتی تھی ۔

(۱) " اصول تعلیم " (از مرزا مہدی علی خاں) (۲) " یونانی مورخ اور فیلسوف " (از کشن پرشاد شاد

(۳) تھرمامیٹر (از پنڈت تج شنکر صاحب کوچک) (۴) "نظام شمسی" (از ڈاکٹر محمد ظہور) (۵) "دوران خون" (از غلام نقشبند گورداسپور) (۶) "انسان کی ترقی کا فوٹو" (از محمد حسین خوشنویس) (۷) مختصر حالات ملکہ وکٹوریہ (از محمد رفیع الدین صاحب وکیل) (۸) "جاپان" (از رنگ راؤ صاحب وکیل) (۹) "ریاست اودے پور" (از جناب مہر صاحب وکیل) (۱۱) "علم روحانی یا مسمرزم" (کذا) (از جناب محمد عنایت اللہ خان صوفی) (۱۲) تقسیم رگوید "(از مہاراجہ کشن پرشاد) (۱۳) "لنکا میں موتی نکالنے کا طریقہ" (از جناب مہادیو پرشاد عیش) (۱۴) "تیمور کا نسب اور بتدریج ممالک پر تسلط" (از مولوی محمد حبیب الرحمن صاحب بیدل) (۱۵) "حکمت فلسفہ" (از جناب محی الدین حسین خاں تسنیم) (۱۶) "صنعت" (از جناب قادر مرتضیٰ حسین) (۱۷) "زندہ شعرائے اردو" (از کشن پرشاد) (۱۸) "ہَیت" (از مولوی علی حیدر صاحب لکھنوی) (۱۹) "کاشتکاری صنعت تجارت و ملازمت ہند" (از سید محمد عبدالرزاق) (۲۰) "علم مناظرہ یا مرایا" (از کشن پرشاد) (۲۱) "کوہ نور" (از سورج نارائن) (۲۲) "اخبار بینی و دیگر مضامین" (از قادر مرتضیٰ حسین) (۲۳) "انتظام سلطنت" (از محمد رفیع الدین صاحب رفعت) (۲۴) "اہرام مصر" (از کشن پرشاد) (۲۵) "کاغذ کس طرح بنتا ہے" (از جناب رام راؤ صاحب) (۲۶) "تاریخ علم الہیئۃ (از جناب مولوی غلام محمد صاحب) (۲۷) "کانسنشن یعنی وجدان" (از رائے توتن چند) (۲۸) "نجوم" (از جناب بہرون پرشاد صاحب) (۲۹) "تدبیر و تقدیر کے مناظرہ کی کیفیت" (از حکیم محمد حبیب الرحمن صاحب بیدل) (۳۰) "سوانح عمری" (از مولوی سید محمد فخر اللہ صاحب ایڈیٹر رسالہ حسن) (۳۱) مادہ اجسام کی تحقیق" (از مولوی سید نادر الدین صاحب) (۳۲) "اعداد کی علامتیں" (از مولوی صدیق احمد) (۳۳) "اردو ہندوستان کی عام زبان ہے" (از برہم صاحب) (۳۴) "ہماری معاشرت کے نقائص" (از مولوی محمد امیر احمد صاحب علوی) (۳۵) "ایک وزن عروض کی تحقیق" (از سید علی حیدر صاحب طباطبائی لکھنو) (۳۶) "طرز تعلیم" (از مولوی سید نادر الدین) (۳۷) "زمین کی حرکت اور نظام عالم کی تحقیق" (از اح سندیلی) (۳۸) "موسیقی کی قدامت" (از جناب حکیم برہم صاحب) (۳۹) "علم کی حقیقت" (از مولوی عبدالقادر صاحب) (۴۰) "یورپ میں علم تاریخ کے معانی کی بوقلمونی" (از خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی) (۴۱) "منطق کے مسائل پر ایک نظر" (از مولوی عبدالقدیر صاحب) (۴۲) "سائنس کا ایک سبق" (از مولوی عبداللہ صاحب عمادی ایڈیٹر البیان) (۴۳) "فارسی لغات پر ایک سرسری نظر" (از حافظ محمد ابراہیم صاحب) (۴۴) "منطق" (از مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی لکھنو (۴۵) "زلزلے کی حقیقت" (از مولوی سید نادر الدین) (۴۶) "منطق فن ایساغوجی" (از مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی) (۴۷) "قوت طبیعہ" (از مولوی حکیم امیر احمد صاحب مانکپوری) (اس کے علاوہ حافظ جلیل حسن صاحب مانکپوری کی مشہور تصنیف "تذکیر و تانیث" اس رسالہ

میں بالاقساط شائع ہونے لگی۔

ان کے علاوہ خود سرشار نے بھی اس رسالہ میں کئی مضامین لکھے تھے۔ ذیل میں ان کے مضامین کی بھی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے۔

(۱) "ناول نگاری" (۲) "شعر و شاعری کی بحث" (۳) "ہندو اور مسلمان" (۴) بنی نوع انسان" (۵) "عشق" (۶) "زلزلہ" (۷) "باران رحمت الٰہی" وغیرہ۔

اس تفصیل سے کچھ بہت ہی اہم نکات سامنے آتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ رسالہ کا معیار کافی بلند ہوتا تھا اور انسانی علوم کے ہر گوشے پر مضامین پیش کئے جاتے تھے چنانچہ منطق، فلسفہ، موسیقی، طبیعات، فلکیات، طب، نجوم، عروض اور خالص ادبی موضوعات پر مضامین ملتے ہیں۔ رسالہ کے قلمی معاونین کا حلقہ بھی کافی وسیع تھا۔ اس لیے کہ اس کے قلمکاروں میں حیدرآباد دکن کے اہل قلم کے علاوہ اتر پردیش میں گورکھپور جیسے دور افتادہ مقام کے حکیم برہم صاحب بھی ہیں رسالہ مخزن الفوائد کی طرح اس رسالہ میں بھی زبان کی نوعیت کے اعتبار سے مباحث ہوا کرتے تھے چنانچہ مضمون "اردو ہندوستان کی عام زبان ہے" اس کی غمازی کرتا ہے۔ یہ پہلو بھی اہم ہے کہ اس رسالہ کے لکھنے والوں میں غیر مسلموں کی اچھی خاصی تعداد تھی اور جو طرز بعد میں منشی دیانارائن نگم کے ہاں آیا اس کا نقطہ آغاز دبدبہ آصفی کو ہی سمجھنا چاہیئے حالانکہ دونوں کا زمانہ اشاعت تقریباً ایک ہی ہے لیکن تھوڑا سا تقدم زمانی دبدبہ آصفی کو حاصل ہے۔

سرشار کے بعد یہ رسالہ رائے ہیرالال نشاط کی مہتممی میں نکلتا رہا۔ پھر مولوی جلیل حسن جلیل مانکپوری اس رسالہ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور ان کی ادارت میں یہ رسالہ میر محبوب علی خاں بہادر کی وفات (سنہ ۱۳۲۹ھ م سنہ ۱۹۱۱ء) تک برابر جاری رہا اور اس کے بعد شائع ہونا موقوف ہوگیا۔ اس تعلق سے طیب انصاری کا یہ بیان درست نہیں

> "سنہ ۱۹۰۲ء میں سرشار کثرت شراب نوشی کی وجہ سے تقریباً دو ماہ علیل رہنے کے بعد انتقال کر گئے جس کی وجہ سے دبدبہ آصفی کی اشاعت بھی موقوف ہوگئی۔" (۳۲۹)

حالانکہ سرشار کی موت سے اس رسالہ کا کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ سرشار سنہ ۱۳۱۶ھ م سنہ ۱۸۹۹ء میں اس رسالہ سے علاحدہ ہوگئے تھے اور ان کے بعد بھی یہ رسالہ جلیل مانک پوری کی ادارت میں سنہ ۱۹۱۱ء تک برابر شائع ہوتا رہا۔ حیدرآباد کے مختلف کتب خانوں میں اس رسالہ کی فائلیں آج بھی موجود ہیں۔

رسالہ "دبدبہ آصفی" رمضان سنہ ۱۳۱۶ھ تک پنڈت رتن ناتھ سرشار کی ادارت میں نکلتا رہا۔ اس کے بعد سرشار ایڈیٹری کے فرائض سے سبکدوش ہوگئے۔ چنانچہ اس تعلق سے ایک اشتہار ۶ شوال سنہ ۱۳۱۶ھ م ۱۷ فروری سنہ ۱۸۹۹ء کے پرچے میں شائع ہوا تھا جس میں لکھا تھا کہ

" رسالہ ہذا کی ایڈیٹری سے چونکہ پنڈت رتن ناتھ سرشار کا تعلق مقطوع ہو گیا ہے لہٰذا اس کے کل حقوق بنام ہیرالال صاحب نشاط جاری رہیں گے ۔ اس رسالہ کا منافع مہتمم صاحب کو بطیب خاطر مہاراجہ بہادر نے عطا فرمایا ہے آئیندہ جو کوئی ایڈیٹر ہو گا اس کی اطلاع دی جائیگی ۔" (۳۳۰)

پنڈت رتن ناتھ سرشار کے اس رسالہ کے حقوق اشاعت اور منافع کے تعلق سے محترمہ ڈاکٹر حبیب ضیا یوں رقمطراز ہیں ۔

" سنہ ۱۳۱۵ھ سنہ ۱۸۹۷ء سے سنہ ۱۳۱۷ھ م سنہ ۱۸۹۹ء تک اس رسالہ کا منافع اور حقوق اشاعت رتن ناتھ سرشار کو حاصل تھے ۔ سنہ ۱۳۱۸ھ م سنہ ۱۹۰۰ء میں ہیرالال نشاط کو مہاراجہ نے تمام حقوق دے دئے تھے ۔" (۳۳۱)

لیکن یہاں محترمہ ڈاکٹر حبیب ضیا کو تسامح ہوا ہے ۔ سرشار کو اس رسالہ کے حقوق سنہ ۱۳۱۷ھ تک نہیں بلکہ رمضان سنہ ۱۳۱۶ھ تک حاصل رہے اور شوال سنہ ۱۳۱۶ھ سے ہی ہیرا لال نشاط کو اس کا منافع اور حقوق اشاعت تفویض کر دئے گئے تھے ۔

پنڈت رتن ناتھ سرشار: رتن ناتھ سرشار سنہ ۱۸۴۶ء یا سنہ ۱۸۴۷ء میں لکھنو میں پیدا ہوئے ۔ کینگ کالج لکھنو میں نویں درجے تک تعلیم پائی ۔ ضلع کھیری میں اسکول میں مدرس ہوگئے ۔ سنہ ۱۸۷۸ء میں لکھنو چلے آئے اور منشی نولکشور کے اودھ اخبار کے ایڈیٹر ہوگئے ۔ سنہ ۱۸۹۵ء میں حیدرآباد چلے گئے ۔ جہاں سر کشن پرشاد نے اپنے کلام نظم و نثر کی اصلاح کے لیے دو سو روپیہ ماہوار پر انہیں مقرر کر دیا ۔ (۳۳۲) مہاراجہ کو ان سے بے حد انس تھا ۔

ڈاکٹر زور لکھتے ہیں کہ "شاد کی شاعری کے ادبی مددگاروں میں صادق حسین غبار اور رتن ناتھ سرشار بہت مشہور ہیں ۔ سرشار حیدرآباد آکر انہیں کے ہوگئے تھے اور تادم زیست مہاراجہ کے رہین منت رہے ۔ مہاراجہ کو اردو انشا پردازی اور صحافت کا شوق انہیں کی وجہ سے پیدا ہوا ۔ خاص کر ان کے ناول تو سرشار ہی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں ۔ خود سرشار نے بھی حیدرآباد میں کئی ناول لکھے تھے ۔ لیکن ان میں سے کوئی ناول ان کے فسانہ آزاد تک نہیں پہنچ سکا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں وہ شاد کی سرپرستی میں بالکل خوش حال اور عیش پسند ہوگئے تھے اور آخر کار کثرت شراب نوشی ہی کے باعث جلد وفات پاگئے ۔" (۳۳۳)

سرشار مشہور ناول نگار زبردست جرنلسٹ اور ایک خاص طرز کے موجد تھے ۔ ان کے ناولوں میں فسانہ آزاد کے علاوہ سیر کہسار ، جام سرشار ، کامنی ، پی کہاں ، خدائی فوجدار قابل ذکر ہیں ان کا انتقال ۳۱ جنوری سنہ ۱۹۰۳ء کو حیدرآباد میں ہوا ۔ (۳۳۴)

جلیل مانک پوری: ان کا نام جلیل حسن اور تخلص جلیل تھا ۔ سنہ ۱۸۶۵ء (۳۳۵) میں قصبہ مانک پور ضلع پرتاپ گڑھ (اودھ) میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی ۔

بیس سال کی عمر میں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے شاگرد ہوئے ۔ عرصہ دراز تک امیر اللغات کے سکریٹری رہے ۔ ان کی فارسی اور اردو کی قابلیت مسلم الثبوت تھی ۔

امیر مینائی جب حیدرآباد تشریف لائے تو جلیل کو بھی اپنے ہمراہ لائے ۔ میر محبوب علی خاں بہادر نے داغ کی وفات کے بعد جلیل کو اپنا استاد منتخب کیا اور جلیل القدر کے خطاب سے سرفراز فرمایا ۔ (۳۳۶)

جلیل مانک پوری کو مہاراجہ کشن پرشاد شاد کی نہ صرف مہمان نوازی اور سرپرستی حاصل ہوئی بلکہ ان کے دو رسالے " محبوب الکلام " اور " دبدبہ آصفی " کی ترتیب کا کام بھی ان کے ہاتھ میں آگیا ۔ دبدبہ آصفی اور محبوب الکلام کے بارے میں مرتب کتاب مہاراجہ کشن پرشاد لکھتے ہیں ۔ " جلیل حسن صاحب اور اختریار جنگ مینائی کے حیدرآباد آنے کے بعد مہاراجہ کشن پرشاد نے طویل عرصہ تک ان کی سرپرستی کی ۔ اپنے اسٹیٹ سے دونوں کو معتدبہ ماہوار دیا کرتے تھے ۔ رسالہ دبدبہ آصفی و محبوب الکلام بھی ان سے متعلق کیا گیا ۔ (۳۳۷)

جلیل فن شاعری میں یکتا تھے ۔ ان کے کلام کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں ۔ ان کا انتقال سنہ ۱۹۴۶ء میں ہوا ۔

رسالہ " جام جمشید " : یہ ماہ نامہ یکم ربیع الاول سنہ ۱۳۱۸ھ سنہ ۲۹ جون ۱۹۰۰ء کو جاری ہوا ۔ اس کے مدیر حکیم محمد ابراہیم خان خلیل تھے ۔ یہ مطبع ابراہیمیہ واقع کاچیگوڑہ حیدرآباد دکن میں طبع ہوتا تھا ۔ اس کا حجم عموماً ۳۲ صفحات تھا ۔ اور سالانہ چندہ بغیر محصول ڈاک تین روپیہ متعین تھا ۔ سرورق پر یہ اشعار درج ہوتے تھے ۔

جہاں تمام مسخرز جام شاد جم را
بگیر جام کہ خواہی گرفت عالم را
پوچھتا ہے جو کوئی حال جہاں ہم سے خلیل
جام جمشید میں ہم اوس کو دکھا دیتے ہیں

اس رسالہ میں ہر ماہ علمی و ادبی مضامین ، سوانح عمریاں ، بادشاہوں کے تاریخی حالات ، مفید علمی لکچر اور ناول درج ہوتے تھے ۔ اس کے علاوہ نظمیں اور غزلیں بھی شائع کی جاتی تھیں ۔

اس رسالہ میں جن اشخاص کی سوانح عمریاں شائع کی گئیں ان میں " امام شافعی " اور " حیدر علی خاں والئی میسور " قابل ذکر ہیں ۔ یہ سوانح عمریاں اس رسالہ میں ہر ماہ قسط وار شائع ہوتی تھیں ۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے ابتدائی تین پرچے دستیاب ہوئے ہیں اس لئے ان کے تعلق سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ رسالہ کب بند ہوا ۔

قانونی رسائل: حیدرآباد کے رسائل کی تاریخ میں دو موضوعات طب اور قانون بہت اہمیت رکھتے ہیں اور امتیازی نوعیت کے حامل بھی ہیں ۔ طب کا ذکر ہو چکا ہے ۔ قانون کے سلسلے

میں یہ عرض کرنا ہے کہ عام حالات میں دیسی ریاستوں میں قانون سے متعلق رسالہ کے اجرا کا تصور بھی ممکن نہ تھا اس لیے کہ سنہ ۱۷۰۷ء کے بعد سے پورے ہندوستان میں لاقانونیت کا دور دورہ تھا۔ ایسے حالات میں حیدرآباد کا علاقہ کہاں تک محفوظ رہ سکتا تھا۔ لیکن اور علاقوں کی بہ نسبت یہاں پر بہت جلد قابو پالیا گیا۔ ذیل میں حکومت آصفیہ کے قیام کے بعد سے مختلف ادوار میں قانون اور امن عامہ کی صورت حال کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے جس سے قانونی رسائل کے اجرا کے محرکات پر بھی روشنی پڑتی ہے اور ہر عہد میں نظام حکومت اور قانون کے نفاذ کے سلسلے میں جو اقدامات کیے گئے ان کی تاریخ بھی سامنے آجاتی ہے۔ یہ تمام تفاصیل "بستان آصفیہ" (۳۳۸) اور "عدالت آصفی" (۳۳۹) سے اخذ و مرتب کی گئی ہیں۔

ریاست حیدرآباد میں انتظامیہ اور عدلیہ کی اس طرح تفریق نہ تھی جس کا تصور دور حاضر میں ہے پھر بھی عدلیہ کا ایک نظام تھا جسے کئی ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سنہ ۱۲۳۱ف سے قبل جو عدلیہ کا انتظام تھا اس نظام میں فوجداری اور دیوانی کے مقدمات میں قاضیوں سے مدد لی جاتی تھی اور جن مقدمات میں ہندو فریق ہوتے تھے اس کے فیصلے پنچایت سے ہوا کرتے تھے۔ صوبہ صاحب دیوانی مقدمات اور کوتوال خاص ناظم فوجداری تھے۔ مقدموں کی کیفیت یہ تھی کہ لوگ اپنی مرضی کے مطابق مقدمہ کا فیصلہ کروا سکتے تھے۔ مجرم اور قرضدار کسی بھی رئیس کے مکان میں پناہ لے کر قانون کے اثر سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ بستان آصفیہ (۳۴۰) کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور کا سب سے بڑا جرم قرض لینا تھا اور عام طور سے قرض کے سلسلے میں زیادہ مقدمات ہوا کرتے تھے۔ قرض خواہ مبالغہ سے قرض کی رقم بڑھا دیتا تھا اور بسا اوقات قرضہ نہ ادا کرنے والے کو اپنے جسم پر گرم لوہے کا داغ بھی سہنا پڑتا تھا اور سر پر پتھر بھی رکھنا پڑتا تھا۔ قرض خواہوں کے پاس ایسے نوکر ہوا کرتے تھے جو جبریہ قرض بھی وصول کرتے تھے اور مقروض کو نظر بند رکھتے تھے اور یہ اخراجات بھی انہی کے سر ہوتے تھے۔ اضلاع کو ڈکیتی اور چوری سے محفوظ رکھنے کی غرض سے ڈاکوؤں کے مشہور گروہ کو رقمیں دی جاتی تھیں جو فوج ڈاکوؤں کی گرفتاری کے لیے مقرر تھی وہ عملاً بیکار تھی۔ اگر کوئی ڈاکو پکڑا جاتا تو برآمد شدہ مال مسروقہ فوج والے خود لے لیا کرتے تھے۔

سنہ ۱۲۳۱ف سے سنہ ۱۲۹۴ف کے درمیان کئی اصلاحات ہوئیں۔ نواب عماد الملک نے سنہ ۱۲۳۱ف میں ایک عدالت بزرگ قائم کی۔ سنہ ۱۲۴۷ف میں مہاراجہ چندو لال نے ایک عدالت مقدمات فوجداری کے لیے قائم کی۔ کچھ اصول اور دستور العمل بنائے گئے۔ عدالتی محکموں پر جو حاکم تھے ان کو دارو غہ کہا جاتا تھا۔ ان کے پاس نالش کے جو کاغذات آتے وہ انہیں دیوان کے پاس سے لے جایا کرتا اور دیوان کے حکم سے فریقین کو آگاہ کر دیا جاتا تھا۔ سنہ ۱۲۵۶ف میں نواب سراج الملک نے بلدہ کے عدالت دیوانی کے اختیارات بڑھا دیئے اور ضلع جج مقرر کئے جو

دیوانی و فوجداری دونوں قسم کے مقدمات کی سماعت کرتے تھے ۔ اسی زمانے میں سود پر تحدید عاید کی گئی اور ستی کی ممانعت ہوئی ۔ اسی دور میں عرائض کا سررشتہ قائم ہوا ۔ جو بعد میں عدالت دیوانی خرد سے موسوم ہوا ۔ عام طور پر اس دور میں زیادہ تر معاملات دیوڑھیوں پر کار پردازوں کے ذریعے فیصل ہوجایا کرتے تھے ۔ نواب مختار الملک نے سنہ ۱۲۶۴ف میں پہلی بار عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کیا اور آزادانہ اختیارات و اقتدار کے ساتھ ایک نئی عدالت قائم کی جس کا نام "عدالت بادشاہی" رکھا گیا ۔ اس عدالت کو دیوانی و فوجداری کے جملہ اختیارات دیے گئے صرف قتل و حبس دوام کے مقدمات میں مدار المہام کی منظوری کی ضرورت ہوتی تھی ۔ لوگوں میں یہ خیال جڑ پکڑ گیا تھا کہ عدالت کا فیصلہ ماننا یا نہ ماننا فریقین کے اختیار میں ہے ۔ اس خیال کو روکنے کے لیے عدالتوں کے احکام نافذ کرنے کی سختی سے کوشش بھی کی گئی اور لوگوں کو اس سے آگاہ بھی کیا گیا اور یہ بھی اعلان کیا گیا کہ احکام کی ہمیشہ تعمیل کرائی جائے گی ۔ مختار الملک نے کوتوال بلدہ کے اختیارات کو محدود کیا اور یہ حکم نافذ کیا کہ بلا منظوری عدالت کسی قیدی کو چار دن سے زیادہ حراست میں نہیں رکھا جاسکتا ۔ ان کی فراست کی داد دینا چاہیئے کہ انہوں نے سو سال قبل اس بات کو دریافت کرلیا تھا کہ چاہے ہزار گنہگار چھوٹ جائیں مگر کسی بے گناہ کو سزا نہ ملے ۔ آج کے دور میں پولیس کسٹڈی میں ریمانڈ کا بالکل یہی طریقہ رائج ہے ۔

اسی زمانہ میں مقدمات کی خانہ بندی کی گئی ۔ طلاق، تقسیم ترکہ، اہل اسلام و مقدمات خون کے لیے "دار القضاۃ"، مقدمات متنازعت وطن داری گوسائیاں و نزاع جوشیاں وغیرہ کے لے "محکمہ گویند راؤ، علاوہ "عدالت دار القضاۃ" و "عدالت گوبند راؤ" و دیگر ہر قسم کے مقدمات دیوانی تا ایک ہزار روپیہ کے لیے "عدالت چھنی خانہ"، مقدمات زاید از ایک ہزار و جملہ مقدمات سرکار عظمت کے لیے "دیوانی بزرگ"، مقدمات زد و کوب و ضرب خفیف کے لیے "کوتوالی" ۔

عدالت کے فیصلوں کو نافذ کرنے کے لیے ایک محکمہ قائم کیا گیا جس کا نام "محکمہ اجرا" رکھا گیا ۔

سنہ ۱۲۷۵ف م سنہ ۱۸۶۴ء میں ہر ضلع میں ایک حاکم مقرر کیا گیا جس کو دیوانی و فوجداری کے اختیارات دئے گئے ۔ حدود ریذیڈنسی میں یہ اختیارات صاحب ریذیڈنٹ کو دئے گئے اور بعض امور میں ایک مشترکہ عدالت قائم کی گئی جس میں ایک عہدہ دار ریاست کا اور ایک انگریزوں کا ہوتا تھا ۔

سنہ ۱۲۸۲ف م سنہ ۱۸۷۲ء میں حکام ضلع و بلدہ کے فیصلہ جات کی مجلس کے لیے ایک مجلس مرافعہ جات قائم کی گئی جس میں ایک میر مجلس اور چار اراکین مقرر کئے گئے لیکن یہ لوگ بھی مدار المہام عدالت کے ماتحت تھے ۔

سنہ ۱۲۸۴ف میں یہ بھی طے کیا گیا کہ تجاویز کا فارسی میں لکھنا لازمی نہیں ہے ۔ اسی سال

مدار المہام نے مجلس مرافعہ کے فیصلہ جات کو قطعی قرار دیا لیکن عملاً ایسا نہیں ہوا ۔ کچھ عرصہ بعد عدالت بادشاہی موقوف کی گئی اور عدالت دیوانی کے اختیارات میں توسیع کی گئی ۔ تحریر اظہار اور ترتیب مثل کے قواعد مرتب ہوئے ، سود پر سے تحدید ہٹالی گئی ۔ پولیس پٹیل کو جزوی اختیارات دئے گئے ۔ دار القضاۃ کو مقدمات شفعہ کا اختیار دیا گیا ۔ عدالت فوجداری کو محکمہ پولیس کی اپیل سننے کا اختیار دیا گیا ۔ اس انتظام میں " عدالت دیوانی " کا نام " عدالت بزرگ " رکھا گیا ۔ اس میں ایک شاستری بھی مقرر کیا گیا جو اہل ہنود کے مقدمات کی سماعت کرتا تھا ۔ سنہ ۱۲۸۷ف میں " مجلس مرافعہ " کا نام " مجلس عالیہ عدالت " قرار پایا ۔ سنہ ۱۲۸۸ف میں کوتوال سے اختیارات لیجسلیٹیو جدا کر لئے گئے اور ناظم فوجداری کو تین سال کی قید اور پانچ سو روپیہ جرمانہ کا اختیار دیا گیا ۔ دار القضاۃ سے اختیارات فوجداری لے لیے گئے اور عدالت دیوانی کے اختیارات بڑھادئے گئے ۔ اسی اثنا میں " عدالت دیوانی بزرگ " اور " عدالت فوجداری بزرگ " کو برخاست کر کے مجلس عالیہ عدالت میں ضم کر دیا گیا اور صیغہ دیوانی و فوجداری کے لیے علیحدہ جج مقرر کئے گئے ۔ سنہ ۱۲۹۰ف میں مدار المہام عدالت محکمہ کی تخفیف عمل میں لائی گئی اور کل اختیارات " مجلس عالیہ " کو دئے گئے ۔ حکام مال سے صیغہ عدالت کے اختیارات لے لئے گئے ۔

سنہ ۱۲۹۳ف میں سالار جنگ ثانی دیوان ہوئے ۔ انہوں نے کئی اصلاحیں اور تقررات کئے ، جن میں سے کچھ اصلاحیں درج کی جاتی ہیں ۔ سنہ ۱۲۹۳ف میں ستی کی رسم کی ممانعت پر سختی سے عمل کیا جانے لگا جس پر پہلے عمل نہیں ہوتا تھا ۔ سنہ ۱۲۹۳ف میں عدالت کی زبان اردو قرار دی گئی ۔ سنہ ۱۲۹۶ف میں رشوت دینا اور دلانا جرم قرار دیا گیا ۔ سنہ ۱۲۹۷ف میں وکیلوں کو حکم ہوا کہ انگریزی زبان میں گفتگو نہ کریں ۔

سنہ ۱۲۹۹ء میں پردہ نشین خواتین کے لیے ایک خاتون کا تقرر کیا گیا ۔ سنہ ۱۳۰۱ف میں " عدالت دیوانی خرد " کا نام " عدالت دیوانی بلدہ " رکھا گیا اور لفظ " خرد " خارج ہوا ۔ سنہ ۱۳۰۷ ف میں محکمہ عدالت صوبہ دار کے اختیارات عالیہ عدالت میں ضم ہوئے ۔ سنہ ۱۳۱۵ف میں علاقہ پائیگاہ جاگیرات کی کل عدالتیں مجلس عالیہ کی ماتحت اور نگرانی میں کر دی گئیں ۔

سنہ ۱۳۱۸ف میں اکثر امرا و جاگیردار جو عدالت کی حاضری سے مستثنیٰ تھے ۔ ان کی یہ مراعت سلب کی گئی ۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک بہت بڑے عرصہ تک یعنی مختار الملک سے پہلے کے سارے دور میں باضابطہ قوانین تھے اور نہ اراضیات کی حد بندی ، کاشت کے محاصل اور فوجداری کے اصول مدون کئے گئے تھے ۔ برسوں پرانا جاگیرداری نظام اپنی بے راہ روی کے ساتھ نافذ تھا اور من مانی ہوا کرتی تھی ۔ مختار الملک کے زمانے سے جو اہم خوشگوار تبدیلیاں ہوئیں تو اس کی بھی ضرورت پیش آئی کہ عوام الناس کو اور خصوصاً اس طبقہ کو جو قانون کی تحصیل اور نفاذ سے متعلق

ہے اسے قانون سے باخبر کرایا جائے۔

لغوی معنی کے اعتبار سے لفظ قانون زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہے لیکن یہاں جو لفظ قانون استعمال کیا گیا ہے تو اس سے مراد ہے قانون نظام حکومت ۔۔۔ اس دور میں اس کا تصور بھی محال تھا کہ قانون کو بحیثیت ایک علم مدون کیا جاسکے حالانکہ شمال میں ڈپٹی نذیر احمد "تعزیرات ہند" کا ترجمہ کر چکے تھے لیکن اردو میں قانون کے مباحث اس کی تفصیلات ، گشتیاں ، فرامین (آرڈیننس) کا تصور صرف حیدرآباد میں رسائل کی شکل میں ظاہر ہوا اور یہ رسائل آیندہ چل کر ایسی شکل اختیار کر گئے کہ کسی حد تک انگریزی مں شائع ہونے والے "لارپورٹ" اور "لاجرنل پر انہیں تقدم حاصل ہو گیا۔

مراۃ القوانین والاحکام: یہ حیدرآباد دکن کا پہلا قانونی رسالہ تھا جس کو ماہ مہر سنہ ۱۲۸۷ ف م جولائی / اگست سنہ ۱۸۷۷ء سے محسن الملک نے جاری کیا تھا۔ طیب انصاری صاحب کو اس رسالے کے سن اجرا کے تعلق سے تسامح ہوا ہے نتیجے میں انہوں نے اس کا سنہ اجرا ۱۸۶۶ء لکھا (۳۴۱) جو درست نہیں ہے۔ انہوں نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ طبی رسالہ کے بعد جو دوسرا رسالہ جاری ہوا وہ قانون سے متعلق تھا۔ (۳۴۲) حالانکہ صحیح یہ ہے کہ طبی رسالہ کے بعد جو دوسرا رسالہ جاری ہوا وہ قانونی رسالہ نہیں بلکہ علمی و ادبی رسالہ "مخزن الفوائد" تھا۔ یہ رسالہ مرزا زین العابدین شیرازی کے زیر اہتمام ابتداً میں دار الطبع سرکار عالی میں طبع ہوتا تھا۔ ماہ دے سنہ ۱۲۸۷ ف سے مطبع محبوب شاہی واقع افضل گنج میں طبع ہونے لگا۔ اس رسالہ کا حجم عموماً ۷۶ تا ۹۴ صفحات تھا۔

اس رسالہ میں جملہ گشتیات و قوانین جو وقتاً فوقتاً نافذ ہوتے تھے شائع کئے جاتے تھے۔ چونکہ مولوی مہدی علی صاحب خود ایک ماہر قانون تھے اس لیے وہ تمام گشتیات دستور العمل و قوانین وغیرہ کو وضاحت اور تشریح کے ساتھ شائع کرتے تھے جیسے دستور العمل زمین افتادہ (۱) زمین افتادہ کی تعریف ، اوس کی قسمیں اور دھارہ کی تفصیل (۲) نتن کا بیان (۳) مدت قول ۔ قول دینے سے پہلے زمین کے افتادہ ہونے کی تصدیق پٹواریوں سے کرنے کا بیان (۴) زمین افتادہ شکمی کا قول قابض کو اور اگر وہ راضی نہ ہو تو جو شخص درخواست کرے اوس کے دینے کا بیان وغیرہ اور ان تمام بیانات کی تشریح ۔ اسی طرح دستور العمل زمین بنجر ، دستور العمل پٹیل و پٹواریان ، دستور العمل تحصیلداران ، دستور العمل دیہات ویران و بے چراغ ، دستور العمل تعلقداران اول ، دستور العمل سررشتہ تعمیرات عامہ ، دستور العمل انتظام مالگزاری ، دستور العمل کروڑ گیری ، دستور العمل انعامات ، دستور العمل ہراج افیون و گانجہ ، دستور العمل ہراج ، دستور العمل اوزان ، قانون اجارہ خلاصہ گشتیات وغیرہ ۔ اس کے علاوہ اضلاع بمبئی برار کے انتظام کا حال ، صوبہ بمبئی اور مدراس کی پیمائش کا بیان ، صوبہ دکن کی پیمائش کا بیان وغیرہ تفصیلی درج ہوتے

تھے۔

نمونہ عبارت

اراضی کی ملکیت میں اول بحث یہ ہے کہ سلطان وقت مالک ہے یا زمیندار اور اس میں رائے اور عمل دونوں مختلف ہیں بعضے یہ قبول کرتے ہیں کہ ملکیت اراضی بجانب پادشاہ ہے اور کاشتکار کو صرف حق قبضہ داری بشرط ادائے مالگزاری حاصل ہے اور ایسا ہی عمل درآمد بھی رکھتے ہیں اور بعضے ایسا کہتے ہیں کہ ملکیت اراضی اوسی کی ہے جو اوس کی کاشت کرتا ہے اور رب الارض یا زمیندار کہلاتا ہے اور اون کا عمل درآمد بھی ایسا ہی ہے کہ مالک زمین زمیندار کو سمجھتے ہیں اور پادشاہ کو صرف پیداوار میں سے ایک حصہ معین پانے کا مستحق جانتے ہیں اور ایسا ہی عمل درآمد کرتے ہیں۔" (۳۴۳)

مولوی سید مہدی علی: مولوی سید مہدی علی سنہ ۱۸۳۷ء میں اماوہ کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کر کے کلکٹری میں بحیثیت محرر، مامور ہوئے۔ رفتہ رفتہ اہل مدی (سنہ ۱۸۵۷ء) اور پھر سر رشتہ داری کے مدارج طے کرتے ہوئے سنہ ۱۸۶۱ء میں تحصیلدار ہوگئے۔ سنہ ۱۸۶۷ء میں مرزاپور کے ڈپٹی کلکٹر بنے۔ سنہ ۱۸۷۴ء میں نواب سر سالار جنگ اول نے ان کی شہرت سن کر حیدرآباد طلب کیا اور یہاں انسپکٹر جنرل مال مقرر کیا۔ پھر بہت جلد محکمہ پیمائش و بندوبست کے کمشنر بنائے گئے۔ سنہ ۱۲۹۳ھ میں سر سالار جنگ نے ان کو اپنا سکریٹری صیغہ مال مقرر کیا پھر سنہ ۱۳۰۱ھ میں فینانشیل اور پولیٹیکل سکریٹری بنائے گئے۔ سنہ ۱۳۰۴ھ میں بتقریب جشن نوروز "محسن الدولہ محسن الملک" کا خطاب عطا ہوا۔

محسن الملک حیدرآباد سے سنہ ۱۳۱۱ھ میں پنشن لے کر علی گڑھ چلے گئے۔ (۳۴۴)

مولوی مہدی علی صاحب کو لکھنے پڑھنے کا شوق ابتدا ہی سے تھا چنانچہ قانون کی دو کتابیں لکھیں جو عام طور سے پسند کی گئیں۔

رسالہ "مقنن دکن": یہ قانونی ماہ نامہ آذر سنہ ۱۲۹۵ھ م اکتوبر سنہ ۱۸۸۵ء میں زیر اہتمام مولوی محمد علی صاحب شائع ہوا۔ جناب طیب انصاری کو اس رسالہ کے سن اجرا کے تعلق سے تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے اس کا سن اجرا ۱۸۸۶ء (۳۴۵) لکھا جو درست نہیں ہے۔ اس رسالہ کے مینیجر سید محمد یوسف علی تھے۔ یہ رسالہ مطبع مقنن دکن واقع چنچل گوڑہ حیدرآباد دکن میں طبع ہو کر ہر ماہ الہی کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ اس کی سالانہ قیمت پندرہ روپیہ تھی اور ماہانہ ایک روپیہ آٹھ آنہ۔ اس کا حجم عموماً ۸۸ تا ۱۲۴ صفحات تھا۔

رسالہ مقنن دکن پانچ حصوں میں منقسم تھا۔ حصہ اول میں عمدہ اور مفید قانونی لکچر، قانونی مباحث، اصول قانون اور انگریزی کے قانونی مضامین کے ترجمے درج ہوتے تھے۔ جیسے لکچر فوجداری تعزیری سرکاری ملازم کا مال کے لینے میں تعرض کرنا، نیلام میں مزاحمت کرنا، نیلام میں

بعض حالتوں میں مال خرید نایااوس پر بولی بولنا جرم ہے وغیرہ۔

حصہ دوم میں خلاصہ نظائر پریوی کونسل وہائیکورٹ کلکتہ، مدراس، بمبئی، الہ آباد و حسب مندرجہ انڈین لارپورٹ جیسے ازالہ حیثیت عرفی، نالش بہ صیغہ مفلسی وغیرہ۔ حصہ سوم میں فیصلہ جات مجلس عالیہ عدالت حیدرآباد دکن خلاصہ بطرز رپورٹ، جیسے فہرست مقدمات پریوی کونسل، صیغہ اپیل دیوانی، اپیل بناراضی ڈگری، صیغہ ابتدائی دیوانی، فہرست مقدمات فیصلہ مرافعہ دیوانی، صیغہ دیوانی مرافعہ متفرقہ وغیرہ۔ حصہ چہارم میں ایکٹ و قواعد سرکار و مسودات قانون معہ وجوہ منشاو اپیل کونسل و اصنعان قانون برٹش گورنمنٹ اور سرکار عالی کے مسودات قانون معہ ضروری نکتہ چینی کے۔

جیسے۔ ایکٹ نمبر ۱۴ سنہ ۱۸۹۱ء۔ درباب ترمیم ترکیب عدالت صاحب جوڈیشنل کمشنر اودھ و تبدیل قانون اپیل ثانی و دیگر امور۔

مسودہ ایکٹ نمبر ۱۰ سنہ ۱۸۹۱ء۔ درباب ازدواج اہالیان دین مسیحی مجریہ ہند سنہ ۱۸۷۲ء۔ وغیرہ۔

حصہ پنجم میں دستور العمل و قوانین و گشتیات سرکار عالی نظام گورنمنٹ عدالت و کوتوالی و مال سے متعلق درج کیے جاتے تھے جیسے حکم معتمد مالگزاری مورخہ ۲۹ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۹ھ گشتی نشان ۲۶۔ حکم مدار المہام سرکار عالی علاقہ ہوم ڈپارٹمنٹ صیغہ عدالت۔ مورخہ ۳۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۹ھ۔ حکم مجلس عالیہ عدالت مورخہ ۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۹ھ گشتی نشان نمبر، وغیرہ درج ہوتے تھے۔

رسالہ مقنن دکن کی یہ ایک خصوصیت تھی کہ اس میں مندرجہ بالا مضامین اس ترتیب سے درج ہوتے تھے کہ سال کے آخر پر ہر ایک ہائیکورٹ کے سال بھر کے نظائر کی ایک علحدہ اور مکمل کتاب بن سکتی تھی۔

دور حاضر میں "آل انڈیا رپورٹر" اور "آل انڈیا لا جرنل" کا رواج ہے۔ اردو میں اس طرح کی کوشش عہد آفریں کہی جا سکتی ہے۔ وہ بھی انیسویں صدی کے اواخر میں۔

حیدرآباد کے مختلف کتب خانوں میں اس رسالہ کا ماہ مہر سنہ ۱۳۰۱ف / سنہ ۱۳۱۴ف تک کا شمارہ راقم الحروف کی نظر سے گزرا ہے اس کے بعد کا کوئی شمارہ دستیاب نہ ہو سکا۔

نمونہ عبارت

دستور، عورت پردہ نشین، اصالتاً حاضری عدالت

"اگرچہ مجموعہ ضابطہ فوجداری میں کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس سے عورت پردہ نشین حاضری عدالت انصاف سے محفوظ ہوں لیکن یہ نہایت خلاف مصلحت ہے کہ ایسے اشخاص کو حاضری پر مجبور کیا جائے۔

یہ ایک عام اصول تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ عورت پردہ نشین جن کی شہادت مقدمات

فوجداری میں مطلوب ہو نو عدالتوں کو اس امر پر مجبور کر سکیں کا اونکے اظہار کسی اور مقام پر
علاوہ خاص مکان عدالت کے لیے جائیں حوالہ مقدمات بمعاملہ درخواست دیں تارنی دیبی (۳۴۶)
و بمعاملہ فرید انسا (۳۴۷) کا دیا گیا۔

ایک مقدمہ میں لینا شہادت ایک عورت پردہ نشین کا مجسٹریٹ نے ضروری سمجھا اور
اوس عورت نے نسبت حاضری عدالت کے عذر کیا ہائی کورٹ مجسٹریٹ کو یہ ہدایت کی کہ ایسا
انتظام کرے کہ مسماۃ کی شہادت یا تو کسی خالی کمرہ عدالت میں خود اپنے اور ملزم کے اور وکیل
مستغیث کے روبرو لے یا اگر عدالت کا کوئی خالی کمرہ موجود نہ ہو تو خود اپنے کمرہ علحدہ یا کسی اور
کمرہ میں جو عدالت کے مکان میں ہوئے۔" **مخزن القوانین**: یہ ماہنامہ حسب الحکم
سررشتہ انتظامی مجلس عالیہ عدالت ماہ آذر ۱۳۰۱ف میں حیدرآباد سے جاری ہوا۔ مانک راؤ وٹھل
راؤ نے اس رسالہ کے سن اجرا کے تعین میں غلطی کی ہے۔ انہوں نے اس کا سنہ اجرا ۱۲۹۵ف لکھا
ہے جو درست نہیں ہے۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر رائے حکم چند ایم۔ اے تھے۔ یہ رسالہ سید برہان
الدین احمد صاحب وکیل درجہ اول ہائیکورٹ سرکار عالی کے زیر اہتمام مطبع برہانیہ متعلقہ مجلس
عالیہ عدالت سرکار عالی میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا حجم عموماً ۹۶ صفحات تھا اور اس کا سلانہ چندہ پچیس
روپیہ (پیشگی) تھا۔

اس رسالہ کے اجرا اور مقاصد کے تعلق سے معتمد سررشتہ انتظامی مجلس عالیہ عدالت
جناب باقر حسن صاحب لکھتے ہیں۔

> "چونکہ یہ امر قرین مصلحت ہے کہ حسب الحکم مجلس عالیہ عدالت ماہانہ ایک
> رسالہ شائع ہوا کرے جس میں عدالتی احکامات اور فیصلہ جات مجلس عالیہ
> عدالت کے علاوہ نظائر ہائیکورٹ ہائے ہندوستان بھی طبع ہوا کریں لہذا من
> ابتدائے آذر ۱۳۰۱ف سے ہر ماہ الہی کی دسویں کو ایک رسالہ شائع ہوا کرے
> گا جس کا نام مخزن القوانین ہوگا۔" (۳۴۸)

یہ رسالہ تین حصوں میں منقسم تھا۔
(۱) حصہ اول میں کل فیصلہ جات مجلس عالیہ عدالت منظورہ مجلس انتظامی شائع کئے جاتے تھے۔
(۲) حصہ دوم میں احکام و گشتیاں مصدرہ مجلس عالیہ عدالت و دیگر احکام سرکار متعلقہ عدالت
درج ہوتے تھے۔
(۳) حصہ سوم میں کامل فیصلہ جات مندرجہ انڈین لار پورٹس طبع کیے جاتے تھے۔ اس رسالہ کے
سنہ ۱۳۰۵ف کے چیدہ چیدہ شمارے اردو ریسرچ سنٹر کے کتب خانے میں دستیاب ہوئے ہیں۔
ویسے مانگ راؤ وٹھل راؤ نے لکھا ہیکہ سنہ ۱۳۰۶ف (۳۴۹) میں اس رسالہ کی اشاعت موقوف
ہو گئی۔

آئین دکن: یہ ماہوار قانونی رسالہ ماہ آذر سنہ ۱۳۰۲ف م اکتوبر / نومبر سنہ ۱۸۹۲ء سے بہ منظوری مجلس عدالت ممالک محروسہ سرکار عالی اورنگ آباد سے شائع ہونے لگا۔ اس کے مالک وایڈیٹر مولوی فدا حسین خاں وکیل درجہ اول تھے۔ یہ رسالہ ابتدا میں مطبع آئین دکن اورنگ آباد میں طبع ہوتا تھا مگر جب مولوی فدا حسین خان سنہ ۱۸۹۳ء میں اورنگ آباد سے شہر حیدرآباد چلے آئے تو یہ رسالہ ان کے ذاتی "مطبع آئین دکن" حیدرآباد میں طبع ہونے لگا۔ اس رسالہ کا حجم عموماً ۸۰ تا ۱۳۰ صفحات تھا اور اس کا سالانہ چندہ بلا محصول ڈاک چھ روپیہ تھا۔

یہ رسالہ تین حصوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ حصہ اول میں فیصلہ جات مجلس عالیہ متعلق دیوانی و فوجداری شائع ہوتے تھے۔ حصہ دوم میں سرکاری احکامات، گشتیات، قرار دادیں متعلقہ صیغہ عدالت و کوتوالی درج ہوتے تھے۔ حصہ سوم میں سرکاری احکام و گشتیات متعلقہ صیغہ مال و انعام وغیرہ شائع کیے جاتے تھے۔

یہ رسالہ ریاست حیدرآباد کے آئین و قوانین کا اہم ماخذ خیال کیا جاتا تھا۔ حیدرآباد کے وکیلوں کو حیدرآباد ہائی کورٹ کے فیصلوں کی فراہمی میں بڑی دشواری رہتی تھی جو اس رسالہ کی وجہ سے دور ہوگئی تھی اور اس کی جلدیں قوانین دکن کے حوالے کا کام دیتی تھیں۔ وکلا اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور طبقہ وکلا میں یہ کافی مشہور و مقبول تھا۔

یہ رسالہ سنہ ۱۹۰۸ء کے بعد سے بشیر الدین خاں کی ادارت میں نکلنے لگا پھر عنایت حسین خاں کی ادارت میں شائع ہونے لگا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۱۵ء میں اس کی ادارت انبا داس راؤ وکیل ہائیکورٹ نے سنبھالی اس زمانہ میں اس رسالہ کے مواد اور ہیئت میں کافی تبدیلی ہوئی چنانچہ مقامی عدالت العالیہ کے فیصلوں کے علاوہ جوڈیشنل کمیٹی اور برٹش انڈیا کی عدالتوں کے فیصلوں کی رپورٹنگ بھی ہونے لگی۔ اس کے علاوہ حیدرآباد کے وکلا کے تحریر کردہ قانونی مضامین بھی شائع ہونے لگے۔ یہ رسالہ سنہ ۱۹۳۰ء میں بند ہوگیا۔

مولوی فدا حسین: ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم صدر جمہوریہ ہند کے والد مولوی فدا حسین خاں قائم گنج کے رہنے والے تھے اور یہیں تعلیم حاصل کرنے کے بعد سنہ ۱۸۸۸ء میں حیدرآباد تشریف لائے۔ انہیں ابتدا ہی سے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ چنانچہ حیدرآباد میں کاروبار کرنے کے ساتھ پڑوس میں ایک وکیل کے پاس سے کتابیں لے کر پڑھنا شروع کیں۔ یہ کتابیں قانونی تھیں دوستوں کے مشوروں پر وکالت کا امتحان دیا اور درجہ اول میں کامیابی حاصل کی اور پیشہ وکالت اختیار کیا۔ مگر بجائے حیدرآباد کے اورنگ آباد میں وکالت شروع کی اور نہایت دیانت داری اور مشقت سے کام کیا جس کی وجہ سے چند سال میں ان کی وکالت چمک گئی۔ چند سال میں ان کا شمار حیدرآباد کے نامی وکلا میں ہونے لگا۔ انہوں نے بیگم بازار (حیدرآباد) میں اپنا ذاتی مکان بنوایا جس میں اوپر کی منزل پر خود رہتے تھے اور نچلی منزل میں ایک مطبع "مطبع آئین دکن" کے نام

سے قائم کیا جس میں رسالہ آئین دکن کے علاوہ دوسری قانونی کتابیں بھی طبع ہوتی تھیں۔

مولوی فدا حسین نے رسالہ آئین دکن کے علاوہ قانونی مسائل پر بیس سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں "مجموعہ ضابطہ فوجداری مع شرح" "مجموعہ فیصلہ جات مجلس عالیہ عدالت" "شرح ضابطہ فوجداری" "مجموعہ ضابطہ دیوانی علاقہ سرکار عالی مع شرح اور "قانون رجسٹری" قابل ذکر ہیں۔

سنہ ۱۹۰۷ء میں مولوی فدا حسین بیمار ہو کر واپس قائم گنج چلے گئے جہاں سنہ ۱۹۱۰ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ (۳۵۰)

گلدستے:

رسائل ہی کی ایک قسم گلدستے بھی ہیں۔ سنہ ۱۸۵۵ء سے سنہ ۱۹۰۰ء تک کا دور صحیح معنوں میں گلدستوں کا دور قرار دیا جاسکتا ہے اس لیے کہ بیسویں صدی کے آغاز کے بعد سے گلدستوں کا رواج کم ہوگیا۔ ان گلدستوں کے مرتبین میں تذکرہ "یادگار ضیغم" کے عبداللہ خان بھی شامل ہیں اور فصاحت جنگ جلیل بھی۔۔۔ ان میں سے بیشتر گلدستے تو ایسے ہیں جن کی نوعیت درباری ہے لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جن میں قافیہ پیمائی کے علاوہ ایسا کلام بھی مل جاتا ہے جو بعض اہم شعرا کے کلیات و دواوین کی تدوین میں ممد و معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

ایشائی مزاج یہ رہا ہے کہ اہل ذوق اپنی پسند کے اشعار جمع کرتے تھے اور انہیں فرصت کے اوقات میں پڑھتے بھی تھے اور اس سے استفادہ بھی کرتے تھے۔ اس رجحان نے ہمارے یہاں بیاضوں، تذکروں اور شعری انتخاب کی شکل اختیار کر لی چنانچہ چاہے وہ میر صاحب ہوں یا لچھمی نارائن شفیق شمال سے لے کر جنوب تک اس رجحان کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ یہی رجحان گلدستوں کی شکل میں بھی ظاہر ہوا جن میں مختلف شعرا کا کلام ہوتا تھا۔ ان گلدستوں کی اشاعت کا اہتمام رسائل بھی کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی اداروں یا انجمنوں یا اشخاص کی طرف سے ایسے گلدستے شائع ہوتے تھے۔ گلدستوں میں اشعار کا انتخاب مختلف بنیادوں پر ہوتا تھا۔ یہ بنیاد کسی مخصوص مشاعرہ کے شعرا سے متعلق ہوتی تھی اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ کوئی خاص زمین منتخب کرکے اس زمین میں جتنے شعرا کی غزلیں ملتیں انہیں اکٹھا کر لیا کرتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی مخصوص موقعہ پر جشن یا تقریب کے اشعار گلدستے کی شکل میں پیش کیے جاتے تھے۔ ایک صورت یہ بھی تھی کہ کوئی مذہبی تقریب ہوتی مثلاً بارہ ربیع الاول وغیرہ، اس تاریخ کی رعایت سے شعرا کا کلام اکٹھا کر لیا جاتا تھا۔ بعض مقامات پر مذہبی خوش عقیدگی، بزرگان دین سے وابستگی کی بنا پر عرس کی یا میلہ کی شکل اختیار کر لیتی تھی ایسے مواقعہ پر اس محترم شخصیت کی یاد میں منتخب کلام گلدستے کی شکل میں پیش کیا جاتا تھا۔ اکثر اصناف کے اعتبار سے بھی گلدستے شائع کیے گئے ہیں اور ان اصناف میں سلام اور قصیدہ اہم ہیں چنانچہ منتخب سلاموں یا مسالموں کی روداد یا قصائد کا انتخاب بھی گلدستے کے ذریعے پیش کیا جاتا تھا۔

قطب شاہی دور سے لے کر آصف جاہی دور تک یہاں کے مخصوص جاگیردارانہ نظام میں شعر و شاعری کا چرچا عروج پر رہا۔ انیسویں صدی میں جب ذرائع ابلاغ اور نشر و اشاعت کے وسائل کا جدید تر تصور عملی شکل اختیار کرنے لگا اور رسائل نکلنے لگے تو شعر و شاعری کو ایک نیا

پلیٹ فارم بھی ملا۔ اس سے پہلے شعرا کا کلام تین صورتوں میں عوام تک پہنچتا تھا۔ پہلی صورت مشاعروں اور نشستوں کی تھی۔ یہ مشاعرے اور نشستیں اکثر محدود پیمانے پر ہوا کرتی تھیں یعنی شاہی دربار میں یا امرا کے ایوانوں میں، جہاں عام آدمیوں کا پہنچنا مشکل تھا۔ دوسری صورت طوائفوں اور قوالوں کے ذریعے جہاں نسبتاً زیادہ لوگ اکٹھا ہوتے تھے "تماش بینی" اور سم اور تال کے شوقین طوائف کی بزم میں اور "حال وقال" سے دلچسپی رکھنے والے قوالی و سماع کی محفلوں میں پہنچ جاتے تھے۔ "صلائے عام" کا پہلو اس دوسری منزل میں بھی نہ تھا۔ تیسرا پہلو مذہبی تقاریب اور محافل کا تھا جہاں زیادہ تر خوش لحن حضرات شعرا کا کلام پڑھتے تھے اور کبھی کبھی شاعر خود اپنا کلام پیش کرتا تھا۔

اٹھارویں صدی کے نصف سے شعرا کے کلام کو عوام تک پہنچانے کا ایک اور طریقہ جو منظرِ عام پر آیا وہ گلدستوں کی اشاعت کا تھا۔ گلدستوں کی اہمیت کے پیش نظر ذیل کی سطور میں مملکت آصفیہ حیدرآباد میں گلدستوں کی اشاعت کا تاریخی، تہذیبی اور ادبی پس منظر حوالہ قلم کیا جاتا ہے۔

غدر کے بعد حیدرآباد اور رامپور دو ایسی ریاستیں رہ گئی تھیں جہاں کا تہذیبی ماحول اور جہاں کے حکمران اردو کے اہل کمال کے لیے ملجا و ماویٰ کی حیثیت رکھتے تھے۔ لکھنو اپنی چمک دمک کھو بیٹھا تھا اور کلکتہ کے مٹیا برج میں لکھنو کے پس ماندگان پرورش پا رہے تھے لیکن خاطر خواہ سرپرستی نہ ہونے کے سبب نظم طباطبائی جیسے جوہر وہاں سے نکل کر حیدرآباد کا رخ کر رہے تھے۔ حیدرآباد میں صرف شاہی قدردانی ہی نہیں تھی بلکہ امرا و روسا بھی شعر و سخن کے دلدادہ تھے اور ان میں بعض خود بھی شاعر تھے۔ عوام میں بھی یہ ذوق سرایت کر چکا تھا۔ قول فیصل یہ ہے کہ عام لوگ بادشاہوں کی تقلید کرتے تھے چنانچہ الناس علی دین الملوک کے مطابق ہر صنف میں اور ہر رنگ میں شعرا طبع آزمائی کرنے لگے تھے۔ حسن اتفاق یہ کہ سرسالار جنگ کے تدبر فراست و حسن انتظام اور کارکردگی نے معاشرہ کو استحکام بخشا تھا اور وہ خود بھی فنون لطیفہ کے قدردان تھے (اور شعرا کی سرپرستی کیا کرتے تھے) چندو لال شاداں کا دور ختم ہو چکا تھا مگر ان کے زمانے میں جو قدردانی تھی اس کی روایت باقی رہ گئی تھی اور صرف دلی کی گلیوں کو چھوڑ کر نہیں بلکہ لکھنو اور رامپور کے کوچے بھی ترک کر کے لوگ حیدرآباد آ رہے تھے۔

نواب میر محبوب علی خان آصف جاہ سادس نے اپنی طفولیت کا زمانہ ایک طرح سے مختار الملک کی سرپرستی میں گزارا مگر جب عنان اقتدار اپنے ہاتھوں میں لی تو اپنے دور کے طرز زندگی کے مطابق اور اولوالعزم جاگیرداروں کی روایت کی پاسداری کرتے ہوئے انہوں نے شعر و سخن کو بھی نوازا۔ وہ خود فارسی اور اردو کے ایک اچھے شاعر تھے اور آصف تخلص کرتے تھے۔

اس زمانے میں کشور ہند میں داغ کی شاعری کا سکہ رواں تھا۔ ارباب نشاط کی مترنم آواز

داغ کی غزلوں کو ایک خاص انداز سے پڑھا کرتی تھی ۔ لطف زبان، شوخی اور جنسیت یہ وہ تین پہلو تھے جن کی وجہ سے داغ کی شاعری کا چرچا گھر گھر تھا۔ چنانچہ آصف جاہ سادس نے داغ کو بلوایا اور خود شاگرد ہوئے اور "مقرب السلطان بلبل ہندوستان جہاں استاد ناظم یار جنگ دبیر الدولہ فصیح الملک " کے القاب سے سرفراز فرمایا ۔ ظاہر ہے کہ حیدر آباد کے مخصوص ادبی تناظر میں ملکی اور غیر ملکی کا تصور برقرار تھا چنانچہ مقامی شعرا سے داغ کی چشمکیں بھی رہتی تھیں جس کا ذکر کیا جا چکا ہے ۔

ایسی ادبی چشمکیں جب شروع ہوتی ہیں تو شعر و شاعری کے ذوق کو اور جلا ملتی ہے اور شوق پروان چڑھتا ہے اور ذرائع ابلاغ موجود ہوتے ہیں تو پھر رسائل و جرائد کی بھی پذیرائی ہوتی ہے چنانچہ شعر و سخن کا مذاق عام ہونے کی وجہ سے گلدستے بھی وجود میں آئے ۔

" گلدستہ فیض ": میر شمس الدین فیض افضل الدولہ کے عہد کے ایک نامور شاعر اور استاد سخن اور اپنے وقت کے بہت بڑے صوفی بھی تھے ۔ ان کا حلقہ ارادت نہایت وسیع تھا ۔ انہوں نے ۱۴ رجب سنہ ۱۲۸۳ھ (۳۵۱)م ۶۷ - ۱۸۶۶ء میں انتقال کیا ۔ فیض کے خاص شاگرد محمد فیاض الدین خان بہادر المخاطب مشرف جنگ فیاض ہر سال اپنے استاد کی مزار پر ان کی تاریخ وفات کے دن بڑے اہتمام کے ساتھ مراسم عرس ادا کرتے تھے اور اس موقع پر اعلیٰ پیمانہ پر ایک طرحی مشاعرہ کا انعقاد بھی عمل میں آتا تھا جس میں شہزادے، امراو وزرا کے علاوہ کثیر تعداد میں مقامی و بیرونی شعرا بھی شریک ہوتے تھے ۔ جو شعرا اس مشاعرے میں کسی وجہ سے شرکت نہیں کر سکتے تھے وہ اپنا کلام روانہ کر دیا کرتے تھے ۔ مشرف جنگ فیاض ان تمام غزلوں کو اکٹھا کر کے ایک گلدستے کی شکل میں شائع کرتے تھے جس کو وہ "گلدستہ فیض" کے نام سے طبع کرواتے تھے ۔ (۳۵۲)

ان مشاعروں میں نواب آصف یاور الملک وزیر مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد کے علاوہ فیض کے شاگرد پابندی سے شریک ہوتے تھے اور بیرونی شعرا میں علی حیدر نظم طباطبائی، حبیب کنتوری، شیفتہ کنتوری، فصاحت جنگ جلیل، اختر یار جنگ اختر، ظہیر دہلوی، خورشید عالم خورشید، سراج الدین سائل دہلوی وغیرہ شریک مشاعرہ ہوتے تھے ۔

یہ مشاعرہ حضرت فیض کے سال وفات (سنہ ۱۲۸۳ھ) سے حضرت فیاض کے انتقال (سنہ ۱۳۲۸ھ) تک بہسال نہایت آب و تاب سے منعقد ہوتا رہا ۔ (۳۵۳)

اس مشاعرے کے تعلق سے ایک اشتہار رسالہ "دبدبہ آصفی" میں شائع ہوا جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے ۔

"اعلان مشاعرہ"

"حسب معمول ۱۴ رجب سنہ حال (سنہ ۱۳۲۲ھ) کو مشاعرہ بہ تقریب عرس مزار شریف

پر حضرت فیض رحمتہ اللہ علیہ کے (بیرون لال دروازہ حیدرآباد دکن) دن کے گیارہ بجے سے شروع ہوتا ہے جو حضرات مشاعرہ میں تشریف نہ لاسکیں اپنا کلام مع نام و نشان بخط واضح محمد فیاض الدین خان صاحب المخاطب نواب مشرف جنگ بہادر مددگار معتمد صرف خاص و پیشی کے پاس روانہ فرمائیں تاکہ شریک گلدستہ ہو۔"

مصرعہ ہائے طرح

فارسی	دل از فیض جناب فیض شاد است	قافیہ "یاد"
اردو	بیساختہ اک آہ نکلتی ہے جگر سے	قافیہ "سر"

المشتہر مہتمم مشاعرہ (۳۵۴)

گلدستہ فیض مطبع فخر نظامی میں عموماً ۹۴ تا ۱۴۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ یہ گلدستہ شعرا اور احباب میں مفت تقسیم کیا جاتا تھا۔

اس گلدستہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

صاف اے کاغذ ہو ذکر باصفائے فیض ہے
سر جھکادے اے قلم لوح و ثنائے فیض ہے

گلدستہ فیض میں مقامی اور بیرونی شعرا کا اردو اور فارسی طرحی کلام شائع ہوتا تھا۔ اس گلدستہ میں حضرت فیض کے جن شاگردوں کا کلام بکثرت شائع ہوا ہے ان میں قاضی احمد علی شاہ قاضی، محمد عبداللہ مغربی عجب، محمد حفیظ الدین پاس، سدانند جوگی، بہاری لال رمز، سیتل پرشاد خرم اور راز قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ عموماً داغ دہلوی، شیفتہ کنتوری اور نوازش علی لمعہ کے اکثر شاگردوں کا کلام بھی شریک گلدستہ ہوتا تھا۔

راقم الحروف کو اس گلدستہ کے چیدہ چیدہ پرچے دستیاب ہوئے ہیں ان میں آخری گلدستہ سنہ ۱۳۲۶ھ کا ہے جس میں اردو اور فارسی میں طرح کے یہ مصرعے ملتے ہیں۔

فارسی ---- بکن فیض نگاہ خویش را محو خیال من

اردو ---- فصل گل آئی گھٹا چھائی ہے

نواب فیاض الدین خان مشرف جنگ فیاض: نواب فیاض الدین خان سنہ ۱۲۵۰ھ میں حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد قائم الدین خان تھا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ دار العلوم میں پائی (۳۵۵) عربی اور فارسی کی تعلیم میر شمس الدین فیض سے حاصل کی۔ تحصیل علوم کے بعد شعر و سخن سے دلچسپی لینے لگے چنانچہ اس تعلق سے عبدالجبار خان ملکاپوری لکھتے ہیں کہ "کتب درسیہ کے فارغ ہونے کے بعد آپ کو شعر گوئی و سخن سنجی کا شوق دل میں پیدا ہوا۔ آپ کی طبیعت میں موزونیت خداداد تھی ------ ہم عصروں میں آپ کی ذہانت و فطانت مسلم الثبوت تھی۔ آپ نے زور فطرت سے شعر کہنا شروع کیا۔ جناب فیض کی خدمت میں اصلاح

لیتے رہے اور چند سال تک مشق کا سلسلہ جاری رہا استاد کی فیض صحبت اور توجہ کی برکت سے آپ کا کلام شستہ و پختہ ہو گیا رفتہ رفتہ آپ درجہ استادی کو پہنچے اکثر شائقین آپ کی خدمت میں مستفید ہوتے تھے۔ (۲۵۶)

نواب فیاض الدین خان، صاحب دیوان شاعر تھے اور فیاض تخلص فرماتے تھے۔ شاعری کے علاوہ انہوں نے کئی علمی و ادبی کتابیں بھی تصنیف کیں جیسے کنزالظرائف، عمر خیام کی رباعیات اور ایک لغت، قواعد کلیہ، عزائب حسابی، قطاع اور تشریح المساحت وغیرہ۔

فیاض کا انتقال ۱۳۲۸ ھجری میں ہوا۔

گلدستہ "گل کدہ مشتاق": یہ ماہانہ گلدستہ ۱۵ جون ۱۸۸۳ء کو محلہ مغل پورہ حیدرآباد دکن سے شائع ہونا شروع ہوا۔ اس کے مالک مشتاق احمد صاحب تھے۔ یہ سولہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا اس کا سالانہ چندہ تین روپیہ بارہ آنہ تھا۔ (۳۵۷)

مذاق سخن: یہ ماہانہ گلدستہ تھا جو ۱۵ ستمبر ۱۸۸۳ کو مطبع علوم و فنون حیدرآباد دکن میں طبع ہو کر شائع ہوا۔ اس کے مالک و مہتمم منشی مشتاق احمد تھے۔ یہ رسالہ ہر مہینہ کی پندرہ تاریخ کو ۲۸ تا ۴۴ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ اس کی سالانہ قیمت پیشگی معہ محصول ڈاک تین روپیہ چھ آنہ تھی۔

اس گلدستہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

میرے گلزار کا ہر پھول گل جنت ہے
چشم انصاف سے دیکھیں جو طبیعت والے

"مذاق سخن" میں مقامی و بیرونی شعرا کا طرحی و غیر طرحی اردو اور فارسی کلام چھپتا تھا۔ اس کے علاوہ اس میں مدحیہ قصائد، نیچرل شاعری، ادبی مضامین، لطیفے، مختلف شعرا کے منتخب اشعار اور "زمزمہ روحانی" کے نام سے دلچسپ و پر تاثیر انگریزی ناول کا ترجمہ پیش کیا جاتا تھا۔ ترجمہ کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

"شبنم گر رہی تھی تھوڑی دیر بعد لائنل نے مجھ سے کہا کہ اس وقت دیر تک زیر آسمان رہنا مضر صحت ہے لہذا ہم اندر واپس آئے خادمہ نے کھڑکیاں میرے آنے کے بعد بند کر دیں اور وہ کبھی نہ بھولا جانے والا دن ختم ہوا۔" (۳۵۸)

اس رسالہ کے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

ان بتوں کے دل خدا جانے بنے کاہے کے ہیں
ورنہ کلنپے آسماں بھی آہ پر تاثیر سے
(قربان)

گور پر آکے ناز سے کہتے ہیں کچھ جواب دو
کس سے خفا ہو اُنے نظام لیٹے ہو منہ چھپائے کیوں
(نظام)

جرس کی طرح بیٹھے ہوئے فریاد کرتے ہیں
بہت اے قافلہ والو تمہیں ہم یاد کرتے ہیں
(فیض)

قتل ہوگا ایک دن کیا شیفتہ واقف نہ تھا
کیوں ہوئی دل بستگی کمبخت کو قاتل کے ساتھ

یہ گلدستہ کب بند ہوا اس کا علم نہ ہو سکا۔

شگوفہ: یہ ماہانہ گلدستہ ۱۵ ڈسمبر ۱۸۸۳ء سے محلہ دار الشفا قریب عام باولی سے جاری ہوا اس کے مالک مولوی سید احمد صاحب زید بلگرامی اور مہتمم سید حسن حسین بلگرامی تھے۔ یہ گلدستہ مطبع ہزار داستان میں طبع ہوتا تھا۔ اس کی سالانہ قیمت تین روپیے تھی اور یہ ۳۸ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ (۳۵۹)

" جوہر سخن ": یہ ماہانہ گلدستہ ۱۹ مئی ۱۸۸۵ء کو مطبع آصفی میں طبع ہو کر کوچہ جلال حیدر آباد دکن سے شائع ہونے لگا۔ اس کا سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ اس گلدستہ کے مالک عبد اللہ خاں ضیغم تھے۔ (۳۶۰)

گلدستہ " گلزار سخن ": رجمنٹ بازار محلہ عبد الرزاق سکندر آباد (حیدر آباد) سے یہ ماہانہ گلدستہ یکم اکتوبر ۱۸۸۷ء کو جاری ہوا۔ اس کے مالک نور الدین اور مہتمم حاجی عبد الرحیم شرف مختار مدرسہ محمدیہ تھے۔ یہ مطبع نور دکن میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا حجم ۲۸ صفحات تھا۔
سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

مزہ نہیں ہے خموشی کا خوش بیاں کے لیے
زباں سخن کے لیے ہے سخن زباں کے لیے (۳۶۱)

گلدستہ " مطلع سخن ": یہ ماہانہ شعرو شعری کا گلدستہ اورنگ آباد (حیدر آباد دکن) سے ۱۸۸۷ء میں جاری ہوا۔ اس کے مہتمم بشیر الدین افسر تھے۔ یہ گلدستہ سولہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ (۳۶۲)

منشی بدر الدین افسر: " افسر اورنگ آباد کے رہنے والے تھے۔ ۱۲۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اورنگ آباد کے صوبہ داری کے محکمہ مال میں افسر تھے۔ شاعری کی ابتدا عاشقانہ کلام سے کی بعد میں نعتیہ کلام کہنے لگے۔ یہ داغ دہلوی کے شاگرد تھے اور افسر تخلص کرتے تھے۔ فن طب میں مہارت حاصل تھی۔ ایک چھوٹا سا دیوان اور ایک مرثیہ طبع ہو چکا ہے۔ (۳۶۳)

نمونہ کلام

الٰہی حمد میں مقبول اتنا ہو سخن میرا
کہ چومے تیری قدرت بھی محبت سے دہن میرا

یہ سچ ہے حشر میں حوریں ملیں گی اے زاہد
حسیں یہاں بھی تو ہو کوئی ، دل لگی کے لیے

گلدستہ "گل و بلبل": شعرو شاعری کا ماہانہ گلدستہ ۱۱ ڈسمبر ۱۸۸۷ء کو دفتر اخبار آصفی پرانی حویلی حیدرآباد دکن سے شائع ہونے لگا۔ اس گلدستہ کے مالک سید الطاف حسین قابل ، مہتمم سید محمد عباس مہجور تھے اور ایڈیٹر سلطان محمد صاحب عاقل دہلوی تھے ، جنہوں نے ۱۸۸۳ء میں "ہزار داستان" نامی روزنامہ حیدرآباد دکن سے جاری کیا تھا۔ اس گلدستہ کا حجم عموماً ۳۲ تا ۵۲ صفحات تھا۔ اس کا سالانہ چندہ پیشگی تین روپیہ اور قیمت فی پرچہ آٹھ آنے تھی۔ سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

وہ بہار آئی وہ غنچے ہنس کے شرمانے لگے
گوش گل تک نغمہ بلبل بھی اب جانے لگے

اس گلدستہ کے ساتھ ایک ناول "فسانہ نازو نیاز" کے نام سے قسط وار شائع ہوتا تھا۔

گلدستہ گل و بلبل میں مقامی و بیرونی شعرا کا اردو اور فارسی زبانوں میں طرحی کلام شائع ہوتا تھا۔ اس گلدستہ میں جن شعرا کا کلام چھپتا تھا ان میں جناب مولوی عبدالجبار خان رامپوری آصفی ، جناب مرزا قاسم علی بیگ صاحب اخگر حیدرآبادی ، جناب مرزا اسمٰعیل صاحب اصفہانی دردی ، ابوالمعالی محمد حبیب اللہ حسین صاحب رمز ، جناب آقا میرزا شاکر صاحب طہوانی شاکر ، غلام محمد صاحب شوق ، جناب حکیم محمد علی حسین ، میرزا صاحب عالم لکھنوی ، جناب مولوی ابوالقاسم فضل رب صاحب ، عرشی تاجپوری ، منشی امجد علی صاحب نعیم لکھنوی ، مولوی محمد وزیر صاحب وزیر ، جناب مولوی محمد سیف الحق صاحب ادیب دہلوی ، جناب محمد جعفر حسین صاحب رحیف مدراسی ، جناب میر سید علی صاحب سید خیرآبادی ، سید محمد کاظم حسین صاحب شیفتہ کنتوری ، جناب علی کبیر صاحب شرار شاگرد جناب شیفتہ کنتوری ، جناب نواب میر عباس حسین خان صاحب ششدر شاگرد حضرت فیض ، جناب محمد علی حسین ، میرزا صاحب عالم لکھنوی ، سید محمد عباس صاحب مہجور شاگرد حضرت شیفتہ کنتوری ، محمد امداد حسین عازم ، منیر حیدرآبادی ۔ مہر حیدرآبادی ، جناب محمد عبدالعزیز خان صاحب عزیز دہلوی شاگرد داغ دہلوی ، جناب سید علی رضا خستہ لکھنوی شاگرد حضرت عاقل دہلوی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

مقامی شعرا کا کلام۔

عادت ہو جس کو دامن صحرا میں سونے کی
راحت بھلا ملے اسے دو گز کفن میں کیا
لاش اپنی ہو رہی ہے معطر جو قبر میں
اس رشک گل کا ہاتھ لگا تھا کفن میں کیا
(شرار)

ہر بار دیکھتے ہیں وہ ترچھی نگاہ سے
نکلی ہے شاخ چشم غزال ختن میں کیا
(منیر)

اللہ بخشے پوچھو نہ عازم کی لاغری
احباب کہہ رہے ہیں دھرا ہے کفن میں کیا
(عازم)

نی شعرا کا کلام

جامے سے عشق کے ہے زلیخا کو بھی دماغ
یوسف کی بو سما گئی ہے پیرہن میں کیا
(عالم)

دیکھی جو نازکی لب گل رنگ یار کی
ہر پنکھڑی ہوئی ہے پشیماں چمن میں کیا
غربت کی سختیوں پر جو گھبرائے جاتے ہو
اے شیفتہ ملی تمہیں راحت وطن میں کیا
(شیفتہ)

ہر دم سنا کے جنت و آدم کا ماجرا
کہتا ہوں دل سے یار دھرا ہے وطن میں کیا

گلدستہ نغمہ ہزار: یہ ماہوار گلدستہ ماہ رجب ۱۳۰۸ھ م فروری / مارچ ۱۸۹۱ء میں مطبع گلزار دکن حیدرآباد سے مہاراجہ کشن پرشاد شاد کی سرپرستی میں شائع ہونے لگا۔ اس گلدستہ کے مرتب نواب محمد عبداللہ خان صاحب ضیغم لکھنوی تھے۔ اس کا حجم ابتدا میں ۲۲ صفحات ہوتا تھا بعد میں یہ ۳۴ صفحات پر نکلنے لگا۔ اس کی قیمت سالانہ تین روپیہ پیشگی تھی۔

نواب محمد عبداللہ خان صاحب ضیغم اور داغ میں کچھ ادبی چشمک ہو گئی تو داغ نے مہاراجہ کشن پرشاد سے کہہ کر اس رسالہ کے سرورق پر سے بسرپرستی پیشکار بہادر سرکار عالی مہاراجہ کشن پرشاد شاد کی عبارت نکلوادی۔ اس تعلق سے ضیغم صاحب لکھتے ہیں۔

"داغ صاحب نے بذریعہ تحریر مہاراجہ پیشکار بہادر کی خوشامد کی کہ انہوں نے اس گلدستہ کی استعانت موقوف کی اور لفظ سرپستی جو مائیٹل پر لکھا جاتا تھا اوٹھالیا۔" (۳۶۵)

ضیغم ۔ محمد عبداللہ خان لکھنوی: ضیغم، محمد صالح خان لکھنوی کے فرزند تھے۔ لکھنو میں پیدا ہوئے وہیں نشو و نما پائی اور وہیں کے علما سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۲۶۵ھ میں حیدرآباد تشریف لائے۔ یہاں ان کو شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ ابتدا میں اپنا کلام نواب عباس حسین خان ششدر کو دکھلاتے تھے پھر حکیم مولوی نواب نیاز احمد صاحب سے اصلاح سخن لینے لگے۔ (۳۶۶) ان کے انتقال کے بعد محمد باقر لکھنوی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔، ضیغم صاحب دیوان شاعر تھے اور ایک تذکرہ "یادگار ضیغم" ان کی تالیف ہے۔ ۱۹۳۶ء میں ان کا انتقال ہوا۔ (۳۶۷) ضیغم صاحب خوش مزاج، خوش خلق اور شگفتہ طبیعت کے مالک تھے۔ علم عروض کے ماہر اور انتظامی معاملات میں کافی تجربہ رکھتے تھے۔ (۳۶۸) اس کے علاوہ ایک کہنہ مشق صحافی بھی تھے۔ ان کی ادارت و سرپرستی میں درج ذیل رسائل شائع ہوئے۔

۱۔ گلدستہ جوہر سخن (۲) گلدستہ نغمہ ہزار (۳) گلدستہ سفر ہمایوں دہلی (۴) گلدستہ جشن آصفیہ۔

گلدستہ ناز و نیاز: یہ ماہ نامہ گلدستہ ماہ رجب ۱۳۱۴ھ م ڈسمبر ۱۸۹۶ء سے محلہ سلطان شاہی حیدرآباد سے نکلنے لگا۔ اس کے مالک و مرتب جناب میر برکت علی صاحب نجیب تھے۔ اس گلدستہ کی سالانہ قیمت مع محصول ڈاک ایک روپیہ چار آنہ تھی۔ اور فی پرچہ دو آنہ۔ ضخامت چوبیس صفحات تھے۔

اس گلدستہ میں نواب میر نصیر جنگ مرحوم کی دیوڑھی میں منعقدہ طرحی مشاعرہ کی غزلیں شایع ہوتی تھیں اور مقامی و بیرونی شعرا کا منتخب طرحی و غیر طرحی کلام بھی شایع ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس گلدستہ میں نواب میر محبوب علی خاں بہادر کی مدح میں کہے گئے قصائد بھی شایع کیے جاتے تھے۔ (۳۶۹)

نمونہ کلام

بس یہی نا ہم گریں گے کھا کر غش
روئے روشن سے اولٹے تو نقاب

(واصل)

تاب نظارہ ہے کس بے تاب کو
آپ کے عارض پر کاہے کو نقاب

(واصل)

ٹوٹ جائے گا ذرا سی ٹھیس میں
دل ہمارا ہے بڑا نازک حباب

(نجیب)

دل ہمارا ہے جو اوس یار کا جلوا دیکھا
تم نے بے ہوشی میں کیا حضرت موسی دیکھا

(سکر)

اشک بازی ہجر میں برسات ہے
کم نہیں بجلی سے میرا اضطراب

(واصف)

اس لیے منہ اپنا پھیرا اوس طرف
اون کے چہرے سے خجل ہے آفتاب

(واصف)

اس گلدستہ میں جن شعرا کا کلام شایع ہوتا تھا ان میں سید حسین ادیب، میر چراغ علی چراغ سید یوسف صاحب حافظ، سید بشیر حسین صاحب سہا، میر برکت علی نجیب، میر اکبر علی لئیق، غلام حسین مفتون، سید اصغر حسین صاحب ناجی، محمد احمد اللہ واصل، مرزا محمد حسین واصف، شفیق، عتیق، میر لیسین شیدا، میر مومن، مومن، جعفری، میر حسین نحیف وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

گلدستہ پیام محبوب: یہ ماہوار گلدستہ ماہ محرم ۱۳۱۵ھ م جون / جولائی ۱۸۹۷ء سے شائع ہونے لگا۔ اس کے مالک و مہتمم غلام حسین داد تھے۔ یہ ظفر پریس واقع بازار کسار ٹھ حیدرآباد دکن میں عموماً ۲۴ تا ۳۲ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کی سالانہ قیمت دو روپیہ اور نمونہ کے پرچہ کی قیمت چار آنہ تھی۔ اس گلدستہ کے تمام صفحات گلابی رنگ کے ہوتے تھے۔

گلدستہ "پیام محبوب" میں میر محبوب علی خان آصف جاہ سادس کا کلام ہر ماہ پابندی سے شایع ہوتا تھا۔ یہ گلدستہ دو حصوں پر مشتمل تھا۔ حصہ اول میں مقامی و بیرونی شعرا کی طرحی غزلیں ہوتی تھیں۔ حصہ دوم میں علمی و ادبی مضامین کے علاوہ ایک دلچسپ تاریخی ناول قسط وار شائع ہوتا

تھا۔ یہ گلدستہ ماہ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ سے موقوف ہو گیا۔

پھر ماہ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ سے یہ دوبارہ شائع ہونے لگا اور اس کی سالانہ قیمت ایک روپیہ مقرر کی گئی۔ (۳۷۰)

گلدستہ "شمس الکلام": یہ ماہوار گلدستہ ماہ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ م جولائی / اگست ۱۸۹۷ء سے زیر اہتمام میر کوثر علی شائع ہونے لگا۔ یہ گلدستہ ظفر پریس واقع بازار کسارٹھ حیدرآباد دکن میں زیر ادارت مولوی محمد سلیمان مہدی منتظم دفتر پیشی نواب لطف الدین خان بہادر اٹھارہ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ "شمس الکلام" اس لحاظ سے منفرد اہمیت کا حامل تھا کہ یہ بلا قیمت تقسیم کیا جاتا تھا جس کی نظیر اردو صحافت کی تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی۔ اس گلدستے کے بھی تمام صفحات گلابی رنگ کے ہوتے تھے۔ اس کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

یارب سخن کا مطلع اس دھوم دھام کا ہو
ہر ہر زباں پہ کلمہ شمس الکلام کا ہو

اس گلدستہ میں صرف اردو کی طرحی غزلیات چھپتی تھیں۔ ہر ماہ اردو کے دو طرحی مصرعوں پر عموماً مقامی شعرا کا کلام شائع ہوتا تھا۔ کبھی کبھی بیرونی شعرا کا کلام بھی درج ہوتا تھا۔ مقامی شعرا میں چند قابل ذکر شعرا کے نام یہ ہیں۔ جناب محمد عبدالحی بازغ، میر حشمت علی حشمت، میر لیاقت علی سیف، محمد سراج الدین شکور، جناب محمد مجاور علی خان شارق، شیخ محمد احمد فانی، نواب فیض جنگ توشہ، میر کوثر علی کوثر، خواجہ بدیع الدین قیس، شیخ محی الدین احمد خاں محفوظ شاگرد داغ دہلوی، محمد عبدالغفور نامی وغیرہ۔

شمالی ہند کے شعرا میں میکش تھانوی، محمد عبدالرحیم خان دہلوی نادر وغیرہ قابل ذکر ہیں

شمس الکلام ماہ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ سے نکلنا موقوف ہوا۔

نمونہ کلام

اگر انکار اس جھوٹی خودی سے ہو نہیں سکتا
خدا بن جائے یہ بھی آدمی سے ہو نہیں سکتا
(میکش تھانوی)

کہا میں قتل بھی کیجے تو وہ جھنجھلا کے کہتے ہیں
کہ تیرا قتل بھی تیری خوشی سے ہو نہیں سکتا
(شکور)

میرے ہی بعد ترک جفا کرنی تھی تجھے
ظالم تری تو بات ہے ہر ایک لاجواب

(محفوظ)

ایک عمر سے تلاش ہے ملتا نہیں پتا
کس گوشے میں چھپی ہے مجھے دے قضا جواب

(جلا)

گلدستہ "محبوب الکلام": یہ ماہوار گلدستہ ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۶ھ م ۲۴ اگست ۱۸۹۸ء سے بہ یادگار سالگرہ مبارک اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں، حسب الحکم عالی جناب مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد یمین السلطنت بہادر مدار المہام سرکار عالی جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر و مہتمم حافظ جلیل حسن صاحب جلیل مانک پوری تھے اور نائب مہتمم ہیرالال صاحب نشاط تھے۔ یہ گلدستہ محبوب پریس علاقہ پیشکاری حیدرآباد دکن میں طبع ہو کر ہر ماہ الٰہی کی چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ اس کا حجم عموماً ۳۲ تا ۶۰ صفحات تھا۔ سالانہ چندہ عام خریداروں سے (چار) روپے مقرر تھا۔

گلدستہ محبوب الکلام کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

قدرداں اے شاد اس کے ہیں شہہ آصف نظام
گوہر تاج سخن ہو کیوں نہ محبوب الکلام

اس گلدستے کے صفحہ اول پر میر محبوب علی خان کی تصویر ہوتی تھی جس کے نیچے یہ شعر درج ہوتا تھا۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

گلدستہ محبوب الکلام میں سب سے پہلے میر محبوب علی خان آصف جاہ سادس کا کلام ہر ماہ پابندی سے شائع ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس گلدستہ میں مقامی اور بیرونی شعرا کا طرحی و غیر طرحی کلام بھی شائع ہوتا تھا جس کا انتخاب ایک کمیٹی کرتی تھی۔

گلدستہ محبوب الکلام اپنے عہد کا ممتاز اور معروف گلدستہ تھا اس میں دکن اور شمالی ہند کے جن مشہور اور بلند پایہ شعرا کا کلام درج ہوتا تھا ان میں شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی، پروفیسر محمد اقبال، داغ دہلوی، سراج الدین خان سائل دہلوی، امیر مینائی، مولوی سید ظہیر الدین حسین خاں ظہیر دہلوی، سید طاہر علی فرخ آبادی، مرزا محمد ہادی ہادی لکھنوی، مولوی سید علی حیدر صاحب نظم طباطبائی، سید محمد کاظم حسین صاحب شیفتہ کنتوری، جلیل مانک پوری، محمد باقر صاحب شیدا لکھنوی، پنڈت برج کشور صاحب کشور دہلوی، مہاراجہ کشن پرشاد شاد، محمد حبیب الرحمن بیدل، حفیظ جونپوری، محمد عبداللہ خاں صاحب ضیغم، رائے ٹھاکر پرشاد شوق، مولوی محب حسین محب، مولانا مولوی نادر علی برتر، محمد حفیظ الدین پاس، سید رضی الدین حسن کیفی،

محمد عبدالحی صاحب بازغ، عزیز یار جنگ عزیز، انور (بمبئی) ممتاز (پیلی بھیت) غلام حسین خاں آفاق بنارسی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نمونہ کلام

حال جب پوچھتا ہے ہم سے کوئی
نالہ بے اختیار کرتے ہیں

نہ ان کے لب پہ آہیں ہیں نہ ان کے لب پہ نالے ہیں
جنہیں سمجھے ہو تم عاشق وہ دنیا سے نرالے ہیں
(داغ)

تم جو پہلو سے اٹھے شب کو بجھی شمع حیات
ہوگیا کام مرا شمع سحر سے پہلے
(شیفتہ کنتوری)

آدمیت نہیں آتی ہے محبت کے بغیر
آنکھ کھلتی ہے مصیبت میں سحر سے پہلے
(ظہیر دہلوی)

ہر شجر گلزار ہستی میں پھلا پھولا مگر
ہے وہ اک شاخ تمنا جو ہری ہوتی نہیں
(امیر مینائی)

مدعی عشق کی اب چاہے خدائی ہوجائے
کس نے یہ بار اٹھایا تھا بشر سے پہلے
(جلیل مانک پوری)

ایک ہو کا مقام ہے مرا دل
وحشت ہوتی ہے ایسے گھر میں
(بیدل)

ہے عدم آباد ایسا کونسا دلچسپ شہر
لاکھوں جاتے ہیں کسی کی واپسی ہوتی نہیں
(انور)

مرے اشعار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
کہ اک ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درد انگیز نالے ہیں
(اقبال)

وہ کالج جس نے مردہ قوم میں پھر جان ڈالی ہے
اسی منبع سے جاری ہے وہ چشمہ زندگانی کا
(حالی)

راقم الحروف کو اس رسالے کے شعبان ۱۳۲۶ھ کے شمارے استادی ڈاکٹر مغنی تبسم صاحب کے کتب خانہ میں دستیاب ہوئے ہیں۔

گلدستہ "جشن آصفیہ": محمد وزیر علی صبر حیدر آبادی نے اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خان بہادر آصف جاہ سادس کی تینتیسویں سالگرہ کے موقع پر ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۶ ہجری م ۲۷ اگست ۱۸۹۸ء کو یہ گلدستہ شایع کیا تھا۔ یہ مطبع رحمانی میں طبع ہوا تھا۔

اس گلدستہ کا زیادہ تر کلام آصف جاہ سادس کی مدح میں ہے اس کے علاوہ چند غیر طرحی غزلیں بھی درج ہیں۔

گلدستہ جلوہ محبوب: یہ گلدستہ ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۶ھ م ۲۴ اگست ۱۸۹۸ء کو بتقریب سالگرہ مبارک میر محبوب علی خان بہادر آصف جاہ سادس اندرون دروازہ یاقوت پورہ حیدر آباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے مالک و ایڈیٹر مولوی صمدانی خان گوہر تھے۔ یہ گلدستہ مطبع فخر نظامی میں ۳۲ صفحات پر طبع ہو کر ہر ماہ الہی کی ۶ تاریخ کو نکلتا تھا۔ اس کی سالانہ قیمت عام خریداروں سے دو روپیہ اور امراو عہدہ داران بلدہ و اضلاع سے پانچ روپیہ مقرر تھی اور نمونہ کا پرچہ ۴ آنہ میں دیا جاتا تھا۔ اس گلدستہ کے سرورق پر میر محبوب علی خان آصف جاہ سادس کی تصویر ہوتی تھی اور ہر شمارے میں سب سے پہلے ایک قصیدہ میر محبوب علی خاں کی مدح میں درج ہوتا تھا۔ جلوہ محبوب کے ایک حصہ میں مقامی اور بیرونی شعرا کی طرحی غزلیں اور دوسرے حصے میں سوانح عمریاں، تاریخی حالات علمی و ادبی مضامین اور لطیفے درج ہوتے تھے۔ اس گلدستہ نے سریر آرایان سلطنت آصفیہ کا تاریخی سلسلہ شروع کیا تھا جس میں دکن کی تاریخ اور آصف جاہ اول سے آصف جاہ سادس تک کے دور کے مستند تاریخی واقعات کو نہایت دلچسپ پیرایہ میں پیش کیا گیا تھا۔ یہ گلدستہ کا سب سے عمدہ اور مفید حصہ تھا جو خصوصاً دکن کی تاریخ کے شوقین حضرات کے لیے نہایت مفید تھا۔

تیسرے حصے میں دو انگریزی ناولوں کے ترجے بالاقساط پیش کیے جاتے تھے جن میں ایک تاریخی ناول اسپین کا تھا۔

سوانح عمری کے سلسلہ میں فاطمہ علیہ (قسطنطنیہ کی مشہور اور نامور خاتون) فیلڈ مارشل لارڈ فریڈرک رابرٹس آف قندھار مالقابہ۔ لیڈی جین گرے کی سوانح عمریاں دلچسپ پیرایہ میں درج کی جاتی تھیں۔

اس کے علاوہ کتابوں پر تبصرے بھی کیے جاتے تھے۔

حصہ نظم میں طرحی غزلوں کے علاوہ مشہور شعرا کا منتخب کلام اور اشعار بھی درج ہوتے تھے۔

جلوہ محبوب کے حصہ شاعری میں زیادہ تر حضرت سید محمد کاظم حسین صاحب شیفتہ کنتوری اور نوازش علی لمعہ کا کلام اور ان دونوں کے شاگردوں کا کلام چھپتا تھا اور شمالی ہند کے شعرا میں یوسف حسین خاں یوسف لکھنوی، سید انوار حسین صاحب آرزو لکھنوی، ابوالعمران عبدالکریم خان صبیر دہلوی، محمد عبدالرحیم خاں نادر دہلوی وغیرہ کا کلام درج گلدستہ ہوتا تھا۔

یہ گلدستہ پانچ سال تک بڑی آب و تاب سے نکلتا رہا اور ماہ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ سے اس کی اشاعت موقوف ہو گئی۔ اس کے بعد یہ ہفتہ وار اخبار کی شکل میں جاری ہوا۔

غلام صمدانی خان گوہر: غلام صمدانی خان گوہر ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ کو حیدرآباد کے ایک شریف ملازم پیشہ خاندان میں پیدا ہوئے۔ والد کی نگرانی میں فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی اور انگریزی اور تلنگی بھی ضرورت کے مطابق سیکھی۔ آپ کی تعلیم و تربیت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی۔ ذہین و لائق و طباع ہونے کی وجہ سے ابتدا میں ان کا تعلق نواب روشن الدولہ کی سرکار سے ہوا۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد ان کی صاحبزادی کے ہاں ملازم ہوئے اور ان کے تمام ملکی و مالی انتظامی امور کے معتمد علیہ اور جاگیر وغیرہ کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ (۳۷۱)

غلام صمدانی گوہر علم و ادب اور شعر و شاعری کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ گوہر صاحب دیوان شاعر تھے چنانچہ ان کا دیوان نظم گوہر کے نام سے شایع ہو چکا ہے۔ انہوں نے "تاریخ ریاض آصف" اور ایک ناول "صادق و رحیم النسا" کے علاوہ حیدرآباد کی بسوط تاریخ "تزک محبوبیہ" (دو جلدوں میں) لکھی۔ اس کے علاوہ ایک اور ضخیم تاریخ "دربار آصف" کے نام سے لکھی (۳۷۲)

گلدستہ "ملوک الکلام": اعلیٰ حضرت محبوب علی خان بہادر آصف جاہ سادس کی چونتیسویں سالگرہ کے موقع پر ایک طرحی مشاعرہ محمد ابراہیم خانساماں میر خانہ کے مکان واقع فیلخانہ حیدرآباد دکن ۲ جمادی الاول ۱۳۱۷ھ م ۱۸۹۹ء کو منعقد ہوا تھا۔ اس مشاعرہ کے منتظم علی الدین تھے۔ مصرعہ طرح خود میر محبوب علی خان بہادر نے دیا تھا جو ذیل میں درج ہے۔

مانگتے ہیں ہم دعا اللہ سے

اس مصرعہ طرح پر مختلف شعرا نے طبع آزمائی کی تھی۔ اس مشاعرہ کے جملہ کلام کو میر وزیر الدین صاحب نے جمع کر کے "گلدستہ ملوک الکلام" کے نام سے شایع کیا تھا۔ یہ گلدستہ چھاپہ خانہ رکاب سعادت میں ۳۸ صفحات پر طبع ہوا تھا۔

اس گلدستہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہے۔

لے اڑی طرز فغاں بلبل نالاں ہم سے
گل نے سیکھی ہے روش چاک گریباں ہم سے

اس گلدستہ کے صفحہ اول پر میر محبوب علی خان بہادر کی غزل چھپی تھی جس کا مطلع اور مقطع پیش کیا جاتا ہے۔

چشم و دل خالی ہیں اشک و آہ سے
چل بسے سب اپنی اپنی راہ سے
شکر کر آصف کہ وہ کہتے ہیں آج
خوش ہوئے ہم مل کے آصف جاہ سے

گلدستہ ملوک الکلام میں اور جن شعرا کا کلام زینت گلدستہ ہوا تھا ان میں سے چند شعرا کے نام درج کیے جاتے ہیں۔ مہاراجہ کشن پرشاد شاد، جناب محمد عبداللہ خاں ضیغم، اقبال یار جنگ اقبال، جناب سید کاظم صاحب حبیب کنتوری، جناب عبدالکریم خان صبیر دہلوی، جناب محمد احمد صاحب فانی، جناب عبدالصمد صاحب واصفی، جناب علی الدین صاحب احمد، جناب امتیاز علی صاحب عزیز، جناب امراؤ مرزا صاحب نادان، جناب حکیم میر مہدی حسین صاحب الم وعلم وغیرہ۔

زراعتی رسائل: ہندوستان ایک زرعی ملک ہے۔ انیسویں صدی کے دوران بھی ہندوستان میں صنعتی ترقی کا وہ تصور پیدا نہیں ہوا تھا جس سے یورپ اٹھارویں صدی میں متعارف ہو چکا تھا۔ اس لیے یہاں کی تقریباً ۸۷% آبادی زراعت پیشہ تھی۔

زراعت میں اس دور میں بہت سارے ایسے مسائل تھے جن میں بیشتر آج کے دور میں نہیں رہے۔ آبپاشی کی سہولتیں زمین کے کٹاؤ (Soilerosion) کے مسائل بیج اور کھاد کا مسئلہ، خشک سالی سے نمٹنے کے وسائل اور ساتھ ہی ساتھ نقل و حمل کی سہولتیں، یہ ساری دشواریاں برٹش انڈیا میں بھی تھیں اور دیسی ریاستوں میں بھی، عام حالات میں ان میں غور و فکر کرنے کی فرصت نہیں تھی لیکن حیدرآباد کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہاں ابتدائی عہد سے ان تمام موضوعات پر توجہ کی گئی اور رسائل کے ذریعہ سے نہ صرف مسائل کو واضح کیا گیا بلکہ ان کا حل بھی تلاش کیا گیا۔

چنانچہ زراعت اور باغبانی کے موضوع پر سب سے پہلے رسالہ "فنون" (سنہ ۱۸۸۳ء) اور رسالہ "تکمیل الاحکام" (سنہ ۱۸۹۹ء) میں مضامین شایع کیے گئے۔

رسالہ "فنون": یہ ماہ نامہ یکم مئی سنہ ۱۸۸۳ء سے بسرپرستی سرکار عالی زیر اہتمام محمد مشتاق احمد صاحب شایع ہونے لگا۔ ابتدا میں یہ مطبع علوم و فنون واقع مغلپورہ حیدرآباد دکن میں طبع ہوتا تھا بعد میں یہ دار الطبع فنون و مذاق سخن پتھر گھٹی حیدرآباد میں طبع ہونے لگا۔ اس رسالہ کے مالک منشی محمد مشتاق احمد صاحب اور مہتمم مسٹر جونس تھے۔ اس کا حجم عموماً ۴۰ تا ۶۰ صفحات تھا۔ اس کی قیمت عام شائقین سے تین روپیہ چھ آنے پیشگی معہ محصول ڈاک تھی البتہ پٹواریوں، کاشتکاروں، کاریگروں اور کم مقدور طلبا کو رعایتاً نصف قیمت پر دیا جاتا تھا۔ نمونہ

کے پرچہ کی قیمت ۴ آنے تھی ۔ یہ مصور رسالہ تھا ۔

اس رسالہ کا مقصد زمینداروں ، کاشتکاروں ، کاریگروں ، پیشہ وروں اور علم نباتات و جمادات و حیوانات کے شائقین کے لیے نہایت کارآمد اور مفید معلومات بہم پہنچانا تھا ۔ اس کے ساتھ ہی یہ رسالہ نئے باغ لگانے والوں کے لیے بھی یہ بے حد مفید تھا ۔ اس کے علاوہ اس رسالہ کا ایک اور اہم مقصد ملک کو زرعی اور صنعتی اعتبار سے خود مکتفی بنانا تھا ۔

اس رسالہ کے مشمولات کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج سے سو سال قبل ہی حیدرآباد میں " علم فلاحت " اور صنعت و حرفت پر ایسے مضامین اردو میں لکھے جانے لگے تھے جس کی اہمیت و افادیت سے آج بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ ذیل میں چند مضامین کے عنوانات درج کیے جاتے ہیں جس سے اس رسالہ کی اہمیت اور نوعیت کا اندازہ ہوگا ۔

(۱) امریکہ میں زراعت کی ترقی (۲) نیشکر کی زراعت (۳) ہندوستان کی معدنیات (۴) حشرات الارض (۵) ہندوستان کے مختلف مقامات کی زمینیں اور ان کی خاصیتیں (۶) تجارت کے لیے ریلوں کی ضرورت (۷) درخت کی بیماریاں اور ان کا معالجہ (۸) باغبانی کے عجیب و غریب ترکیبیں (۹) خوش نما و خوش وضع باغ کا نقشہ (۱۰) کھاد اور مرکبات کھاد (۱۱) کھاد بنانے کی آسان اور عمدہ ترکیب (۱۲) مویشیوں کے امراض اور ان کا معالجہ (۱۳) تر زمین کی تری دور کر کے قابل کاشت بنانا (۱۴) گیہوں کی کاشت کا طریقہ معہ نقشہ (۱۵) پنجاب میں ریشم کے کیڑے پالنے کا بیان (۱۶) کانچ بنانے کی ترکیب (۱۷) فاسفورس کے بنانے اور اس کو کام میں لانے کی ترکیب (۱۸) زراعتی مدرسے اور نمائش گاہیں (۱۹) امریکہ کی کپاس (۲۰) نئے بلوں کا بیان (۲۱) کافی کی کاشت (۲۲) معدنیات کے مرکبات کا بیان وغیرہ ۔

اس رسالہ کے مضمون نگاروں میں ایم ۔ کے ۔ ایچ روحانی میرٹھی ۔ محمد شائق سابق اسسٹنٹ سرجن گورکھپور ، محمد اکبر خان فاطر زمیندار ضلع شاہ جہاں پور ، بابو ہرلال سنگھ ، محمد فیاض الرحمن ، سنت لال عنبر (دہرہ دون) جناب فصیح الدین احمد ، عبداللہ (طلب علم یونیورسٹی) اور ہدایت اللہ وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

اس رسالہ نے حیدرآباد دکن میں ملکی (اردو) زبان میں زراعتی و صنعتی تعلیم کی اہمیت پر زور دیا تاکہ ملک سے غریبی اور بروزگاری دور ہو سکے ۔

رسالہ " فنون " اردو کی ادبی تاریخ میں نشان منزل کی حیثیت رکھتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس پہلو کی بھی نفی کرتا ہے کہ اردو نثر میں طوطا مینا کے قصوں کے علاوہ اور دھرا ہی کیا ہے ۔ اس رسالہ میں ان موضوعات کو جگہ دی گئی جن میں سے بیشتر آج سو برس گزرنے کے بعد بھی اپنی اہمیت و افادیت رکھتے ہیں ۔ آج کے دور میں درخت اگاؤ اسکیم کا چرچا بڑے زور و شور سے ہے اس رسالہ کے جو اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں ان میں ایک اقتباس میں رسالہ نے مشورہ دیا

اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے رسالہ کی اشاعت کے پس منظر میں اس تصور کی اشاعت بھی مقصود تھی کہ کسی بھی سماج میں اقتصادیات ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے اور ہندوستان جیسے ملک میں اقتصادیات کا محور و مرکز زراعت ہے۔

صحافت کے نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو سو برس قبل ہی جب حکومت کی تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے ملانا صحافی اپنا فرض منصبی سمجھتا تھا اس دور میں جس انداز سے "فنون" نے حکومت پر نکتہ چینی کی ہے اور مشورہ دیا ہے دونوں قابل قدر ہیں اور نکتہ چینی میں براہ راست حملہ ہے جیسے "دعوتوں وغیرہ میں لاکھوں روپیہ خرچ کرتی ہے" (۳۷۳)

مگر ان سب پر متصاد بات یہ ہے کہ اس رسالہ کی سرپرستی حکومت نظام بھی کرتی تھی اور سلطنت برطانیہ نے بھی اس کی حوصلہ افزائی کی جیسا کہ اقتبات سے معلوم ہوگا۔

اس کی زبان بھی اتنی گنجلک نہیں جتنی اس دور کی طرز تحریر عام طور سے ہوا کرتی ہے اور بڑی جسارت کے ساتھ یہ بات لکھی جارہی ہے کہ سرسید کے "تہذیب الاخلاق" کے "آرٹیکل کے کچھ بہتر زبان "فنون" کی ہے حالانکہ اس رسالہ کے لکھنے والوں میں کوئی معروف نام نہیں ہے لیکن اس کے مضامین کا معیار بلند ہے۔ شاید یہ لکھنا غیر متعلق نہ ہوگا کہ اجتماعی کوشش اور ایک اچھے مہتمم کا وجود نام ور اور انفرادی کوشش اور بدانتظام مہتمم سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔ قیاس یہی کہتا ہے کہ ان تمام تحریروں اور حکومت کی طرف سے اس کی پذیرائی کا سبب مسٹر جونس تھے بہرحال کچھ بھی سبب رہا ہو یہ رسالہ اپنے مندرجات اور اپنے رویہ کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔

ذیل میں مختلف شماروں سے اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں جس سے مذکورہ بالا خیال کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔

(۱) "اخبارات سے معلوم ہوا کہ ملک فرانس میں چند ایسی زمینیں ہیں جہاں پر کسی قسم کا اناج پیدا نہیں ہوتا لہذا گورنمنٹ فرانس نے یہ ترکیب نکالی ہے کہ اس خراب رقبہ میں جنگلی لکڑی کے درخت اگائے جائیں بوجہ لکڑی گراں ہونے کے تخمینہ کیا گیا کہ سالانہ فی ایکڑ ۵ روپیہ نفع ملے گا۔ اگر تمام غیر مزروعہ رقبہ میں یہ درخت پیدا ہو جائیں گے تو کم سے کم ۵ کروڑ روپیہ سالانہ بچت ہوا کرے گی۔

گورنمنٹ فرانس نے نہایت دانائی کی، ایک گورنمنٹ نظام ہے کہ اس کا ملک وسیع اور آبادی کم ہے کوسوں تک میدان صاف پڑے یا جھاڑی سے بھرے ہوئے ہیں۔ اناج اپنے ملک کے خرچ کے لیے بھی پیدا نہیں ہوتا دعوتوں وغیرہ میں لاکھوں روپیہ صرف کرتی ہے مگر ملک کی آبادی کی طرف متوجہ نہیں ہوتی اگر ویران جنگلات درختوں سے بھرے جائیں تو کروڑوں روپیہ کی شہتیر وغیرہ لکڑیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔" (۳۷۴)

(۲) " اگر ایسے ہی گورنمنٹ انگریزی اوائل میں زراعتی تعلیم کی ترویج کرتی اور ملکی زبان میں کتابیں طیار (تیار) کرا کے ان سے طلبا کو مستفید ہونے کا موقعہ دیتی تو برٹش میں موجودہ عالمگیر افلاس حکومت نہ کرتا ہندوستانیوں کے گلے نہ گھونٹتا اور دردرمارے نہ پھراتا۔" (۳۷۵)

(۳) " فنون رسالہ برٹش گورنمنٹ نے بھی پسند کیا اور " زمانہ کی موافق رسالہ " کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور سررشتہ تعلیم ملک برار کے مدارس کے طلبا کی خواندگی میں داخل ہو گیا اور رسالہ ہذا کی معتد بہ جلدیں طلب کی گئیں اور آیندہ برابر بھیجنے کے لیے حکم دیا گیا۔" (۳۷۶)

(۴) " اس رسالہ کی اہمیت و افادیت کو محسوس کرتے ہوئے " سرکار عالی نے اس رسالہ کو مرہٹی زبان میں بھی شائع کرنے کہا ہے اور یہ یقین دلایا ہے کہ وہ اپنے ممالک محروسہ میں تحصیلداروں کے ذریعہ اس کی بہت کچھ اشاعت کرائے گی۔ (۳۷۷)

(۵) " فی الواقع یہ مسئلہ نہایت غور طلب ہے اگر ریلوں کے سلسلوں کو ترقی ہو جائے گی تو تجارت کو بہت بڑی مدد ملے گی اور ان کے ذریعہ سے غلہ وغیرہ کی برابر آمد و رفت ہو جائے گی تو تمام ملک کو فائدہ پہنچے گا اور یہ قباحتیں نہ رہیں گی جو اس وقت مال و اسباب کو بار برداری کے سبب لاحق ہو رہی ہیں۔ اگر اس وقت فقط حیدرآباد ہی کو دیکھا جائے تو بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ یہاں کے بازاروں میں اتنی گرانی کیوں ہے اور اضلاع میں اتنی ارزانی کی کیا وجہ ہے۔ ہر شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں ریلوں کے سلسلے نہیں جو اضلاع سے اشیا خرید کر حیدرآباد لا کر فروخت کی جائیں۔" (۳۷۸)

" یہ امر سمجھ میں نہیں آتا کہ جب گورنمنٹ انگریزی زراعت کو ترقی کے بارے میں مساعی ہے تو پھر دیسی کاشتکاروں کو نمک کھات کے لیے فی ٹن ۵۴ روپیہ پر اور یورپین کو ساڑھے سات روپیہ پر کیوں فروخت کرتی ہے انصاف اس کا مقتضی ہے کہ نمک کا نرخ کم کر دیا جائے تاکہ دیسی لوگ بھی اپنے کھیتوں میں نمک سے بنایا ہوا کھات استعمال کریں اس وقت ہم جس جگہ کھات کے ضمن میں نمک کا بیان کریں گے تو بیشک ناظرین " سونے سے گھڑوان مہنگی " والی مثل زبان پر لائیں گے۔ پس اس بارہ میں دیسی لوگوں کو اتفاق کر کے کمی قیمت کے لیے سرکار میں درخواست دینی چاہیئے۔" (۳۷۹)

یہ رسالہ کی اشاعت ماہ صفر ۱۳۰۲ھ سے مسدود ہو گئی۔

رسالہ " تکمیل الاحکام ": یہ پندرہ روزہ مصور رسالہ ماہ آذر سنہ ۱۳۱۰ فصلی ماہ اکتوبر سنہ ۱۸۹۹ء میں " بیادگار سال سی و پنجم سالگرہ مبارک حضرت میر محبوب علی خان " عزیز باغ سلطان پورہ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔

جناب طیب انصاری کو اس کے سنہ اجرا کے تعلق سے تسامح ہوا۔ انہوں نے اس کا سن اجرا ۱۹۰۰ء لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔

اس کے مالک و ایڈیٹر عزیز جنگ بہادر تھے ۔ یہ رسالہ عزیز المطابع میں عموماً ۵۶ صفحات پر طبع ہوتا تھا ۔ اس کا سالانہ چندہ چھ روپیے پیشگی تھا ۔

یہ رسالہ چار حصوں میں منقسم تھا ۔

حصہ اول میں زراعت سے متعلق مفید اور کارآمد مضامین شائع ہوتے تھے مثلاً کاشتکاری کے جدید طریقے، بیج کے اقسام، درختوں کی بیماریاں، آبپاشی، موسمی حالات، قحط، کھاد وغیرہ ۔ اس کے علاوہ اس حصہ میں مویشیوں کی افزائش و نگہداشت سے متعلق بھی مفید معلوماتی مضامین درج کیے جاتے تھے ۔

حصہ دوم میں جملہ قوانین اور قواعد و ضوابط حساب و فینانس سرکار عالی شائع کیے جاتے تھے اور ان پر ایڈیٹر کا تبصرہ بھی ہوتا تھا ۔

حصہ سوم میں مجموعہ قوانین و گشتیات متعلقہ سررشتہ مالگزاری شائع ہوتے تھے اور ان پر بھی ایڈیٹر کا تبصرہ ہوتا تھا ۔

حصہ چہارم میں "متفرقات" کے مستقل عنوان کے تحت علمی و ادبی مضامین تبصرے اور تقریظات شائع ہوتے تھے ۔ ابتدا میں اس حصہ میں ایڈیٹر کی تصنیف مصطلحات دکن بالاقساط شائع کی جاتی تھی ۔ اس کے علاوہ غزلیں وغیرہ بھی چھپتی تھیں ۔

اس رسالہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اس کے چاروں حصے علاحدہ علاحدہ ضمیمے کی شکل میں شائع ہوتے تھے ۔ چنانچہ حصہ اول کا ضمیمہ ترکاریوں کی کاشت کے نام سے اور حصہ دوم کا ضمیمہ "محبوب القوانین" حصہ سوم کا ضمیمہ "مجموعہ قوانین مالگزاری" اور حصہ چہارم کا ضمیمہ "رسالہ مصطلحات دکن" کے نام سے شائع ہوتا تھا ۔

یہ رسالہ اپنے دور میں بہت ہی مقبول و مشہور تھا اور تعلقداران ضلع کاشتکاروں اور عوام میں اس کے مضامین شوق سے پڑھے جاتے تھے ۔ چنانچہ اس رسالہ کی افادیت اور اہمیت کی بنا پر مجلس مالگزاری سرکار عالی نے اپنے مراسلہ نشان کلیات ۳۹ مورخہ ۲۳ دے سنہ ۱۳۱۰ف میں فرمایا "بخدمت صوبہ دار صاحبان و کمشنر صاحبان کروڑگیری و انعام و نظما بندوبست و جنگلات و آبکاری، نقل روائداد جلسہ کاملہ مجلس نمبر ۸ ج / ۱۴۸ واقع ۲۴ آذر سنہ ۱۳۱۰ف فقرہ ۳ مرسل و نگارش ہے کہ سررشتہ مالگزاری کے لیے یہ رسالہ بہت مفید و کارآمد ہے ۔ ہر ایک دفتر اپنے مقررہ صادر کی گنجائش سے اس کی خریداری کر سکتا ہے" (۳۸۰)

ہندوستان زرعی ملک ہے اور بیسویں صدی کے آغاز میں تو یہاں کی پچانوے فیصد آبادی زراعت پیشہ تھی ۔ ایسے دور میں زراعت کی طرف عدم توجہی کا شکار ہونا افسوس ناک بات تو تھی لیکن حیرت انگیز نہ تھی اس لئے کہ نہ ذرائع ابلاغ ہے اور نہ حکومت ایسی تھی جسے کسانوں کے مفادات سے دلچسپی ہو ۔ اس وقت سائنس کے جو موضوعات پڑھائے جاتے تھے ان میں آج کل کی طرح

زرعی تعلیم کا کورس شامل نہیں تھا ۔ ایسے دور میں کسی رسالہ میں بنیادی موضوعات کی طرف متوجہ کرنا یقیناً قابل تعریف کارنامہ ہے ۔ سب سے اہم بات جس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ زراعت کے اصولوں اور فن زراعت کی تعلیم سے متعلق ہے جس پر تقریباً چالیس سال کے بعد عمل ہونا شروع ہوا ۔ کھاد، بیج کے اقسام، زراعت کے طریقے ان سب پر بھی روشنی ڈالنا اس دور کے اعتبار سے یقیناً بڑی اہمیت کا حامل ہے ۔ اس سلسلے میں ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے ۔

" ہندوستان کے زراعت کی ترقی میں پہلے وقت جو واقع ہے وہ زراعت پیشہ لوگوں کی عدم تعلیم ہے چونکہ پڑھنے لکھنے سے عاری ہیں اون کو اصول کے سمجھنے میں بڑی دقت ہوتی ہے یہ کام تو سرکار کی جانب سے ہونا چاہیئے کہ اصول زراعت کی تعلیم دیہاتی مکتبوں میں کی جائے اور سہل و آسان طریقہ زمین کی درستی ۔ کھاد کے اقسام ۔ تخم کا انتخاب ۔ کاشت ہائے مختلف کے متعلق اون کو سکھائے جائیں تاکہ وہ لڑکے جب بڑے ہوجائیں تو اپنے آبائی پیشہ میں ان حکمی اصول کے ذریعہ سے ترقی دے سکیں اور فائدہ اٹھائیں ۔ اس کے لئے پہلے تو معلمین کی تعلیم ہونی چاہیئے تاکہ وہ دیہات کے مکتبوں میں پڑھا سکیں اور اصول زراعت کی حکمت لڑکوں کو سمجھا سکیں اور اون کو بذریعہ از مون ۔ نباتات کی غذا اور کھاد کے اقسام کی تیاری اور جنگلوں کی نگہداشت اور تدبیر کاشت کے طریقے اور انتخاب تخم کے اصول سے آگاہ کر سکیں ۔ چھوٹے چھوٹے رسالے ملکی زبانوں میں مرتب کئے جائیں اور دوسری کتابوں کے ساتھ یہ رسائل بھی پڑھائے جائیں ۔ (۳۸۱)

یہ رسالہ دو سال تک جاری رہ کر بند ہو گیا ۔

تعلیمی رسائل: بحیثیت ایک مضمون کے "تدریس" کو آزادی کے بعد تسلیم کیا گیا ۔ آزادی سے قبل اساتذہ کی تربیت کے مراکز ہوتے تھے اس کا نصاب بھی ہوتا تھا اور اس تربیتی کورس کو مکمل کرنے پر اساتذہ کو پڑھانے کے اہل سمجھا جاتا تھا ۔ لیکن اس طرح کے کورس کا نام "تدریس" کے بجائے "تربیت" ہوا کرتا تھا ۔ آج کل کی بی ۔ ایڈ اور ایم ۔ ایڈ کی ڈگریوں کی طرح اس وقت تربیت یافتہ اساتذہ کو ایل ۔ ٹی اور بی ۔ ٹی کی اسناد دی جاتی تھیں ۔ اس وقت بھی طریقہ تدریس کے لئے پسطالوزی (Passttalogy) اور ڈیوی (Dewey) کے بتائے ہوئے طریقوں پر اساتذہ کی تربیت کی جاتی تھی ۔

ایک ایسے دور میں جب تدریس کو ایک باضابطہ مضمون کی شکل نہ دی گئی تھی اسے رسائل کا موضوع بنانا بہت بڑی بات تھی ۔ آزادی سے بہت پہلے حیدرآباد کے اردو رسائل نے طریقہ تدریس کی اہمیت کو محسوس کیا اور اساتذہ کو تدریس کی راہ میں جو دشواریاں پیش آتی تھیں انہیں

دور کرنے کے طریقے بتائے۔ تحتانوی اور فوقانوی سطح پر نصاب سے متعلق خامیوں پر توجہ دی اور اساتذہ کے طریقہ تدریس میں تجدید یعنی ریفریشر کورس کا باضابطہ آغاز کیا۔ ان رسائل میں وہ تمام طریقے مل جاتے ہیں جنہیں دور حاضر کا ماہر تدریس ایک باضابطہ علم کی حیثیت سے سیکھتا اور برتتا ہے جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ حیدرآباد میں اردو کے لئے جو فضا بنی تھی حال ہی کی ترجمان نہ تھی بلکہ علوم و فنون کے مستقبل پر بھی نظر رکھتی تھی۔

یہاں جن رسائل کا تذکرہ کیا جارہا ہے ان میں صرف وہ دور ہی نظر نہیں آتا جس دور کے لئے یہ رسائل نکلے تھے بلکہ ان میں ایسی کارآمد باتیں بھی ملتی ہیں جن سے آج کا زمانہ بھی استفادہ کرسکتا ہے۔

رسالہ رفیق دکن: یہ ماہ نامہ شوال المکرم سنہ ۱۳۰۱ھ م ۲۲ اگست سنہ ۱۸۸۴ء کو زیر ادارت مولوی محمد عزیز الدین مدرس اول فارسی مدرسہ انگریزی سرکار عالی شائع ہوا۔ امداد صابری صاحب مولف تاریخ صحافت اردو نے اس رسالہ کی تاریخ اشاعت یکم اگست ( ) لکھی ہے جو صحیح نہیں ہے۔ صحیح تاریخ اشاعت ۲۲ اگست سنہ ۱۸۸۴ء ہے اور یہ شمارہ سالار جنگ لائبریری کا مخزونہ ہے۔

یہ رسالہ مطبع شفیق میں عموماً ۴۸ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کی قیمت عام خریداروں سے ایک روپیہ سہ ماہی (پیشگی) اور فی پرچہ ٦ آنے تھی۔ اس رسالہ کے سرورق پر یہ عبارت درج ہوتی تھی۔

"طلب العلم فریضۃ علی کل مسلمہ و مسلمۃ"

رسالہ رفیق دکن انجمن مستفیدان علوم و فنون حیدرآباد دکن سے نکلتا تھا۔ اس انجمن کا قیام بھی سنہ ۱۳۰۱ھ میں عمل میں آیا۔ اس انجمن کے منتظم مولوی عزیز الدین صاحب تھے۔ اس انجمن کے اغراض و مقاصد حسب ذیل تھے۔

(۱) علم و شائستگی کو ترقی دینا

(۲) باہمی خلاملا سے اتحاد و اتفاق پیدا کرنا

(۳) اصلاح معاش کی محتاج الیہ مسائل کو عام طور سے شائع کرنا۔

(۴) ذہنوں کو غور و فکر کرنے کی عادی بنانا۔

(۵) قوت مدرکہ سے جلد کام لینا۔

(٦) ابتدائی مدارس کے سلسلہ کتب کو مرتب کرنا۔

(۷) لڑکوں کی ابتدائی تعلیم کے ذرائع بہم پہنچانا۔

ان اغراض و مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اس انجمن نے پانچ شعبے قائم کیے تھے جو درج

ذیل ہیں۔

(۱) دار الکتب والاخبار (۲) جلسہ مناظرہ (۳) جلسہ مضامین (۴) صیغہ اہتمام مدارس ابتدایہ (۵) صیغہ اہتمام تالیف و تصنیف کتب۔

اس انجمن کے جلسے ہر ہفتہ منعقد ہوتے تھے اور ان جلسوں کی روداد اس رسالہ میں شائع ہوتی تھی۔ انجمن مستفیدان علوم و فنون نے اس رسالہ کے علاوہ ایک اور تعلیمی رسالہ " ذخیرہ تعلیم " کے نام سے جاری کیا تھا۔

رسالہ رفیق دکن خالص تعلیمی رسالہ تھا۔ اس کا مقصد ملک میں تعلیم کو ترقی دینا اور ناخواندگی کو دور کرنا تھا۔ اس رسالہ میں محکمہ تعلیمات سے متعلق بھی مضامین ہوتے تھے جیسے محکمہ تعلیم کے عملہ کے تقرر و تبدل و ترقی و تنزل کے احکامات کی تمام تفصیلات درج ہوتی تھیں اور اس سررشتہ تعلیم کی مختصر تاریخ بھی درج کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اس میں علوم و فنون کی تعلیم دینے کے جدید طریقوں سے بحث کی جاتی تھی اور ساتھ ہی ابتدائی تعلیم و تربیت کی ضرورت اور اہمیت پر بھی زور دیا جاتا تھا اور اس سلسلہ میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے تعلق سے قارئین کے سوالات کے جوابات بھی دیے جاتے تھے اور مڈل اسکول و میٹرکولیشن کے قوانین و ضوابط اور ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں اور ممالک محروسہ سرکار آصفیہ کے امتحانات کے سوالات نصابی کتابوں کے مشکل اسباق کی شرح و تشریح بھی کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ مشہور اور قابل ذکر مصنفوں کی سوانح عمریاں بھی شائع کی جاتی تھیں اور ہندوستان و یورپ کے تعلیمی انجمنوں کے رسائل و اخبارات کے اہم اور مفید مضامین بھی اس رسالہ میں نقل کیے جاتے تھے اور سررشتہ تعلیم کی نصابی کتابوں پر تبصرے بھی شائع کیے جاتے تھے۔

اس رسالے کے مضامین میں اکثر جراءت، بے خوفی اور تعمیری تنقید و مشورے کا انداز بھی رہتا تھا۔ ایک اقتباس پیش خدمت ہے جس سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے۔

> " " ہم اس مجلس امتحان کی رائے سے ہرگز اتفاق نہیں کرتے ہیں کیونکہ ہم مدارس انگریزی کے امتحانوں کو بغور دیکھ رہے ہیں آج تک ہم نے نہ کہیں سنا ہے نہ کہیں دیکھا ہے کل طالب العلم کامیاب ہوتے ہوں یا اول دفعہ ناکامیابی پر موقوف کیئے گئے ہوں۔ ہم سرکار کی اوس رائے کے ساتھ اتفاق کلی رکھتے ہیں کہ ان طالب العلموں کے وظائف موقوف کیئے جائیں اور اون کو ایک سال اور تعلیم دی جائے۔ بلکہ ہم یہ بھی مناسب جانتے ہیں کہ ان طالب العلموں کو نصف وظیفہ ملا کرے اور اگر سال آیندہ بھی ناکامیاب رہیں تو اونکا کل وظیفہ موقوف کیا جائے۔ مگر اون کی تعلیم پھر بھی جاری رہے اس سبب سے آیندہ طالب العلم نوآموز طالب العلموں کی نسبت بہرحال بڑے رہیں گے

اور سرکار کی کفایت ہوگی اور مدرس کو بھی از سرِ نو محنت نہ کرنی پڑے گی اور ان بیچاروں کی محنت بھی رائیگاں نہ جائے گی۔

اب ہم صدر مہتمم صاحب مدرسہ طبابت سے امید کرتے ہیں کہ بہادر موصوف مدرسہ طبابت کے اصول اور ضوابط پر نظر ثانی کریں گے اور کفایت سرکار اور بہبودی طلبہ مدنظر رکھیں گے۔" (۳۸۲)

راقم الحروف کو اس رسالہ کے محرم سنہ ۱۳۰۲ھ تک کے شمارے سالار جنگ لائبریری اور اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے۔

رسالہ "ذخیرہ تعلیم": یہ ماہوار رسالہ یکم نومبر سنہ ۱۸۸۴ء کو زیر ادارت مولوی محمد عزیز الدین مدرس مدرسہ اول فارسی مدرسہ انگریزی سرکار عالی شائع ہوا۔ اس رسالہ کو بھی انجمن مستفیدان علوم و فنون نے رزیڈنسی حیدرآباد سے جاری کیا تھا۔ یہ رسالہ دار الطبع سرکار عالی میں ۴۸ صفحات پر طبع ہوتا تھا اور سالانہ قیمت (پیشگی) تین روپیہ، طالب علموں اور انجمنوں کے لیے دو روپیہ آٹھ آنہ تھی۔

رسالہ "ذخیرہ تعلیم" میں ایک حصہ انگریزی کا بھی ہوتا تھا۔ اس انگریزی حصہ کا نام "حیدرآباد ایجوکیشنل جرنل" تھا جو ۱۸ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔

یہ خالص تعلیمی رسالہ تھا جس میں تعلیمی خبریں، مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے تعلق سے مضامین، طرز تعلیم اور اصول تعلیم پر انگریزی کتابوں کے ترجمہ شدہ مضامین حکومت ہند کی یونیورسٹی کے عربی فارسی اور اردو کی درسی کتابوں کے حواشی، مختلف الفاظ کے معنی اور ان یونیورسٹیوں کے امتحانی سوالات کے پرچے بھی شائع ہوتے تھے اس کے علاوہ اس رسالہ میں اردو فارسی و عربی کے مشہور مصنفوں کے تذکرے درج ہوتے تھے اور ایسے مضامین بھی ہوتے تھے جن میں تعلیمی امور و مسائل پر آزادانہ بحث کی جاتی تھی اور کتابوں پر ریویو بھی کیا جاتا تھا۔ یہ ایک اہم تعلیمی رسالہ تھا۔ اس کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست پیش کی جاتی ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۱) ہماری تعلیم و تربیت (۲) علم صحرا کی تعلیم یورپ میں (۳) سلطنت ترکی میں تعلیم نسواں کی ترقی (۴) فیض آباد کی مغربی تعلیمی بنک محدود کے قواعد (۵) بمبئی یونیورسٹی کے امتحان (۶) اغراض و تعلیم و نگرانی مدرسہ العلوم مشرقی (اورینٹل انسٹیٹیوٹ) واقع ووکنگ (۷) نقشہ اورینٹل انسٹیٹیوٹ واقع ووکنگ (۸) مدرسہ نسوان مدراس (۹) شہر مدراس میں میٹرکولیشن کے کامیاب طلبہ (۱۰) مدرسہ اعظم (۱۱) تاشقند میں روسی مدرسہ مسلمانان (۱۲) تعلیمات کی خبروں کا خلاصہ (۱۳) سوانح عمری شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ للہ علیہ (۱۴) سوانح حکیم ناصر خسرو علوی اصفہانی وغیرہ۔

اس رسالہ کا طرز تحریر شگفتہ تھا اور موضوع سے مناسبت رکھتا تھا۔ بعض ایسے الفاظ کا استعمال بھی ہوتا تھا جنہیں ان معنوں میں آج کل نہیں بولا جاتا جیسے گارڈین Guardian کا ترجمہ " ولی " کیا اور " ولی " کی جمع " اولیا " بنایا حالانکہ یہ الفاظ اردو میں دوسرے معنوں میں مستعمل ہیں۔ ایک اقتباس اپنی رائے کی تائید میں پیش ہے۔

" ابتدائی تعلیم کے بعد اولیا کو طالب علم کی رجحان طبیعت اور میلان مزاج پر بخوبی غور کرکے یہ تجویز کرنا چاہیئے کہ کن علوم و فنون میں اس کا جی لگتا ہے اور کن سے گھبراتا ہے جس جانب میلان طبیعت پایا جاوے وہی تعلیم دلانا چاہیئے مثلاً صاحبزادے تو نثاری۔ شاعری۔ فلسفہ۔ منطق کی جان دادہ اور باوا جان نے بھیج دیا انجیزی کے واسطے، یا تو وہ ریاضی میں مشتاق تعمیرات و نقشہ مکانات و مصوری میں اور بھیج دیے گئے کہ جاؤ ڈاکٹری کا امتحان دے کر، ام۔ ڈی بن آؤ پھر فرمائے طبیعت کے مخالف علوم و فنون ---------- پر وقت اور روپیہ ضائع کرنا کیا خاک نتیجہ معقول دے سکتا ہے؟

ترقی یافتہ لوگوں میں انہیں انگریزوں کو دیکھو کہ جس کے ایک آدھ بچہ ہو نصف تنخواہ کے قریب اوس کی تعلیم و تربیت میں صرف کرتا ہے اور جب تک تکمیل نہیں کرا لیتا سلسلہ تعلیم ترک نہیں کراتا۔ جس جانب طبیعت رجوع دیکھتا ہے اوسی کی مناسب تعلیم دلواتا ہے۔" (۳۸۳)

ادبی رسائل: ادب صرف احساس اور جذبہ کو نئی معنویت دینے کا نام نہیں بلکہ ادب سے زندگی کا مکمل شعور و عرفان حاصل ہوتا ہے۔ ادب مشتمل ہوتا ہے شاعری اور نثر پر اور شاعری میں روایتی طرز کی شاعری بھی ہے اور نئے نئے تجربات کی شاعری بھی۔ اسی طرح نثر میں افسانہ، ناول، ڈرامہ، انشائیہ اور مضمون کے علاوہ ادبی تنقید و تحقیق بھی شامل ہے۔

حیدرآباد کے ادبی رسائل میں ایک پہلو صرف شعری تخلیقات کا تھا جنہیں گلدستوں کے زمرے میں جگہ دی گئی ہے۔ گلدستوں میں حسن انتخاب اور شعرا کی فنی مہارت کو دیکھا جا سکتا ہے اس کے علاوہ جو رسائل نکلتے تھے اور ان میں عام طور پر ادب کی ہر صنف کو جگہ دی جاتی تھی اور نظم و نثر کے جملہ تخلیقی پہلو ہوا کرتے تھے اور اسی کے ساتھ تراجم کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ایک مستند مترجم کی حیثیت سے بیسویں صدی کے بالکل ہی آغاز میں ظفر علی خان نے انگریزی کے اس دور کے مزاج و مذاق کے مطابق انگریزی زبان کے شاہکاروں کو اردو میں منتقل کیا جس میں رینالڈس کی (Mysteries of the court of London) اہم ہے۔ یہ رجحان آخر تک رہا مگر گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ نہ صرف ترجمہ و تخلیق کی طرف توجہ کی گئی بلکہ اس امر کی بھی سعی مشکور ہوئی کہ ہمارے ماضی کے ادب کی بازیافت کی جائے اور وہ

انمول جواہر جن پر وقت کی گرد جم گئی ہے اس گرد کو ہٹا کر انہیں تلاش کیا جائے ۔ یہاں سے تحقیق کا عمل شروع ہوا اور بے شمار تحقیقی مضامین لکھے گئے اور اہم دریافتیں سامنے آئیں ۔ جب کبھی اردو تحقیق کی تاریخ مرتب کی جائے گی اس وقت حیدرآباد کے ان رسائل کا نام سرفہرست رہے گا جن رسائل نے اپنے منتخب اور بلند پایہ مضامین کے ذریعہ نئی راہوں کی تلاش کی اور اردو کو علمی و تحقیقی مزاج عطا کیا ۔ یہاں جن رسائل کا ذکر کیا جارہا ہے ان رسائل میں ادب کا تقریباً ہر گوشہ اور ادب کی ہر صنف شامل ہے اور کہیں ان کا تفصیلی تجزیہ بھی کیا گیا ہے ۔

ادبی رسائل کے عنوان کی تخصیص سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ بقیہ جو رسائل ہیں ان میں ادبی موضوعات نہیں ہوتے تھے ۔ عمومی رسائل میں نظمیں ، غزلیں بھی ہوا کرتی تھیں اور ان ادبی رسائل میں خصوصاً گداز میں ایسے مضامین بھی ہوا کرتے تھے جس کا تعلق تاریخ یا دیگر سماجی علوم سے ہوتا تھا ۔ دراصل عنوان کی اس تخصیص کا مفہوم یہی ہے کہ ان میں جزو غالب ناول ، افسانہ ، نظم اور غزل تھے ۔ انیسویں صدی کے آغاز تک اس طرح کے رسائل میں صرف دو ہی نام نظر آتے ہیں اور نقش اول کا کام انجام دیتے ہیں ۔

رسالہ " خیال محبوب / " محبوب عالم " : یہ ماہوار رسالہ یکم محرم سنہ ۱۳۰۵ھ م ۱۹ ستمبر سنہ ۱۸۸۷ء سے بہ یادگار عہد شہریاری نواب میر محبوب علی خان بہادر جاری ہوا ۔ اس کے ایڈیٹر مولوی عبدالسلام عرش تھے اور مرتب ابوالبرکات محمد عبدالحی سعدی و عبدالعلی احمد بلال تھے ۔ یہ رسالہ مطبع ظہیر دکن میں ہر قمری مہینے کی پہلی تاریخ کو طبع ہو کر دفتر محبوب عالم واقع گولی گوڑہ سے شائع ہوتا تھا ۔ اس کا حجم عموماً ۴۸ صفحات اور قیمت چار روپیہ سالانہ تھی ۔

سرورق پر یہ مصرعہ " نذر محبوب علی خاں ہے خیال محبوب " اور ذیل کا شعر درج ہوتا تھا ۔

چتر ہما پایہ سادس نظام
سایہ فگن باد سر خاص و عام

اس رسالہ میں ہر ماہ ایک ناول بالکل جدید طرز پر شائع ہوتا تھا یعنی اس کی جدت یہ تھی کہ عشق و عاشقی کے پیرایہ میں علمی مباحث پیش کئے جاتے تھے جس میں علمی مذاق کی چاشنی ہوتی تھی ۔ یہ رسالہ دو حصوں میں منقسم تھا ۔ حصہ اول میں " خیال محبوب " جس میں ہیرو کے ہجر و فراق کی کیفیات درج ہوتی تھیں ۔ حصہ دوم میں " وصال محبوب " اس میں ہیرو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تھا اور اسے اپنے محبوب کا وصال نصیب ہوتا تھا ۔

اس رسالہ کی زبان اور طرز تحریر ملاحظہ ہو ۔

"ہمارا ہندوستان آج کل جیسا ہے سب جانتے ہیں۔ جہل بد خلقی ۔ رسوم مذموم ۔ سستی اور کاہلی یہ سب مل کر ہماری تہذیب کو بھی دیمک کی طرح چاٹ گئے، ہم ملک کے ساتھ ساری خوبیاں کھو بیٹھے ۔ بد رسموں کی بدولت ادبار کو اتنا رستہ دیا کہ وہ ہمارا پرانا رفیق بن گیا۔ مرد وے تو کچھ کچھ جانتے بھی ہیں مگر عورتیں لکھنا پڑھنا عیب سمجھتی ہیں۔ مردوں کا مقولہ ہے کہ رسوم مذموم ہندوستان کی بانی عورتیں ہیں اور مردوں کو اس قدر تنگ کرتی ہیں کہ بیچارے عاجز ہو کر اوس کو مجبوراً کرتے ہیں اور قرضدار مفلس ہو جاتے ہیں۔
پس اس نازک حالت کا پورا پورا الزام عورتوں پر ہے۔ چنانچہ ہم عورتوں نے یہ تجویز کیا ہے کہ ایک مجلس بنائی جائے۔" (۳۸۴)

مانک راؤ وٹھل راؤ کے بیان کے مطابق اس رسالہ کے نو شمارے نکلے تھے ۔ ایڈیٹر کی وفات کے باعث یہ رسالہ موقوف ہو گیا۔ (۳۸۵)

رسالہ "دلگداز": ہندوستان کے اس مشہور رسالہ کو مولانا عبدالحلیم شرر نے ابتدا میں لکھنو سے شائع کیا تھا۔ پھر جب ان کا تعلق سرکار آصفیہ سے ہو گیا تو انہوں نے ۱۹ شوال سنہ ۱۳۱۴ ھ م ۲۲ مارچ ۱۸۹۷ء کو حیدرآباد سے اسے از سر نو جاری کیا۔ یہ دلگداز کی چھٹی جلد کا پہلا شمارہ تھا۔ رام بابو سکسینہ مولف تاریخ ادب اردو نے حیدرآباد میں دلگداز کی سن اشاعت سنہ ۱۸۹۸ء بتلائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"سنہ ۱۸۹۸ء میں آپ نے حیدرآباد سے دلگداز کو از سر نو جاری کیا۔" (۳۸۶)

جناب طیب انصاری صاحب کو اس کے سن اجرا کے تعلق سے تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے اس کا سنہ اجرا ۱۸۹۶ء لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

راقم الحروف کو حیدرآباد سے دلگداز کا جو پہلا شمارہ نکلا تھا وہ دستیاب ہوا ہے جو ۱۹ شوال ۱۳۱۴ھ م ۱۸۹۷ء، ۲۲ مارچ کا ہے۔ ۔ یہ رسالہ مفید الاسلام پریس واقع کوملہ اکبر جاہ میں طبع ہو کر باغ محی الدین بادشاہ محلہ ترپ بازار سے ہر ماہ شائع ہوا کرتا تھا۔ اس کے پہلے شمارے کا حجم سولہ صفحات تھا پھر بعد کے شمارے ۳۲ صفحات پر شائع ہونے لگے ۔ اس کی سالانہ قیمت عام خریداروں سے دو روپیہ آٹھ آنے تھی۔ اس رسالہ میں زیادہ تر تاریخی مضامین اور قصص شائع ہوتے تھے۔

رسالہ دلگداز کے اغراض و مقاصد بتاتے ہوئے شرر نے لکھا تھا کہ "اردو زبان میں ایک تازہ روح پھونکنا قوم و ملک میں لیاقت و ترقی کی غیرت پیدا کرنا اور وقتاً فوقتاً تاریخی بسیط مضامین سے پبلک کی واقفیت بڑھانا اس رسالہ کے اغراض و مقاصد ہیں۔" (۳۸۷)

اس رسالہ میں علمی مضامین بھی شائع ہوتے تھے جس کے لکھنے والے عموماً خود شرر ؛

الثقلین اور محمد عزیز مرزا تھے ۔ چند مضامین کے عنوانات درج کئے جاتے ہیں ۔ " مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس " " دوسروں کی رائے پر توجہ کرنا " " ایک عظیم الشان ہندو سلطنت اور اس کا دار الحکومت " " معرکہ یونان و روم " کاغذ کا رواج اسلام میں " " ایک قدیم اسلامی گھڑی " وغیرہ ۔

اس رسالہ میں بعض دفعہ کتابوں اور رسائل پر تبصرے بھی شائع کئے جاتے تھے ۔ علمی و معلوماتی مضامین کے علاوہ شرر اپنے سفر انگلستان اور یورپ کے واقعات بھی اس رسالہ میں درج کرنے لگے تھے چنانچہ اس سلسلے میں ان کے دو مضمون "چند گھنٹہ جبرالٹر میں " اور " املی کی مختصر سیر " کے نام سے شائع ہوئے ۔

رسالہ دلگداز میں ایک ناول قسط وار شائع ہوتا تھا جو خود شرر کا لکھا ہوتا تھا ۔ ابتدا میں ان کا ناول " ایام عرب " قسط وار شائع ہوا ۔ اس ناول کی اشاعت کے تعلق سے محترم علی احمد فاطمی صاحب اپنے تحقیقی مقالہ " عبدالحلیم شرر بحیثیت ناول نگار " میں لکھتے ہیں ۔

> " شرر کا یہ تاریخی ناول دو حصوں میں تقسیم ہو کر سنہ ۱۸۹۸ء اور سنہ ۱۹۰۰ء کے درمیان چھپ کر منظر عام پر آگیا تھا ۔ اس ناول کا پلاٹ جب وہ حیدرآباد میں تھے تب ان کے ذہن میں آچکا تھا ۔ سنہ ۱۸۹۸ء میں حیدرآباد کی واپسی پر اشاعت کی منزل پر پہونچ سکا ۔ " (۳۸۸)

لیکن یہ بیان درست نہیں ہے ۔ (مندرجہ بالا اقتباس کے پڑھنے سے التباس پیدا ہوتا ہے (۱) یہ ناول سنہ ۱۸۹۸ء اور سنہ ۱۹۰۰ء کے درمیان شائع ہوا یا لکھا گیا (۲) اس کا پلاٹ حیدرآباد میں سوچا گیا ۔ لیکن لکھنے کی منزل اور اشاعت کی منزل کہیں اور عمل میں آئی ۔ ڈاکٹر علی احمد فاطمی نے کتابت کی ضمن میں رسائل کے عنوان سے صفحہ ۴۶۳ پر شمارہ نمبر ۱۲ میں لکھا ہے کہ " دلگداز کی تمام فائلیں " لیکن اگر انہوں نے دلگداز کی تمام فائلیں دیکھی ہوتیں تو وہ یہ عبارت نہیں لکھے ہوتے ۔ ایام عرب ۲۲ مارچ سنہ ۱۸۹۷ء (جلد ۶ نمبر ۱) سے حیدرآباد میں رسالہ " دلگداز میں قسطوار شائع ہونا شروع ہوا ۔ یعنی پلاٹ حیدرآباد میں ہی ذہن میں آیا اور یہیں لکھا گیا اور اس ناول کی اشاعت کا نقطہ آغاز سنہ ۱۸۹۸ء نہیں بلکہ سنہ ۱۸۹۷ء ہے)

اس کے بعد اکتوبر سنہ ۱۸۹۷ء سے حسن بن صباح کی سوانح عمری شائع ہونے لگی ۔

اگست سنہ ۱۸۹۷ء کے شمارے سے شرر نے " حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی کی سوانح عمری " سکینہ بنت حسین " کے عنوان سے شائع کرنا شروع کیا ۔ شرر نے اس مضمون کے لیے " ابو الفرح اصفہانی کی کتاب الاغانی " کو اپنا ماخذ بنایا تھا ۔ یہ کتاب تاریخی اعتبار سے ساقط الاعتبار اور شرر کا انداز تحریر بھی ایسا تھا جس سے یہاں کے مسلمانوں کے اور خصوصاً شیعہ فرقہ کے عقائد کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی تھی جس کی وجہ سے یہاں شورش پیدا ہوئی ۔ بعض سرکاری عہدہ داروں نے شرر سے اس سلسلہ کو روک دینے کی خواہش کی جس پر انہوں نے اس تاریخی مضمون

کی اشاعت بند کرنے کے بجائے اس رسالہ کو ہی بند کر دیا اور پھر بعد میں اس رسالہ کو سنہ ۱۹۰۰ء میں لکھنو سے جاری کیا۔

راقم الحروف کو رسالہ دلگداز (حیدر آباد) کے گیارہ شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔ (۱۹ شوال سنہ ۱۳۱۴ھ م ۲۲ مارچ سنہ ۱۸۹۷ء سے ۲۶ شعبان سنہ ۱۳۱۵ھ م ۲۱ جنوری سنہ ۱۸۹۸ء تک) جب کہ مانک راؤ وٹھل راؤ مولف بستان آصفیہ نے لکھا ہے "یہاں صرف اس کے ۱۲ پرچے چھپے ۱۹ شوال سنہ ۱۳۱۴ھ کو جاری ہوا اور ماہ رمضان سنہ ۱۳۱۵ھ کو بند ہو گیا۔" (۳۸۹)

رمضان سنہ ۱۳۱۵ھ میں اگر کوئی شمارہ نکلا تو وہ راقم الحروف کو دستیاب نہ ہو سکا۔ اس کا بھی امکان ہے کہ مولف بستان آصفیہ کو بھی گیارہ ہی پرچے دستیاب ہوئے ہوں اور انہوں نے کیوں کہ رمضان کا شمارہ نہیں نکلا اور حساب میں شوال سے رمضان تک بارہ مہینے جوڑ دئے۔

عبدالحلیم شرر: مولانا عبدالحلیم شرر ۱۷ جمادی الثانی سنہ ۱۲۷۶ھ م ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۶۰ء کو لکھنو میں پیدا ہوئے۔ شرر ایک مشہور ناول نگار صحافی مورخ اور انشا پرداز تھے۔ ان کے ناولوں میں "فردوس بریں" "ملک العزیز ورجنا" "فلور فلورنڈا" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

شرر نے سنہ ۱۸۸۰ء سے باقاعدہ طور پر اودھ اخبار کی ملازمت سے صحافتی زندگی کا آغاز کیا۔ اس سے قبل آپ اودھ اخبار کے نامہ نگار کی حیثیت سے خبریں لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ (۳۹۰) بشیر الدین صاحب اور منشی نثار حسین مالک "پیام" کے اصرار پر شرر نے رسالہ "دلگداز" لکھنو سے جاری کیا تھا۔

سنہ ۱۸۹۱ء میں شرر حیدر آباد تشریف لائے جہاں نواب وقار الامرا نے ان کی کافی قدر دانی کی اور اپنے بیٹے کے ساتھ انگلستان بھیج دیا۔ انگلستان سے واپسی کے بعد سنہ ۱۸۹۷ء میں انہوں نے حیدر آباد سے رسالہ "دلگداز" از سرنو جاری کیا مگر کچھ عرصہ تک جاری رکھ کر خود ہی بند کر دیا اور لکھنو واپس چلے گئے۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں میر عثمان علی خان آصف جاہ سابع نے اپنی سوانح عمری لکھنے کے لیے حیدر آباد طلب فرمایا لیکن یہ ارادہ ترک کر کے تاریخ اسلام لکھنے کا کام ان کے سپرد کر دیا اور دو سال کے لیے چھ سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کیا اور اس بات کی بھی اجازت دی کہ وہ یہ کام لکھنو میں رہ کر تکمیل کر سکتے ہیں۔

شرر کا انتقال ۲۴ ڈسمبر ۱۹۲۶ء کو لکھنو میں ہوا۔ "دلگداز" کے علاوہ انہوں نے درج ذیل رسائل بھی جاری کیے تھے۔ "محشر" (ہفتہ وار) "مہذب" (ہفتہ وار) "پردہ عصمت" (پندرہ روزہ) "اتحاد" (پندرہ روزہ) "العرفان" (ماہوار) "دل افروز" (ماہوار) "ظریف" (ہفتہ وار) اور "مورخ" (ہفتہ وار)۔ (۳۹۱)

● حیدرآباد (دکن) کے علمی وادبی رسائل ۱۹۰۱ء تا ۱۹۳۰ء

- تہذیبی یا عمومی رسائل
- قانونی رسائل
- زراعتی رسائل
- طبّی رسائل
- اقتصادی رسائل
- تعلیمی و تدریسی رسائل
- تعلیمی اداروں سے جاری ہونے والے رسائل
- بچوں کے رسائل
- ادبی رسائل
- گلدستے

تہذیبی یا عمومی رسائل:

اس طرح کے رسائل بیسویں صدی کے آغاز سے تعداد کے اعتبار سے بھی اور معیار کے اعتبار سے بھی ارتقائی صورت اختیار کرتے نظر آتے ہیں۔ ان رسائل میں ہر طرح کے مضامین اور زاویہ ہائے نگاہ کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ جہاں جاگیرداری نظام کے تحت "تزک عثمانیہ" جیسے پرچے ملتے ہیں وہیں محمد حمید اللہ کا "الکشافہ" جیسے خالص علمی ماہ نامے بھی نظر آتے ہیں۔ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ادب میں نئے نئے ابعاد کی تلاش کی کوشش اور مختلف موضوعات کو سمیٹنے کا تصور اس دور کے رسائل کی اہم ترین خصوصیت ہے۔

ان رسائل میں زمانی اعتبار سے ماہ نامے بھی ہیں اور دو ماہی یا سہ ماہی رسالے بھی ہیں مثلاً شمس اللہ قادری کا "تاریخ" ۔ البتہ سالنامہ کا تصور بہت بعد میں آیا۔

رسالہ "نسیم دکن": یہ ماہوار رسالہ ماہ شوال سنہ ۱۳۱۹ھ (۳۹۲) م جنوری سنہ ۱۹۰۲ء سے اعلحضرت نواب میر محبوب علی خان بہادر کی سالگرہ کی خوشی میں بہ سرپرستی راجہ لچھمی راؤ راجہ رائے رایان بہادر امانت ونت آصفجاہی ۔ انجمن محبوبیہ (شاہ علی بنڈہ) حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر محمد نادر علی برتر تھے۔ یہ رسالہ مطبع امانت پریس حیدرآباد دکن میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا حجم عموماً ۴۸ تا ۶۸ صفحات اور سالانہ قیمت عام خریداروں سے مع محصول ڈاک ایک روپیہ آٹھ آنہ تھی۔

یہ رسالہ تین حصوں پر مشتمل تھا۔ حصہ اول میں علمی، ادبی، تاریخی، طبی، فلسفیانہ، سوانحی اور تعلیمی موضوعات پر مضامین درج ہوتے تھے۔ حصہ دوم میں مقامی اور بیرونی شعرا کا اردو اور فارسی کا طرحی کلام شائع ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس حصہ میں مہاراجہ کشن پرشاد شاد اور داغ دہلوی کا غیر طرحی کلام بھی شائع ہوتا تھا۔ حصہ سوم میں ایک ناول "نہال کشور" (ترجمہ راجہ امانت ونت) مسلسل تین سال تک شائع ہوتا رہا۔ اس کے علاوہ کتابوں اور رسالوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا۔ اس رسالہ کو شمالی ہند کے مشہور انشاپردازوں کا بھی تعاون حاصل تھا۔ اس کے پہلے شمارے میں مولانا عبدالحلیم شرر کا مضمون "مبادلہ علوم" شائع ہوا تھا۔ اس کے مضمون نگاروں میں مولوی محب حسین، عرش نعمانی، جناب قتیل صاحب علی گڑھ، مولوی صادق حسین صاحب، مولوی سید محمد علی صاحب نعمانی ملیح آبادی، جناب سید معجز حسین صاحب رضوی، مولوی کرامت حسین بیرسٹرایٹ لا الہ آباد، محمد قطب الدین علی صاحب اور ظفر علی خان صاحب قابل ذکر ہیں۔

اس رسالہ کے مضامین میں گہرائی اور اپنے دور کے مسائل پر جچا تلا اظہار خیال نظر آتا ہے قومی زبان یا رابطے کی زبان کے مسئلے پر معجز حسین رضوی کے مضمون "زبان اردو" کا ایک

اقتباس ملاحظہ ہو۔

"ہندوستان کا کوئی ایسا خطہ نہیں ہے جس میں کم و بیش اردو بولی یا سمجھی جاتی یا لکھی نہ جاتی ہو۔ دلی اور لکھنو تو اوس کے مولد و مسکن ہیں ان کا تو ذکر ہی نہیں ہے مگر رنگون۔ کلکتہ۔ برھما۔ کشمیر۔ روھیلکنڈ۔ پنجاب کے پہاڑی حصہ۔ برار۔ حیدرآباد دکن۔ مدراس۔ حیدرآباد سندھ۔ بمبئی۔ میسور۔ راس کماری حتی کہ سیلون تک یہ زبان پھیلی ہوئی ہے۔ اور اس کے بولنے سمجھنے لکھنے والے ملتے ہیں اس کے سوا اور کوئی دوسری زبان ایسی عالمگیر نہیں ہے کہ ہند کے کثیر التعداد باشندے اس کو استعمال کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے ہند کی قومی زبان اگر ہو سکتی ہے تو اردو ہی ہو سکتی ہے اور یہ فخر بھی اس کو حاصل ہو سکتا ہے۔" (۳۹۳)

راقم الحروف کو اس رسالہ کے ڈسمبر سنہ ۱۹۰۵ء تک کے شمارے دستیاب ہوئے ہیں۔

افسانہ / افسانہ دکن ریویو / دکن ریویو: رسالہ "افسانہ" ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۲ء سے زیر سرپرستی مہاراجہ سرکشن پرشاد حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے مالک و ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان تھے۔ یہ رسالہ حیدرآباد پریس متصل مسجد افضل گنج حیدرآباد دکن میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا حجم عموماً پچاس صفحات ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ معہ محصول ڈاک تین روپیہ آٹھ آنے پیشگی اور ایک پرچہ کی قیمت آٹھ آنے تھی۔ یہ مصور رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔

مولانا ظفر علی خان نے اس رسالہ کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "اس میں صرف ایسے انگریزی ناولوں کا ترجمہ یکے بعد دیگرے درج ہوا کرے گا جو دلچسپ اور پرلطف ہونے کے ساتھ مہذب اور نتیجہ خیز ہوں گے۔ ترجمہ میں اس بات کا التزام خاص کیا گیا ہے کہ اصل کے مطابق اور ساتھ ہی فصیح و بامحاورہ ہو۔" (۳۹۴)

آگے وہ افسانہ کے تعلق سے وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "افسانہ نگار ابتدائی قصوں میں اپنے قصے کی دلچسپی کی صرف بنیاد رکھتا ہے اور جوں جوں عمارت اوٹھتی جاتی ہے اوس کی خوبصورتی بڑھتی جاتی ہے۔ عمارت کی روکار کے بالائی حصہ کی تزئین پر معمار جو صناعی کرتا ہے وہ بنیاد میں نہیں پائی جاتی

افسانہ کے ان چند ابتدائی اجزا کو اوس از خود رفتہ کر دینے والی دلچسپی کا معیار نہ سمجھنا چاہیئے جو آئیندہ نمبروں میں حضرات ناظرین کو حظ طبع کا باعث ہوں گے جس کا ہم اونہیں پورا یقین دلاتے ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ اس سلسلے میں ہرگز کوئی مضمون ایسا نہ ہوگا جو خلاف تہذیب ہو یا ہمارے متین سے متین ناظرین کے مذاق کو بھی گراں گزرے۔" (۳۹۵)

اس رسالہ میں رینالڈ کے مشہور ناول "مسٹریز آف لندن" کا ترجمہ بنام "فسانہ لندن" بالاقسط سادہ اور سلیس زبان میں شائع ہوتا تھا۔

جنوری سنہ ۱۹۰۴ء سے مولوی ظفر علی خان نے "افسانہ" کو "دکن ریویو" کے ساتھ ضم کر دیا یا یوں کہئے کہ "دکن ریویو" کے ساتھ "افسانہ" کو بھی شامل کر لیا اور "افسانہ" کو زندہ رکھنے کے لیے دکن ریویو کی پہلی جلد کو دوسری جلد کا نام دے دیا اور اس رسالے کے سرورق پر بھی بہ سرپرستی یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر درج ہوتا تھا۔ "افسانہ" کے ساتھ "دکن ریویو" نکالنے کی توجیہ اور اس کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے مولوی ظفر علی خان نے جنوری سنہ ۱۹۰۴ء کے اداریہ میں لکھا ہے "ہمارے بعض بزرگوں اور کرم فرماؤں نے جن میں سے اکثر ایسے ہیں جن کی رائے کی، ہماری نظروں میں بڑی وقعت ہے۔ بہ لحاظ اوس حسن ظن کے جو اونہیں ہماری نسبت ہے، ہم سے کہا ہے کہ افسانہ نکالنے سے، ہم اپنے زور قلم اور قوت دماغ کو بے جا صرف کر رہے ہیں، بجائے اس کے اگر کوئی اعلیٰ درجہ کا علمی رسالہ جس میں اخلاق و فلسفہ اور علوم جدیدہ کے تازہ اور لطیف نکات مندرج ہوں شائع کیا جائے تو ملک اور قوم کو بہت زیادہ فائدہ ہو۔

اس لیے ہم کسر و انکسار سے کام لیتے ہیں اور افسانہ کے حجم میں کسی قدر اضافہ کر کے اس کے دو حصے کئے دیتے ہیں۔ حصہ اول میں جس کا نام دکن ریویو تجویز کیا گیا ہے نظم و نثر کے مختلف علمی و اخلاقی مضامین اور دلچسپ باتیں درج ہوا کریں گی دوسرے حصہ میں جو افسانہ کا حصہ اصل ہے بدستور قصہ شائع ہوا کرے گا۔ حجم کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ بتیس صفحے فسانہ لندن کے لئے وقف کر دئے ہیں اور چوبیس صفحے دکن ریویو کے مضامین کے لئے۔ "(۳۹۶)

اس دور (۱۹۰۴ء) کے چند رسالوں پر ایڈیٹر ظفر علی خان بی۔ اے کے نام کے ساتھ ایک اور نام سید محفوظ علی (۳۹۷) بی۔ اے لکھا ہوتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے یہ رسالہ ان دونوں حضرات کی ادارت میں نکلنے لگا تھا۔

اس رسالہ کے قواعد و ضوابط بتلاتے ہوئے مولوی ظفر علی خان لکھتے ہیں۔ "دکن ریویو میں نظم و نثر کے اعلیٰ و اخلاقی مضامین اس مقصد سے شائع کئے جاتے ہیں کہ ملک میں علم کا صحیح مذاق پھیلے اور اردو زبان کو ترقی ہو۔ "(۳۹۸)

اور اس مقصد کو پورا کرنے اور اہل دکن میں علمی ذوق پیدا کرنے اور ان کو لکھنے پڑھنے کی طرف راغب کرنے کے لئے ظفر علی خان نے اعلیٰ علمی مضامین پر انعام دینے کا اعلان کیا۔ اس تعلق سے وہ لکھتے ہیں۔ "منجملہ اون مقاصد کے جو دکن ریویو کی اشاعت سے، ہمارے پیش نظر ہیں ایک خاص مقصد یہ بھی ہے کہ اہل دکن کو اعلیٰ درجہ کے علمی و اخلاقی و تمدنی مضامین کے لکھنے کی تحریک دی جائے۔ ہمارے دکنی بھائی تعلیم میں بلحاظ تعداد ہندوستان کے دوسرے مقامات کے لوگوں سے بہت پیچھے ہیں اور اگر دکن ریویو اون میں یہ مذاق صحیح طور سے پیدا کر سکے تو ہم سمجھیں گے کہ اپنے اغراض و مقاصد میں اوس نے ایک بہت بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔

---- دکن ریویو ایسے اصحاب کو مسابقت کے میدان میں اوترنے کی دعوت دیتا ہے

اور انعامی مضامین کا ایک سلسلہ قائم کرتا ہے جس پر وہ دکن ریویو کے کالموں کے ذریعہ سے طبع آزمائی کر سکتے ہیں اس دفعہ حسب ذیل مضمون پر جس کے لئے مبلغ پچیس روپیہ انعام مقرر کیا گیا ہے ارباب ذوق سلیم طبع آزمائی فرمائیں ۔

دکن کن کن صنعتوں کے لحاظ سے مشہور ہے ان صنعتوں کے فروغ کا زمانہ کب تھا اور اب کون کون سے صنعتیں موجود ہیں اور کہاں کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں ۔ وہ کیا اسباب تھے جو ان کے زوال کا باعث ہوئے ۔ اور اب کیا تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں جن سے ان کو پھر فروغ ہو ۔ مضمون ایک لائق اور معزز کمیٹی کے ملاحظہ میں پیش کئے جائیں گے اور انعام اوس مضمون پر دیا جائے گا جو کمیٹی کے نزدیک سب میں اعلیٰ ہو ۔ " (۳۹۹)

اس تعلق سے سب سے پہلا انعام مولوی حافظ سید ابراہیم صاحب حیدرآبادی کے مضمون "مصنوعات دکن" (مئی سنہ ۱۹۰۵ء) کو دیا گیا ۔ جنوری سنہ ۱۹۰۵ء سے اس رسالہ کے نام میں سے "افسانہ" کا لفظ نکال دیا گیا اور اس رسالہ کا نام صرف "دکن ریویو" رکھا گیا ۔ مولوی ظفر علی خان نے لکھا " سال آئندہ یعنی جنوری سنہ ۱۹۰۵ء سے پرچہ کے نام میں سے افسانہ کا لفظ حذف کر دیا جائے گا اور صرف دکن ریویو رہنے دیا جائے گا جو بجائے خود ایک جامع نام ہے البتہ خریداروں کو بدستور اختیار ہو گا کہ خواہ دکن ریویو خریدیں خواہ دکن ریویو کے ساتھ قصہ کا جو حصہ شامل کیا جاتا ہے وہ بھی خریدیں ۔ " (۴۰۰)

اب اس رسالہ کے ایڈیٹر صرف ظفر علی خان ہی تھے ۔ " دکن ریویو " نے زبان و ادب کی بڑی اہم خدمت انجام دی ۔ اس کے مضمون نگاروں میں مقامی اور شمالی ہند کے سبھی مشہور انشا پرداز شامل تھے ۔ اسی طرح اس میں اس دور کے ممتاز شعرا کا کلام شائع ہوتا تھا ۔

یہ ایک علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں ہر ماہ متنوع موضوعات پر ٹھوس اور معیاری مضامین قلمبند کئے جاتے تھے ۔ اس کے علاوہ نظمیں و غزلیں بھی شائع کی جاتی تھیں اور کتابوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا ۔ ذیل میں اس کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے جس سے اس رسالہ کی نوعیت اہمیت اور معیار کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔

(۱) " زبان عرب اور دنیا پر اس کا اثر " (از محمد عبد الحلیم شرر) (۲) "مرثیہ اور مرزا دبیر مرحوم" (از نواب نصیر حسین خان بہادر خیال کلکتہ) (۳) " محسن الملک مرحوم " (از مولوی عبد الحق صاحب بی اے) (۴) " مدرسہ تعلیم المعلمات علی گڑھ " (از ظفر علی خان) (۵) " ہندوؤں کی تہذیب " (از رائے پربھو لعل صاحب) (۶) " سرسید احمد خان کی دینی برکتیں " (از مولوی عبد الحلیم شرر) (۷) " حالی کی قدیم غزلیں " (از مولوی رضا علی صاحب وحشت ۔ کلکتہ) (۸) " دیوان حافظ کی فالیں " (از مولانا اسلم جیراج پوری علی گڑھ) (۹) " ہندی قوم اور قومی زبان " (از مسٹر ڈپٹی لال نگم بی ۔ اے) (۱۰) " فارسی شاعری کا چوتھا دور " (از علامہ شبلی نعمانی) (۱۱) " ٹرکی کا انقلاب " (از مولوی عبد الحق

صاحب) (۱۲) " زبان " (از مرزا سلطان احمد صاحب) (۱۳) " تزک جہانگیری اور جہانگیر " (از شمس العلما مولانا شبلی) (۱۴) " نئی اور پرانی دنیا کی اصول سیاست " (از مولوی محمد اختر صاحب) (۱۵) " جدید قواعد اردو " (از مولوی عبدالحق) (۱۶) " جنگ روس و جاپان " (از مولوی ظفر علی خان) (۱۷) " فنون لطیفہ " (از مولوی محمد معشوق حسین صاحب بی ۔ اے الہ آباد) (۱۸) " عربی شاعری اور مثنوی " (از مولوی محمد عبدالباسط) (۱۹) " سلطان صلاح الدین ایوبی " (از محمد عزیز مرزا (۲۰) " بو علی سینا " (از ظفر علی خان) (۲۱) " تقلید کا اثر اقوام کی نشوونما پر " (از سید محفوظ علی) (۲۲) " سائنس کا ایک نیا کرشمہ " (از مولوی ظفر علی خان) (۲۳) " اسلام کا اثر تمدن پر " (از سلطان احمد) (۲۴) " نسبتی قانون " (از مرزا سلطان احمد) (۲۵) " مہابھارت پر ایک سرسری نظر " (از رائے تیج ناتھ صاحب ایم ۔ اے ۔ ایل ۔ ایل بی) (۲۶) " حقیقت شعر " (از مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی پروفیسر نظام کالج) (۲۷) " اصلاح تمدن " (از نواب ذوالقدر جنگ بہادر بیرسٹر ایٹ لا (۲۸) " جزیرہ مینکائی " (از مولوی محمد معشوق حسین خان صاحب) (۲۹) " اساس الاخلاق " (از مرزا سلطان احمد) (۳۰) " مبادی علوم " (از مرزا سلطان احمد صاحب) (۳۱) " العالم الاسلامی " (از مولوی عبدالحق) (۳۲) " صنعت و حرفت کی تعلیم کی ضرورت " (از مولوی محمد عزیز مرزا صاحب) (۳۳) " احیائے علوم عربیہ اور ایک ریڈیکل " (از علامہ شبلی نعمانی) (۳۴) " بو علی سینا " (نمبر ۲) (از جناب حافظ حکیم اجمل خان صاحب دہلی) (۳۵) " الندوہ اور تحقیق علم " (از محمد مظہر حسین خان) (۳۶) " انڈین نیشنل کانگریس اور مسلمان ہند " (از کبیر الدین صاحب) (۳۷) " شرر اور سرشار " (از شیخ تصدق حسین لکھنوی) (۳۸) " ہولی " (از مہاراجہ سرکشن پرشاد) (۳۹) " تصوف کی تاریخ " (از مولانا ظفر علی خان) " مصر کی طبعی تاریخ " (از ایڈیٹر) (۴۰) " نقاد اور اردوئے معلیٰ " (از مولوی محمد احمد علی صاحب لکھنوی) ۔

مندرجہ بالا فہرست سے اس رسالہ کی اہمیت اور افادیت اور معیار کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس رسالہ نے جہاں اردو زبان و ادب کی خدمت انجام دی وہیں علمی و تعلیمی موضوعات کو بھی زیر بحث لایا ۔

اس رسالہ میں جن شعرا کا کلام شائع ہوتا تھا ان میں پروفیسر محمد اقبال ، شبلی نعمانی ، سید الطاف حسین حالی ، اکبر الہ آبادی ، مولوی سید محمد ضامن کنتوری ، پروفیسر حمید الدین صاحب بی ۔ اے کراچی ، عزیز یار جنگ عزیز ، مولوی مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی ، ظفر علی خان ، مولوی کاظم حسین شیفتہ ، مولوی رضا علی صاحب وحشت کلکتہ ، سید احمد حسین صاحب امجد حیدر آبادی ، منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی قابل ذکر ہیں ۔

یہ رسالہ ڈسمبر سنہ ۱۹۰۵ء تک شائع ہوتا رہا ۔ اس کے بعد مولانا ظفر علی خان کی علالت کی وجہ سے بند ہو گیا ۔ مگر علالت کا تو صرف بہانہ تھا اصل وجہ کچھ اور تھی جس پر جناب ابن علی

بدایونی صاحب نے روشنی ڈالتے ہوئے لکھا " اوائل سنہ ۱۹۰۶ء میں ایک نظم " ذاکر نامہ " لکھنے کے سلسلے میں ظفر علی خان صاحب ریاست حیدر آباد کی ملازمت سے بر طرف اور شہر بدر کر دئے گئے ۔ چنانچہ یہاں سے وہ شمالی لینڈ (آفریقہ) گئے اور وہاں سے بمبئی آئے ۔ یہاں پر کاروبار شروع کیا لیکن انہیں دکن ریویو کی یاد بے چین کئے رہتی تھی چنانچہ انہوں نے بمبئی میں اس رسالہ کا احیا کیا ۔ (۴۰۱) بمبئی سے دکن ریویو ٹائمس آف انڈیا بلڈنگ سے نومبر سنہ ۱۹۰۶ء (۴۰۲) میں جاری ہوا ۔ اس سلسلہ کو سلسلہ جدید کا نام دیا گیا اور یہ سلسلہ جدید کی پہلی جلد کا پہلا شمارہ تھا ۔ اس رسالہ کا سائز کم کر دیا اور ضخامت ۵۲ صفحات کر دی گئی ۔ اب اس کے سرورق پر بہ سرپرستی مہاراجہ سر کشن پرشاد درج نہیں ہوتا تھا ۔

چند ماہ بعد حیدر آباد میں مولوی ظفر علی خان کے لئے حالات سازگار ہو گئے تو وہ حیدر آباد لوٹ آئے اور یہاں انہیں سرکاری ملازمت بھی مل گئی تو پھر انہوں نے اس رسالہ کو حیدر آباد دکن سے دوبارہ جاری کیا ۔

امداد صابری صاحب کے بیان کے مطابق دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء کا پرچہ بھی بمبئی میں چھپا ۔ جنوری ۔ فروری سنہ ۱۹۰۷ء کے پرچے بمبئی میں مرتب کر لئے گئے تھے ۔ حیدر آباد پہنچنے کے بعد دونوں مشترکہ پرچے حیدر آباد سے روانہ کئے مارچ سنہ ۱۹۰۷ء سے دوبارہ دکن ریویو حیدر آباد سے شائع ہوا ۔ (۴۰۳)

اس بار دکن ریویو میں " فسانہ لندن " کی اشاعت کا سلسلہ بند کر دیا گیا اور یہ اعلان کیا گیا

" فسانہ لندن " آئیندہ سے دکن ریویو سے علاحدہ سہ ماہی وار شائع ہوگا یعنی ہر تیسرے مہینے سو صفحے کی ایک مجلد کتاب نہایت خوش خط اور دیدہ زیب شکل میں ناظرین کے پاس ہدیتہ پہونچ جایا کرے گی ۔ " (۴۰۴)

مگر کچھ مالی مجبوریوں کے باعث وہ اس کو نہیں نکال سکے مگر انہوں نے اس کو جاری کرنے کا ارادہ ترک نہیں کیا بلکہ اس کو جاری کرنے کے لئے ایک اور صورت نکالی ، لکھتے ہیں " اس کی صرف ایک ترکیب ہوسکتی ہے اور یہ کہ رسالہ افسانہ پھر جاری کیا جائے ۔ لیکن اڑتالیس صفحہ کے ہفتہ وار میگزین کی شکل میں جس کے ذریعے سے فسانہ لندن ایک سال میں ناظرین کی خدمت میں پہنچ جائے کم از کم ۱۰۰۰ درخواستوں کے وصول ہونے پر مارچ سنہ ۱۹۰۸ء سے یہ میگزین جاری کیا جائے گا ۔ " (۴۰۵)

مگر اتنی درخواستیں نہ آئیں ، تب دل برداشتہ ہو کر لکھتے ہیں " افسانہ " کا خیر مقدم جس سرد مہری اور بے اعتنائی سے کیا گیا اور اوس سے امید نہیں ہوتی کہ اس کا اجرا جلد ہو سکے ، ہم نے ارادہ کیا تھا کہ ایک ہزار درخواستوں کے وصول ہونے پر اسے جاری کریں گے لیکن اس وقت

تک کلھم چالیس درخواستیں وصول ہوئی ہیں ایسی حالت میں جبکہ دکن ریویو ہی کی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں اور اس کا خرچ اس کی آمدنی سے بدرجہ بڑھا ہوا ہے، ہم افسانہ کیا نکالیں۔ "(۴۰۶)

مولوی ظفر علی خان نے اس رسالے سے کافی مالی نقصان اٹھانے کے باوجود مضمون نگاروں کو معاوضے دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں "اگرچہ دکن ریویو کے قلمی سرپرستوں کی نوازشات کا سلسلہ اس ارادت کی طرح جو ہمیں ان کی جناب میں لاتا ہے لامتناہی ہے پھر بھی اس عرق ریزی اور جانکاہی کا اندازہ کر کے جو ایک اچھے مضمون کے لکھنے میں صرف کرنی پڑی ہے، ہم نہیں چاہتے کہ بار شاطر ہونے کے بجائے، ہم اپنے تقاضوں کے باعث ان کے لئے بار خاطر ہوں۔ پس آئندہ سے دکن ریویو کے قلمی معاونین کو یہ اطلاع دینا ہم اپنا فرض خیال کرتے ہیں کہ جو مضمون اس کے کالموں میں شائع ہوگا اس معاوضہ بجائے خالی خولی زبان شکریہ کہ نقدی میں دیا جائے گا۔ "(۴۰۷)

مگر دوسرے مہینے سے ہی حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ مولانا کے عزائم خواب و خیال بن گئے اور انہوں نے اعلان کیا کہ میں اس کی ادارت اور ملکیت سے علاحدہ ہوتا ہوں اور آئندہ اس کے مالک و مدیر مولوی سید مودود احمد صاحب قادری ہوں گے اور وہ دکن ریویو کی قدیم پالیسی کو جاری رکھیں گے۔ اس تعلق سے وہ لکھتے ہیں "ہم نہایت دلی رنج کے ساتھ بلا کسی مزید تمہید کے ناظرین کو یہ اندوہ ناک خبر سناتے ہیں کہ یہ پرچہ دکن ریویو کا آخری نمبر ہے جس کی ایڈیٹری کی خدمت، ہم انجام دیتے ہیں۔

ہمارے کرم فرما اس خبر کو سن کر ہم سے تعجب کے ساتھ دریافت کریں گے کہ آخر اس فوری فیصلہ کا کیا باعث ہے ان کا استعجاب بے محل نہیں ہے اس لئے کہ دو ہی مہینے ہوتے ہیں کہ ہم نے دکن ریویو کے ذریعہ سے یہ اعلان کیا تھا کہ ہر اس مضمون کے لئے جو اس میں شائع ہوگا مضمون نگار کو معقول معاوضہ دیا جائے گا۔ کیا یہ ہمارا فوری فیصلہ سرمائے کی کمی یا مالی نقصان کی وجہ سے ہے، ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ جس شخص نے پانچ سال سے مالی نفع نقصان کی پرواہ نہ کی ہو جس نے رود موسیٰ کی طغیانی کے ہمہ گیر نقصان میں بقدر چار ہزار روپیہ کے حصہ لے کر بھی اشاعت موقوف یا ملتوی کرنے کا خیال نہ کیا وہ کسی معمولی ماہوای نقصان کو کب خاطر میں لاسکتا ہے جس چیز نے ہمیں دکن ریویو سے تعلق ایڈیٹری قطع کرنے پر مجبور کیا ہے وہ سرمایہ کی کمی نہیں بلکہ وقت کی کمی ہے۔ "(۴۰۸)

مولانا ظفر علی خان کے اس رسالہ سے علاحدہ ہونے کی وجہ وہ نہیں جو مولانا نے بیان کی ہے اصل وجہ کچھ اور تھی جس کی طرف ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔
"دکن کی محلاتی سیاست نے ایک ایسا رخ پلٹا کہ مولانا کو معلوم ہو گیا کہ وہ بہت جلد نکالے جائیں

گئے ۔ چونکہ مولانا کو حکمران طبقے کی ریشہ دوانیوں کا علم تھا اس لئے انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ " دکن ریویو کسی اور کے سپرد کر دیا جائے تا کہ جب اخراج کا وقت آئے تو کم از کم اس بلا سے نجات پا چکے ہوں ۔ " (۴۰۹)

اگلے مہینے دکن ریویو، نئے مدیر مولوی سید مودود احمد صاحب قادری کی ادارت میں نکلا انہوں نے مولانا ظفر علی خان کو خراج عقیدت ادا کرتے ہوئے لکھا ۔

" بجز اس کے کہ ایک مرتب کا نام بدل گیا کوئی اور تغیر اس میں واقع نہیں ہوا ۔ ایک بہت بڑے فرزانہ ، روزگار کا قول ہے کہ گلاب کے پھول کا نام بدل کر چاہے کوئی دوسرا نام لیا جائے پھر بھی اس کی آنکھوں میں کھب جانے والی خوش رنگی اور اس کی بھینی بھینی مہک کی مشام افروزی وہی رہے گی جو آگے تھی ۔ " (۴۱۰)

یہاں اس بات کا تذکرہ بے جا نہ ہو گا کہ دکن ریویو میں مولوی عبدالحق صاحب کی درخواست پر " انجمن ترقی اردو " کی روداد بھی شائع ہونے لگی تھی ۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے ایک خط مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۰۷ء میں ایڈیٹر رسالہ دکن ریویو کو لکھا " انجمن کے کسی گذشتہ جلسہ میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ چونکہ انجمن کا کوئی ایسا آرگن نہیں جس کے ذریعہ سے اس کی کاروائیاں شائع ہو سکیں لہذا یہ کام دکن ریویو سے لیا جائے اور ایڈیٹر دکن ریویو سے درخواست کی جائے کہ وہ از راہ ہمدردی انجمن کی کاروائیوں کو وقتاً فوقتاً اپنے رسالہ کے ذریعہ سے شائع فرمایا کریں ۔ اسی بناء پر میں آپ کی خدمت میں انجمن کی کاروائیوں کی مختصر روائداد جو جائنٹ سکریٹری صاحب نے مرتب کی ہے آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں ۔ امید ہے کہ آپ براہ کرم اپنے قابل قدر رسالہ میں درج فرما کر ممنون فرمائیں گے ۔

عبدالحق سکریٹری انجمن ترقی اردو حیدرآباد دکن ۔ " (۴۱۱)

راقم الحروف کو اس رسالہ کے ماہ فروری سنہ ۱۹۰۹ء تک کے چیدہ چیدہ شمارے ادبیات اردو اور اردو ریسرچ سنٹر و کتب خانہ سالار جنگ میوزیم میں دستیاب ہوئے ہیں ۔ (مولانا ظفر علی خاں سنہ ۱۸۷۰ء میں سیالکوٹ کے ایک گاؤں مہرتھ میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد مولوی سراج الدین احمد مشہور اخبار " زمیندار " کے بانی تھے ۔ ظفر علی خاں نے پٹیالہ سے دسویں جماعت پاس کرنے کے بعد سنہ ۱۸۹۴ء میں علی گڑھ سے بی ۔ اے کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا اور علی گڑھ سے بمبئی پہنچے اور نواب محسن الملک کے پرائیویٹ سکریٹری مقرر ہوئے اس کے بعد نواب صاحب کی سفارش سے حیدرآباد پہنچے ۔ یہاں ابتدا میں فوج میں ملازمت ملی اس کے بعد دار الترجمہ میں جگہ ملی اور ترقی کرتے ہوئے اسسٹنٹ سکریٹری مقرر ہوئے ۔ حیدرآباد سے کچھ عرصہ کے لیے بمبئی گئے دوبارہ واپس آنے کے بعد قانون ساز ادارے کے رجسٹرار بنائے گئے ۔ مولانا پر جوش خطیب ، صاحب طرز ادیب ، سیاسی رنگ کے شاعر اور بے باک نڈر اور صاحب کردار صحافی تھے ۔

مولانا ظفر علی خاں ممبر پارلیمنٹ بھی منتخب ہوئے تھے اور قیام پاکستان میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ مولانا کو اردو، انگریزی پر کافی عبور تھا۔ وہ کامیاب مترجم بھی تھے۔ ان کے ترجموں میں "خیابان فارس" "فسانہ لندن" "سیر ظلمات" "معرکہ مذہب و سائنس" قابل ذکر ہیں۔ سنہ ۱۹۵۶ء میں ان کا انتقال ہوا۔

رسالہ "صحیفہ" موسوم بہ اسم تاریخی جشن عشرت / صحیفہ: یہ ماہوار رسالہ مورخہ ۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۳ھ م ۱۰ جون (۴۱۲) سنہ ۱۹۰۵ء کو بتقریب چہل سالہ سالگرہ مبارک میر محبوب علی خان بہادر حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے مالک و ایڈیٹر جناب سید رضی الدین حسن صاحب کیفی تھے اور سب ایڈیٹر نوازش علی خان مست حیدرآبادی تھے۔ یہ رسالہ امانت پریس میں طبع ہو کر حویلی نواب صاحب کلیانی حیدرآباد سے شائع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ مع محصول ڈاک دو روپیہ آٹھ آنے تھا۔ حجم عموماً بتیس صفحات ہوتا تھا اور کتابت و طباعت عمدہ ہوتی تھی۔

یہ علمی و ادبی رسالہ تھا جسے مقامی اور بیرونی مشہور انشاپرداز اور شاعروں کا تعاون حاصل تھا۔ اس کے معاونین میں شمس العلما مولوی ذکا اللہ، مولوی محب حسین، مولوی علی بشیر، مولوی محمد ضامن کنتوری، پروفیسر محمد عبدالقدیر، مہاراجہ کشن پرشاد، نواب سراج الدین احمد خان سائل دہلوی، نوازش علی خان مست اور خود کیفی قابل ذکر ہیں۔

یہ حیدرآباد دکن کا ایک اہم اور معیاری رسالہ تھا۔ اس میں ہر ماہ متنوع موضوعات پر معیاری اور اہم مضامین قلمبند کئے جاتے تھے۔ ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے جس سے اس کی نوعیت، اہمیت، افادیت اور معیار کا اندازہ ہو سکتا ہے

(۱) "اصول تنقید" (از پروفیسر محمد عبدالقدیر) (۲) "اردو اور اسلام" (از مولانا نادر الدین پروفیسر دار العلوم) (۳) "محاضرات" (چند لاجواب جوابات) (از مولوی محمد اکبر علی صاحب) (۴) "ہندوستان کی قدیم رصد گاہیں" (از مولوی علی بشیر) (۵) "شعر کی خوبی اور اس کی مقبولیت کا سبب" (از لمعہ بن شعلہ مرحوم) (۶) "اردو اور انگریزی" (از خان بہادر شمس العلما مولوی محمد ذکا اللہ صاحب) (۷) "تصوف اور فلسفہ عشق" (از مولوی محب حسین) (۸) "اقوام کی موت و زندگی" (از مولوی محمد اکبر علی صاحب)

مندرجہ بالا فہرست سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس رسالہ میں اردو زبان و ادب پر بھی مضامین شائع ہوتے تھے۔ یہ معیاری رسالہ ماہ شوال سنہ ۱۳۲۳ھ تک یعنی صرف سات ماہ جاری رہ کر بعض ناگزیر حالات اور خود ایڈیٹر کی علالت کی بنا پر مسدود ہو گیا۔ پھر یہ رسالہ ماہ رمضان سنہ ۱۳۲۴ھ م ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء سے دوبارہ جاری ہوا۔ مگر اب مولوی سید رضی الدین حسن

کیفی صاحب نے اس کے جملہ حقوق انجمن معارف حیدرآباد دکن کے نام منتقل کردئے ۔ چنانچہ یہ رسالہ انجمن معارف کے زیر نگرانی مولوی محمد اکبر علی صاحب معتمد انجمن معارف کی ادارت میں بیرون دروازہ چادر گھاٹ حیدرآباد سے نکلنے لگا ۔ اس تعلق سے طیب انصاری صاحب کو تسامح ہوا ہے ۔ انہوں نے لکھا ہے کہ انجمن معارف کے زیر اہتمام اس کی دوبارہ اشاعت ۱۹۱۰ء میں عمل میں لائی گئی ۔ (۴۱۳) جو کہ درست نہیں ہے ۔ اب اس کا نام صرف "صحیفہ رکھا گیا اور اس کا حجم بڑھا کر ۳۲ تا ۶۴ صفحات کردیا گیا اور سنہ ۱۹۰۹ء سے یہ رسالہ اپنے ذاتی پریس یعنی صحیفہ پریس میں طبع ہونے لگا ۔

اب یہ رسالہ انجمن معارف کا ترجمان تھا ۔ اس انجمن کے اغراض و مقاصد حسب ذیل تھے

"اہل دکن میں علمی اخلاقی او مادی ترقی کی روح پھونکی جائے اور ان کو عالم جہالت سے نکال کر علمی اور تمدنی دنیا میں ایک زندہ قوم بنایا جائے ۔ انجمن نے اس کے حصول کی جو تدبیریں سوچی ہیں وہ یہ ہیں ۔ (۱) ایک علمی ماہوار رسالہ کی اشاعت (۲) ایک دار الاخبار کا قیام (۳) ایک کتب خانہ کا افتتاح (۴) تقریریں (۵) عام جلسے (۶) اسباب ورزش جسمانی کی فراہمی (مثلاً ٹینس ۔ کرکٹ ۔ فٹ بال وغیرہ کا مہیا کرنا ۔" (۴۱۴)

اس رسالہ کے اغراض و مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے مولوی محمد اکبر علی صاحب نے لکھا ۔ " اس رسالہ میں ادبی ۔ علمی اور اخلاقی مضامین کے علاوہ حسب ذیل مباحث ہوا کریں گے ۔ (۱) بعض مہتم بالشان مذہبی مسائل پر محققانہ و فلسفیانہ مباحث (۲) عربی اور انگریزی رسالوں کے مفید مضامین کا ترجمہ (۳) موجودہ زمانہ کی زیر طبع یا زیر تصنیف و تالیف کتابوں پر تنقید (۵) اکابر سلف کے واقعات زندگی پر مبصرانہ تذکرے (۶) دکن کے متعلق دلچسپ معلومات ۔ " (۴۱۵)

اس رسالہ کی چند خصوصیات تھیں جو اس کو دوسرے ہم عصر رسالوں سے ممیز کرتی تھیں جیسے ۔

اس رسالہ کی آمدنی اس کی ترقی میں صرف کی جاتی تھی (۲) یہ دکن کا واحد رسالہ تھا جس میں صرف اہل دکن کے مضامین شائع ہوتے تھے جس کا مقصد ان میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کرنا تھا چنانچہ اس مقصد کے لئے ہر ماہ جو مضمون نہایت اعلیٰ درجہ کا ہوتا تھا اس کے صلہ میں مضمون نگار کو معقول معاوضہ بطور نذرانہ پیش کیا جاتا تھا ۔ (۴۱۶) (۳) اس میں کسی اخبار یا رسالے سے کوئی مضمون نقل نہیں کیا جاتا تھا (۴) اس رسالہ کے مضامین کافی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور شمالی ہند کے بعض رسالوں میں نقل کئے جاتے تھے ۔

اس رسالہ کو حکومت سرکار عالی کی بھی سرپرستی حاصل تھی اور یہ رسالہ محکمہ تعلیمات

اور ہائی اسکولوں کے لئے خریدا جاتا تھا۔

اس رسالہ نے اردو زبان و ادب کی کافی خدمت انجام دی چنانچہ اس رسالہ میں علمی مضامین کے علاوہ اردو زبان و ادب پر بھی نہایت اہم اور معیاری مضامین شائع ہوئے ۔ ذیل میں اس کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی تھی جس سے اس رسالہ کی نوعیت، اہمیت اور معیار کا اندازہ ہو گا۔

(۱) " اصلاح اردو (اردو کا جنم بھوم) (از تسلی حیدر آبادی) (۲) " اردو شاعری اور اخلاقی مضامین " (از لمعہ حیدر آبادی) (۳) " اصلاح اردو " (از ایڈیٹر) (۴) " نظم غیر مقفیٰ " (از عندلیب (۵) " ڈراما اور تھیٹر (از محمد عبدالرحمن خاں) (۶) " خط نستعلیق کا ٹائپ " (از حافظ محمد مظہر) (۷) " اردو شاعری " (از لمعہ حیدر آبادی) (۸) " " حیات تمدن کا ایک ورق " (از محمد مرتضیٰ صاحب) (۹) " رام چندر جی " (از مولوی محمد مرتضیٰ صاحب) (۱۰) " تاثرات نجوم " (از سید اشرف صاحب شمس) (۱۱) " پان اسلام ازم " (از مولوی محمد مظہر صاحب) (۱۲) " خنساء " (عرب کا ایک نامور شاعر " (از مولوی عبدالباسط صاحب) (۱۳) " تاریخ التاریخ " (از مولوی محمد مرتضیٰ صاحب) (۱۴) " انبیائے ہنود " (از مولوی ملا محمد عبدالقیوم صاحب) (۱۵) " اسلام و نصرانیت کا برتاؤ علم تمدن کے ساتھ " (از ملا محمد عبدالباسط صاحب) (۱۶) " شعر کی خوبی اور اس کی مقبولیت " (از عندلیب) (۱۷) " حیات تمدن " (از محمد مرتضیٰ صاحب) (۱۸) " عربوں اور ہندوؤں کے تعلقات " (از مولوی محمد مرتضیٰ صاحب)

ان مضامین کے علاوہ اس رسالہ میں ہر ماہ دکن کی تاریخ اور یہاں کے شعر و ادب پر تحقیقی مضامین شائع ہوئے ۔ ذیل میں چند مضامین کے عنوانات درج کیے جاتے ہیں ۔

(۱) " بھاگ نگر " (از محمد رشید الدین وکیل) (۲) " آبادی حیدر آباد کی تاریخ " (از محمد مرتضیٰ صاحب) (۳) " سلسلہ ناموران دکن ۔ ولی ناگور " (از محمد مرتضیٰ صاحب) (۴) " سلاطین کے مقبرے " (از عندلیب حیدر آبادی) (۵) " قلمرو آصفی کی دولت " (از حافظ محمد مظہر صاحب) (۶) " ملک کافور اور دکن " (از محمد مرتضیٰ صاحب) (۷) " اورنگ آباد " (از مولوی محمد مظہر صاحب) (۸) " صناع دکن " (از مولوی سید جلال صاحب) (۹) " کلیات والہ مرحوم " (از مولوی عبدالباسط صاحب) (۱۰) " بیدر " (از عندلیب حیدر آبادی)

رسالہ صحیفہ میں علمی و ادبی مضامین کے علاوہ ہر ماہ ایک ناول قسط وار شائع ہوتا تھا جو دلچسپ اور سبق آموز ہوتا تھا ۔ اس کے علاوہ اس رسالہ میں ماہ اسفندار ۱۳۲۰ف سے ضمیمہ کے طور پر محکمہ تعلیمات سے متعلقہ تمام احکام گشتیات ترقی و تبادلہ وغیرہ کی مختلف خبریں درج ہونے لگی تھیں اور کتابوں و رسالوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا اور نظمیں و غزلیں بھی چھپتی تھیں ۔

یہ رسالہ اپنے ہم عصر رسالوں میں کافی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ۔ لاہور کے رسالہ

"ترقی" فروری سنہ ۱۹۰۸ء کے شمارے میں "صحیفہ" کی نسبت یوں اظہار خیال کیا گیا ہے ۔ "جتنے رسالے اردو زبان میں حیدرآباد سے نکلتے یا شائع ہوتے ہیں ان میں اپنے مضامین کی خوبیوں کے لحاظ سے "صحیفہ" لاجواب ہے ۔ "صحیفہ" کے مضامین بڑی تحقیقات پر مبنی بڑے اعلیٰ پایے کے نہایت دلچسپ اور بیحد مفید ہوتے ہیں ۔ مضامین نظم و نثر دونوں عمدہ ہیں ۔ رسالہ "حسن" یا "افسر" کے بعد حیدرآباد میں یہی رسالہ ہے جس پر حیدرآباد کی اردوداں پبلک کو فخر ہو سکتا ہے ۔ سلاست زبان اور محاورات کے اعتبار سے بھی صحیفہ میں ہمیں کوئی نقص نظر نہیں آتا ۔ مضامین ہر سبجکٹ پر ہوتے ہیں ۔"

راقم الحروف کو اس رسالہ کے فروری سنہ ۱۳۲۰ف (جلد نمبر ۶ نمبر ۵) تک کے شمارے دستیاب ہوئے ہیں ۔

نصیر الدین ہاشمی کے بیان کے مطابق یہ رسالہ سنہ ۱۳۲۸ھ تک ماہوار شائع ہوتا رہا اس کے بعد کچھ عرصہ موقوف رہ کر سنہ ۱۳۲۹ھ سے روزانہ اخبار کی شکل میں شائع ہونے لگا ۔ (۲۱۷)

(کیفی اپنے دور کے مشہور اور نامور شاعر تھے ۔ سنہ ۱۲۹۷ھ میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ دار العلوم میں حاصل کی ۔ منشی کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے کامیاب کیا ۔ اس کے بعد تعلیم ختم کر دی ۔ کم عمری سے شاعری کا ذوق تھا ۔ حفیظ الدین، پنڈت سورج بھان، شمس الحق میکش تھانوی اور پھر مرزا داغ کے شاگرد ہوئے ۔ آخری عمر میں جدید طرز کی شاعری شروع کی ۔ حیدرآباد کا کوئی ایسا قومی مجمع نہ ہوتا تھا جہاں کیفی اپنی نغمہ سنجی سے جوش نہ پیدا کرتے ہوں ۔ ان کا انتقال رجب سنہ ۱۳۳۸ھ میں بمقام اجمیر شریف ہوا ۔ (دکن میں اردو ص ۶۸۹ و سخنوران دکن ص ۳۳۴)

(محمد اکبر علی صاحب سنہ ۱۳۰۶ھ میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ تعلیم المعلمین حیدرآباد میں پائی ۔ مڈل کامیاب ہونے کے بعد منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی سے کامیاب کئے ۔ دوران تعلیم موصوف کی کوششوں سے "ثمرۃ الادب کے نام سے دار العلوم کے طلبہ نے ایک انجمن قائم کی تھی جس کے معتمد محمد اکبر علی صاحب بنائے گئے ۔ ابتداً صدر محاسبی میں ملازم ہوئے پھر کچھ عرصہ بعد ملازمت ترک کر دی ۔ جنگ بلقان کے زمانے میں ماہوار صحیفہ کو روزانہ اخبار کی شکل میں جاری کیا ۔ مولوی محمد اکبر علی صاحب نے ایک عربی ناول کا ترجمہ "معجزہ محبت" کے نام سے کیا تھا اور آصف جاہ سابع کے سفر دہلی کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی ۔ ان کے اکثر مضامین صحیفہ میں شائع ہوتے تھے ۔ سنہ ۱۳۶۱ھ میں ان کا انتقال ہوا ۔)

رسالہ " ادیب " یہ ماہوار رسالہ ماہ مئی سنہ ۱۹۰۸ (۱۸۹۷ء) سے حیدرآباد دکن سے جاری ہوا مولوی اکبرالدین صدیقی صاحب سابق استاد جامعہ عثمانیہ کے بیان کے مطابق یہ رسالہ ابتدا میں سید احمد حسین امجد حیدرآبادی اور مولوی ظفریاب خان صاحب کی ادارت میں شائع ہوا۔ (راقم الحروف کو ابتدائی شمارے نہیں دستیاب ہوئے اس لیے اکبرالدین صدیقی صاحب کے بیان کی ثقاہت پر اعتماد کیا جارہا ہے راقم الحروف کو ستمبر سنہ ۱۹۰۹ء سے اپریل سنہ ۱۹۱۱ء تک کے چیدہ چیدہ شمارے دستیاب ہوئے ہیں) چند ماہ بعد امجد حیدرآبادی اس رسالہ کی ادارت سے علحدہ ہوگئے تو یہ رسالہ ظفریاب خان کی ادارت میں نکلنے لگا۔ یہ رسالہ اختر دکن پریس میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا حجم عموماً ۳۲ تا ۵۲ صفحات اور سالانہ چندہ مع محصول ڈاک دو روپیہ چھ آنے تھا۔

یہ علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں ادبی، سوانحی، تاریخی، تمدنی، اخلاقی، تعلیمی، فلسفیانہ اور طبی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ نظمیں و غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں اور کتابوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا۔ اس رسالہ کا مقصد ملک کے عوام میں علم و ادب کا صحیح مذاق پیدا کرنا اور اردو زبان کو ترقی دینا تھا۔ یہ رسالہ اپنے ہم عصر رسالوں میں کافی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

اس رسالہ کو مقامی و بیرونی مشہور انشاپردازوں کا تعاون حاصل تھا۔ چنانچہ اس کے معاونین میں مولوی عبدالحلیم شرر، راجہ راجیشور راؤ اصغر، مولوی سید شمس اللہ قادری، سید رضی الدین حسن کیفی، سید احمد حسین امجد حیدرآبادی، مولوی نوازش علی مست، جناب میر نوازش علی صاحب لمعہ، مولوی سید علی اصغر بلگرامی، سید کاظم حسین شیفتہ کنتوری، مولوی ثاقب بدایونی، مولانا سید علی حیدر نظم طباطبائی، پنڈت مانک راؤ وٹھل راؤ، مولوی عزیز مرزا، مولوی محب حسین ظفریاب خان اور مولوی سید خورشید علی قابل ذکر ہیں۔

اس رسالہ کے مضامین ٹھوس علمی اور معیاری ہوتے تھے اس رسالے کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے جس سے اس کی نوعیت، اہمیت اور معیار کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۱) " عربی زبان اور اس میں نحو و صرف " (از مولوی محمد عبدالحلیم شرر) (۲) " طبقات الشعرا پر ہماری نظر " (از جناب حکیم سید محمد علی صاحب ملیح آبادی) (۳) طبی تحقیقات کے اختلافات " (از ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب) (۴) " انگریزی شاعری " (از مولوی سید محمد حسن عابد جعفری اکبر الہ آبادی) (۵) " محمڈن کالج علی گڑھ " (از جناب مولوی فرید الدین صاحب یکتا) (۶) " تمباکو اور صحت " (از مولوی سید محی الدین صاحب اورنگ آبادی) (۷) " سلطان محمد قلی قطب شاہ " (از مہتمم) (۸) " چند پند (چرتر سری رام چندرجی) " (از پنڈت مانک راؤ وٹھل راؤ) (۹) " ہمارا اخلاقی مرض " (از مولوی سید خورشید علی صاحب)

اس کے علاوہ مولوی سید شمس اللہ قادری صاحب کی تاریخ دکن سے متعلق کتاب " آثار

الکرام" اس رسالہ میں مارچ سنہ ۱۹۱۰ء سے قسط وار شائع ہونے لگی تھی۔ اس رسالہ کا "طوفان نمبر اور محرم نمبر بھی شائع ہوا تھا۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے اپریل سنہ ۱۹۱۱ء تک چیدہ چیدہ شمارے دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ "المحب": یہ ماہ نامہ جون سنہ ۱۹۱۰ء سے "بتقریب تہنیت سالگرہ مبارک شاہزادگان والا شان اعلحضرت قدر قدرت سلطان دکن" شائع ہونے لگا۔ اس کے ایڈیٹر ثاقب بدایونی تھے۔ یہ رسالہ مطبع انوار الاسلام کوملہ اکبر جاہ حیدر آباد میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا حجم عموماً ۴۸ صفحات ہوتا تھا اور سالانہ قیمت مع محصول ڈاک دو روپیہ تھی۔

یہ رسالہ عموماً چار حصوں میں منقسم ہوتا تھا۔ حصہ اول میں علمی و ادبی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس حصہ میں ثاقب بدایونی کا مضمون "اردو کا دوسرا جنم" ( ) قابل ذکر ہے۔ اس مضمون میں ثاقب بدایونی اردو کی ابتدا کے تعلق سے لکھتے ہیں۔ "اردو کا بنیادی پتھر محض ایک قوم یا ایک ملک کے باشندوں کے ہاتھ سے نہیں رکھا گیا بلکہ جب لشکری لوگ دیار و امصار سے ہندوستان کے مرکز یعنی (دھلی) میں مجتمع ہوئے اور کاروبار روزمرہ میں بوجہ اختلاف زبان دقتیں پیش آنے لگیں اس وقت ہر زبان سے ضروری ضروری الفاظ اخذ کر کے اردو کے اصلی ماخذ (بھاشا) میں اضافہ کئے گئے اور اس مخلوط زبان میں تمام کاروائیاں ہونے لگیں۔" (۱۹۱)

حصہ دوم میں مقامی و بیرونی شعرا کا طرحی کلام اور غیر طرحی کلام شائع ہوتا تھا۔ طرحی کلام کے لئے ہر ماہ ایک مشاعرہ بھی منعقد کیا جاتا تھا۔ مشاعرے میں جو شعرا شریک نہیں ہوتے تھے وہ اپنا کلام بھیج دیتے تھے جو شریک رسالہ کیا جاتا تھا۔

حصہ سوم میں تاریخی مضامین شائع کئے جاتے تھے۔ اس حصہ میں ایک سلسلہ مشاہیر دکن کا شروع کیا گیا تھا۔

حصہ چہارم میں انگریزی ناول کا ترجمہ بالاقساط شائع کیا جاتا تھا۔

رسالہ الہادی: یہ ماہ نامہ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ ماہ مارچ ۱۹۱۱ء میں دریچہ بھورہ حیدر آباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر غلام حسین داد تھے۔ یہ رسالہ مطبع انصاریہ میں عموماً ۲۲ تا ۴۸ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ پیشگی تھا۔

یہ علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں ادبی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی، صنعتی و حرفتی اور تعلیمی موضوعات کے علاوہ مذہبی موضوعات پر بھی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اور قارئین کے استفسارات کے جوابات بھی دئے جاتے تھے۔ اس رسالہ کے مضامین کا معیار اوسط درجہ کا ہوتا تھا۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے ۱۳۳۵ھ کے چیدہ چیدہ شمارے کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو میں دستیاب ہوئے۔

رسالہ " دربار ": یہ رسالہ ماہ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ ماہ جون ۱۹۱۲ء سے باہتمام مولوی احمد علی صاحب جودت سکریٹری انجمن محبوبیہ کوٹلہ عالیجاہ (حیدرآباد دکن) سے شائع ہوتا تھا۔ اس میں نظم و نثر دونوں قسم کے مضامین ہوا کرتے تھے۔ حجم دو جز کا ہوتا تھا۔ اس کی سالانہ قیمت آٹھ روپیہ محصول ڈاک دو روپیہ آٹھ آنہ مقرر تھی۔ معلوم نہیں کتنے دنوں جاری رہا۔ (۲۰م)

رسالہ " شاہد سخن ": یہ ماہوار رسالہ جنوری ۱۹۱۳ء سے جاری ہوا۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر مانک گوند پرشاد احسان تھے۔ (احسان قوم کائستھ سے تھے اور حضرت فیض کے مشاعروں میں اکثر شرکت کرتے تھے) یہ رسالہ مطبع ودائی دکن میں طبع ہو کر دفتر شاہد سخن دبیر پورہ حیدرآباد سے شائع ہوتا تھا۔ اس رسالہ کا حجم عموماً ۴۴ صفحات تھا۔ اس کی سالانہ قیمت عام خریداروں سے دو روپیہ چھ آنہ پیشگی اور نمونہ کے پرچہ کی قیمت چار آنہ تھی۔

اس رسالہ میں علمی، ادبی، اخلاقی، تمدنی، معاشرتی، تاریخی اور فلسفیانہ مضامین درج ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ رسالہ کے خریدار (مقامی اور بیرونی) شعرا کا طرحی اور غیر طرحی کلام بھی درج رسالہ ہوتا تھا اور کتابوں و رسائل پر ریویو بھی کیا جاتا تھا۔

اس رسالہ کے مضمون نگاروں کو عمدہ مضمون کے صلہ میں ایک " تمغہ " بطور انعام دیا جاتا تھا۔

پروفیسر حکم چند نیر نے اپنے مقالہ " درگا سہائے سرور جہاں آبادی حیات اور کارنامے " میں پیارے لال شاکر میرٹھی کے سرقات کی نشاندہی کی تھی۔

ع " چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد "

کے مصداق حیدرآباد میں بھی رسالہ " شاہد سخن " میں دلی کے ادبی ڈاکو کا کارنامہ ملاحظہ ہو۔ یہ صاحب جن کا نام محمد عبداللہ عطا ہے اور جو خود " گلدستہ مرقع سخن " (چرکھاری سنٹرل انڈیا آفس) کے مالک و ایڈیٹر تھے انہوں نے رسالہ " شاہد سخن " کے دسمبر ۱۹۱۳ء کے شمارے میں اقبال کی مشہور نظم " نیا شوالہ " اپنے نام سے شائع کرائی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ موصوف رسالہ کے اس طرح کے قلمی معاونین میں تھے کہ اس رسالہ کا ایڈیٹوریل بھی لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ رسالہ " شاہد سخن " (دسمبر ۱۹۱۳ء کے صفحہ نمبر اٹھائیس پر ایڈیٹوریل بھی موصوف نے ہی لکھا ہے۔ اتنے زبردست ادبی سرقہ کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کی پہلی جلد کے بارہ شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ " تاج ": یہ ماہوار رسالہ ماہ جنوری ۱۹۱۴ء سے حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ ابتدا میں اس کے ایڈیٹر ابوالوفا غلام محمد انصاری وفا اور شیش راؤ بی۔ اے تھے۔ مارچ ۱۹۱۴ء سے یہ صرف ابوالوفا غلام محمد انصاری وفا کی ادارت میں نکلنے لگا۔ یہ رسالہ زیر اہتمام رگھناتھ راؤ درد

مفید دکن پریس میں طبع ہو کر کالی کمان حیدر آباد دکن سے شائع ہوتا تھا۔ اس کا حجم عموماً ۳۲ تا ۶۴ صفحات اور سالانہ چندہ مع محصول ڈاک ایک روپیہ تھا اور ایک پرچہ کی قیمت دو آنہ تھی - یہ مصور رسالہ تھا۔

یہ ایک علمی و ادبی رسالہ تھا۔ اس رسالہ کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے ایڈیٹر رسالہ مذکور نے لکھا:

"۔۔۔۔۔۔ گورنمنٹ سے محض اشاعت تعلیم کا مطالبہ کریں جو ملک و قوم کی سرسبزی و ترقی کی ذمہ دار ہے، ہم ملک و حکومت کے سامنے علم و عمل کے بہترین نمونے پیش کریں گے ایک تو تحریص دلائیں گے کہ وہ بھی مثالیں پیش کرے اور دوسرے کو مجبور کریں گے کہ وہ ایسے ذرائع بہم پہونچائے جس کی وجہ سے رعایا اپنی تمنا حاصل کرنے میں کامیاب ہو، ہم ملک کے محدود علمی مذاق رکھنے والے گروہ کی تشنگی کو اعلیٰ درجہ کے تمدنی، تاریخی، سائنٹفک مضامین میں شائع کرکے بجھانے کی کوشش کریں گے۔ ہم حیدر آباد کی موجودہ معاشرت میں جو محض کورانہ تقلید کا بہترین نمونہ ہے انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہم ملک میں بہترین خیالات کی اشاعت کا بیڑا اٹھاتے ہیں اور ہم یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ زبان اردو کے خزانہ کو عمدہ زبان کی دولت سے مالا مال کردیں۔

ہمارا اقدم بھولے سے بھی سیاست و مذہب کے دنگلوں کی طرف نہ اٹھے گا بلکہ ہماری جولانگاہ محض علمی و تمدنی معاشرتی میدان میں محدود رہے گی۔"

(۱۴۱)

اس رسالہ میں علمی، ادبی، تاریخی، تمدنی، معاشرتی، تحقیقی اور تعلیمی مضامین شائع ہوتے تھے اور دوسری زبانوں کے مضامین اور قصوں کے ترجمے بھی شائع کئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ غزلیں و نظمیں بھی شائع ہوتی تھیں اور کتابوں اور رسالوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا۔ اس رسالہ کے ہر شمارہ میں ایک تصویر شائع کی جاتی تھی اور اس کے مقابل اس تصویر کی مناسبت سے ایک نظم یا غزل درج کی جاتی تھی۔ اس رسالہ میں متنوع موضوعات پر کافی اہم اور معیاری مقالے شائع کیے جاتے تھے۔ ذیل میں چند اہم مضامین کے عنوانات درج کیے جاتے ہیں جس سے اس رسالہ کی اہمیت اور معیار کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ "اردو معلیٰ" (از مولوی سید ناظر الحسن بلگرامی ہوش) ۲۔ "جرمنی کی طرز تعلیم" (از ایڈیٹر) ۳ "قانون ارتقار پر ایک نظر" (از مولوی تفضل حسین صاحب) ۴۔ اردو علم و ادب (از مولوی مولانا نوازش علی لمعہ) ۵۔ "ہمارا الباس" (از جناب خواجہ احمد صاحب) ۶۔ "قدیم عقلائے مصر کے شبیہ

دار خط " (از مولوی محمد صدیق خان صاحب رعد جونپوری) ۷ ۔ "مغربی اور مشرقی اخلاق " (از جناب گل بہادر صاحب بی ۔ اے) ۸ ۔ " سیرو سیاحت " (از مولوی محمد اسد اللہ صاحب) ۹ ۔ " بصارت و بصیرت " (از مولوی مودود احمد تشنہ) ۱۰ ۔ " جنگ روس و جاپان کا ایک واقعہ " (از مولوی محمد اسد اللہ صاحب) ۱۱ ۔ " مسلمانوں کی مصوری " (ایک مصور) ۱۲ ۔ " تائید اردو علم و ادب " (از مولانا رضی الدین حسن کیفی صاحب) ۱۳ ۔ " شہرت منشائے زندگی " (از جناب عبدالکریم صاحب صبر دہلوی) ۔

اس رسالہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ہر مضمون اور نظموں و غزلوں پر ایڈیٹر کا ایک مختصر سا تبصرہ بھی شائع ہوتا تھا ۔ اس رسالہ میں حضرت امجد حیدرآبادی اور رضی الدین حسن کیفی کا کلام کثرت سے شائع ہوتا تھا ۔ ۱۹۱۶ء میں اس اہم اور مفید رسالہ کی اشاعت محض مالیہ کی کمی کے باعث موقوف ہو گئی ۔

پھر یہ رسالہ ماہ خورداد ۱۳۳۳ف ماہ اپریل ۱۹۲۴ء (۱۴۱) سے جاری ہوا ۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب کو اس سلسلے کی اشاعت کے تعلق سے تسامح ہوا انہوں نے اس کا سن اجرا ۱۹۲۳ء لکھا ہے جو درست نہیں ہے ۔ نصیر الدین ہاشمی کی بتلائی ہوئی غلط تاریخ کو طیب انصاری صاحب نے بغیر کسی تحقیق مزید کہ من و عن نقل کر دیا اور ان کا حوالہ بھی نہیں دیا ۔ (۱۴۲)

راقم الحروف کو رسالہ تاج کی دور جدید کی پہلی جلد کا فائل ادارہ ادبیات اردو کے کتب خانہ میں دستیاب ہوا جس کے دیکھنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس بار یہ رسالہ ماہ اپریل ۱۹۲۴ء سے شائع ہونے لگا اور اس کا سالانہ چندہ چار روپیہ آٹھ آنے کر دیا گیا اور ایک پرچہ کی قیمت آٹھ آنے مقرر کی گئی ۔ اس دور جدید سے یہ رسالہ ، تاج پریس میں طبع ہونے لگا ۔

اس بار اس میں مشرق و اہل مشرق خاص کر اہل ہند کے متعلق مندرجہ ذیل موضوعات پر مضامین شائع ہونے لگے ۔ ۱ ۔ تاریخ و جغرافیہ ۲ ۔ آثار و عتائق ۳ ۔ آداب و السنہ ۴ ۔ اقوام و قبائل اور ان کے مقامی روایات ضرب الامثال وغیرہ کی تحقیقات (۱۴۳) اس کے علاوہ دکھنیات پر بھی کافی اہم مضامین شائع ہونے لگے ۔ اس موضوع پر اکثر مضامین مولانا حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب لکھتے تھے چنانچہ ان کی کتاب " اردوئے قدیم " اسفندار ۱۳۳۴ف کے شمارے میں شائع ہوئی تھی اس کے علاوہ اس میں دکنی رسالہ " معراج العاشقین " بھی شائع ہوا ۔ اس رسالہ نے " دکنی ضرب الامثال " کے عنوان سے ایک مسلسل مضمون بھی شائع کیا ۔

ماہ خورداد سنہ ۱۳۴۴ف کے شمارے میں ایک تفصیلی مضمون " محاکمہ " کے عنوان سے زبان اردو کے چار یکتائے روزگار انشاء پرداز شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد ، شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی ، شمس العلماء شبلی نعمانی اور شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد کی انشاپردازی کا موازنہ پیش کیا ۔ (رسالہ الناظر لکھنؤ میں مولانا ظفر الملک علوی نے بھی اس طرح کا

ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ جس میں ان انشاپردازوں پر تقابلی تنقید کی گئی تھی۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی مہدی افادی کا وہ یادگار مضمون تھا جو اردو کے عناصر خمسہ کے عنوان سے " افادات مہدی " میں شامل ہے لیکن الناظر میں یہ سلسلہ کافی تفصیل سے اور ہر مہینے میں گرما گرم بحث کی طرح شائع ہوتا تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہر دور میں ادبی تنقید کی ایک مخصوص لہر پیدا ہوتی ہے جو پوری ادبی فضا کا احاطہ کرلیتی ہے چاہے وہ لکھنو ہو یا حیدرآباد)

رسالہ کے مشمولات کی ایک مختصر فہرست بھی درج کی جاتی ہے جس سے اس رسالہ کی نوعیت اہمیت اور معیار کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ " علم اللسان کا ایک عجیب تر اور نرالا کمال " (از علامہ سید ناجلال صاحب) ۲۔ " علم موسیقی " (از مولانا محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی پروفیسر عثمانیہ کالج) ۳۔ " ظہیر فاریابی " (از مولوی حکیم شمس اللہ قادری صاحب) ۴۔ " عربی زبان کا تفوق اور اس کی مزیت دوسری زبانوں پر " (از مولانا سید جمال صاحب مہدوی) ۵۔ " سائینس کی مائیت " (از مولوی اسد اللہ صاحب حیدرآبادی ۶۔ " اصول اخلاق " (از مولوی سید منظر علی صاحب اشہر) ۷۔ " مومن " (از مولوی میر مہدی علی صاحب شہید) ۸۔ " معاشیات کے مفہوم کی تعریف " (از جناب عزیز الدین محمد صاحب) ۹ " دکھنیات " (از حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب) ۱۰۔ " نقود اسلامیہ " (از حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب)

یہ رسالہ اپنے اعلیٰ معیاری مضامین کی وجہ سے نہ صرف دکن میں بلکہ تمام ہندوستان میں مشہور تھا اور اپنے ہم عصر رسالوں میں وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

اس رسالہ کے تعلق سے ڈاکٹر زور فرماتے ہیں۔

> " اس میں کوئی شک نہیں کہ خوبی ترتیب اور مضامین کے اعلیٰ پایہ ہونے کی وجہ سے اس نے بہت شہرت حاصل کی چنانچہ حیدرآباد کے ان چند رسالوں میں شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے اردو کی کماحقہ خدمت کی۔ "(۲۵م)

راقم الحروف کو اس رسالہ کے ماہ خورد سنہ ۱۳۳۴ف تک کے چیدہ چیدہ شمارے دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ " تزک عثمانیہ ": یہ ماہ نامہ مہاراجہ سرکشن پرشاد کی سرپرستی میں ماہ رجب سنہ ۱۳۳۲ھ (۲۶م) م جون ۱۹۱۴ء سے حیدرآباد دکن سے اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علی خان بہادر کی انتیسویں سالگرہ کی یاد میں نکلنا شروع ہوا تھا۔ یہ رسالہ محبوب پریس علاقہ پیشکاری میں طبع ہو کر یہیں سے عموماً بتیس صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔

اس رسالہ میں ہر ماہ علمی، ادبی، تمدنی، فلسفیانہ، اخلاقی اور طبی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ غزلیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔ اس رسالہ نے ملک کے عوام میں ادبی ذوق پیدا

کرنے میں اہم حصہ ادا کیا۔ اس رسالہ کے اہم قلمی معاونین میں خود مہاراجہ کشن پرشاد کے علاوہ خواجہ حسن نظامی، ثاقب بدایونی، اکبرالہ آبادی، شاکر میرٹھی، رضی الدین حسن کیفی۔ عبدالباری صاحب ذوقی، منشی ظہور حسین لکھنوی، منشی امیر حسن لکھنوی، محمد ارشاد الحق، سید محمد علی مضطر قابل ذکر ہیں۔

ماہ رجب ۱۳۳۳ھ میں اس رسالہ نے "عثمان نمبر" نکالا تھا۔ جس میں رضی الدین حسن کیفی صاحب نے " برکات عثمانیہ " کے عنوان سے ایک تفصیلی مضمون قلمبند کیا تھا۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے سنہ ۱۳۳۴ھ تک شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ " ذخیرہ ": یہ ماہ نامہ اکتوبر ۱۹۱۵ء (۲۷ا) سے اندرون چادر گھاٹ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ مولوی نصیرالدین ہاشمی صاحب کو اس رسالہ کے سن اجرا کے تعلق سے تسامح ہوا انہوں نے اس کا سن اجرا ۱۹۱۴ء (۲۸ا) لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ اس کے ایڈیٹر سید ناظر حسین ہوش بلگرامی تھے۔ (ہوش بلگرامی ۲ امرداد ۱۳۰۹ف کو بلگرام کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مختلف مقامات کے مشہور و معروف مدارس میں انہوں نے تعلیم پائی۔ اردو، فارسی، عربی زبانوں پر عبور تھا۔ عنفوان شباب میں حیدرآباد چلے آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ ان کی ذہنی تربیت میں ڈاکٹر سید علی بلگرامی کو بڑا دخل ہے۔ حیدرآباد دکن میں انہیں عماد الملک، مہاراجہ کشن پرشاد شاد اور امین جنگ جیسے علم دوست بزرگوں کی سرپرستی حاصل رہی۔ حیدرآباد میں ادیب اور شاعر کی حیثیت سے کم اور دربار آصفی کے ایک شاعر مصاحب کی حیثیت سے زیادہ مشہور تھے۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز حیدرآباد میں ہی ہوا۔ ۱۹۱۸ء میں شہر بدر کر دئے گئے۔ پھر روزگار کی تلاش میں بارہ سال تک مختلف ریاستوں کی خاک چھانتے رہے۔ ۱۹۳۳ء میں دوبارہ حیدرآباد آئے اور سیونگ بنک میں انسپکٹر کی حیثیت سے ملازم ہوئے۔ ہوش بلگرامی ایک اچھے شاعر اور نثرنگار تھے۔ ابتدائی دور میں ایک کتاب بدیہہ گوئی پر شائع کی تھی جو بہت مشہور ہوئی۔ (صمصام شیرازی " باغ دلکشا " (بار اول) حیدرآباد ۱۳۵۸ھ ص ۲۲۴)(حیدرآباد کے ادیب (انتخاب نثر)، جلد اول، صفحہ ۱۶۸) ۔ یہ رسالہ ابتدا میں مفید دکن پریس کالی کمان میں طبع ہوتا تھا بعد میں اس رسالہ کا ذاتی مطبع قائم ہوا اور یہ اس مطبع یعنی ذخیرہ پریس حیدرآباد دکن میں طبع ہونے لگا۔ اس کا سالانہ چندہ مع محصول ڈاک چار روپیہ پیشگی اور حجم عموماً ۴۲ تا ۵۶ صفحات ہوتا تھا۔

یہ ایک علمی و ادبی مصور رسالہ تھا۔ اس کا مقصد اہل ملک میں علم کا صحیح مذاق پیدا کرنا اور اردو زبان و ادب کو ترقی دینا تھا۔ اس رسالہ میں علمی، ادبی، تحقیقی، تاریخی، تمدنی، معاشرتی، تعلیمی، سائنسی اور اخلاقی مضامین شایع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ انگریزی زبان کے بہترین مضامین کے تراجم و اقتباسات شایع کیے جاتے تھے اور افسانے و حکایات بھی اس میں درج کیے جاتے

تھے۔ اور حصہ شاعری میں نظمیں غزلیں وغیرہ شایع ہوتی تھیں۔ کتابوں اور رسالوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا۔ اس رسالہ کے اجرا کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے سید ناظر الحسن ہوش بلگرامی ایڈیٹر رسالہ نے ایڈیٹوریل میں لکھا:

"ذخیرہ کی اجرا۔ کا مقصد اولین مذاق علمی کی اشاعت اور زبان اردو کی خدمت ہے (ہمارا عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے اس متبنیٰ فرزند میں بحیثیت زبان ترقی کی استعداد اور فطری مادہ کی فراوانی ہے)۔" (۲۹ب)

اس رسالہ کو مشہور مقامی و بیرونی انشا پردازوں کا تعاون حاصل تھا۔ اس کے مضامین ٹھوس علمی اور معیاری ہوتے تھے جن میں متنوع موضوعات پر خامہ فرسائی کی جاتی تھی۔ مضامین کے معیار کو برقرار رکھنے کے لئے ایک ادبی کمیٹی بنائی گئی تھی جو مضامین کا انتخاب کرتی تھی۔ ہر مضمون کی ابتدا میں مضمون پر اڈیٹر کا تبصرہ بھی درج ہوتا تھا۔

ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے جس سے اس کی نوعیت، اہمیت اور معیار کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ حالی کا رنگ تغزل" (از عبد الماجد بی۔اے) ۲۔ "شراب کا اثر حیوانات پر" (از مولانا ابوالکلام آزاد) ۳۔ علم الابدان" (از سید حسن بلگرامی) ۴۔ "مرزا غالب مغفور" (از مولوی سید غلام مصطفےٰ ذہین) "حیات نفسیہ" (از حکیم سید شاہ ولی الدین چشتی) ۴۔ "ہوا اور پانی" (نواب عماد الملک) ۵ "عناصر اربعہ" (از مولانا سید علی حیدر نظم طباطبائی ۶۔ "مشاہیر شعرا کے مزار" (از خواجہ محمد عبدالروف عشرت لکھنوی) ۷۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کی تمدنی ترقی" (از مہاراجہ سر کشن پرشاد) ۸۔ "مریخ کی ندیاں" (از علی حیدر نظم طباطبائی) ۹۔ "زمین کی اندرونی حالت" (از پروفیسر فیروز الدین مراد) ۱۰۔ "جانوروں میں زبان" (از مولوی محمد احسن صدیقی) ۱۱۔ "قدیم عربوں کی علم الاصنام ۱۲۔ "حقیقتہ اجسام کی تاریخ" (از علی حیدر نظم طباطبائی) ۱۳۔ "فلسفہ خواب" (از مولوی احمد عبد الحلیم) ۱۴۔ "تعلیم الہند" (از مولوی سید منظر علی) ۱۵۔ "غذائے نباتات" (از نواب عماد الملک) ۱۶۔ "چین کی عورتیں" (از مولوی سید خورشید علی) ۱۷۔ "فنون لطیفہ اور ہم" (از مسٹر محمد ابوبکر خان خورجوی) ۱۸۔ "دیوان اردوئے غالب اور حضرت شوکت میرٹھی" (از ہوش بلگرامی) ۱۹۔ "چاند سلطانہ" (از جناب عبداللطیف صاحب) ۲۰۔ "فرق زبان" (از مولوی سید نوازش علی لمعہ) ۲۱۔ "روشنان فلک" (از علی حیدر نظم طباطبائی) ۲۲۔ "دنیا کا عہد طفلی" (از پروفیسر فیروز الدین مراد) ۲۳۔ "تحفتہ الشعراء پر ایک نظر یعنی امیر خسرو کے پہلے دیوان کی تاریخی تنقید" (از سید حسن برنی بی۔اے علیگڈھ) ۲۴۔ "تحقیقی ماہیت رنگ و شعاع اور اس کے تاریخی حالات" (مولوی سید علی حیدر کلب طبائی)

ان مضامین کے علاوہ اس رسالہ میں افسانے بھی شایع ہوتے تھے۔ اس رسالہ میں منشی

پریم چند کے بعض افسانے بھی شائع ہوئے ۔ ماہ دسمبر ۱۹۱۵ء کے شمارے میں ان کا افسانہ " سوت اور ماہ جنوری ۱۹۱۸ء کے شمارے میں " درگا کا مندر " شایع ہوا تھا ۔ (ڈاکٹر جعفر رضا نے اپنے تحقیقی مقالہ " پریم چند فن اور تعمیر فن " میں صفحہ ۱۱۹ پر ایک فہرست دی ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ کہانی پہلے ہندی میں چھپی تھی بعد میں اردو میں چھپی موصوف کا یہ بیان درست نہیں ہے جب کہ یہ کہانی دسمبر ۱۹۱۵ء میں ہندی میں بھی چھپی ہے اور دسمبر ۱۹۱۵ء میں ہی اردو میں بھی چھپی ہے ۔ راقم الحروف کا موضوع پریم چند کی کہانیاں نہیں ہے لیکن ضمناً یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پریم چند کی اور بھی بہت سی کہانیاں ایسی ہوں گی جو اسی طرح بیک وقت اردو اور ہندی میں شائع ہوئی ہوں گی ۔ (جعفر رضا ڈاکٹر ۔ " پریم چند فن اور تعمیر فن (طبع دوم) الہ آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۱۹)

اس کے علاوہ اس رسالہ کو مولوی سید علی اصغر بلگرامی ، خان بہادر مرزا سلطان احمد ، مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی ، خواجہ حسن نظامی دہلوی ، اکبر الہ آبادی ، ریاض خیرآبادی ، نشتر میرٹھی ، خدیجہ بیگم طباطبائی ، سید احسن مارہروی ، فصاحت جنگ جلیل ، عبدالرزاق بسمل ، مولوی سید نوازش علی لمعہ ، مولوی سید اشاعت حسین ذکی جائسی ، چودھری دلورام کوثری ، منشی تلوک چند محروم ، جیسے مشہور شعرا اور انشا پردازوں کا بھی تعاون حاصل تھا ۔ اور حیدرآباد کے مشہور اور باوقعت رسالوں میں اس کا شمار ہوتا تھا ۔

یہ اہم اور معیاری رسالہ ۱۹۱۸ء تک پابندی کے ساتھ شایع ہوتا رہا ۔ ۱۹۱۸ء میں اس رسالہ کے ایڈیٹر کو شہر بدر کر دیا گیا تو یہ رسالہ بھی بند ہو گیا ۔
راقم الحروف کو اس رسالہ کے مئی ۱۹۱۸ء تک کے شمارے دستیاب ہوئے ۔

رسالہ " افادہ " : یہ ماہوار رسالہ محبوب پورہ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا ۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب کو اس رسالہ کے سن اجرا کے تعلق سے تسامح ہوا ۔ انہوں نے اس کا سن اجرا ۱۹۱۶ء لکھا ہے ۔ اسی طرح طیب انصاری صاحب نے بھی اس کا سن اجرا ۱۹۱۶ء لکھا ہے جو درست نہیں ہے ۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کی جلد اول کا پہلا شمارہ اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوا ہے جس کے دیکھنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس رسالہ کا اجرا ۱۵ محرم ۱۳۳۴ھ م ۲۳ نومبر ۱۹۱۵ء کو عمل میں آیا تھا ۔ اس کے مالک و ایڈیٹر مرزا نظام شاہ لبیب تھے ۔ یہ رسالہ مطبع اختر دکن افضل گنج حیدرآباد دکن میں ۳۶ تا ۵۲ صفحات پر طبع ہوتا تھا ۔ عام لوگوں سے اس کا سالانہ چندہ مع محصول ڈاک تین روپیہ اور ایک شمارہ کی قیمت چار آنہ تھی ۔

اس رسالہ کی اشاعت اور اغراض و مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے مدیر رسالہ مذکور نے لکھا :

" کمترین کو ابتدائے سن سے خیال تھا کہ کوئی کام اپنے برادران ملک کی

خدمت کے لیے ایسا اختیار کیا جائے جو ملک کے ہونہار بچوں کے لیے مفید ہو
۔۔۔۔۔ اس زمانہ میں جبکہ بعض ناعاقبت اندیش اخبارات و رسائل کی بیکار
تحریرات کی وجہ سے ملک کے نوجوان طبقہ میں تہذیب و تعلیم کی سخت
ضرورت محسوس ہونے لگی ہے۔ سررشتہ تعلیم ممالک محروسہ سرکار عالی کے
منظورہ شدہ نصاب کی اشاعت سے اضافہ مدارس کی کاروائی اور حیدرآباد
ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام اور اس کی ایک گونہ کامیابی نے جرات دلائی
۔۔۔۔۔ اپنے مالک کی اس روشن پالیسی کا احساس اور برادران ملک کی سچی
خدمت کا ادراک کر کے نیاز مند نے اس رسالہ کو ترتیب دیا ہے ۔۔۔۔۔۔
اور مقاصد حسب ذیل ہوں گے۔

۱۔ ملک میں عمدہ اردو کا پھیلانا اور اس کی حمایت کرنا۔

۲۔ علوم مغربیہ جو آج تک اردو کے قالب میں بہت کم آئے ہیں ان کا ترجمہ
شایع کرنا۔

۳۔ رعایائے ملک میں حقیقی تعلیم کا مذاق اور سچے اخلاق کا چسکا پیدا کرنا۔

۴۔ اصول تعلیم پر بحث کرنا کم سن لڑکوں اور لڑکیوں کی دماغی تربیت کے
لیے دلچسپ مضامین شایع کرنا۔

۵۔ علوم ریاضی و طبعی۔ طبی اور دیگر صنائع و حرف پر مستقل مضامین لکھ کر
اہل ملک کو کارآمد بنانے کی کوشش کرنا۔

۶۔ تجارت و زراعت و حرفت کے مغربی اصول پر مستقل مضامین لکھ کر اہل
ملک کو اپنی آپ مدد کرنے کے اصول سے واقف کرنا۔" (ص۳)

یہ علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں ہر ماہ ادب تعلیم، صنعت و حرفت، تجارت، سائنس،
طب، ریاضی، تاریخ، تمدن، معاشرت اور اخلاق کے موضوعات پر مضامین درج ہوتے تھے اس
کے علاوہ بچوں کی تعلیم اور تعلیم نسواں پر خاص طور پر مضامین شایع کیے جاتے تھے۔

اس رسالہ کا ایک اہم مقصد ملک میں اردو کی ترویج و اشاعت کے ساتھ مغربی علوم کی
بھی اشاعت تھا۔

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اور عوام میں علمی ذوق پیدا کرنے کی غرض سے مدیر
رسالہ نے ایک انعامی سلسلہ کا اعلان کیا تھا اور ساتھ ہی مضامین کی نوعیت کی وضاحت کرتے
ہوئے لکھا:

"معزز مضمون نگار صاحب جو سائنس کے کسی شعبے میں ایسا مضمون روانہ فرمائیں
جس سے پبلک کی معلومات میں اضافہ اور علمیت کا عنصر پیدا ہو سکے بشرطیکہ

عبارت سلیس اور عام فہم ہو تو ایسے ہر مضمون پر ہر ماہ ایک اشرفی انعام دی جائیگی جس کی قیمت پندرہ یا سولہ روپیہ ہوگی۔

خاص خاص صنعتوں، حرفتوں اور زراعت و تجارت کے عملی اور فروعی مباحث پر جو مضامین مشتمل ہوں گے اون کے انعام کے حسب ذیل دو درجے ہوں گے۔

(الف) اگر ایسے مضامین کے ساتھ ہی اون کے علمی اصول پر بھی بحث ہوگی تو انعام میں ہر ماہ ایک اشرفی دی جائے گی جس کی مالیت پندرہ یا سولہ روپیہ ہوگی

(ب) اگر مضامین صرف عملی حیثیت تک ہی محدود ہوں گے تو ہر ماہ ایک اشرفی انعام دی جائے گی جس کی قیمت ساڑھے سات یا آٹھ روپے ہوگی۔ تشریح مضمون کے معنی میں ترجمہ بھی داخل ہے بشرطیکہ شرائط مندرجہ بالا پر حاوی ہو اور انعامی مضامین کسی ماہ دو سے زیادہ نہ ہو سکیں گے۔" (۱۳۱)

ایڈیٹر کی غیر معمولی دلچسپی کی وجہ سے اس رسالہ کو بلند پایہ مضمون نگاروں کا تعاون حاصل ہوا۔ اس کے مضامین ٹھوس علمی اور معیاری ہوتے تھے۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے جمادی الاول ۱۳۳۵ھ تک کے شمارے دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ " ثمرۃ الادب": یہ ماہوار رسالہ ماہ شعبان ۱۳۳۶ھ (۱۳۲) م مئی / جون ۱۹۱۸ء میں زیر نگرانی مولوی حمید الدین صاحب بی۔ اے پرنسپل دار العلوم، حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی محمد عبد الواسع صاحب صفا، پروفیسر دار العلوم و نائب شیخ الحدیث و تفسیر اور مہتمم مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب معتمد انجمن ثمرۃ الادب تھے۔ یہ رسالہ ابتدا میں صدر المطابع شاہی حیدرآباد دکن میں طبع ہوا۔ پھر بعد میں شمس المطابع واقع عثمان گنج حیدرآباد دکن میں طبع ہونے لگا۔ اس کا حجم عموماً ۳۲ تا ۶۴ صفحات اور سالانہ چندہ تین روپیہ مع محصول ڈاک اور قیمت فی شمارہ چار آنہ تھی۔

یہ رسالہ انجمن ثمرۃ الادب دار العلوم کا ترجمان تھا۔ اس انجمن کا قیام ۱۳۱۲ھ میں مدرسہ دار العلوم میں عمل میں آیا تھا۔ اس کے مقاصد میں طلبا اور ملک کے نوجوانوں میں علمی و ادبی ذوق پیدا کرنے کے ساتھ ان میں تقریری و تحریری صلاحیتوں کو ابھارنا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے تحت ہفتہ وار لکچر بھی ہوا کرتے تھے۔ مولوی عبد الباسط، مولوی اکبر علی، مولوی سید رضی الدین حسن کیفی اور حافظ محمد مظہر جیسے اصحاب اپنے زمانہ طالب علمی میں اس انجمن سے وابستہ تھے۔ اس انجمن کے معتمد محمد عبد القدیر صاحب مدرس دار العلوم تھے۔ دو تین سال بعد اس انجمن پر جمود طاری ہو گیا۔ سنہ ۱۳۲۴ھ میں جب مولوی حمید الدین صاحب صدر دار العلوم مقرر ہوئے تو انہوں نے

اس انجمن کو دوبارہ زندگی بخشی ۔ کچھ عرصہ بعد یہ انجمن کامیابی کے ساتھ چلنے لگی ۔ اور پھر اس انجمن کے زیر اہتمام ہفتہ وار ماہوار علمی جلسے منعقد ہونے لگے ۔ جس میں دار العلوم کے طلبہ اور ملک کے لائق افراد کے علاوہ شمالی ہند کے مشہور و معروف اصحاب علم و فضل کی تقریریں ہوتی تھیں ۔ (۳۴۳)

اس انجمن نے حسب ذیل مقاصد کے تحت رسالہ "ثمرۃ الادب" جاری کیا تھا ۔

۱ ۔ "عثمانیہ یونیورسٹی کے لائق اساتذہ کے تحقیقات کی اشاعت تاکہ اہل ملک اس سے فائدہ حاصل کر سکیں اور ان کو یہ معلوم ہوتا رہے کہ ہماری تعلیمی مشین کس رفتار پر چل رہی ہے ۔

۲ ۔ طلبہ کے خیالات کا ملک کے سامنے پیش کرتے رہنا تاکہ اولیاء کو اپنے اقربا کی تعلیمی ترقی کا وقتاً فوقتاً علم ہوتا رہے اور ہمارے اہل ملک پر ظاہر ہوتا رہے کہ ہماری یونیورٹی طلبہ کو صرف کتابیں پڑھا کر اسناد ہی نہیں دیتی بلکہ اس کے ساتھ ان کو علمی تلاش و تجسس کا خوگر بناتی ہے ۔

۳ ۔ ماہواری لکچروں کی اشاعت تاکہ جو لوگ ان جلسوں میں شریک نہ ہوسکے ہوں وہ بھی ان لکچروں سے فائدہ حاصل کر سکیں ۔

۴ ۔ حلقہ قرآن کے سوالات و جوابات کا شایع کرنا تاکہ لوگوں کو اس حلقہ کی کاروائی سے واقفیت ہوتی رہے اور جو علماء ان سوالات و جوابات کے متعلق اظہار خیالات فرمانا چاہیں ان کو اس کا موقع مل سکے ۔" (۳۴۴)

اس رسالہ کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا تھا:

"ذمہ داران اشاعت کی ہمیشہ یہ کوشش رہے گی کہ وہ (ثمرۃ الادب) بہترین معلومات کا ذخیرہ ہو اور علوم مشرقیہ اور مغربیہ کے بیش بہا جواہر قوم و ملک کے سامنے پیش کرتا رہے گو اس میں عوام کے لیے دل آویزی نہ ہوگی جو ایک گلدستہ عشق یا ناولانہ مضامین میں ہوتی ہے مگر وہ بہترین معلومات کا خزانہ ہوگا جس میں دماغ انسانی حقیقی فوائد حاصل کریں گے اور ہماری آئندہ علمی ترقیوں کے لیے سچے رہبر کا کام دے گا ۔" (۳۴۵)

اس رسالہ میں علمی و ادبی تعلیمی ، فلسفیانہ ، تاریخی ، اسلامی اور اخلاقی مضامین شایع کیے جاتے تھے جو زیادہ تر اساتذہ کے لکھے ہوتے تھے اور مضامین کا معیار کافی بلند ہوتا تھا ۔ اس کے علاوہ کتابوں اور رسالوں پر تبصرہ کیا جاتا تھا اور نظمیں و غزلیں بھی شایع کی جاتی تھیں ۔ ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے جس سے اس کے معیار اور اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔

۱۔ "مقدمہ کلیات میر تقی میر" (از مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے) ۲۔ "ہندوؤں کی قدیم دارالاقامت جات" (از بابو امرت لال صاحب ایم۔ اے و پروفیسر سائنس دارالعلوم) ۳۔ تعلیم میں قوت متخیلہ کی نشوونما" (از محمد زاہد کریم صاحب بی۔ اے دارالعلوم) ۴۔ "شعبہ برقی کی ابتدا (از چودھری مولوی برکت علی صاحب بی۔ ایس۔ سی) ۵۔ "امراؤ القیس" (از مولوی فاضل عبدالقدیر صاحب پروفیسر دارالعلوم) ۶۔ "سررشتہ صنعت و حرفت" (از مترجم م۔ ام) ۷۔ "فن عروض کا ایک معرکتہ الارا فیصلہ" (از محمد عبدالواسع صاحب پروفیسر دارالعلوم) ۸۔ "ڈاکٹر مل کا نظام منطق" (از مولوی فدا علی صاحب لکچرار دارالعلوم) ۹۔ "شاعری" (از مولوی فاضل سید غلام مصطفےٰ صاحب ذہین دارالعلوم) ۱۰۔ "۱ اشنات علمیہ" (بابو امرت لال صاحب ایم اے) ۱۱۔ "پیٹر اعظم" (از محمد احمد صاحب عثمانی) ۱۲۔ "ایمان اور اعمال صالحہ" (از مولوی حافظ محمد مظہر صاحب ۱۳۔ "خلیفہ منصور عباسی" (از مولوی محمد جمیل الرحمن صاحب پروفیسر دارالعلوم)

یہ اہم اور معیاری رسالہ صرف ایک سال جاری رہ کر بند ہو گیا۔ اس کے بند ہونے کی وجہ بتلاتے ہوئے نصیرالدین ہاشمی نے لکھا:

"میرے تعلیمی سلسلہ کے موقوف ہونے پر یہ رسالہ بھی بند ہو گیا۔" (۱۶۳)

رسالہ "شعلہ": مملکت آصفیہ کا یہ علمی و ادبی اور دینی ماہ نامہ غلام احمد صاحب نور کی ادارت میں ماہ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں حیدرآباد سے جاری ہوا۔ اس کے مرتب حافظ غلام احمد نور تھے۔ ماہنامہ شعلہ تین سال قبل غلام احمد صاحب نور اور مولوی سید محمد صاحب ناصر کی مشترکہ ادارت میں دہلی سے جاری ہوا تھا۔ لیکن دو سال پابندی سے شایع ہونے کے بعد اس کی اشاعت مسدود ہو گئی تھی۔ اب اسے دہلی کی بجائے حیدرآباد سے جاری کیا گیا۔ یہ علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں علمی ادبی، تاریخی، تنقیدی، معاشرتی، سماجی، طبی، اخلاقی، اور دینی موضوعات پر مضامین شایع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ نظم، غزلیں اور افسانے بھی شایع ہوتے تھے۔

اس رسالہ کے اجرا کے حسب ذیل مقاصد تھے۔

(۱) ملک میں علم کا صحیح مذاق پھیلانا (۲) نظم و نثر، مضامین اور نقد و انتقاد کے ذریعے صحیح اردو رائج کرنا (۳) ناظرین کے لیے علمی و ادبی جدید اور دل خوش کن معلومات مہیا کرنا (۴) مذہبی تعلیمات کو ان کے اصلی رنگ میں پیش کرنا (۵) تہذیب و تعلیم نسواں کے متعلق مفید مضامین شایع کرنا تھا۔

یہ رسالہ کچھ عرصہ جاری رہ کر بند ہو گیا۔

رسالہ "النساء": یہ ماہوار رسالہ یکم شعبان ۱۳۳۸ھ (۱۳۲۹ف) م ۲۱ اپریل ۱۹۲۰ء زیر نگرانی انجمن خواتین دکن حیدرآباد سے جاری ہوا۔ جناب صمصام شیرازی مولف "باغ دلکشا" کو

اس کے سنہ اجرا کے تعلق سے تسامح ہوا ۔ انہوں نے اس رسالہ کا سن اجرا ۱۹۲۸ء لکھا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے ۔ (۴۸) جناب طیب انصاری کو بھی اس کے سنہ اشاعت کے تعلق سے تسامح ہوا ہے ۔ انہوں نے اس کا سنہ اشاعت 1919ء لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے (۴۹) ۔ اس کی مدیرہ اہلیہ مسٹر سید ہمایوں مرزا، بیرسٹرایٹ لا تھیں ۔ (ان کا نام صغرا بیگم تھا ۔ ان کے والد کیپٹین حاجی صفدر حسین صاحب تھے ۔ انہوں نے اردو اور فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے والدین سے حاصل کی ۔ بچپن ہی سے اپنی والدہ کے ساتھ انجمنوں اور مجالس میں شریک ہوا کرتی تھیں ۔ بڑی قابل قدر خاتون تھیں ۔ سارے ہندوستان اور یورپ کا سفر کر چکی تھیں ۔ ۱۹۱۲ء میں لیڈی نواب خدیو جنگ کے تعاون سے ایک انجمن خواتین دکن کے نام سے قائم کی جن کی صدر لیڈی خدیو جنگ اور سکریٹری خود صغرا بیگم تھیں ۔ اس کے علاوہ کئی ایک کمیٹیوں اور انجمنوں کی ممبر بھی تھیں ۔ صغرا بیگم اردو کی ایک اچھی ادیبہ اور شاعرہ تھیں ۔ کئی کتابیں اور سفر نامے تصنیف کئے ۔ اردو اور فارسی میں شعر کہتی تھیں اور حیا تخلص کرتی تھیں ۔ ملک کے اکثر رسالوں اور اخباروں میں ان کا کلام اور مضامین شائع ہوتے تھے ۔ حیدرآباد سے لاہور جانے کے بعد وہاں سے ایک نسوانی رسالہ "زیب النسا" کے نام سے جاری کیا ۔ (صمصام شیرازی، باغ دلکشا بار اول حیدرآباد ۱۳۵۸ھ)

یہ رسالہ ابتدا میں مطبع نظام دکن حیدرآباد میں طبع ہو کر دفتر النساء کنٹہ روڈ حیدرآباد دکن سے شایع ہوتا تھا ۔ اس کا حجم عموماً ۲۴ تا ۴۰ صفحات ہوتا تھا اور سالانہ قیمت مع محصول ڈاک تین روپیہ سالانہ اور فی پرچہ پانچ آنہ تھی ۔

یہ رسالہ زیر نگرانی انجمن خواتین دکن جاری کیا گیا تھا ۔ یہ انجمن ۱۹۱۲ء میں حیدرآباد دکن میں قائم ہوئی تھی ۔ ابتدا میں اس کی سکریٹری صغرا بیگم صاحبہ تھیں جو بعد میں اس انجمن کی صدر بن گئیں ۔ خواتین میں علمی و ادبی ذوق پیدا کرنے کے لیے جلسے منعقد کرانا ۔ ان کے لیے اصلاحی کام انجام دینا، بلالحاظ مذہب و ملت غریب خواتین کی امداد کرنا اور خواتین کو لکھنے پڑھنے کی طرف راغب کرنے کے لیے ایک رسالہ کا اجرا اس انجمن کے اہم مقاصد میں شامل تھا ۔

یہ خواتین کے لیے ایک اہم اور معیاری رسالہ تھا ۔ اس کے حسب ذیل مقاصد تھے ۔

۱ ۔ اصلاح خیالات نسواں ۲ ۔ ہندی مسلم خواتین میں عموماً اور خواتین دکن میں خصوصاً لکھنے پڑھنے کا چرچا (کذا) پھیلانا ۳ ۔ خواتین دکن کو مضمون نگاری کا شوق دلانا ۴ ۔ مسلم مستورات کی گری ہوئی حالات کو ابھارنا (کذا) ۵ ۔ مستورات کے حقوق کا تحفظ اور ان کی حمایت، وکالت کرنا ۔ (۵۰)

اس رسالہ میں پرورش و تربیت اطفال، حفظان صحت، خانہ داری، کفایت شعاری، پکوان کی ترکیبیں اور تعلیم نسواں پر مضامین شایع ہوتے تھے ۔ اس کے علاوہ ایسی ملکی اور بین الاقوامی خبریں جو خواتین سے متعلق ہوتی تھیں درج کی جاتی تھیں نیز انجمن خواتین دکن کے جلسوں

کی روداد بھی ہر ماہ شایع کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ علمی، ادبی، اخلاقی، معاشرتی، اصلاحی، تعلیمی، سوانحی، تاریخی مضامین، سفرنامے اور ناول شایع ہوتے تھے۔ نظمیں و غزلیں بھی درج کی جاتی تھیں اور کتابوں اور رسائل پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا۔

اس رسالہ کی مدیرہ کی یہ کوشش تھی کہ زیادہ تر خواتین کے مضامین درن رسالہ ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے تحت خواتین میں مضمون نگاری کے شوق کو ابھارنے کے لیے ان کے بہتر طبع زاد مضامین پر انعام دینے کا اعلان کیا اور یہ بھی اعلان کیا کہ جو خواتین "گذشتہ زمانہ کی مسلمان خواتین کے تاریخی حالات" پر سب سے اچھا مضمون لکھیں گی ان کو وہ ایک طلائی طمغہ بطور انعام دیں گی۔ (الہام)

ستمبر، اکتوبر ۱۹۲۳ء کے شمارے میں یہ اعلان کیا گیا کہ سب سے عمدہ "تاریخی مضمون" یا "نامور عورتوں کے حالات" پر سب سے بہتر مضمون کو ایک سونے کا دو چاندی کے مڈل بطور انعام دیے جائیں گے۔

- - - - ذیل میں اس رسالے کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے جس سے اس رسالہ کی نوعیت اور اہمیت کا اندازہ ہوگا۔

۱۔ "چند مسلمان نامور عورتیں" (از محمدی بیگم صاحبہ) ۲۔ "لڑکیوں کی تعلیم" (از بنت نواب قادر نواز جنگ) ۳۔ "میاں بیوی میں اتحاد و اتفاق" (از اہلیہ حسن علی صاحب) ۴۔ "پردہ اور لباس" (از جناب بلقیس بیگم صاحبہ لاہور) ۵۔ "ترک رسومات فضول" (از نوشابہ خاتون) ۷۔ "باورچی خانہ" (قیصری بیگم) ۸۔ "اسلام اور عورت" (از اہلیہ جناب محمد فضل اللہ خان صاحب ۹۔ "عورتوں کی آزادی کی تحریک" (از بیگم عبدالمنعم صاحب) ۱۰۔ "بچوں کی دیکھ بھال" (از جناب میر شبیر علی صاحب) ۱۱۔ "کیا پردہ نشیناں ہند کی تعلیم انگریزی زبان کے ذریعہ ضروری ہے (از محب حسین) ۱۲۔ "نئی اور پرانی تہذیب کا مقابلہ" (از ڈاکٹر گروداس صاحب) ۱۳۔ "تعلیم نسواں" (از مولوی عبداللہ یوسف علی صاحب) ۱۴۔ "خاوند کا مرتبہ" (از مولوی عبدالقادر صاحب) ۱۵۔ "ملک کا مستقبل عورتوں کے ہاتھوں میں ہے" (از مسٹر حسین علی مرزا) ۱۶۔ "مسلمان ناموروں کے کارنامے" (از مسٹر ہمایوں مرزا) ۱۷۔ "عورت کیا چیز ہے" (از مولوی رفیع الدین صاحب) ۱۸۔ "سودیشی سامان" (از یاور علی خان) ۱۹۔ "مطالعہ کس طرح کیا جائے" (از مس مظفرالدین صاحب) ۲۰۔ "ناول بینی" (از مولوی سید ولی اللہ حسینی صاحب) ۲۱۔ "مسلمان عورتوں کی تعلیم" (از نواب وقار الملک مرحوم) ۲۲۔ "مسلمان لڑکیوں کا مدرسہ کیسا ہونا چاہیئے" (از مسٹر عبداللہ یوسف علی) ۲۳۔ "قلعہ گولکنڈہ کی سیر" (از محل نواب غیاث الدین صاحب) ۲۴۔ "لندن کا عجائب خانہ" (از مسٹر حسن علی مرزا) ۲۵۔ "رسوم و رواج" (از میر حسن الدین حسن) ۲۶۔ "مختلف ممالک میں عورتوں کی سیاسی ترقی" ۲۷۔ "عورتوں کو ڈگری دینی

چاہیئے یا نہیں" (از سید محمد ہادی) ۲۸۔ "پردہ نسواں" (از جناب حیدر صاحب طباطبائی) ۲۹۔ "بیدر کے تاریخی حالات" (از اہلیہ آغا شیخ یاور علی صاحب) ۳۰۔ "ایک مشہور سیاح عورت" (از جناب مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے) ۳۱۔ "مردوں کی تعلیم مقدم ہے یا عورتوں کی" (از رفیعہ سلطانہ اہلیہ عبدالرحیم وکیل ہائیکورٹ)

اس کے علاوہ اس رسالہ میں صغرا بیگم صاحبہ کے سفرنامے "سفرنامہ بھوپال" "سفرنامہ یورپ" اور ان کے ناول "موہنی" اور "سرگذشت ہاجرہ" قسط وار شایع کیے جاتے تھے

مندرجہ بالا فہرست کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس رسالہ کو شمالی ہند اور جنوبی ہند کے مشہور انشاپردازوں کا بھی تعاون حاصل تھا اور اس رسالہ میں متنوع موضوعات پر خامہ فرسائی کی جاتی تھی۔

اس رسالہ کے مضامین کا انداز اور زبان کے نمونہ کے لیے چند مضامین کے اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔

> "یہ حقیقت غالباً کسی مزید تعارف کی محتاج نہیں کہ ہماری موجودہ پستی غفلت اور افلاس عام کے اسباب کی موجد سب سے زیادہ ہماری معاشری خرابیاں ہیں اس میں شک نہیں کہ بے علمی، جہالت نسوانی، فقدان وسائل تعلیم زمانہ کو بھی موجودہ نقائص کا سبب قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اصلیت یہ ہے کہ زمانہ تعلیم کی سہولت کے لیے ذرائع حصول تعلیم کو آسان ترین بنانے کے واسطے ہماری جہالت کی گھٹاٹوپ تاریکیوں کے ازالہ کے لیے ضرورت ہے روپیہ کی لیکن جب تک ہماری دولت کا مصرف ان ہی رسومات عبث کے لیے وقف رہے گا ضیاء علم کی روشن کرنوں۔ علوم مفیدہ کے جگمگاتے ہوئے انوار سے ہم اپنی صنف، اپنی بچیوں کے دلوں کو مزین اور دماغوں کو منور کرنے کی استطاعت ہی نہیں حاصل کر سکتے لہذا سب سے پہلے ہمیں جس نقص کی اصلاح اور جس خامی کی درستگی پر کمربستہ ہونا چاہیئے وہ اپنی معاشرتی حالت کا سنوارنا ہے ہمیں یہ بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ جب تک ہم اپنی اندرونی زندگی ہی کی اصلاح کی جانب سرگرمی سے متوجہ نہ ہوں گے حصول علم و تہذیب نفسی کی جدوجہد کے لیے ہماری کوششیں کبھی کامیاب نہ ہوں گی۔" (۴۲ب)
>
> "------ شادی کے چند مہینوں تو درکنار چند دنوں کے بعد بلکہ ایام شادی میں سمدھیانے والوں کی نوک جھونک شروع ہو جاتی ہے جب دلہن گھر میں آتی ہے تو ساس نند خوش ہونا تو درکنار لعن طعن شروع کر دیتے ہیں۔ دلہن جہیز

کم لائی فلاں چیز نہیں ملی فلاں زیور خراب ہے رسمیں برابر نہیں ہوئے دولہا
کو سلامی کم ملی ۔ میرا لڑکا ڈوب گیا ۔ مشاطہ نے دھوکہ دیا ۔ اس نے تو کہا تھا
لاکھوں کا جہیز ملے گا یہاں تو کچھ نہ ملا ۔ " (۱۳)

مسز گاندھی کی تقریر ۔ (یہ شریمتی اندرا گاندھی نہیں ہیں بلکہ مسز کستوربا گاندھی ہیں)

" مسز گاندھی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مہاتما گاندھی اور دیگر لیڈر قبل
ازیں جو کچھ کہہ گئے ہیں اس سے زیادہ وہ کیا کہہ سکتی ہیں پس لوگوں کو چاہئے
کہ بدیسی کپڑے نکال پھینکیں اور کھادی پہن لیں ۔ یہی ان کا پیام ہے اور یہی
پیام مولانا محمد علی اور دوسرے لیڈروں کا تھا ۔ لوگوں کو صرف وہ کپڑا پہننا
چاہئے جو ہندوستان میں تیار ہوتا ہے ۔ اس سے زیادہ مقدار میں کھادی تیار
کرنی چاہئے کہ وہ کھادی پہنیں اور اس بات پر غور کریں کہ کس طرح اس
مقصد کے حصول کے لیے ملک کے ہزاروں نوجوانان جیل چلے گئے ہیں ۔ یہ
کشمکش زور و قوت کی نہیں یہ جنگ کوئی اسلحہ کی جنگ نہیں ہے بلکہ یہ وہ
جنگ ہے جو اخلاقی اسلحہ سے لڑی جاتی ہے اور زیادہ مقدار میں کھادی تیار
کر کے اس سے جنگ کی جاتی ہے ----- ہندو مسلم اتحاد میں دن بدن ترقی اور
مضبوطی ہونی چاہئے اس کے ساتھ ساتھ چرخہ کاتنا بھی نہایت ضروری کام، تمام
مسایل کے حل کا صرف اس پر دار و مدار ہے ۔ ہمارے زندہ رہنے کے لیے
جس طرح غذا کی ضرورت ہے اسی طرح چرخہ کاتنے کو بھی اپنے اوپر لازم
گردانا چاہئے ۔ " (۱۴)

حالانکہ یہ رسالہ بیسویں صدی کے دوسرے دہے سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس کی زبان ناقص ہے
پہلے اقتباس کی ثقالت اور تراکیب کی کرختگی عبارت کی روانی کو مجروح کرتی ہے ۔ چرچا پھیلانا جیسی
ترکیبیں صاف پتہ دیتی ہیں کہ زبان پر گرفت کمزور ہے ۔

اس رسالہ کی مدت اشاعت کے سلسلے میں مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب کو تسامح ہوا ۔
انہوں نے اس کی عمر صرف تین سال بیان کی ہے ۔ لکھتے ہیں:

" تین سال تک یہ رسالہ شایع ہوتا رہا اس کے بعد صغرا بیگم کی علالت اور سفر
یورپ کے باعث بند ہو گیا ۔ " (۱۵)

جبکہ راقم کو اس رسالہ کے اکتوبر ۱۹۲۶ء (جلد نمبر ۸ شمارہ نمبر ۳) تک کے شمارے دستیاب
ہوئے ہیں اور یہ رسالہ ۱۹۱۸ء سے شایع ہونا شروع ہوا تھا ۔ اس طرح بوقت فنا یہ رسالہ تین سال
کا طفل خوردسال نہ تھا بلکہ آٹھ برس کا ایک لڑکا تھا ۔

رسالہ " **نمائش** ": یہ ماہوار رسالہ زیر ادارت مرزا رفیق بیگ کاچی گوڑہ حیدر آباد

دکن سے جاری ہوا۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی کو اس رسالہ کی سن اشاعت کے تعلق سے تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے اس کا سن اجرا سنہ ۱۹۲۲ء (۲۶ب) لکھا ہے۔ اور طیب انصاری نے نصیر الدین ہاشمی کی درج کردہ سنہ اشاعت ۱۹۲۲ء کو بغیر کسی حوالہ کے درج کر دیا۔ (۷۷ب) جو درست نہیں ہے۔ یہ رسالہ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء سے جاری ہوا۔ اس کا حجم عموماً ۱۶ تا ۴۸ صفحات ہوتا تھا۔ ابتدا میں اس کا سالانہ چندہ مع محصول ڈاک عام خریداروں سے تین روپیہ تھا۔ جو بعد میں تین روپیہ آٹھ آنے کر دیا گیا۔ ایک شمارہ کی قیمت پانچ آنہ تھی۔

یہ ایک اہم علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں ہر ماہ علوم جدیدہ، صنعت و حرفت، تجارت، سائنس اور زراعت پر مضامین شایع کیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ادبی و اخلاقی مضامین اور ڈرامے، غزلیں و نظمیں بھی بطور ضمیمہ درج کی جاتی تھیں اور بین الاقوامی سائنسی اور صنعتی ایجادات اور خبریں بھی شائع کی جاتی تھیں۔ اور قارئین کے سوالات کے جوابات بھی دئے جاتے تھے۔ اس رسالہ کا مقصد بتاتے ہوئے مدیر رسالہ نے لکھا تھا۔ "اس صنعتی مضامین کی اشاعت میں اس امر کی احتیاط کی گئی ہے کہ ایسی تجویزیں اور ترکیبیں پیش کی جائیں جن سے اہل ملک بہ آسانی مستفید ہو سکیں زیادہ وقت کی بغیر ان پر عمل ہو سکے۔

طلبہ کے لئے بھی اس قسم کی چند تجویزیں پیش کی گئی ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ معاش پیدا کر سکتے ہیں۔ (ماہ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

سنہ ۱۹۲۶ء سے اس رسالہ میں "مختصر سرمایہ داروں کے لئے" مستقل عنوان کے تحت ایسی تجویزیں پیش کی گئیں جس کے ذریعہ تھوڑا سا سرمایہ رکھنے والے اشخاص بھی اپنے طور پر خود کوئی کاروبار یا کارخانہ قائم کر کے اچھی خاصی آمدنی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ملک کی تجارتی و صنعتی ترقی کو بھی فروغ دے سکتے تھے۔ اس رسالہ کا ایک اور اہم مقصد صنعت و حرفت اور تجارت کی نظری و عملی تعلیم کو ملک میں عام کرنا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے "اختراعات و ایجادات" کے مستقل عنوان سے مغربی ممالک کی نئی نئی سائنسی و صنعتی ایجادوں کی تفصیلات پیش کی جاتی تھیں

"اس رسالہ کی سرکار آصفیہ بھی سرپرستی کرتی تھی چنانچہ امداد آہر ماہ صیغہ لوکلفنڈ اضلاع کے لئے (۱۰۳) اور سرکاری مدارس کے لئے (۸۹) پرچے خریدے جاتے تھے۔" (۸۷ب)

مولوی نصیر الدین ہاشمی کے بیان کے مطابق مولوی مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کے مضامین کی ابتدا اس رسالہ سے ہوئی مدمرزا الم نشرح کے نام سے وہ اس رسالہ می مضمون لکھا کرتے تھے۔ (۹۷ب)

راقم الحروف کو اس رسالے کے جنوری ۱۹۲۷ء تک کے چیدہ چیدہ شمارے حیدرآباد کے مختلف کتب خانوں میں دستیاب ہوئے ہیں۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی کے بیان کے مطابق یہ

رسالہ سنہ ۱۹۲۹ء (۵۰ م) تک جاری رہا۔

رسالہ "ارتقا": یہ ماہوار رسالہ بوین پلی سکندر آباد دکن سے شائع ہوتا تھا۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب کو اس کے سن اجرا کے تعلق سے تسامح ہوا۔ انہوں نے اس کا سن اجرا سنہ ۱۹۲۴ء () لکھا ہے جب کہ اس رسالہ کی جلد اول کا پہلا شمارہ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ پرچہ اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد کا مخزونہ ہے۔ اس کے ایڈیٹر محمد افضل شریف صاحب تھے۔ یہ رسالہ انوار پریس سکندر آباد دکن میں عموماً ۳۸ تا ۷۰ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ عوام سے چار روپیے پیشگی تھا۔

یہ ایک علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں ادبی، تنقیدی، سوانحی، تاریخی، صنعتی، تجارتی، فلسفیانہ، اخلاقی، تعلیمی اور مذہبی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ نظمیں و غزلیں بھی درج ہوتی تھیں اور کتابوں و رسالوں پر تبصرہ کیا جاتا تھا۔ اس رسالہ کی یہ ایک خصوصیت تھی کہ اس میں تعلیم اطفال پر کافی مضامین شائع ہوتے تھے۔

اس رسالہ میں مولوی سید غلام محی الدین قادری صاحب زور کے کافی مضامین شائع ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس رسالہ کی ترتیب میں بھی کافی حصہ لیا تھا اور نئے لکھنے والوں کی ہمت افزائی کی خاطر ان کی نگارشات کو اس رسالہ میں شائع کراتے تھے۔ اس تعلق سے ایڈیٹر رسالہ مذکور لکھتے ہیں "یہاں اس امر کا اظہار نہ کرنا احسان فراموشی ہوگی کہ یہ صرف مولوی ابوالحسنات سید غلام محی الدین قادری زور بی۔ اے مصنف روح تنقید کی خاص علمی و ادبی دلچسپی تھی جس نے "ارتقا" کی معنوی حالتوں کی "ارتقا" میں عیسی نفسی کا اظہار کیا۔ حضرت زور نے ارتقا کے لئے نئے نئے اور بہترین مضمون نگار پیدا کر دئے ہیں۔" (۵۱ م)

اس رسالہ میں جن مشہور انشا پردازوں کے مضامین شائع ہوتے تھے ان میں عبد القادر سروری، مولوی محمد عبد القادر صاحب صدیقی ایم۔ اے، جناب سید محمد صاحب، جناب سید محی الدین قادری زور، جناب ابوالمکارم نعمانی، مولوی احمد عبد اللہ صاحب المسدوسی اور مولوی سید مصلح الدین صاحب تمکین قابل ذکر ہیں۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے اکتوبر، نومبر سنہ ۱۹۲۵ء تک کے چیدہ چیدہ شمارے حیدر آباد کے مختلف کتب خانوں میں دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ "معلم العلوم": یہ ماہانہ رسالہ سنہ ۱۳۳۱ف م سنہ ۱۹۲۱ء / ۱۹۲۲ء میں حیدر آباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی سراج الدین صاحب تھے۔ یہ رسالہ مطبع معلم العلوم سالار جنگ بلڈنگ حیدر آباد دکن میں عموماً ۳۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ مع محصول ڈاک عوام سے تین روپیہ تھا۔

یہ علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں ہر ماہ ادب، تاریخ، مذہب، طب، صنعت و حرفت،

سائنس، زراعت اور تجارت کے مستقل موضوعات پر مضامین شائع ہوتے تھے اور منقولات کے عنوان سے دوسرے رسائل اور کتابوں کے اقتباسات درج کیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ لطیفے، غزلیں و نظمیں بھی چھپتی تھیں۔ اس رسالہ کے مضامین اوسط درجے کے ہوتے تھے۔

رسالہ "توحید": یہ ماہ نامہ ماہ جمادی الاول سنہ ۱۳۴۰ھ م جنوری ۱۹۲۲ء میں بیادگار جشن سالگرہ میر عثمان علی خان، بیرون دروازہ دبیرپورہ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے مالک و ایڈیٹر سراج الدین احمد تھے۔ یہ رسالہ گنگا ساگر پریس میں عموماً ۳۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا اس کا سالانہ چندہ عام خریداروں سے چار روپیے تھا۔

یہ علمی و ادبی اور مذہبی رسالہ تھا۔ اس میں مذہب، ادب، تاریخ، طب، حکمت، زراعت تجارت اور صنعت و حرفت کے مستقل موضوعات پر مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ ادیب الاطفال کے تحت بچوں کی دلچسپی کے لئے قصے کہانیاں شائع کی جاتی تھیں اور سائنسی اور دوسری مفید معلومات بھی درج کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ کتابوں اور رسالوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا۔

رسالہ "خادمہ": یہ ماہوار رسالہ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۱ھ م اکتوبر / نومبر سنہ ۱۹۲۲ء میں محلہ قطبی گوڑہ حیدرآباد دکن سے زیرادارت اہلیہ پروفیسر ولی الدین احمد، جاری ہوا۔ یہ رسالہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد میں عموماً ۱۶ تا ۱۸ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ تین روپیہ اور قیمت فی پرچہ چار آنہ تھی۔

یہ خواتین کا رسالہ تھا۔ مدیرہ نے التماس کے عنوان سے اس رسالہ کے اجرا کے مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "محض انسانی اور اسلامی ہمدردی سے عزیز بہنوں کی فائدہ رسانی کے لئے رسالہ "خادمہ" جاری کیا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ہر ماہ علمی، اخلاقی اور مذہبی معلومات کا بے بہاذخیرہ بہنوں کی خدمت میں پیش ہوا کرے جو دینی اور دینوی امور میں اصلاح کا باعث ہو۔ (۵۴ح)

اس رسالہ میں خواتین کی تعلیم و تربیت، پرورش و تربیت اطفال ترک رسومات اور خانہ داری پر بھی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اور بزرگوں کے اقوال بھی درج کئے جاتے تھے اور نظمیں و غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ اس رسالہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں صرف خواتین کے مضامین شائع ہوتے تھے۔

اس رسالہ میں جو اہم اور مفید مضامین شائع ہوئے ہیں ان کے عنوانات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں جس سے اس رسالہ کی نوعیت اور افادیت کا اندازہ ہوگا۔

(۱) حقوق زوجین (۲) تکلفات ناجائز (۳) چھوکریاں خریدنا یعنی لونڈیاں پالنا (۴) ہماری عورتوں کی حالت (۵) سوکن کا جلاپا (۶) ملائم الفاظ کا اثر (۷) علم (۸) ہمارے بچے (۹) ہمارے

بچوں کی حالت (۱۰) بچوں کا جیب خرچ (۱۱) قومی مدد (۱۲) ہماری اہم اخلاقی کمزوریاں (۱۳) غریبی (۱۴) مقروض شوہر (۱۵) پریشان شوہر (۱۶) زچگی (۱۷) ہمارا زنانی لباس (۱۸) بچہ پیدا ہونے پر ہیجڑوں یا زنانوں کا مبارکباد دینا وغیرہ۔

اس رسالہ کے زیادہ تر مضامین خود مدیرہ کے لکھے ہوتے تھے۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے ماہ جمادی الاول سنہ ۱۳۴۲ء تک کے شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ "ترقی": یہ ماہ نامہ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۱ھ م نومبر ۱۹۲۲ء میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ طیب انصاری کو اس کے سنہ اجرا کے تعلق سے تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے اس کا سنہ اجرا ۱۹۲۳ء لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے(۵۳ب)اس کے ایڈیٹر ابو المکارم صدیقی تھے۔ یہ رسالہ مرزا غلام جیلانی بیگ کے زیر اہتمام ابتدا میں عماد پریس حیدرآباد میں طبع ہو کر ہر قمری مہینے کی پندرہ تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ اس کا حجم عموماً ۴۶ تا ۶۴ صفحات اور سالانہ چندہ مع محصول ڈاک پانچ روپیے تھا۔

یہ ایک اہم اور معیاری علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں ادبی، تاریخی، تعلیمی، معاشرتی، سوانح عمری، فلسفیانہ، اخلاقی اور سائنسی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ مقامی و بیرونی شعرا کا کلام بھی درج ہوتا تھا۔ اور کتابوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا۔

اس رسالہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے ابو المکارم صدیقی مدیر رسالہ نے لکھا "ترقی ایک طرف ارض مغرب کی ترقیات اور جدید علوم و فنون کو روشنی میں لائے گا اور اہل ملک کو بتائے گا کہ یورپ کی ترقی کا سرمایہ کیا ہے اور اس نے کس طرح آج یہ رتبہ حاصل کیا۔ اکتشافات جدیدہ کی حقیقت سے اہل ملک کو باخبر بنائے گا۔ تو دوسری طرف ہماری قدیم علمی اور اخلاقی روحانی برکتوں کو زندہ رکھنے کے لئے جس کی موجودہ زمانہ میں شدید ضرورت نظر آرہی ہے سعی و کوشش کرے گا اس طرح وہ دین و دنیا کے فوائد کو جمع کرنے والا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ہندوستان کے قدیم تہذیب و تمدن آریائی و غیر آریائی دونوں کو روشنی میں لائے گا۔ مختلف اقوام نے اپنے اپنے دور میں جن جن علوم و فنون کو ترقی دی اس کو اچھی طرح واضح کرے گا اور قدیم تاریخ و صنائع و عمارات کے متعلق جن پر آج یورپ بھی محو حیرت ہے ہر طرح مواد مہیا کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ کوشش کرے گا کہ ملک کی مشترکہ زبان اردو کا صحیح رواج نہایت وسیع پیمانے پر پھیلے جو ملک کی ترقی کا بڑا آلہ ہے اس طرح وہ ہر طبقہ اور فرقہ کی دلچسپیوں کا سامان مہیا کرنے کی کوشش کرے گا۔" (۵۴ب)

یہ رسالہ اپنے ان مقاصد میں کہاں تک کامیاب رہا اس کا اندازہ ذیل میں درج کیے گئے مضامین کے عنوانات سے لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) " سائنس کے شعبہ برق کی ابتدا " (از مولوی برکت علی صاحب بی ۔ یس سی) (۲) " دسویں صدی ہجری کا مذہبی تلاطم ہند میں " (از مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی) (۳) " حضرت رسالت مآب صلعم کا ادبی تبصرہ " (از ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم ۔ اے ۔ پی ایچ ۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لا) (۴) " خدا سے جنگ مادہ کی بغاوت " (از مولوی عبد الباری صاحب ندوی) (۵) " کلام غالب (اردو) کی شرحیں " (از مولوی سید نوازش لمعہ) (۶) حیات تمدن " (آصف جاہ اول کی سوانح عمری) (از مولوی محمد مرتضیٰ صاحب) (۷) " سحابی استرآبادی " (از حکیم سید شمس اللہ قادری) (۸) " حیات نسلی " (از مولوی سید علی بلگرامی) (۹) " علوم جدیدہ " (از مولوی محمد نصیر احمد) (۱۰) " نطاش کا فلسفہ ارتقا " (از مولوی سید وہاج الدین احمد صاحب) (۱۱) " ملل ہنود کا فلسفہ (از نواب سرامین جنگ بہادر ایم ۔ اے) (۱۲) " نطشے کا فلسفہ معاشرت " (از مولوی سید وہاج الدین احمد) (۱۳) " گلشن عشق مثنوی نصرتی " (از مولوی نصیر الدین ہاشمی) (۱۴) " سلمان ساوجی " (از مولوی سید خورشید علی صاحب) (۱۵) " حجاز کے فرنگی سیاح " (از مولوی سید علی بشیر صاحب بشیر) (۱۶) " معاشیات " (از مولوی محمد حبیب الرحمن صاحب ایم ۔ اے پروفیسر جامعہ عثمانیہ) (۱۷) " مقدمہ بر دیوان جان صاحب " (از جناب مصور لطافت آغا حیدر حسن صاحب دہلوی علیگ) (۱۸) " تاریخ قصر و الاجاہی " (از مولانا عبد اللہ العمادی صاحب) (۱۹) " انسانی تہذیب کی ترقی " (از مولوی محمد نجم الغنی صاحب قریشی) (۲۰) " احوال رسم و اصلاح رسم خط " (از مولوی سید نوازش علی صاحب لمعہ) (۲۱) " اردو کے بہی خواہ " (از مولوی سید بشارت احمد صاحب رضوی موہانی) (۲۲) " فلسفہ حرکت " (از جناب نظیر حسین صاحب آفندی)

مندرجہ بالا فہرست سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ رسالہ اپنے مقاصد میں بڑی حد تک کامیاب رہا اور اس کے مضامین میں تنوع ہوتا تھا اور اس رسالہ کو شمالی ہند اور جنوبی ہند کے مشہور انشاپردازوں کا تعاون بھی حاصل تھا ۔ اس کے مضامین ٹھوس اور معیاری ہوتے تھے ۔ یہ رسالہ ایک سال تک پابندی کے ساتھ شایع ہوتا رہا اور ماہ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ سے شایع ہونا موقوف ہو گیا اور ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۴ھ سے یہ " ترجمان " کے نام سے شایع ہونے لگا ۔

رسالہ " تحفہ " : اس ماہوار رسالہ کو انجمن ارباب اردو سرور نگر حیدر آباد دکن نے ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۴۳ھ (۵۵ھ) م اگست ۱۹۲۴ء سے جاری کیا ۔ جناب طیب انصاری کو اس رسالہ کے سنہ اشاعت کے تعلق سے تسامح ہوا ہے ۔ انہوں نے اس کا سنہ اشاعت ۱۹۲۳ء لکھا ہے جو درست نہیں ہے ۔ اکثر محققین و مورخین اور مضمون نگاروں کو اس رسالہ کے ایڈیٹر کے تعلق سے غلط فہمی ہوئی ہے چنانچہ انہوں نے محب اللہ عالی صاحب معتمد انجمن ارباب اردو کو اس رسالہ کا ایڈیٹر لکھا ہے جو درست نہیں ہے ۔ اصل میں یہ رسالہ کسی بھی فرد واحد کی ادارت میں نہیں نکلتا تھا ۔ اس تعلق سے رسالہ تحفہ کے ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۳ھ کے شمارے میں وضاحت بھی کر دی

گئی تھی ۔ "تحفہ" کسی شخصی ادارت میں نہیں نکلتا ۔ انجمن ارباب اردو کے بعض ارباب کی متفقہ کوششوں سے مرتب ہوتا ہے ۔" (۵۶)

اس رسالہ کے مہتمم دوار کا پرشاد نگم تھے ۔ یہ رسالہ شمس الاسلام پریس چھتہ بازار حیدرآباد سے عموماً ۴۸ صفحات پر طبع ہوتا تھا ۔ اس کا سالانہ چندہ پیشگی پانچ روپیہ تھا اور ایک پرچہ کی قیمت آٹھ آنے تھی ۔

یہ رسالہ انجمن ارباب اردو کا ترجمان تھا ۔ اس انجمن کے تعلق سے ڈاکٹر زور لکھتے ہیں "انجمن ارباب اردو غالباً سنہ ۱۳۴۰ھ میں قائم ہوئی ۔ میر محبوب اللہ خان صاحب عالی رفاعی اس کے معتمد اور ابو محمد عمر بن صلاح یافعی صاحب شریک معتمد تھے اور اصل میں یہ دونوں ہی اس کے بانی اور روح رواں سمجھے جاتے ہیں ۔ اول الذکر کے ایثار اور ذاتی توجہ سے انجمن کئی سال قائم رہی ۔ ان ہی کے یہاں قدیم و جدید اہل علم و فضل جمع ہوتے تھے ۔ آخر الذکر کے جوش عمل اور علمی خلوص نے انجمن کے کارکنوں میں خاص زندگی پیدا کردی تھی ۔ اور اگر یہ انجمن اب تک سرگرم رہتی تو کوئی تعجب نہیں کہ اس کے ذریعہ سے حیدرآباد کو بعض نہایت سرگرم اہل قلم حاصل ہوئے ۔"

اس انجمن نے ایک سلسلہ تالیفات بھی قائم کیا ۔

یہ ایک علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں ہرماہ تنقیدی، سوانح، تاریخی، فلسفیانہ، اسلامی اور سائنسی موضوعات پر تحقیقی مضامین شائع ہوتے تھے ۔ اس کے علاوہ نظمیں و غزلیں بھی شامل رسالہ کی جاتی تھیں ۔

اس رسالہ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس کے اکثر مضمون نگار عثمانیہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل گریجویٹ تھے اور ان کے مضامین بقول نصیر الدین ہاشمی "حیدرآباد کے علمی ذخیرہ میں اضافہ کا موجب ہوئے ۔" (۵۸)

یہ رسالہ اپنے ہم عصر رسالوں میں کافی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا ۔ چنانچہ مولوی مرزا محمد ہادی صاحب (لکھنوی) اس تعلق سے رقم طراز ہیں کہ "ہم بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ بہترین اہل قلم اس پرچہ کے ملے ہیں (باستثنائے میری ذات کے) مضامین تاریخی بھی ہیں ادبی بھی شعر و سخن کا مذاق بہت نازک ہے ۔ خاص علمی مضامین تو ناظرین کے مبلغ علم میں کچھ اضافہ کرتے ہوئے نکلتے ہیں بعض معاصرین کا خیال ہے اور درست ہے کہ حیدرآباد کے پرچوں کا معیار علمی بلند تر ہے اور ان سب پرچوں میں تحفہ گل سرسبد ہے ۔" (۵۹)

اس رسالہ میں ہرماہ متنوع موضوعات پر خامہ فرسائی کی جاتی تھی ۔ ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست دی جاتی ہے جس سے اس کی نوعیت اہمیت اور معیار کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے ۔

(۱) "فلسفے کے اساسی پہلو" (از منشی فاضل میر ولی الدین صاحب بی۔ اے عثمانیہ) (۲) "مبادیات سائنس" (از جناب ابو المکارم فیض محمد صاحب صدیقی) (۳) "طبقات ناصری" (از مسٹر ابو الحسنات سید غلام محی الدین قادری زور بی۔ اے عثمانیہ) (۴) "اسلام کے احسانات یورپ پر اور یورپ کا سلوک اسلام کے ساتھ" (از منشی فاضل نصیر الدین ہاشمی) (۵) "انتخاب کلام میر اور مولوی عبد الحق صاحب کا مقدمہ" (از قطب ناش) (۶) "شعر و شاعری" (از مسٹر سید محمد احسن بی۔ اے عثمانیہ) (۷) "فرہنگ علم ہئیت" (از مولوی سید مختار احمد صاحب) (۸) التعرفا مذہب التصوف" (از مولوی محمد عبد الغفور صاحب عابدی) (۹) "ذکا" (محمد حبیب اللہ) (از محمد عبد الرزاق بسمل) (۱۰) "اصول مقابلہ" (از مولوی فاضل میر سیادت علی صاحب بی۔ اے یل یل بی عثمانیہ) (۱۱) "حکومت اسلامیہ کا ابتدائی نظم و نسق" (از نواب ذو القدر جنگ بہادر رکن عثمانیہ عدالت العالیہ) (۱۲) "گلشن عشق" (از مسٹر آغا حیدر حسن علیگ) (۱۳) "عالم رویا" (نفسیات کی نظر سے) (از مرزا محمد ہادی مرزا پی ایچ۔ ڈی) (۱۴) "علمیات" (از مسٹر حسن الدین بی اے عثمانیہ)

یہ اہم اور معیاری رسالہ صرف ایک سال جاری رہ کر بند ہو گیا۔

رسالہ سائیں کی صدا / امرت بانی: یہ ماہوار رسالہ ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۵ء میں حیدر آباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے مرتب بھوانی پرشاد تھے۔ یہ رسالہ مطبع عماد پریس میں طبع ہو کر ہر ہندی مہینے کی پہلی تاریخ کو ڈیوڑھی بنسی راجہ محبوب نواز ونت محلہ حسینی علم حیدر آباد دکن سے شائع ہوتا تھا۔ اس کا حجم عموماً ۳۸ تا ۴۸ صفحات ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ تین روپیہ اور فی پرچہ چھ آنہ تھا۔ اس کے سرورق پر یہ اشعار درج ہوتے تھے۔

دنیا فانی ہے کار دنیا فانی
قائم ہے وہی جو کہ ہے اس کا بانی
سائین کی صدا یہ ہے ندائے غیبی
ہونا ہے امر تو سن لے امرت بانی

یہ ایک اخلاقی اور مذہبی رسالہ تھا اس میں ہر ماہ سری ست گرو اپاسنی بابا مہاراج کے نصائح و اقوال شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ ادبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ اس رسالہ میں کسی مذہب سے متعلق بحث نہیں کی جاتی تھی۔

رسالہ "ترجمان": یہ ماہوار رسالہ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۴ھ م ستمبر سنہ ۱۹۲۵ء میں چادر گھاٹ حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔ اس کے مدیر بھی ابو المکارم محمد انوار اللہ تھے۔ اس رسالہ کا ٹائٹل تاج پریس حیدر آباد دکن میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا حجم ۸۰ صفحات ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ عام لوگوں سے پانچ روپیہ اور نمونہ کے پرچے کی قیمت آٹھ آنہ تھی۔

یہ علمی و ادبی رسالہ تھا جو دو سال قبل ماہ نامہ " ترقی " کے نام سے نکلتا تھا۔ اس ضمن میں اس رسالہ کے ایڈیٹرس لکھتے ہیں۔

اشاعت پرچے کی اطلاع میں عرض کیا گیا تھا کہ " ترجمان " قائم مقام " ترقی " کے ہوگا اس لحاظ سے آپ کو " ترقی " کی دوسری جلد کا پہلا شمارہ نمبر تصور فرمائیں۔ (۴۵۹)

اس رسالہ میں بھی اسی طرح کے مضامین شائع ہوتے تھے جیسے رسالہ " ترقی " میں شائع ہوا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جو مضامین رسالہ " ترقی " میں نامکمل شائع ہوئے ان کے مضامین کے بقیہ حصے بھی اس رسالہ میں درج کئے گئے تھے جیسے مولوی سید علی بشیر کا مضمون " حجاز کے فرنگی سیاح " اور مولوی سید محمد مرتضیٰ صاحب کا سوانحی مضمون " حیات تمدن "۔

نصیر الدین ہاشمی صاحب کے بیان کے مطابق اس رسالہ کا صرف ایک پرچہ ہی شائع ہوا۔ اس کے بعد دوسرا پرچہ شائع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ راقم الحروف کو بھی اس رسالہ کی جلد اول کا صرف پہلا شمارہ ہی دستیاب ہوا۔

رسالہ " تجلی ": اس رسالہ کو ماہ خورداد سنہ ۱۳۳۶ف م ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۷ء (۴۶۰) سے بزم ادب کتب خانہ مسجد چوک حیدر آباد نے جاری کیا۔ اس کے ایڈیٹر محمد سردار علی صاحب تھے۔ نصیر الدین ہاشمی صاحب کو اس رسالہ کے سنہ اشاعت کے تعلق سے تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے اس کا سن اشاعت سنہ ۱۹۲۶ء لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے اس طرح ایڈیٹر کا نام بھی سید سردار علی لکھا ہے۔ (۴۶۱) جب کہ ایڈیٹر کا نام محمد سردار علی تھا۔ (۴۶۲)

یہ رسالہ شمس الاسلام پریس میں طبع ہو کر دفتر رسالہ تجلی کتب خانہ مسجد چوک سے عموماً ۶۴ تا ۱۰۰ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ اس کی قیمت دو روپیہ سالانہ اور فی پرچہ بارہ آنہ تھی۔

یہ سہ ماہی رسالہ تھا جو ماہ آذر۔ اسفندیار۔ خورداد اور شہریور کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا تھا۔ یہ رسالہ بزم ادب کتب خانہ مسجد چوک کا آرگن تھا۔ یہ کتب خانہ مسجد چوک حیدر آباد دکن کے عقبی حصے میں ایک وسیع ہال میں تھا۔ جس کی نگرانی محکمہ مذہبی کے ذمے تھی اور اس کو محکمہ تعلیمات سے کچھ امداد مقرر تھی۔ اس کتب خانہ کے تحت ایک شعبہ " سلسلہ ناشرات کتب خانہ مسجد چوک بزم " سنہ ۱۳۴۵ میں قائم ہوا۔ اس شعبے کے روح رواں مولوی محمد سردار علی صاحب اور غلام محمد صاحب (معتمد کتب خانہ) تھے۔ اس بزم کا مقصد ملک کے مستند و باکمال شعرا کا کلام شائع کرنا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں رضی الدین حسن کیفی حیدر آبادی کی مختصر سوانح اور ان کے کلام کا انتخاب " نظم کیفی اور تصویر افکار " اور دو تذکرے " شعرا اورنگ آباد " اور " تذکرہ یورپین شعرا " کے نام سے شائع کئے گئے۔ اس کے علاوہ پروفیسر وحید الدین سلیم کے ادبی مضامین کا مجموعہ " افادات سلیم " کے نام سے سب سے پہلے اسی بزم نے شائع کیا۔ (۴۶۳)

اس رسالہ کے اجرا کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے محمد سردار علی صاحب نے لکھا " رسالہ تجلی کے اجرا کی حقیقی غرض و غایت علمی خدمت ہے، ہم کو یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہمارا رسالہ سائینٹفک دلچسپیوں کا گنجینہ ہوگا نہ ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ وہ ادبی ، تاریخی ، تمدنی ، اقتصادی ، معاشرتی اور تعلیمی مضامین کا مخزن ہوگا ۔ بس اتنا ہے کہ " تجلی " علمی رسالہ ہے اور علمی خدمت اس کا اولین مقصد ہوگا ۔ سیاسیات اور مذہبی جھگڑوں سے اس کو کوئی تعلق نہ ہوگا ۔ اس کے اجرا و اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ علم و ادب کی نشر و اشاعت کی تحریک کو تقویت دی جائے اور ملک میں صحیح علمی ذوق پیدا کیا جائے ۔ " (۴۶۴)

رسالہ تجلی ایک اہم اور معیاری علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں ہر ماہ علمی ، ادبی ، تنقیدی ، تاریخی ، اخلاقی ، تمدنی ، سوانحی ، اقتصادی ، تجارتی ، معاشرتی ، تعلیمی اور تاریخی موضوعات کے ساتھ دکھنیات پر بھی ٹھوس اور معیاری مضامین شامل کئے جاتے تھے ۔ اس کے علاوہ غزلیں و نظمیں شائع کی جاتی تھیں اور کتابوں و رسالوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا ۔

اس رسالہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اس کے قلمی معاونین میں زیادہ تر حیدرآباد اور خاص طور پر عثمانیہ یونیورسٹی کے مشہور انشاپرداز شامل تھے ۔

ذیل میں ہم اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست پیش کرتے ہیں جس سے اس رسالہ کی نوعیت و اہمیت اور معیار کا اندازہ ہوگا ۔

(۱) " ادبیات اردو اور تنقید نگاری " (از مولوی سید غلام محی الدین قادری زور) (۲) " اردو ناول " (از مولوی محمد عبدالقادر سروری) (۳) " سلاطین تغلق کا علمی ذوق " (از محمد سردار علی) (۴) " ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور " (از جناب تمکین کاظمی) (۵) " فارسی ادب کے ابتدائی گہوارے " (از مولوی سید غلام محی الدین قادری زور) (۶) " منتخب التواریخ " (از مولوی غلام یزدانی صاحب) (۷) " جدید ہندی ادب " (از مولوی قاضی محمد فصیح الدین صدیقی) (۸) " میر امن دہلوی " (از مولوی سید محمد صاحب) (۹) " تذکرہ میر حسن و شعرائے دکن " (از ایڈیٹر) (۱۰) " غزنوی دور کا آغاز اور ایرانی علم و فضل " (از مولوی سید غلام محی الدین قادری زور) (۱۱) " مثنوی تصویر جاناں " (از مولوی ابو عمر صاحب یافعی) (۱۲) " دکھنی ادبیات انگلستان میں " (از مولوی سید محمد صاحب بی اے) (۱۳) " کتب خانہ جات شاہان اودھ اور دکھنیات " (از مولوی غلام محی الدین قادری زور) (۱۴) " تواریخ ہند متعلق عہد حکومت مسلمانان " (از ایڈیٹر) (۱۵) " اشخاص قصہ " (از مولوی عبدالقادر سروری صاحب) (۱۶) " تاریخ اردو پر اجمالی نظر " (از نواب صدر یار جنگ بہادر) (۱۷) " مرزا غالب کی خود نوشت سوانح عمری " (از س ") (۱۸) " رئیس المغنین زریاب بغدادی " (از مولوی تمکین کاظمی صاحب) (۱۹) " کتب خانہ رامپور کی فارسی مخطوطات " (از ایڈیٹر) (۲۰) " ذکر میر " (از محمد سردار علی صاحب)

رسالہ تجلی میں جن شعرا کا کلام درج ہوتا تھا ان میں جوش ملیح آبادی، مولوی اکبر وفاقانی، جناب محمد عبدالرزاق بسمل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے اکتوبر ۱۹۲۸ء تک کے شمارے دستیاب ہوئے۔

رسالہ " سائنس ": اس رسالہ کو انجمن ترقی اردو اورنگ آباد نے ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۸ء میں زیر نگرانی مولوی عبدالحق صاحب، اورنگ آباد دکن سے جاری کیا۔ ابتدا میں اس کے مدیر ڈاکٹر مظفر الدین قریشی صاحب ناظم سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ بورڈ سرکار عالی حیدرآباد تھے بعد میں یہ رسالہ محمد احمد خان اور پھر نصیر الدین احمد صاحب استاد طبیعات جامعہ عثمانیہ کی ادارت میں نکلنے لگا۔ یہ رسالہ باہتمام محمد صدیق حسن منیجر انجمن اردو پریس اردو باغ اورنگ آباد میں عموماً ۶۰ تا ۱۶۰ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ ابتدا میں اس کا سالانہ چندہ نو روپیہ تھا۔ جو بعد میں سنہ ۱۹۴۱ء سے پانچ روپیہ چودہ آنہ کردیا گیا۔ یہ مصور رسالہ تھا۔

اس کے سرورق پر یہ عبارت درج ہوتی تھی۔

" سب سے خوش نصیب انسان وہ ہے جو نئے حقائق کا انکشاف کرتا ہے اور دوسرے درجے پر وہ ہے جو پرانے تعصبات ترک کرتا ہے۔ "

ابتدا میں یہ سہ ماہی رسالہ تھا جو ماہ جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا تھا۔ جنوری ۱۹۴۱ء سے یہ ماہنامے کی شکل میں نکلنے لگا۔

یہ خالص سائنسی رسالہ تھا اس کا مقصد سائنس کے مسائل و مباحث، انکشافات، اختراعات اور ایجادات سے اردو داں طبقہ کو واقف کرانا تھا۔ اس رسالہ کی اجرا کے مقاصد اور اس کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے مدیر رسالہ مذکور لکھتے ہیں۔

> " یہ رسالہ سائنس کے مضامین اور سائنس کی جدید تحقیقات کو اردو زبان میں اہل ملک کے سامنے پیش کرتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے انکشافی کارناموں سے اہل ہند کو آگاہ کرتا ہے اور ان علوم کے سیکھنے اور ان کی تحقیقات میں حصہ لینے کا شوق دلاتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ اور مقاصد کے علاوہ " سائنس " کے اجرا کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ علمی زبان اور طرز انشا کا معیار بلند کرنے کے لئے جو علمی اصطلاحات وضع ہوچکی ہیں یا خود ادارہ سائنس وضع کرتا رہتا ہے ان سب کو رواج دیا جائے اور علمی خدمات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو ان کی ترویج پر متوجہ کیا جائے۔ " (۴۶۵)

اس رسالہ میں سائنسی اور علمی مضامین کے علاوہ دنیا کے مشہور سائنسدانوں بالخصوص ہندوستان کے مشاہیر سائنس دانوں کی سوانح عمریاں بھی شائع کی جاتی تھیں اور " سائنس کی دنیا " کے مستقل عنوان سے ہر شمارے میں ملکی اور بین الاقوامی سائنسی ترقیوں اور جدید انکشافات کا

ذکر کیا جاتا تھا اسی طرح "معلومات" کے عنوان کے تحت علمی خبریں شائع کی جاتی تھیں اور سائنس کے موضوع پر قارئین کے استفسارات کے جوابات بھی دئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ دوسری زبانوں کے ترجمے بھی درج کئے جاتے تھے اور سائنسی موضوعات کی کتابوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا۔

اس رسالہ کو زیادہ کامیاب مفید اور عام فہم و کارآمد بنانے کے لیے جنوری سنہ ۱۹۳۶ء میں ایک مجلس ادارت کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ اس مجلس کے صدر مولوی عبدالحق صاحب اور معتمد محمد نصیر احمد عثمانی صاحب ریڈر طبیعات جامعہ عثمانیہ تھے۔ یہ رسالہ نہ صرف سررشتہ تعلیمات حیدرآباد بلکہ صوبہ پنجاب، صوبہ بہار، صوبہ مدراس، صوبہ میسور، صوبہ سرحد، صوبہ سندھ اور صوبہ دہلی سے بھی منظور شدہ تھا۔ سنہ ۱۹۴۱ء سے اس رسالہ کے ہر مضمون نگار کو معاوضہ پیش کیا جانے لگا۔ (۴۶۶)

اس رسالہ کے مضمون نگاروں میں جامعہ عثمانیہ کے فاضل اساتذہ کی اکثریت تھی۔ اس کے علاوہ اس کے معاونین میں نہ صرف ہندوستان کے سبھی مقامات کے اہل علم شامل تھے بلکہ مغربی ممالک کے فضلاء بھی اپنی نگارشات اس میں شائع کراتے تھے۔ ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے جس کے مطالعہ سے مضامین کی نوعیت اور معیار کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے قلمکاروں میں لندن تک کے اہل علم شامل تھے۔

(۱) "ہوام حشرات کی زندگی" (از جناب آر۔ سی کیدروالڈر گودلمنگ سرے انگلستان) (۲) "مطالعہ قدرت" (از آر۔ سی کیدر والڈر گودلمنگ سرے انگلستان) (۳) "حشرات میں عقل و شعور" (از آر۔ سی کیدر والڈر گودلمنگ صاحب سرے انگلستان) (۴) "سائنس میں انقلاب" (از سر جیمس جنیس انگلستان) (۵) "فطرت میں رقابتیں" (از جناب آر۔ سی کیدر والڈر سرے انگلستان) (۶) مٹی کی سطح کا کٹ جانا" (از ڈاکٹر آر میکلیگس گوری، لاہور) (۷) "نفسیات بحیثیت سائنس (از جناب جمیل صاحب علوی گورنمنٹ کالج لاہور) (۸) "جدید سائنس" (از جناب غلام دستگیر صاحب جامعہ عثمانیہ) (۹) "مادے کی ساخت" (از ستیانارا این صاحب جامعہ عثمانیہ) (۱۰) "جدید جراحیات" (از ڈاکٹر الحاج حیدر علی خان صاحب عثمانیہ میڈیکل کالج) (۱۱) "سائنس کے جدید تصورات" (از جناب اسرائیل احمد صاحب) (۱۲) "ہوا" (از رفعت حسین صدیقی طبیہ کالج دہلی) (۱۳) "زمین کی عمر اور جدید تحقیقات کے نتائج" (از جناب محمد زکریا صاحب مائل بھوپال) (۱۴) "کھاد" (از پروفیسر وصی اللہ خان صاحب زراعتی کالج کانپور) (۱۵) "ہوائی جنگ" (از محمد زکریا صاحب مائل) (۱۶) "ہوائی حملہ اور زہریلی گیس" (از ڈاکٹر مظفر الدین قریشی) (۱۷) "فضائی پرواز اور مشینوں کی مختصر تاریخ" (از سید بشیر الدین صاحب) (۱۸) "کاربن کی کہانی کاربن کی

زبانی" (از محمد ریاض الحسین صاحب، عثمانیہ) (۱۹) "اضافت کا ایک نیا نظریہ" (از سید عبد النعیم غازی صاحب) (۲۰) "جراحیات اور غذائیات" (از تاراچند صاحب بابل پنجاب) (۲۱) "نئی تنظیم اور سائنس کی اعلیٰ تعلیم" (از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی پروفیسر جامعہ عثمانیہ) (۲۲) "دوران خون کی دریافت کس نے کی" (از سید عبد الرحمن پروفیسر عثمانیہ میڈیکل کالج)۔

اس رسالہ میں جن مشہور سائنس دانوں کی سوانح عمریاں شایع ہوئیں ان میں سے چند کے نام درج کیے جاتے ہیں۔ ۱۔ الفریڈ نوبل (از محشر عابدی جامعہ عثمانیہ) ۲۔ "ولیم مک ڈوگل" (از عبد الحی صاحب جمیل علوی) ۳۔ "سر جگدیش چندر بوس" (از صفی محمد صاحب) ۴۔ "سر ولیم ہر شیل" (از علی انور سیف الدین صاحب) ۵۔ "احمد بن ماجد" (از محمد زکریا صاحب) ۶۔ "اڈیسن" (از محمد خواجہ معین الدین عابد صاحب) ۷۔ پروفیسر گنیش پرشاد" (از عزیز احمد صدیقی) ۸۔ "سر اسحاق نیوتن" (از محمد عبد الحی)

اس رسالہ کے ادارہ نے جو سائنسی اصطلاحات وضع کی تھیں اور جو اس رسالہ میں استعمال کی جاتی تھیں ان کی ایک منتخب فہرست نمونہ کے طور پر ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

۱۔ قوت اتصال Cohesion ۲۔ دھاری دار عضلات Striped muscles

۳۔ تقطیری کاغذ Filter paper ۴۔ دھماکو Explosive

۵۔ فنی پہلو Technique ۶۔ تغیرات Variations

۷۔ علم علاج العیون Opthalmological ۸۔ کچ دھاتیں Ores

۹۔ نشاۃ ثانیہ Renaissance ۱۰۔ مزاحمت Resistance

۱۱۔ حل پذیری Solubility ۱۲۔ تنازع للبقا Strruggle for existence

۱۳۔ فعلیات Physiology ۱۴۔ عنصر Element

۱۵۔ اکتسابی خود کاریت Acquired Automatism

۱۶۔ کشیدہ گاہ Distillery ۱۷۔ عناصر کی ترتیب Systematization

۱۸۔ تصوریہ Idealist ۱۹۔ اذعانیت Dogmatism

۲۰۔ تجاذب Gravitation ۲۱۔ توارث(۴۶۷) Heredity

۲۲۔ مماس کے تفاعل Tangent function

۲۳۔ رسم الاجسام Steriography

۲۴۔ تغیر پذیر کرہ — Troposphere

۲۵۔ تحلیل جزوی — Partial decomposition

۲۶۔ دور — Circuit

یہ رسالہ ۱۹۴۲ء تک برابر پابندی سے شایع ہوتا رہا۔

رسالہ "دستور آصفی": یہ ماہ نامہ ماہ اردی بہشت ۱۳۳۷ف م اپریل ۱۹۲۸ء سے بہ منظوری محکمہ معتمدی صیغہ عدالت و کوتوالی امور عامہ سگر شریف نصرت آباد دکن سے جاری ہوا اس کے مدیر محمد عبدالرحمن صاحب تھے۔ یہ رسالہ مکتبہ ابراہمیہ پریس لمیٹڈ حیدرآباد میں عموماً ۸۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا اور چندہ سالانہ طلبا و مدارس سے چار روپیہ پیشگی تھا۔

یہ مصور مجلہ تھا جو اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی شایع ہوتا تھا۔

اس رسالہ کے سرورق پر یہ اشعار درج ہوتے تھے۔

ہر قوم ملک بگوش زندگانی اینست
کاش بطلب کہ کامرانی اینست
صد بار بخون دل بغلطیدن روز
تدبیر حیات جاودانی اینست

یہ ایک علمی، ادبی اور قانونی رسالہ تھا جو انجمن اتحاد و ترقی تعلیم نصرت آباد دکن کا ترجمان تھا۔ اس رسالہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے ایڈیٹر رقم طراز ہے۔

"۱۔ بہ نظر سرسبزی و شادابی ملک و ترقی دولت اہل ملک کی عموماً اور پٹیل و پٹواریان دیسمکھ و دیسپانڈیہ و دیسائی صاحبان اور جاگیردار صاحبان کی خصوصاً زراعتی ترقیات کی تعلیم اور ضمناً تجارتی، صنعتی اور حرفتی ارتقا کے لیے ترغیب۔

۲۔ دیگر ترقی یافتہ ممالک و تعلیم یافتہ اصحاب کے تجارب و معلومات علمی کی اشاعت۔

۳۔ مشکلات و نقصانات زراعت وغیرہ میں سہولت پیدا ہونے کے مشورات و ہدایات و توجہ دہانی محکمات متعلقہ۔

۴۔ علمی۔ ادبی۔ اخلاقی۔ اقتصادی امداد باہمی، معاش نیز حفظان صحت کی ترقیوں کی ترغیب و تفہیم و مفید مضامین نظم و نثر۔

۵۔ فرامین و آئین ہدایت آگین پیشگاہ حضور اقدس بندگان عالی اور احکام پیشگاہ صدارت عظمی و اصلاحات و ترقیات جدید جملہ صیغہ جات باب حکومت عالیہ و اعلی محکمات و رپورٹس و ریویوز کارگزاری جملہ محکمات کی اشاعت ماخوذ از

جریدہ اعلامیہ و محکمات متعلقہ۔" (۴۶۸)

یہ رسالہ دو حصوں میں منقسم تھا۔ حصہ اول میں ادبی، تعلیمی، اخلاقی، طبی، تجارتی، زراعتی، اقتصادی، نفسیاتی، فلسفیانہ اور صنعت و حرفت کے موضوعات پر مضامین درج ہوتے تھے اور نظمیں و غزلیں بھی شایع ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ مغربی ممالک کی ایسی خبریں اور مضامین کے ترجمے بھی شایع ہوتے تھے جس میں تجارت کی عملی تعلیم دی جاتی تھی اور ایسی بین الاقوامی خبریں جن میں تجارت اور عام معلومات کے تعلق سے مواد ہوتا تھا اور محکمہ زرراعت و محکمہ صنعت و حرفت سرکار عالی کے جدید تجربات و ترقیات کی تفصیلات بھی درج کی جاتی تھیں۔

حصہ دوم قانونی حصہ تھا اس میں فرامین و آئین اور احکام وغیرہ درج ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ جملہ محکمہ جات سرکار عالی کی سرگرمیاں درج کی جاتی تھیں۔

یہ رسالہ اپنی نوعیت کا ایک اہم اور معیاری رسالہ تھا۔ اسے حکومت کی بھی سرپرستی حاصل تھی۔

اس رسالہ میں ملک کے جن مشہور شعرا کا کلام درج ہوتا تھا ان میں پروفیسر محمد اقبال ایم اے، مولانا وحید الدین سلیم، مولوی امجد علی اشہری اور مولوی محمد احمد خان صاحب برتر (مصنف اعظم اللغات) قابل ذکر ہیں۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے ابتدائی سات شمارے دستیاب ہوئے ہیں۔

مجلہ مکتبہ: اس ماہوار رسالہ کو ماہ خورداد سنہ ۱۳۳۷ف (۴۶۹) اپریل ۱۹۲۸ء میں انجمن امداد باہمی مکتبہ ابراہمیہ حیدرآباد دکن نے جاری کیا تھا۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب نے اس کا سن اشاعت ۱۹۲۹ (۴۷۰) بتلایا ہے اور ان ہی کے بیان کو درست مانتے ہوئے طیب انصاری صاحب نے بھی اس کا سنہ اشاعت ۱۹۲۹ء لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔ اس رسالہ کے مدیر محمد عبد القادر سروری صاحب ایم۔ اے ایل ایل بی تھے۔ (سروری صاحب محقق اور نقاد تھے انہوں نے جامعہ عثمانیہ سے بیک وقت ایم۔ اے اور ایل ایل بی کی ڈگری امتیاز کے ساتھ حاصل کی۔ ۱۹۲۷ء میں جامعہ عثمانیہ میں مددگار پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ ۱۹۴۲ء میں میسور یونیورسٹی میں پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ چھ سات سال بعد پھر جامعہ عثمانیہ واپس آگئے اور صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے خدمت انجام دینے لگے۔ ان کو کمسنی سے ہی مضمون نگاری سے دلچسپی رہی۔ وہ مختلف اخباروں اور رسالوں میں مضامین لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے کئی کتابیں بھی تصنیف کیں جن میں "جدید اردو شاعری" "دنیائے افسانہ" "حیدرآباد کی پچیس سالہ تعلیمی ترقی" "اردو مثنوی کا ارتقاء" اور "جامعہ عثمانیہ کے اردو مخطوطات" قابل ذکر ہیں۔ (دکن میں اردو ص ۸۵۸ و حیدرآباد کے ادیب (جلد اول) ص ۸۶) یہ رسالہ مکتبہ ابراہمیہ کے مطبع میں عموماً ۶۰ تا ۸۰ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ مع محصول ڈاک چار روپیے

پیشگی اور فی پرچہ چھ آنہ - یہ مصور رسالہ تھا -

" مجلہ مکتبہ " مکتبہ ابراہمیہ کا ترجمان تھا - یہ ایک علمی ادارہ تھا - اس کے اولین موسس مولوی مرزا مظفر بیگ تھے - جس کے حسب ذیل اغراض و مقاصد تھے -

۱ - جملہ درسی کتب مجوزہ سررشتہ تعلیمات سرکار عالی فراہم کرنا -

۲ - ملک کی ضروریات کے لحاظ سے نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کرا کے ٹکسٹ بک کمیٹی سررشتہ تعلیمات ملک سرکار عالی میں پیش کرنا -

۳ - کتب درسی کے علاوہ دیگر ضروریات تعلیمی مثلاً نقشہ جات ، آلات سائنس و ڈرائینگ وغیرہ کی فراہمی -

۴ - مصنفین و مولفین اور مترجمین کی امداد یعنی ان کے قابل اشاعت تصنیفات و تالیفات و تراجم کو باخذ حق تصنیف شائع کرنا

۵ - ہر علم و فن کی شائع شدہ مطبوعات اردو کی فراہمی -

۶ - اردو کے علاوہ دیگر زبانوں مثلاً انگریزی ، فارسی ، عربی ، تلنگی ، مراٹھی اور کنڑی کی مفید و کارآمد کتب کی فراہمی - (۴۷۱)

اس ادارہ کے تین شعبے تھے ۱ - شعبہ تجارت ۲ - شعبہ اشاعت ۳ - شعبہ طباعت -

اس ادارہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ملک کے نوجوانوں کی تصانیف شائع کر کے ان کی حوصلہ افزائی کی -

اس رسالہ کے اجرا کے غرض و غایت بیان کرتے ہوئے سروری صاحب نے لکھا ہے -

> " مکتبہ ابراہمیہ کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے ایک علمی اور ادبی مجلہ کا اجرا بھی عرصہ سے انجمن کے پیش نظر تھا - جو اس کے علمی ، ادبی اور تعلیمی مشاغل کا ترجمان ، ملک میں ایک اعلیٰ علمی اور " اکاڈمک فضا " کے پیدا کرنے میں معاون ہو اور ----- علمی اور ادبی خصوصاً قدیم کارناموں کی حقیقی عظمت کو بے نقاب کر سکے ------
>
> جدید علوم و فنون کی ترویج ، اعلیٰ ادب لطیف کی تخلیق اور عام محققانہ مضامین کے ساتھ ساتھ دکھنی لٹریچر پر تحقیقی نظر ڈالنا اس کا مطمح نظر ہوگا ہر شعبہ کے علم و فن کے مضامین اس میں درج ہوں گے - سیاسیات کے محض نظریہ اور غیر دلخراش مذہبی مضامین ناقابل اندراج نہیں - " (۴۷۲)

اس رسالہ میں ہر ماہ دو عمدہ طبعزاد افسانے پابندی سے عربی ، انگریزی ، فرانسیسی اور روسی وغیرہ افسانوں کے تراجم شایع کیے جاتے تھے - اس کے علاوہ اس میں تاریخ ، سائنس ، معاشیات ، فلسفہ پر مفید اور معیاری مقالے درج کیے جاتے اور ادبی ، تحقیقی مضامین کے علاوہ دکن کے قدیم

شعرا اور دکھنیات کے تعلق سے محققانہ مضامین کے ساتھ نظمیں و غزلیں بھی شایع کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ کتابوں اور رسالوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا اور جدید اردو مطبوعات کی فہرست بھی شایع کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ مشاہیر ادبا شعرا اور اہل علم و فضل کی تصویریں بھی ہر شمارہ میں شایع ہوتی تھیں۔

یہ ایک اہم اور معیاری علمی و ادبی رسالہ تھا جس کا شمار اس وقت کے مشہور علمی و ادبی رسالوں میں ہوتا تھا۔ اس میں ہر ماہ متنوع موضوعات پر علمی و ادبی مضامین شایع ہوتے تھے۔ ذیل میں چند اہم مضامین کے عنوانات اسی املا کے ساتھ جوں کے توں نقل کیے جارہے ہیں۔

۱۔ شعاعین اور اشعاع" (جناب فیض محمد صدیقی) ۲۔ میکل فیراڈے اور اس کے افادات سائنس" (از جناب عبدالوہاب) ۳۔ "فلسفہ کا تاریخی نشو و نما" (از جناب میر حسن الدین) ۴۔ "ضمیر اور اس کا دائرہ عمل" (از ایس۔ بی اننتا صاحب) ۵۔ "ہندوستان کے مذاہب" (الفہرست کا ایک مقالہ) (از جناب مظہر علی مولوی فاضل) ۶۔۔ "ایک دکھنی شہر اور اس کی درسگاہ" (از جناب محمود علی) ۷۔ "حجاز کے فرنگی سیاح" (از جناب سید علی شبیر) ۸۔ "ہندی حسن کاری کا اثر چین اور جاپان پر" (از عزت حسین زبیری) ۹۔ "یورپ اور ایشیا" (معاشی نقطہ نظر سے) (از غازی الدین احمد) ۱۰۔ "ڈاکٹر جان گل کرسٹ" (از سید محمد صاحب ایم۔اے) ۱۱۔ "آٹھویں صدی ہجری کی نظم و نثر کا ایک نمونہ" (از جناب عمر یافعی) ۱۲۔ "تاریخ ادبیات اردو اور دور تحریک" (از مدیر) ۱۳۔ "نسوانی شاعری" (منطقانہ نقطہ نظر سے) (از جناب ابوالعرفان فضائی مدیر رسالہ کیف) ۱۴۔ "محمد حسین آزاد اور جدید شاعری" (از احمد عبداللہ المسدوسی) ۱۵۔ "اردو شاعری اور جدید عروض (از جناب سراج الدین طالب) ۱۶۔ "یورپ میں ادبی نشاۃ ثانیہ اور اردو کی ترقی" (از حمید اللہ) ۱۷۔ "عربی ارقام کی اصل ہندی ہے" (از جناب مظہر اللہ صدیقی) ۱۸۔ "انتخاب کلام شیر محمد خان ایمان ۱۹۔ "کلکتہ، ہندوستانی ایک مخلوط بولی کی تحقیق" (ترجمہ میر حسن صاحب) ۲۰۔ "لاک اور تعلیم میں ضبط موضوعی کا رواج" (از فیض محمد) ۲۱۔ "ایشیا کدھر سفر کر رہا ہے" (از نواب بہادر یار جنگ) ۲۲۔ "ہندوستان پر اسلامی اثرات" (از نصیر الدین ہاشمی) ۲۳۔ "تاوان جنگ کا مسئلہ" (از نجم الدین انصاری بی۔اے) ۲۴۔ "حضرت ذہین مرحوم" (از مولوی ظفریاب خان) ۲۵۔ "گوئٹے کے مکتوبات محبت" (از مخدوم محی الدین صاحب عثمانیہ) ۲۶۔ "حرارت کی ماہیت" (از محمد عبدالکریم صدیقی) ۲۷۔ "ژان بودین کے سیاسی نظریے" (از سید محمد احسان صاحب بی۔اے ۲۸۔ "جنوبی عربی تہذیب" (از سید ابوالخیر حسینی) ۲۹۔ "حالی اور جدید شاعری" (از احمد عبداللہ المسدوسی) ۳۰۔ "گلستان و بوستان کا موازنہ" (از محسن خان متین) ۳۱۔ "بہرام گور دکن میں" (از سید غلام محی الدین زور) ۳۲ "کلام چھی نارا ین شفیق" (از عمر یافعی) ۳۳۔ "سفر نامہ مصر جدید" (از طار موزی) ۳۴۔ "ٹالسٹائے اور عوام الناس" (از عزت حسین زبیری) ۳۵۔ "چیخوف

اور راشد الخیری" (از عبد القیوم باقی بی۔ اے)۔۔

اس رسالہ میں جن مقامی اور بیرونی شعرا کا کلام شامل ہوتا تھا ان میں صفی اورنگ آبادی، اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خان، جوش ملیح آبادی، کیفی حیدرآبادی، سید محمد اکبر وفاقانی، پروفیسر ظفر تاباں دہلوی، اختر شیرانی، سید ابراہیم عفو، راز چاند پوری، سکندر علی وجد، آغا حشر کاشمیری، امجد حیدرآبادی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نومبر ۱۹۳۲ء سے پانچ ماہ تک رسالہ کی اشاعت بند رہی پھر یہ اپریل ۱۹۳۳ء سے جاری ہوا۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے دسمبر ۱۹۳۳ء تک کے شمارے دستیاب ہوئے۔

رسالہ " ورزش جسمانی ": یہ سہ ماہی رسالہ تھا جو دسمبر ۱۹۲۸ء میں جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی محمد صالح تھے۔ (۴۷۳) یہ رسالہ آئین مال مشین پریس واقع گولی گوڑہ حیدرآباد میں طبع ہو کر یہیں سے شائع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ حکومت سے پانچ روپیہ عوام سے تین روپیہ اور طلبا سے دو روپیہ مقرر تھا۔

اس میں ورزش جسمانی کے متعلق مضامین درج ہوتے تھے۔ (۴۷۴)

رسالہ " ارشاد ": یہ ماہ نامہ ماہ محرم ۱۳۴۷ھ م جون / جولائی ۱۹۲۸ء (۴۷۵) میں چار مینار حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ طیب انصاری صاحب نے اس کا سنہ اشاعت ۱۹۲۷ء لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔ اس کے ایڈیٹر پیرزادہ سید شاہ یوسف الدین قادری تھے۔ یہ رسالہ حسام الدین احمد یمنی کے زیر اہتمام اعظم اسٹیم پریس چار مینار میں عموماً ۳۲ تا ۴۸ صفحات پر طبع ہوتا تھا اس کا سالانہ چندہ تین روپے پانچ آنہ تھا

یہ ایک علمی، اصلاحی اور مذہبی رسالہ تھا۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے ۱۳۵۶ھ تک کے چیدہ چیدہ شمارے دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ " تاریخ ": یہ رسالہ جنوری ۱۹۲۹ء (۴۷۶) سے کوملہ اکبر جاہ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی حکیم سید شمس اللہ قادری تھے۔ (حکیم سید شمس اللہ قادری ایک مشہور مورخ اور محقق تھے۔ ابتدا میں باضابطہ تعلیم حاصل نہیں کی لیکن کثرت مطالعہ اور تحقیق کے ذوق نے ان میں شائستگی، بصیرت اور گہرائی پیدا کر دی تھی۔ انہیں طب سے بھی دلچسپی تھی۔ کبھی ملازمت نہیں کی ساری عمر آزاد رہے۔ ان کے اردو اور فارسی زبان و ادب پر تحقیقی مقالے بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اردو زبان کے قدیم دور اور دکھنی ادب کو منظر عام پر لانے میں موصوف نے جو خدمات انجام دی ہیں انہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی تصانیف میں "اردوئے قدیم" بہت مشہور ہے (حیدرآباد کے ادیب (انتخاب نثر) جلد اول صفحہ نمبر 119) اور سب ایڈیٹر سید احمد اللہ قادری تھے۔ یہ رسالہ ابتدا میں اعظم اسٹیم پریس میں طبع ہوتا تھا بعد میں دوسرے مطابع میں طبع ہونے لگا۔ اس کا حجم عموماً سو سے تین سو صفحات ہوتا تھا۔ اس کا

سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔ اس رسالہ میں نقشے اور چارٹ وغیرہ بھی دیے جاتے تھے۔ چند سال بعد یہ رسالہ نواب لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے زیر اہتمام شایع ہونے لگا۔

یہ سہ ماہی رسالہ تھا جو جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شایع ہوتا تھا۔

یہ تاریخ اور آثار قدیمہ کے موضوع پر اردو کا واحد رسالہ تھا اور مقصد کے لحاظ سے اسم بامسمیٰ یعنی اس میں تاریخ اور آثار قدیمہ کے متعلق بلند پایہ اور محققانہ مضامین درج ہوتے تھے۔

اس رسالہ کے اجرا کے اغراض و مقاصد بتلاتے ہوئے مولوی حکیم سید شمس اللہ قادری لکھتے ہیں:

"تاریخ اور آثار قدیمہ کے رسالے میں کسی قسم کی خیال آرائی یا مضمون آفرینی بے محل چیز خیال کی جائے گی۔ اسی لیے بغیر کسی طول طویل تمہید کے اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ اس رسالہ کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہوں گے۔

ملک میں تاریخ اور آثار عتائق کی تحقیق و تفحص کا صحیح مذاق پیدا کرنا اسلاف کے آثار و عتائق (۴۷۷) سے ملک کو واقف کرانا۔

ان اغراض کی تکمیل کے لیے تاریخ" میں اقوام و ملل۔ مذاہب و السنہ اور علوم و فنون کی گزشتہ تاریخیں، اقالیم و امصار کے جغرافیے، مشاہیر رجال کے تذکرے، آثار و عتایق کے انکشافات پر تحقیقی مضامین شایع ہوا کریں گے ان کے ساتھ ساتھ مورخین کے اختلافات اور تاریخی اغلاط کی تصحیح بھی کی جائے گی۔

آثار و عتائق اور تاریخ و تراجم پر جو کتابیں وقتاً فوقتاً شایع ہوا کرتی ہیں ان سے بھی اہل ملک کو تبصروں کے ذریعے روشناس کرایا جائے گا۔

جن مباحث کا تعلق ممالک اسلام اور ہندوستان و دکن سے ہوگا ان کی جانب خاص توجہ کی جائے گی۔

غیر زبانوں کے بہترین مضامین جو مقاصد رسالہ کے تحت آسکتے ہیں ترجے اور اقتباسات کے ذریعہ شایع کیے جائیں گے۔ عربی، فارسی، اردو کی نادر و نایاب کتابوں کے خاص خاص اور اہمیت رکھنے والے اجزا بھی اس میں حسب ضرورت شایع ہوا کریں گے۔" (۴۷۸)

حکیم سید شمس اللہ قادری ان باکمال بزرگوں میں سے تھے جن کو تاریخ و آثار قدیمہ سے فطری شغف تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس رسالہ کو اس مقصد سے جاری کیا کہ صحیح تاریخی واقعات اور آثار قدیمہ پر تبصرہ و تنقید کے ذریعے صحیح و مستند واقعات عوام کے سامنے پیش کریں۔

اس رسالہ کے مضامین جو مقالے کہلانے کے مستحق ہیں بڑی محنت اور تحقیق سے لکھے

جاتے تھے اور ان مضامین کی آج بھی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی اس وقت تھی ۔

اس رسالہ کو ابتداہی سے مشہور اور باکمال مقالہ نگاروں کا تعاون حاصل رہا ۔ ان میں پروفیسر ہارون خان شیروانی ، ایم اے ، بیرسٹراٹ لا ، مولوی محمد ضامن کنتوری ، مولوی سید حسن صاحب برنی ۔ بی اے ایل ایل بی ، نواب جیون یار جنگ بہادر ایم ۔ اے بیرسٹرایٹ لا ، سید احمد اللہ قادری اور سید سعد اللہ قادری وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ ان کے علاوہ خود شمس اللہ قادری نے کئی اہم مقالے اس رسالے کے لیے قلمبند کئے ۔

ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک فہرست دی جاتی ہے جس سے اس رسالہ کی نوعیت ، اہمیت ، افادیت اور معیار کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔

۱ ۔ مملکت آصفیہ " (از ایڈیٹر) ۲ ۔ " کتب خانہ اسکندریہ " (مترجمہ مولوی سید معین الدین قریشی ایم ۔ اے) ۳ ۔ " امیر تیمور " (نواب جیون یار جنگ بہادر) ۴ ۔ " سلاطین کلوہ " (حکیم سید شمس اللہ قادری) ۵ ۔ " مہم ارکاٹ " (سوانح نواب ناصر جنگ شہید) (از ایڈیٹر) ۶ ۔ " خسرو نوشیروان " (از پروفیسر محمد ہارون خان شیروانی) ۷ ۔ " دکن میں مسلمان " (مولوی سید حسن صاحب برنی) ۸ " سلاطین قطب شاہیہ کے تعلقات خارجہ " (از مولوی سید علی اصغر بلگرامی) ۹ ۔ " مورخین ہند " (حکیم سید شمس اللہ قادری)

اس کے علاوہ اس رسالہ میں بعض نایاب کتابیں بالاقساط شایع ہوتی رہیں ۔ ان میں ۱ ۔ " شیخ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ کا ایک نایاب رسالہ (۱) تذکرہ مصنفین دہلی " ۲ ۔ قاضی ناصر الدین بیضادی المتوفی ۶۸۵ھ کی نادر الوجود تاریخ سرزمین ایران المسمیٰ " نظام التواریخ ۔ ۳ ۔ شیخ زین العابدین معبری کی تحفۃ المجاہدین فی بعض اخبار البرتکالئین اور دکن کی مشہور اور نایاب تاریخ " تذکرۃ الملوک " قابل ذکر ہیں ۔

اس رسالہ میں اہم علمی و ادبی کتابوں پر تبصرے بھی کیے جاتے تھے ۔ جن کتابوں پر تبصرہ کیا گیا ان کی بھی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے ۔

۱ ۔ صقلیہ میں اسلام (از مولوی عبدالحلیم شرر) ۲ ۔ رقعات عالمگیر مرتبہ سید نجیب اشرف صاحب ندوی) ۳ ۔ دیوان مجذوب تبریزی (مرتبہ جناب حکیم نادر علی صاحب رعد) ۴ ۔ ذکر میر تقی میر (مرتبہ مولوی عبدالحق صاحب) ۵ ۔ زبان اردو اور ادب (سید ضامن علی صاحب) ۶ ۔ تاریخ ادب اردو " (از مولوی مرزا محمد عسکری صاحب بی ۔ اے) ۷ ۔ " چمنستان شعرا " (از لالہ لچھمی نارائین شفیق) ۸ ۔ " تاریخ مغربی یورپ " (از مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا) ۹ ۔ " عصر قدیم " (از مولوی عبدالحلیم شرر) ۱۰ ۔ " سیرالمصنفین " (جلد دوم) (از مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا)

یہ رسالہ چند سال جاری رہ کر بند ہوگیا ۔ راقم الحروف کو اس دور کے جنوری ، مارچ ۱۹۳۱ء تک کے شمارے دستیاب ہوئے ہیں ۔ غالباً یہ رسالہ اسی سال بند ہوگیا ۔ مگر کچھ عرصہ بعد

پھر اس کی اشاعت عمل میں آئی ۔ دو بارہ اشاعت کے جو شمارے دستیاب ہوئے ہیں ان پر " سلسلہ جدید " درج ہے ۔ اس سلسلہ جدید کے صرف دو شمارے دستیاب ہوئے ہیں جو ماہ جون ۱۹۴۰ء اور ماہ ستمبر ۱۹۴۰ء کے ہیں ۔

ماہ جون سنہ ۱۹۴۰ء کا شمارہ چوتھی جلد کا پہلا شمارہ ہے ۔ اس کے مطالعہ سے یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ دو بارہ اشاعت کا آغاز شاید اسی شمارے سے ہوا ہو گا ۔

رسالہ " **مشیر اہل دہ** ": یہ ماہوار رسالہ ماہ شہریور سنہ ۱۳۳۸ف م جولائی سنہ ۱۹۲۹ء سے نظام آباد دکن سے جاری ہوا ۔ اس کے ایڈیٹر غلام احمد وکیل تھے ۔ یہ رسالہ مطبع معین دکن پریس میں طبع ہو کر کاشانہ ضلع نظام آباد سے شایع ہوتا تھا ۔ اس کا حجم عموماً ۲۸ تا ۳۸ صفحات ہوتا تھا

اس رسالہ کا مقصد خاص طور پر دیہی عوام کو زراعتی ، صنعت و حرفتی، تجارتی اور قانونی معلومات بہم پہنچانا تھا ۔

یہ رسالہ پانچ حصوں پر مشتمل تھا ۔

حصہ اول میں " معلومات قانونی " کے تحت احکامات مال گزاری و دفعات مال گزاری و قانون ، جانوران چکاری اور گشتیات و نظائر وغیرہ درج کیے جاتے تھے ۔

حصہ دوم میں " زراعت " کے تعلق سے مفید اور کارآمد مضامین شایع کیے جاتے تھے جیسے مکئی کی کاشت ، کاشت نیشکر ، تعلیم زراعت ، بنجر زمین وغیرہ ۔

حصہ سوم میں " صنعت و حرفت " سے متعلق مضامین درج کیے جاتے تھے جیسے کانچ اور آئینے پر تصویر بنانا اور لکھنا ، اہل یورپ کی ترقی کا راز ، چمڑے کے بگلوس اور بلٹ صاف کرنا ، تاڑی سے شکر بنانا ، صنعت و حرفت کا پیشہ تمام پیشوں سے بہتر ہے وغیرہ ۔

حصہ چہارم میں " تجارت " سے متعلق مضامین شایع کیے جاتے تھے ۔ جیسے " کیا تجارت کے لیے روپیہ کی ضرورت ہے " ۔۔۔ " آلو کی تجارت " وغیرہ ۔

حصہ پنجم میں " معلومات عامہ " کے تحت پرورش جانوران و مختلف بیماریوں کے علاج اور ملک میں ہونے والی مختلف ترقیوں کا حال درج کیا جاتا تھا ۔

ماہ دی ۱۳۳۹ف کو اس رسالہ کا ایک خاص نمبر " نظام ساگر " کے نام سے شایع ہوا تھا ۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے صرف ابتدائی چھ شمارے ڈاکٹر یوسف حسین صاحب کے ذاتی کتب خانہ میں دستیاب ہوئے ہیں ۔ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ مفید رسالہ کب بند ہوا ۔

رسالہ " **الکشافہ** ": اس مجلہ کو بابر شاہی فرسٹ حیدرآباد ہیڈ کوارٹر روداس ٹروپ نے ۲۹ رجب ۱۳۴۸ھ م ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو زیر سرپرستی جناب سید محمد ہادی صاحب کمشنر برائے اسکاوٹس جاری کیا ۔ اس رسالہ کے مدیر محمد حمید اللہ ایم اے ال ال بی (عثمانیہ) تھے اور شریک مدیر ضیا الدین احمد ، غلام علی ، محمد فاروق مجیب اللہ اور غلام احمد وحید تھے اور منتظم

اسمٰعیل خان عبدالوہاب بخاری اور امتیاز علی خان تھے ۔ یہ رسالہ مولوی علی موسا (کذا) رضا صاحب مہاجر اول مددگار کمشنر برائے اسکاوٹس کی زیر نگرانی ابتدا میں مطبع عہد آفریں حیدرآباد میں اور پھر بعد میں اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد میں طبع ہو کر بوائے اسکاوٹ ہیڈ کواٹرس حیدرآباد دکن سے شایع ہونے لگا ۔ اس کی ضخامت عموماً ۳۶ تا ۸۶ صفحات اور قیمت سالانہ تین روپیہ تھی ۔

اس رسالہ کا مقصد ملک کے عوام کو کشافہ (اسکاوٹس) تحریک سے واقف کرانا اور اسے مقبول بنانا تھا ۔

رسالہ الکشافہ کے اجرا کے تعلق سے سید محمد ہادی صاحب لکھتے ہیں ۔

" ------ اس اہم اور قابل قدر تحریک (یعنی اسکاوٹنگ) کے فوائد کو عوام کے سامنے پیش کریں اور ان اصحاب کو جو بلا سوچے سمجھے ابتدا ہی سے اس تحریک کی مخالفت پر کمر باندھے بیٹھے ہیں انہیں سمجھائیں کہ اسکاوٹنگ ایک ایسی تحریک ہے جس کی بدولت ہمارے ملک کے ہوشیار بچے اور نوجوان اپنے آپ کو کارآمد بنا سکتے ہیں نیز دوسروں کو فائیدہ پہنچا سکتے ہیں ۔ چنانچہ اس غرض سے " الکشافہ " پرچے کی ابتدا کی ہے جس کے ذریعہ نہ صرف اسکاوٹ بھائیوں بلکہ عوام کے معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش مقصود ہے ۔ اس میں ایسے مضامین ہوا کریں گے جن کا تعلق نہ صرف اسکاوٹنگ سے ہوگا بلکہ ہمارے ملک کے تاریخی حالات اور دیگر علوم و فنون سے بھی ۔ " (۴۷۹)

اس رسالہ کے اہم مضامین کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے جس سے یہ اندازہ ہوسکے کہ یہ رسالہ اپنے مقاصد میں کہاں تک کامیاب رہا ۔

۱ ۔ " قیام سلطنت آصفیہ " (از عزیز الدین محمد صاحب عثمانیہ) ۲ ۔ " طوائف الملوکی اور آصفجاہ دوم " (از پروفیسر محمود علی ایم ۔ اے) ۳ ۔ ہمارا نصب العین اور اس کے حصول کے ذرائع " (از مولوی محمد غوث صاحب) ۴ ۔ " اسکاوٹ کا حصہ تعمیر مملکت میں " (از مولوی علی موسا ، (کذا) رضا صاحب) ۵ ۔ " قومی تمدن کی پائیداری کا معیار " (از پرنسپال چارلس تھوائنگ) ۶ ۔ " اسکاوٹنگ اور تعلیم " (از مولوی علی موسا رضا صاحب) ۷ ۔ " اسکاوٹنگ اسلامی ادبیات عالیہ میں " (از پروفیسر مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی)

راقم الحروف کو اس رسالہ کے ماہ اردی بہشت ۱۳۴۳ف تک کے شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ۔

قانونی رسائل

قانون پر نکلنے والے رسائل میں بیسویں صدی کے آغاز سے تین دہوں تک جو کچھ اہم تبدیلیاں ہوئیں ان کا تفصیلی جائزہ آئیندہ صفحات میں لیا گیا ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ سنہ ۱۹۱۰ء میں "دکن لار پورٹ" کی اشاعت شروع ہوئی اور یہ بالکل اسی طرح کی چیز تھی جیسے آج کل آل انڈیا رپورٹر یا "لا جرنل" نکلتے ہیں۔ دکن میں عدلیہ کا ڈھانچہ کم و بیش وہی تھا جو برٹش انڈیا کا تھا اور قوانین بھی وہی تھے لیکن بہر حال قانون کی تعبیر و تشریح میں فرق ہوا کرتا تھا۔ جو فیصلے دکن کی عدالتوں میں ہوئے ہیں وہ اس لیے بھی اہم ہیں کہ یہاں کی عدالتوں میں سارا کاروبار اردو میں ہوا کرتا تھا۔

رسالہ "مالگزاری": یہ ماہ نامہ یکم آذر سنہ ۱۳۱۳ھ مطابق مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو الادہ بی بی حیدرآباد دکن سے محمد فصیح الدین احمد خان کی نگرانی میں جاری ہوا۔ یہ رسالہ مطبع محبوب النظائر مال میں عموماً ۱۱۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ سالانہ قیمت علاوہ محصول ڈاک چھ روپیہ تھی۔

یہ رسالہ بعد میں ہر ماہ قمری کی پندرہ تاریخ کو شائع ہونے لگا۔

رسالہ مالگزاری قانونی رسالہ تھا جو دو حصوں میں منقسم تھا۔ حصہ اول "محبوب النظائر مال" کے نام سے جس میں مدار المہام سرکار عالی کے ابتدائی فیصلہ جات درج ہوتے تھے اس کے علاوہ مرافعہ، نگرانی اور نظر ثانی کے مقدمات کی تفصیلات درج ہوتی تھیں۔

حصہ دوم "محبوب الاحکام" کہلاتا تھا جس میں (۱) گشتیات و احکام عام محکمہ سرکار عالی صیغہ مالگزاری (۲) گشتیات و احکام عام محکمہ سرکار عالی صیغہ فنیانس و محاسبی (۳) گشتیات و احکام عام محکمہ معتمدی عدالت و کوتوالی و مجلس عالیہ عدالت و انسپکٹر جنرل رجسٹریشن و اسٹامپ و مجلس وضع قوانین سرکار عالی (۴) گشتیات و احکام و دیگر محکمات معتمدین سرکار عالی (۵) احکام فقہی تفصیل سے درج کیے جاتے تھے۔

یہ رسالہ قانون داں حضرات کے لیے بے حد مفید تھا۔ اس لیے طبقۂ وکلا میں مشہور و مقبول تھا۔

رسالہ مالگزاری کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اگر کوئی خریدار اس رسالہ کا چندہ بغیر کسی تقاضے کے فوراً پیشگی ادا کرتا تو اسے مطبع محبوب النظائر مال کی مطبوعہ کتاب جس کی مالیت آٹھ آنہ سے زیادہ نہ ہوتی تھی مفت نذر کی جاتی تھی۔

اس رسالہ میں تمام نظائر و احکام وغیرہ اس طرح درج ہوتے تھے کہ ہر سال کے آخر پر ان کی علیحدہ علیحدہ جلدیں بن سکیں۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے ماہ تیر سنہ ۱۳۲۳ف تک کے چیدہ چیدہ شمارے حیدرآباد کے مشہور ایڈوکیٹ جناب محمد عبدالرشید صاحب (آغاپورہ حیدرآباد) کے ذاتی کتب خانے سے

دستیاب ہوئے۔ اس کے بعد کا کوئی شمارہ دستیاب نہیں ہوسکا۔

دکن لارپورٹ: یہ قانونی ماہ نامہ ۱۳۲۱ف م ۱۹۱۰ء میں حیدرآباد دکن سے شائع ہونے لگا۔ طیب انصاری صاحب کو اس رسالے کے سنہ اجرا کے تعلق سے تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے اس کا سنہ اجرا ۱۳۲۰ف ۱۹۱۱ (۴۸۰) لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ اس رسالہ کے ایڈیٹوریل بورڈ میں مولوی محمد غلام اکبر خان المخاطب اکبر یار جنگ، مولوی محمد اصغر صاحب بی۔ اے، بیرسٹر ایٹ لا، پنڈت گرراو صاحب وکیل ہائیکورٹ، پنڈت کیشوراؤ وکیل، پنڈت بابو گیا پرشاد صاحب وکیل، جیسے قانون دان شریک تھے۔ اور رپورٹر مولوی محمد دلدار علی صاحب تھے۔ یہ رسالہ دکن لارپورٹ پریس میں محلہ جام باغ حیدرآباد دکن میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا حجم عموماً ۶۴ صفحات ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ دس روپیہ علاوہ محصول ڈاک ہوا کرتا تھا۔

یہ خالص قانونی رسالہ تھا جو پانچ حصوں میں منقسم تھا۔ حصہ اول میں دیوانی فیصلہ جات حصہ دوم میں فوجداری فیصلہ جات درج کیے جاتے تھے۔ حصہ سوم مالگزاری سے متعلق تھا۔ حصہ چہارم میں قوانین احکامات و گشتیات متعلقہ عدالت کوتوالی، مالگزاری و فینانس، امور مذہبی وغیرہ اور حصہ پنجم میں نظائر ممالک غیر یعنی فیصلہ جات عدالت برٹش انڈیا پریوی کونسل شایع ہوتے تھے۔

اس رسالہ کے ایڈیٹوریل بورڈ اور انتظامیہ میں متعدد بار تبدیلیاں ہوتی رہیں مگر یہ رسالہ پابندی کے ساتھ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی شایع ہوتا رہا تھا۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے فائل حیدرآباد کے مشہور ایڈوکیٹ محمد عبدالرشید صاحب (آغاپورہ، حیدرآباد) کے ذاتی کتب خانہ میں دستیاب ہوئے۔

رسالہ "نظائر برٹش انڈیا": یہ ماہ نامہ فروردی ۱۳۲۷ف م فروری / مارچ ۱۹۱۸ء میں چار کمان حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر پنڈت ترلوکی ناتھ سہائے بی۔ اے وکیل ہائیکورٹ تھے۔ اس رسالہ میں نہایت سلیس عبارت میں ہائیکورٹ ہائے برٹش انڈیا و پریوی کونسل و دیگر عدالت ہائے عدلیہ برٹش انڈیا کے جملہ نظائر شایع کیے جاتے تھے۔

اس رسالے کے تین نمبر نکلے ازاں بعد پھر اس کا کوئی نمبر نظر سے نہیں گزرا۔ (۴۸۱)

رسالہ "دوست": یہ ماہ نامہ ماہ اسفندار ۱۳۲۹ف (۴۸۲) مطابق جنوری ۱۹۲۰ء سے امیر پیٹ، حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر وشنو مادھوراؤ صاحب تھے۔ یہ رسالہ مطبع دینکشیش پرشاد میں ۶۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ مع محصول ڈاک چار روپیہ آٹھ آنہ تھا۔

اس کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

دوست راچوں عاقلاں کبریت احمر گفتہ آند

دوست حاصل کن اگر کبریت احمر بایدت

اس رسالہ کے اجرا کے مقاصد کے تعلق سے مدیر رسالہ لکھتے ہیں:

"دوست کو اسم بامسمیٰ بنانے اور وفادار "دوست" ہونے کا ثبوت دینے کے لیے ایک عام غرض "خدمت گزاری اہل ملک" ہمارا نصب العین ہے ۔۔۔۔
پس دوست ناظرین و قارین کرام کے معلومات میں ان جملہ شعب کے متعلق بہترین اور مفید معلومات کا قابل قدر اضافہ کرے گا۔" (۴۸۳)

یہ رسالہ تین حصوں میں منقسم تھا۔ اول میں وہ تمام قوانین جو ملک کے اعلی محکمہ جات مجلس وضع قوانین سرکار عالی سے منظور ہوتے، شایع کیے جاتے تھے۔

حصہ دوم میں اعلی محکمہ جات ملک سرکار عالی کے احکام و گشتیات۔

حصہ سوم میں عام مضامین جیسے تعلیم و تربیت، تجارت و زراعت، صنعت و حرفت، پند و نصائح، اخلاق و آداب، قصص و حکایات اور طب وغیرہ پر ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ عجائبات اور ملکی و بین الاقوامی خبریں درج کی جاتی تھیں۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے ابتدائی چار شمارے (اپریل ۱۹۱۰ء) دستیاب ہوئے ہیں۔ جب کہ مانک راؤ وٹھل راؤ نے لکھا ہے کہ "پہلے نمبر کے بعد کوئی نمبر ہماری نظر سے نہیں گزرا۔" (۴۸۴)

رسالہ "نظائر دکن": یہ ماہوار رسالہ ماہ آذر ۱۳۳۰ف م اکتوبر ۱۹۲۰ء میں حسب منظوری محکمہ سرکار صیغہ عدالت حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی میر محمد علی صاحب فاضل وکیل ہائیکورٹ تھے۔ یہ رسالہ مطبع نظائر ہند واقع بازار کوکہ حسینی علم میں طبع ہو کر یہیں سے شایع ہوتا تھا۔ اس کا حجم عموماً ۴۸ صفحات، سالانہ چندہ مع محصول ڈاک چھ روپیہ پیشگی تھا۔

یہ قانونی رسالہ تھا جو تین حصوں میں منقسم تھا۔

حصہ اول میں مکمل فیصلہ جات دیوانی منفصلہ جوڈیشیل کمیٹی جو مجلس عالیہ عدالت ممالک محروسہ سرکار عالی شایع ہوتے تھے۔

حصہ دوم میں مکمل فیصلہ جات مال و عطیات منفصلہ باب حکومت و صدر المہام بہادر مال ممالک محروسہ سرکار عالی درج ہوتے تھے۔

حصہ سوم میں مکمل قوانین گشتیات و احکام سرکار عالی شایع کیے جاتے تھے۔

یہ رسالہ کئی برسوں تک جاری رہا۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے ۱۳۳۶ف تک کے شمارے جناب محمد عبدالرشید صاحب ایڈوکیٹ کے ذاتی کتب خانہ میں دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ "نظائر مال": یہ ماہ وار قانونی رسالہ تھا۔ ماہ آذر سنہ ۱۳۴۰ف مطابق اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء میں بہ منظوری مہاراجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم سرکار عالی حیدرآباد دکن سے جاری

ہوا۔ اس کے ایڈیٹوریل بورڈ میں پنڈت گوپال راؤ ایڈوکیٹ، مولوی سید اعجاز حسین ایڈوکیٹ پنڈت کندی کشن راؤ صاحب دیسمکھ وکیل ہائیکورٹ اور مولوی خواجہ معین الدین وکیل ہائیکورٹ اور رپورٹر موتی رام راؤ وکیل تھے۔ یہ رسالہ ونایک راؤ، بارایٹ لا کے زیر اہتمام دکن لارپورٹ پریس جام باغ حیدرآباد میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ مع محصول ڈاک چھ روپیے پیشگی تھا۔

یہ رسالہ دو حصوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ حصہ اول میں مکمل فیصلہ جات مالگزاری وصیغہ عطیات منفصلہ باب حکومت و صدر المہام بہادر مال ممالک محروسہ سرکار عالی شایع ہوتے تھے۔ حصہ دوم میں مکمل قوانین و گشتیات و احکام اور فرامین سرکار عالی درج کیے جاتے تھے۔

زراعتی رسائل

زراعتی رسائل کی ابتدا میں زراعت کا تصور واضح نہ تھا۔ لیکن بیسویں صدی میں باضابطہ طور پر اسے ایک سائنس کی طرح پیش کیا گیا اور اگریکلچر کے ساتھ ہارٹیکلچر کو بھی شامل کیا گیا۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ انیسویں صدی ہو یا بیسویں صدی پانچ رسائل میں تین کے مدیران ہندوستانی نہ تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی خدمات سے استفادہ کرتے ہوئے اس کی کوشش کی جارہی تھی کہ ہندوستانیوں کو اس اہم پہلو کی طرف متوجہ کیا جاسکے۔

رسالہ "زراعت و پرورش حفاظت جانوران: یہ ماہوار رسالہ ماہ مہر سنہ ۱۳۲۲ ف (۴۸۵) م ماہ اگست سنہ ۱۹۱۳ء سے ترپ بازار حیدرآباد دکن سے بہ یادگار سالگرہ جلوس حضور نظام شائع ہونے لگا۔ اس کے مالک اور ایڈیٹر آر جو سی، جی۔ بی۔ وی۔ وی وٹرنری سرجن تھے۔ یہ رسالہ ابیکا پریس میں عموماً ۲۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ مع محصول ڈاک (خاص حیدرآباد دکن کے عوام کے لیے) تین روپیہ اور فی پرچہ پانچ آنہ تھا۔

یہ مصور رسالہ اردو کے علاوہ مرہٹی اور تلگو زبانوں میں بھی شائع ہوتا تھا۔ اس میں زراعت اور حفاظت پرورش جانوران سے متعلق علمی و عملی مضامین نہایت تفصیل کے ساتھ باتصویر درج ہوتے تھے۔ طریقہ پرورش و حفاظت جانوران کے ضمن میں جانوروں کے جسم ان کی بناوٹ، امراض اور ان کا علاج اور ان کی پرورش و دیکھ بھال اور افزائش نسل کے تعلق سے مضامین درج کئے جاتے تھے۔

اس رسالہ کا دوسرا حصہ فن زراعت سے متعلق تھا۔ اس میں یہاں کی آب و ہوا، بارش، زمینات کے اقسام اور ان میں پیدا ہونے والے اناج اور کھاد و دیگر کار آمد اشیاء زراعت پر بسوط مضامین درج ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ نئے طرز پر زراعت کرنے کے طریقہ اور اس تعلق سے جدید اور مفید معلومات بھی بہم پہنچائی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر مغربی اور دوسری زبانوں

کی کتابوں اور مضامین کے ترجمے بھی شائع کیے جاتے تھے اور زراعت و پرورش جانوران کے تعلق سے قارئین کے سوالات کے جوابات بھی دیے جاتے تھے ۔ اس رسالہ کی اشاعت اور مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے مدیر رسالہ نے لکھا ہے:

" مویشی اور زراعت ہندوستان کے لئے نئی چیزیں نہیں ہیں بلکہ ہندوستان کے پرورش کا دارومدار ہمیشہ سے ان ہی دو چیزوں پر رہا ہے اور رہے گا ۔ مویشیوں کی حفاظت اور زراعت کی ترقی پر فی زمانہ جو کتابیں اجنبی زبانوں میں موجود ہیں اون سے ہندوستانی لوگ بہت کم فائیدہ اٹھا سکتے ہیں اور جو ان فنون کی اہمیت رکھتے ہیں اوس کو اپنا ذریعہ پرورش سمجھ کر اوس کے بتانے میں کچھ پس و پیش کرتے ہیں ---------- حالانکہ ضرورت اور سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ جو علوم غیر زبانوں میں مدون ہیں اور جو معلومات تجربہ سے حاصل ہوئے ہیں اون کو فائیدہ خاص و عام کے لئے پبلک میں پیش کیا جائے اور یہی ایک صورت ذخیرہ معلومات کے ترقی کی ہو سکتی ہے ۔

یہ قصد کیا گیا ہے کہ فن زراعت اور طب حیوانی کے معلومات جو کتب جدیدہ میں مندرج ہیں اور جن سے ہمارے ملک کے عامتہ الناس بوجہ اجنبیت زبان فائیدہ اٹھا نہیں سکتے اس رسالہ کے ذریعہ سے مع اون باتوں کے اور تجربہ میں نفع بخش ثابت ہوئی ہیں بغرض آگاہی و استفادہ پیش کیے جائیں ۔ " (۴۸۶)

اس رسالہ کے اہم مضمون نگاروں میں آر ۔ آر جوسی کے علاوہ مسٹر آر ۔ ایم مدلیار وٹرنری سرجن محکمہ افزائش چوپایان اور پروفیسر ڈی ۔ کے ہارڈی کر (نظام کالج) بھی قابل ذکر ہیں ۔ ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے ۔

(۱) کاشت گینی گراس (۲) کاشت نیشکر (۳) منوہر آباد کے مقامی حالات (۴) گائے کے اقسام (۵) امراض متعدی جانوران (۶) دیوانہ کتا (۷) مکالمہ اسپ مابین استاد و طلبا (۸) سوال و جواب متعلق زراعت (۹) گائے اور اوس کی پرورش (۱۰) ماتا یا ٹیکی (چیچک مویشیاں) وغیرہ ۔

رسالہ " **رہبر مزارعین** ": یہ ماہوار رسالہ ماہ امرداد سنہ ۱۳۲۴ف (۴۸۷) م ماہ جون ۱۹۱۴ء میں زیر نگرانی صدر انجمن زرعیہ سنہ ۱۹۱۴ء محکمہ ناظم زراعت حیدرآباد دکن سے جاری ہوا ۔ حیدرآباد میں زراعت کا سررشتہ سنہ ۱۳۲۲ف م سنہ ۱۹۱۳ء میں قائم ہوا تھا اور اس سررشتہ کی نظامت پر مسٹر جان کینی کا تقرر ہوا ۔ (۴۸۸) ابتدا میں یہ رسالہ مسٹر جان کینی ناظم زراعت ملک سرکار عالی کی ادارت میں شائع ہونے لگا تھا بعد میں یہ مولوی مظہر حسین صاحب ایم ۔ اے ۔ بی ۔ ایس سی ناظم زراعت کی نگرانی میں نکلنے لگا ۔ ابتدا میں یہ رسالہ ابجیکا پرنٹنگ پریس مہاراج گنج

حیدر آباد میں طبع ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد یہ اختر دکن واقع افضل گنج حیدر آباد دکن میں طبع ہونے لگا اس کا سالانہ چندہ دو روپیہ اور ایک پرچہ کی قیمت تین آنہ تھی۔ اس کا حجم عموماً ۳۲ تا ۴۰ صفحات ہوتا تھا۔ یہ باتصویر رسالہ تھا اس میں رنگین تصاویر کے علاوہ چارٹ بھی دیے جاتے تھے۔

ابتدا میں اس کے سرورق پر یہ عبارت درج ہوتی تھی۔

مکمل زراعت حقیقی پایہ ہے تجارت اور کسب معاش کا نیز وہ پایہ ہے ملک کی دولت و ثروت کا۔"

بعد میں یہ اشعار درج ہونے لگے۔

زراعت مبدء صنع و تجارت
تجارت اور صنعت اصل رفعت
انہیں تینوں کی کوشش کا ثمر ہے
کھڑی ہے جو تمدن کی عمارت

یہ رسالہ صدر انجمن زرعیہ حیدر آباد دکن کا ترجمان تھا۔

اس انجمن کی شاخیں ملک کے تمام اضلاع میں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ خالص زراعتی رسالہ تھا۔ جس میں ہر ماہ جدید سائنٹفک زرعی معلومات فراہم کی جاتی تھیں۔ یہ رسالہ عموماً پانچ حصوں میں منقسم ہوتا تھا۔ حصہ اول میں "افتتاحیات" کے تحت زراعت پر مضامین شائع ہوتے تھے۔

حصہ دوم میں "منقولات" کے تحت مغربی ممالک کے اخباروں و رسالوں کے زرعی موضوعات پر لکھے گئے مضامین کے ترجمے نقل کیے جاتے تھے۔ حصہ سوم میں "مراسلات" کے عنوان کے تحت زراعت کے تعلق سے مختلف لوگوں کے تجربات و مشاہدات درج کیے جاتے تھے

حصہ چہارم میں "تراجم کتب و رسالہ جات" کے تحت دوسری زبانوں خصوصاً انگریزی زبان کی زراعتی موضوعات پر لکھی گئی اہم اور معیاری کتابوں کے ترجمے شائع کیے جاتے تھے۔

حصہ پنجم میں محکمہ زراعت کی رپورٹیں اور انجمن زرعیہ کے جلسوں کی روداد شائع کی جاتی تھی۔

اس رسالہ کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ اس میں انگریزی اصطلاحات کے بڑی عمدگی اور مہارت سے اردو ترجمے کیے جاتے تھے۔ ذیل میں اصطلاحات کی ایک مختصر سی فہرست دی جاتی ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آج بھی تقریباً یہی اصطلاحات مروج ہیں۔

۱۔ ارضیات Geology ۲۔ بناوٹ زمین Structure of soil

۳۔ تختی جس سے پیچ کاٹتے ہیں Die ۴۔ ثقل Gravity

۵- جامد - ٹھوس Solid ۶ - چوکھٹہ، ڈھانچہ Frame

۷- حرارت Heat ۸ - خود بخود عمل کرنے والا Automatic

۹- رگڑ Friction ۱۰ - سیارہ Planet

۱۱- سیال مائع Liquid ۱۲ - شکنجہ Clamp

۱۳- شگاف Crack , fissure

۱۴- طبعی صورت Physical feature

۱۵- عالم طبقات الارض Geologist

۱۶- علم طبقات الارض Geology

۱۷- علم طبیعات Physics

۱۸- عمل کیمیائی Chemical action

۱۹- قطر Diameter

۲۰- قوت مقناطیسی Magnetic power

۲۱- مشین کے آلات Tools

۲۲- معدنی روغن Mineral oil

۲۳- ارتعاش زلزالی Vibratory

۲۴- آمیزہ Mixture

۲۵- برمانا Boring, Drilling

۲۶- تجزیہ کیمیائی Chemical analysis

راقم الحروف کو اس رسالہ کے ماہ خورداد، ۱۳۴۳ف تک کے فائلیں ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب ماہر امراض چشم کے ذاتی کتب خانہ سے دستیاب ہوئے۔

رسالہ "کاشتکار": یہ ماہوار زراعتی رسالہ ماہ آذر سنہ ۱۳۴۰ھ م اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء میں بیرون دبیر پورہ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر محمد عبدالرزاق بسمل تھے۔ یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا تھا۔ اس رسالہ کا پہلا پرچہ رہبر دکن برقی پریس افضل گنج میں طبع ہوتا تھا۔ دوسرے ماہ سے یہ مسعود دکن پریس کالی کمان میں طبع ہونے لگا پھر دوبارہ یہ رہبر دکن برقی پریس میں طبع ہونے لگا۔ ماہ فروردی سنہ ۱۳۴۲ف سے یہ مطبع دار الکتابت میں طبع ہونے لگا۔ اس کا چندہ مع محصول ڈاک چار روپیہ سالانہ تھا۔ یہ رسالہ اردو اور تلنگی زبان میں ایک ساتھ شائع ہوتا تھا۔ حصہ اردو کا حجم عموماً ۱۶ تا ۳۲ صفحات ہوتا تھا جب کہ حصہ تلنگی کا حجم ۱۶ صفحات ہوتا تھا۔

یہ رسالہ حسب ذیل مقاصد کے تحت نکالا گیا تھا۔

"۱۔ فن زراعت و فلاحت کو سائنٹفک اصولوں کے تحت لانے میں گورنمنٹ کا ہاتھ بٹائے، کاشتکاروں کو جدید تحقیقاتوں کے نتائج کی جانب توجہ دلائے، جدید آلات کے استعمال کا رواج دلائے، قیمتی پیداوار کو حاصل کرنے کا شوق دلائے۔

۲۔ کاشتکاروں کو ساہوکاروں کی گرفت سے بچائے اور ان کی مالی حالت کو درست کرنے کے لیے مفید مشورے دے۔

۳۔ کاشت کاروں کی فلاح وبہبودی کے مسائل میں گورنمنٹ کی توجہ مبذول کرائے اور دیہی زندگی کو شائستہ بنانے کی کوشش عمل میں لائے۔

۴۔ مقدم پٹواریوں میں احساس فرض شناسی پیدا کرائے اور انہیں مخلصانہ برتاؤ کا عادی بنائے اور ایسے اشخاص پیدا کرے جو دیہی عہدوں کو خوش اسلوبی سے انجام دے سکیں۔

۵۔ سررشتہ مال کے احکام سے حتی الامکان عمال دیہی اور کاشت کاروں کو واقف کرائے۔

۶۔ جہاں وسیع ترین ذرائع آب پاشی کی تعمیر ہورہی ہے ان کو کامیاب بنانے کے لیے مفید مشورے دے اور ترغیب و تحریص کے ذریعہ کاشت کاروں کی تعداد بڑھائے۔

۷۔ کاشتکاروں کو بڑے بڑے قصبات اور بازاروں سے براہ راست تجارتی تعلقات پیدا کرنے کے طریقوں کو بتائے، تاکہ ہر کاشت کار اپنی پیداوار کی فروخت سے کافی نفع حاصل کرسکے۔" (۴۸۹)

اس رسالے میں تجارت اور صنعت وحرفت سے متعلق مضامین اور زراعت و تجارت سے متعلق مختلف مقامات کی خبریں بھی شائع کی جاتی تھیں۔ اس رسالہ کی اہمیت کے پیش نظر سرکار آصفیہ بھی اس کی سرپرستی کرتی تھی چنانچہ محکمہ معتمدی مال سرکار عالی اس رسالہ کے ہرماہ ساٹھ پرچے خریدتا تھا۔ ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک فہرست درج کی جاتی ہے جس سے اس کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ ہوگا۔

(۱) طبقہ مزارعین کو قانونی امداد کی ضرورت (از جناب نواب سعادت جنگ بہادر صدر المہام) (۲) ترد زمین بر طرز جدید (از جناب مولوی نظام الدین حیدر نائب ناظم زراعت سرکار عالی) (۳) نظام ساگر (از مولوی مرزا محمد بیگ صاحب تعلقدار) (۴) ایران کی زرعی حالت (از مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی مددگار مالگزاری) (۵) نظام ساگر کا کارہائے رفاہ عام (از مولوی محمد بیگ صاحب اول تعلقدار) (۶) کسانوں کی تعلیم (از مولوی غلام حیدر صاحب) (۷) دیہی مصنوعات (از

ایڈیٹر) (۸) بنگال میں شکر سازی (از مسٹر بی ۔ سی گنگولی) (۹) انتظام کاشت زیر نہر نظام ساگر (از ایڈیٹر) (۱۰) پھلوں اور سبزیوں کو محفوظ رکھنے کے طریقے (از جی ایم) (۱۱) زمین اور اس کے اقسام (از عبدالمجید صاحب کاظمی) (۱۲) کاشتکاروں کے لیے قابل عمل باتیں (ماخوذ) (۱۳) خالص گھی اور دودھ کی تجارت (ماخوذ) (۱۴) پھولوں کی کاشت (از بلقیس صمد بیگم صاحبہ) (۱۵) ٹڈی دل کا انسداد (ماخوذ) (۱۶) مزارعین (از ایڈیٹر) (۱۷) کھاد بنانے کا ایک اعلیٰ طریقہ (ماخوذ) (۱۸) باغات کے لئے زرخیز مٹی (۱۹) خصوصیات زمین (۲۰) باغبانی کے متعلق چند باتیں (۲۱) ناکارہ زمین کو کارآمد بنانے کی صورتیں (از عبدالمجید صاحب کاظمی)

اس رسالہ کا سنہ ۱۳۴۲ف میں "نظام ساگر نمبر" نکلا تھا۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے آبان سنہ ۱۳۴۲ف تک کے شمارے دستیاب ہوئے ہیں

آج کل کے دور میں کسانوں کی حالت بہتر بنانے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں اور Agrarian reforms کے نام سے اور سوشل ازم کے نعرے کے سہارے جو کوشش کی جارہی ہے وہ اپنی جگہ پر لیکن حیرت ہوتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جاگیردارانہ نظام کے سب سے بڑے نمائندے اور مطلق العنان حکمران کے دور حکومت میں ریاست حیدرآباد میں ایسے ترقی پسندانہ خیالات کی اشاعت ہو رہی تھی جس کا تصور بھی محال سمجھا جاتا تھا آج سے پچاس سال قبل ایک دیسی ریاست میں کاشتکاروں کو ساہوکاروں کی گرفت سے نجات دلانے کا خیال معرکہ خیز تھا

اس رسالہ کے مندرجات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ رسالہ کی اشاعت تحقیقی عنصر سے خالی نہ تھی اور دوسری زبانوں میں اگر اچھے مضامین دکھائی دیتے تھے تو ان کے ماخوذات بھی شامل کر لئے جاتے تھے۔

طبی رسائل

بیسویں صدی کے آغاز سے صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ کیلنڈر کا ایک ورق الٹ جائے بلکہ ایک دور کا خاتمہ ہوتا ہے اور ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے لیکن طبی رسائل کے سلسلے میں کوئی اہم پیش رفت نظر نہیں آتی ۔ البتہ عناوین میں تنوع ملتا ہے ورنہ جو طرز انیسویں صدی سے قبل رائج تھی وہی برقرار رہی ۔

رسالہ "المعالج": یہ ماہ نامہ آذر / دے ۱۳۲۸ف مطابق اکتوبر / نومبر ۱۹۱۸ء سے حیدرآباد دکن سے شائع ہونے لگا ۔ اس کے مالک و ایڈیٹر جناب حکیم بشیر احمد صاحب تھے ۔ یہ رسالہ سید محفوظ علی صاحب منیجر کے زیر اہتمام مطبع اختر دکن بازار افضل گنج حیدرآباد دکن میں عموماً ۲۸ تا ۳۲ صفحات پر طبع ہوتا تھا ۔ اس کا سالانہ چندہ عام طور پر تین روپیہ چار آنہ تھا ۔

یہ طبی رسالہ تھا۔ اس میں طب یونانی پر مضامین شائع ہوتے تھے۔ حکما اپنے تجربات و مشاہدات اس رسالہ میں درج کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مختلف بیماریوں، ان کی روک تھام اور ان کے علاج، موسم اور اس کے اثرات، پھل اور اس کے فوائد اور ان کی تاثیر پر بھی مضامین درج کیے جاتے تھے اور مختلف بیماریوں کے تعلق سے قارئین کے خطوط کے جواب اور ان کے علاج کے طریقے بھی اس رسالہ میں درج کیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے طبی رسائل کے مضامین بھی نقل کئے جاتے تھے۔ سررشتہ مطب یونانی سرکار عالی کی رپورٹیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔

یہ ایک اہم طبی رسالہ تھا۔ اس رسالہ کی اہمیت اور افادیت کو محسوس کرتے ہوئے حکومت سرکار عالی نے ایک گشتی نشان ۱۷۰ مورخہ یکم دے ۱۳۲۹ ف صیغہ طبابت سے جاری فرمائی کہ حکما سرکار عالی رسالہ "المعالج" میں اپنی اپنی مجربات طبع کرایا کریں۔ (۴۹۰)

راقم الحروف کو اس رسالہ کے اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء تک کے شمارے دستیاب ہوئے ہیں۔

اقتصادی رسائل: معاشیات کا علم انسان کی مادی ضرورتوں کا حل ہے۔ جیسے جیسے سوسائٹی اور سماج کے ڈھانچے میں پیچیدگی پیدا ہوتی جاتی ہے ویسے ویسے معاشی مسائل میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ معاشیات کے دائرہ کار میں صنعت و حرفت بھی شامل ہے اور زراعت بھی اور ساتھ ہی ساتھ سرمایہ کاری بھی۔

ایک ایسے دور میں جب اس طرح کے مسائل کا کوئی تصور ہی نہ رہا ہو خاص طور سے دیسی ریاستوں میں جہاں شخصی حکومت تھی وہاں معاشی اور اقتصادی مسائل پر توجہ دینے کا تصور بھی محال سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اس کے علی الرغم حیدرآباد میں ٹھوس اقتصادی اور معاشی وسائل کو روشنی میں لانے اور ان کا حل تلاش کرنے کی سعی مشکور کی گئی اور ایسے رسائل شائع ہونے شروع ہوئے جن میں ان سارے مسائل و مباحث کو پیش کیا جاتا تھا۔

"لسان الملک": یہ ماہوار رسالہ ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۳ء سے دلاور گنج حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر سید محمد ضامن کنتوری اور جائنٹ ایڈیٹر سید منظر علی اشہر تھے۔ یہ رسالہ عماد پریس حیدرآباد دکن میں عموماً ۶۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ مع محصول ڈاک تھا اور فی پرچہ آٹھ آنہ تھا۔ کتابت و طباعت معیاری ہوتی تھی۔

یہ علمی و ادبی پرچہ تھا اس میں ادبی مضامین کے علاوہ اقتصادی، تاریخی، تحقیقی، فلسفیانہ اور اخلاقی مضامین شائع ہوتے تھے۔ غزلیں و نظمیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ اس رسالہ کے اجرا کا مقصد بتلاتے ہوئے ایڈیٹر یوں رقم طراز ہے۔

"لسان الملک کے اجرا سے ہمارا مقصود صرف اسی قدر ہے کہ جہاں تک ہوسکے ملک کی مشترکہ زبان کو علمی اور اخلاقی مضامین کا سرمایہ دار بنایا جائے اور ایسا

لٹریچر پبلک کے سامنے پیش کیا جائے جو سلامت ذوق کے معیار سے گرا ہوا نہ ہو۔ اب جب کہ یہاں پر مقامی یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم زبان اردو کو قرار دیا جاچکا ہے تو اس زبان کی ترقی و وسعت کے لیے ممکنہ ذرائع کی فراہمی اور ان کی تکمیل ہمارا اقدم فرض ہونا چاہیے۔" (۴۹۱)

یہ رسالہ حیدرآباد دکن کی ایک علمی و ادبی مجلس " مجلس تقدیم العلوم " کا بھی ترجمان تھا۔ اس انجمن کے مقاصد میں ملک میں علمی و ادبی کام انجام دینے کے لیے علاوہ " رسائل علمیہ و انتقادیہ کا جاری کرنا بھی تھا مگر اس مجلس کا ابھی تک کوئی رسالہ نہیں نکلا تھا اس لیے اس مجلس نے " لسان الملک " کو اپنی مجلس کا ترجمان قرار دیا۔ (۴۹۲)

اس رسالہ کو مقامی اور بیرونی انشاپردازوں کا تعاون حاصل تھا اور اس میں جو مضامین شائع ہوتے تھے وہ ٹھوس اور معیاری ہوتے تھے۔ یہ رسالہ اپنے ہم عصر رسالوں میں وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ذیل میں اس رسالہ کے ادبی مضامین کی ایک منتخب فہرست پیش کی جاتی ہے جس سے اس کی علمی ادبی اہمیت کا بھی اندازہ ہو گا۔

(۱) " داستان اردو " (از جناب نواب سید نصیر حسین خان صاحب خیال) (۲) " شیخ فرید الدین عطار (از مولوی حکیم سید شمس اللہ قادری) (۳) " غالب اور بیدل " (از سید محمد ضامن کنتوری) (۴) شیکسپیر اور اس کے باقیات الصالحات " (از بن جانسن ترجمہ مولوی سید تفضل حسین صاحب ناشر) (۵) " رضیہ سلطان " (از مولوی محب حسین) (۶) " خواجو کرمانی " (از مولوی حکیم سید شمس اللہ قادری) (۷) " سراج اورنگ آبادی " (از جناب مولوی ظفریاب خان صاحب) (۸) " ہند قدیم کی تعلیم " (از سید منظر علی اشہر) (۹) " اصطلاحات علمیہ " (از ڈاکٹر مرزا محمد ہادی صاحب پی ایچ۔ ڈی) (۱۰) " فلسفہ جنون " (از جناب مولوی سید وہاج الدین صاحب کنتوری)

ذیل میں ایک اقتباس پیش کیا جارہا ہے جس میں اس زمانہ کی سیاسی جدوجہد اور سودیشی تحریک کا ذکر موجود ہے۔ مضمون کا عنوان ہے " ہندوستان میں صنعتی ترقی "

> " حال کی سیاسی جدوجہد نے اقتصادیات میں بھی حصہ لیا اور سودیشی تحریک کی وجہ سے بعض مردہ حرفتیں پھر زندہ ہو گئیں ۔۔۔ لیکن جب تک ہندوستانی سرمایہ دار کلوں کے لیے دوسری اقوام کے محتاج ہیں اوس وقت تک کچھ نہیں ہو سکتا۔ مانا کہ وہ ملکی مصنوعات ہی استعمال کرنے کا عزم بالجزم کرلیں۔ لیکن ملکی مصنوعات کہاں سے آئیں گے؟ دستی محنت ضروریات ملک کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور کلیں بنانے والے جب یہ دیکھیں گے کہ آپ انہیں سے آلات صنعت خرید کر انہیں کے بازاروں کو سرد کرنا چاہتے ہیں تو وہ تھوڑی بہت امداد جو آج آپ کو دے رہے ہیں کل یہ بھی نہ دیں گے۔ اس لئے سرمایہ

داروں کا فرض ہے کہ وہ جلد سے جلد میکانیات کی طرف رجوع ہوں اور اس کا انتظام کریں کہ ضروری کلیں ہندوستان میں ہی تیار ہونے لگیں۔" (۴۹۳)

اس اقتباس کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ سنہ ۱۹۲۳ء میں ہمارے دانشور اس اقتصادی پہلو کی طرف متوجہ تھے جس کو پنڈت جواہر لال نہرو نے آزادی کے بعد پنچ سالہ منصوبہ کے ذریعہ عملی شکل دی یعنی Industralisation اور بھاری صنعتوں میں مشینری کا زیادہ سے زیادہ استعمال یعنی Rationalisation - اقتباس کے آخری تین فقرے بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے جولائی سنہ ۱۹۲۴ء تک کے چیدہ چیدہ پرچے اردو ریسرچ سنٹر اور ادارہ ادبیات اردو میں دستیاب ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ رسالہ کب بند ہوا۔

رسالہ "**امداد باہمی و زراعت**": صدر جمیعتہ اتحاد امداد باہمی محدود حیدرآباد کا یہ سہ ماہی رسالہ سنہ ۱۳۳۶ف م سنہ ۱۹۲۶ء میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر جناب بدر الحسن تھے۔ یہ رسالہ عثمانیہ المعارف پریس چھتہ بازار حیدرآباد میں عموماً ۹۲ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ یہ رسالہ صرف اراکین جمیعتہ کے لیے مخصوص تھا۔ عام خواہشمند کے لیے ایک پرچہ کی قیمت آٹھ آنہ مقرر تھی۔

اس کے سرورق پر یہ عبارت درج ہوتی تھی۔

"ہر فرد کل افراد کے لیے اور کل افراد ہر فرد کے لیے"

یہ سہ ماہی رسالہ ہر ماہ آبان، بہمن، اردی بہشت اور امرداد کے آخری ہفتہ میں شائع ہوتا تھا اور صدر جمیعتہ اتحاد امداد باہمی محدود حیدرآباد کا ترجمان تھا۔

اس انجمن کی شاخیں ملک کے مختلف اضلاع میں پھیلی ہوئی تھیں اور ہر سال اس انجمن کے جلسے ہوتے تھے۔ اس رسالہ میں امداد باہمی کی ضرورت، اہمیت اور افادیت پر مضامین شائع ہوتے تھے اور ملک میں زراعت کو ترقی دینے کے تعلق سے زرعی موضوعات پر مضامین قلمبند کیے جاتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ تعلیم اور دوسرے علمی موضوعات پر دوسرے رسالوں کے مضامین نقل کیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ سررشتہ زراعت سرکار عالی کی سرگرمیوں اور اس محکمہ کی جانب سے کسانوں کو دی جانے والی مراعات کی تفصیلات بھی درج کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ اس رسالہ میں ہندوستان اور مغربی ممالک میں امداد باہمی کی تحریک سے متعلق اور زراعت سے متعلق خبریں بھی درج رسالہ ہوتی تھیں۔ اور نظمیں و غزلیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے ماہ مہر ۱۳۳۸ف تک کے چیدہ چیدہ شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔

تعلیمی و تدریسی رسائل

تعلیمی رسائل میں تدریسی پہلو کی باضابطہ شمولیت بیسویں صدی میں ہوئی چنانچہ حیدرآباد ٹیچر کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ جاری ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اور رسائل میں بھی اس کالحاظ رکھا گیا کہ تدریس کے مسائل کو بھی جگہ دی جائے۔

"ترقی تعلیم": یہ ماہوار رسالہ از ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۰ھ م جولائی سنہ ۱۹۲۲ء (۴۹۴) سکندرآباد دکن سے محمد افضل شریف صاحب کی ادارت میں جاری ہوا۔ یہ رسالہ رہبر دکن پریس واقع افضل گنج حیدرآباد میں عموماً ۳۲ صفحات پر طبع ہو کر بوین پلی سکندرآباد دکن سے شائع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ دو روپیہ چھ آنہ پیشگی اور ایک پرچہ کی قیمت چار آنہ تھی۔

یہ ایک علمی و ادبی رسالہ تھا جس کا مقصد ملک میں علمی و ادبی ماحول پیدا کرنا اور عوام کو تعلیم کی اہمیت سے واقف کرانا تھا۔ اس میں علمی، ادبی، اخلاقی، تاریخی، سائنسی، صنعتی، تجارتی اور طبی مضامین درج ہوتے تھے اور نظمیں و غزلیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ "اخبار علمیہ" کے عنوان سے اہم ملکی و بین الاقوامی خبروں کے اقتباسات بھی درج کیے جاتے تھے۔ اور ممالک محروسہ کے مختلف مدارس کی تعلیمی سرگرمیوں سے متعلق مواد بھی شائع ہوتا تھا۔ اس رسالہ میں ایسے مضامین بھی شائع ہوتے تھے جن میں بیوہ عورتوں کی دوسری شادی پر زور دیا جاتا تھا۔

اس رسالہ میں دکن کی تاریخ سے متعلق بھی ایک مفید سلسلہ "تاریخ آصفیہ" کے عنوان سے شائع ہونے لگا تھا جس میں تمام تاریخی واقعات کو تحقیق کے ساتھ قلمبند کیا گیا تھا۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے ماہ شعبان سنہ ۱۳۴۱ھ م اپریل سنہ ۱۹۲۳ تک کے شمارے دستیاب ہوئے۔

رسالہ "المعلم": یہ ماہوار رسالہ ماہ شہریور سنہ ۱۳۳۳ف م جولائی ۱۹۲۴ء سے حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ ابتدا میں اس کے ایڈیٹر مولوی سید محمد حسین جعفری نائب ناظم تعلیمات اور جائنٹ ایڈیٹر مولوی سجاد مرزا تھے۔ ماہ فروری سنہ ۱۳۳۴ف سے یہ رسالہ مولوی محمد سجاد مرزا کی ادارت میں نکلنے لگا اور اس کے جائنٹ ایڈیٹر محمد عظمت اللہ خان بی۔ اے مددگار نظامت تعلیمات ملک سرکار عالی تھے۔ ابتدا میں یہ رسالہ اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد میں طبع ہوتا تھا پھر بعد میں مختلف مطابع میں طبع ہونے لگا۔ اس کا حجم عموماً ۳۲ تا ۶۴ صفحات تھا۔ اس کا سالانہ چندہ مع محصول ڈاک تین روپیہ آٹھ آنہ پیشگی تھا۔

اس رسالہ کے اجرا کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے مدیر رسالہ خامہ فرسا ہیں۔

> "پس ہمارا مقصد اولین اس رسالہ کی اشاعت سے یہی ہے کہ رسالہ مدرسین کی موجودہ ناچاری اور بے بسی میں ان کا معین اور مددگار ہو۔ ان کو اصول و طریقہ تعلیم کے جدید معلومات سے واقف کرے اور امور تعلیمی کے متعلق ماہانہ لٹریچر ان کے مطالعہ کے لئے بہم پہونچائے اور ان کے لئے چھوٹے پیمانہ پر

نارمل اسکول کا کام دے۔

مقصد دوم یہ ہے کہ اساتذہ کو موقع دیا جائے کہ دوسروں کے مضامین اور خیالات کو دیکھیں ان سے متاثر ہوں اور خود بھی اسی راستہ کو اختیار کریں۔

تیسرا مقصد یہ ہے کہ اس رسالہ کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً دیہاتی مدرسین کے لئے جدید معلومات بہم پہونچائے جائیں تاکہ ان میں شوق مطالعہ قائم اور وجہ تحریک باقی رہے۔

آخری مقصد اس رسالہ کا یہ ہوگا کہ مدرسین کے لئے ایک تعلیمی کتب خانہ کا کام دے گا۔ مدارس تحتانیہ میں نہ تو کوئی روزانہ اخبار پہونچتا ہے اور نہ کتب خانے ہیں جن سے علم دوست مدرسین اپنا شوق و ذوق مطالعہ پورا کر سکیں۔ اور حالات دنیا سے باخبر رہیں چونکہ اس رسالہ میں سوائے مختلف مضامین کے مختصر خبریں اور تبصرے بھی درج ہوں گے اس لئے یہ رسالہ اخبار اور چھوٹے سے کتب خانے کا کام بھی دے گا۔" (۴۹۵)

یہ ایک تعلیمی رسالہ تھا جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں سے متعلق اساتذہ کے نہایت اعلیٰ درجے کے ٹھوس تعلیمی مضامین درج ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اس میں علمی، ادبی، اخلاقی، طبی، سائنسی، تاریخی اور تمدنی مضامین شائع کیے جاتے تھے اور محکمہ تعلیمات کی سرگرمیاں درج کی جاتی تھیں اور کتابوں و رسالوں پر تنقید و تبصرہ بھی کیا جاتا تھا اور دوسرے رسالوں کے تعلیم سے متعلق مضامین بھی نقل کیے جاتے تھے اور ایسی ملکی اور بین الاقوامی خبریں جو صرف تعلیم و تدریس سے متعلق ہوتی تھیں درج کی جاتی تھیں۔

فن تدریس پر یہ اردو کا واحد رسالہ تھا جس کی نہ صرف دکن میں بلکہ تمام ہندوستان میں غیر معمولی شہرت تھی اور یہ علمی و ادبی اور تعلیمی حلقوں میں کافی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کا مقصد طلبا و اساتذہ کو ہر قسم کی تعلیمی ترقیوں سے واقف کرانا اور تعلیم و تدریس میں مدد دینا تھا اور ساتھ ہی اساتذہ کو بچوں کی نفسیات اور جدید طریقۂ تعلیم سے واقف کرانا تھا۔ ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست دی جاتی ہے جس سے اس کی نوعیت و اہمیت و افادیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۱) "سوالات کے طریقے" (از مولوی عبدالستار صاحب سبحانی) (۲) "تحتانی مدرسین کو مطالعہ کتب کی ضرورت" (از مولوی سید ساجد علی صاحب مہتمم تعلیمات پربھنی) (۳) "مقصد تعلیم" (از مولوی محمد حسین ایم۔اے) (۴) "تعلیم جغرافیہ کا اصلی مقصد" (از مولوی سید احمد علی بی۔اے صدر مدرس) (۵) "تصورات و تخیلات اطفال" (از سید محمد حسین جعفری) (۶) ابتدائی

جماعتوں کی تعلیم " (از مولوی سید محمد حسین) (۷) "تعلیم کس کو کہتے ہیں " (از نواب سر امین جنگ بہادر) (۸) " تعلیم کا طریقہ " (از نواب سر امین جنگ) (۹) " صحت و ورزش جسمانی طلبا " (از مولوی سید محمد ہادی) ۱۰) "پودے بخارات کا اخراج کس طرح کرتے ہیں " (از جناب جگموہن لال بی ۔ اے) (۱۱) " دیہاتی مدرس کی مشکلات " (از مولوی محمد امیر الدین صدر مدرس) (۱۲) "معلم بہ حیثیت معالج " (از سید خواجہ معین الدین) (۱۳) " مدارس تحتانیہ میں مطالعہ قدرت کی تعلیم " (از سید انور حسین) (۱۴) " مدرسہ بحیثیت مظہر سماجی نظام " (از مولوی عبد الرحمن مہاجر) (۱۵) " شہری و دیہاتی مدرس کا مقابلہ " (از مولوی عبد الجبار صدر مدرس) (۱۶) " سلطان العلوم آصف جاہ سابع کے دور میں تعلیمی ترقی " (از جناب مولوی سید علی اکبر صاحب ایم ۔ اے کنٹب) (۱۷) " تہذیب و اخلاق کی تدریس " (ترجمہ مولوی علی بن غالب بی ۔ اے) (۱۸) " شخصیت کا نشوونما (از مولوی غیاث الدین احمد صاحب ایم ۔ اے) (۱۹) " کم فرصت اساتذہ کے لیے " (از محمد عظمت اللہ خان) (۲۰) " مواقع تعلیم جرمنی میں " (از ایڈیٹر)

یہ مفید رسالہ کافی عرصہ تک پابندی سے شایع ہوتا رہا ۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے ماہ مہر و آبان ۱۳۵۷ف (جلد نمبر ۲۴ شمارہ نمبر ۱۱ ۔ ۱۲) تک کے شمارے دستیاب ہوئے ہیں جس سے اس کی چوبیس برس کی زندگی کا ثبوت ملتا ہے ۔

" حیدرآباد ٹیچر " : یہ سہ ماہی رسالہ ماہ امرداد ۱۳۳۵ف م ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء میں انجمن اساتذہ حیدرآباد دکن نے حیدرآباد دکن سے جاری کیا ۔ نصیر الدین ہاشمی نے اس کا سن اشاعت ۱۹۲۹ء لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے ۔ اس کی مجلس ادارت میں سید علی اکبر ایم اے کنٹب (جنرل ایڈیٹر) سید فخر الحسن ملابی ۔ اے ۔ بی ۔ ٹی (علیگ) (ایڈیٹر) اور عبد النور صدیقی بی ۔ اے ۔ بی ۔ ٹی (علیگ) جائینٹ ایڈیٹر تھے ۔ یہ رسالہ اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن میں طبع ہو کر دفتر انجمن اساتذہ واقع صدر مہتمی تعلیمات سے شایع ہوتا تھا ۔ یہ رسالہ نصف اردو اور نصف انگریزی میں ہوتا تھا ۔ حصہ اردو کا حجم عموماً ۴۸ تا ۹۶ صفحات ہوتا تھا ۔ جنوری ۱۹۲۹ء سے اس رسالہ کا حصہ اردو علاحدہ بھی شائع ہونے لگا تھا ۔ اس کی وجہ بتلاتے ہوئے اس رسالہ کے منیجر لکھتے ہیں ۔ " بڑھتی ہوئی مانگ اور مدارس تحتانیہ کی ضرورتوں اور سہولتوں کے مد نظر ہم نے حیدرآباد ٹیچر کے اردو حصہ کی علاحدہ طباعت و اشاعت کا انتظام کیا ہے ۔ " (۴۹۶)

اس رسالہ کا سالانہ چندہ معہ محصول ڈاک تین روپیہ اور ایک پرچہ کی قیمت بارہ آنہ تھی ۔

یہ ایک اہم اور معیاری تعلیمی رسالہ تھا جو انجمن اساتذہ حیدرآباد دکن کا ترجمان تھا ۔ سنہ ۱۳۳۴ف میں اس انجمن کا قیام عمل میں آیا تھا ۔ اس کے بانی اور موسس اعلیٰ مولوی سید علی اکبر صاحب تھے ۔ یہ مملکت آصفیہ کے تمام مدارس کے اساتذہ کی ایک نمائندہ انجمن تھی مگر اس سے بالواسطہ فائدہ طلبا کو بھی پہنچتا تھا ۔ اس انجمن کی شاخیں ممالک محروسہ کے تمام اضلاع میں تھیں ۔

اس کے سالانہ اجلاس بڑی افادیت کے حامل ہوتے تھے۔ "اس موقع پر نمائش منعقد ہوتی تھی۔ علمی مذاکرے ہوتے تھے۔ نمونہ کے اسباق پڑھائے جاتے تھے۔ اساتذہ کانفرنس کا یہ اجلاس بہت ہی دلچسپ ہوتا تھا۔ نمونے کے اسباق پڑھانے والے استاد ہی ہوتے تھے۔ ان کو سننے والے بھی استاد ہوتے تھے اور ان اسباق کے تعلق سے سوالات پوچھنے والے بھی استاد ہی ہوتے تھے۔ اور پھر طریقہ تعلیم پر تنقیدوں کی بوچھار کرنے والے بھی استاد ہی ہوتے تھے۔" (۴۹۷)

اس انجمن نے تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ادبی سرگرمیوں کو بھی برقرار رکھنے کے لیے رسالے جاری کئے۔ اس رسالہ کی اجرا کے حسب ذیل مقاصد تھے۔

"(۱) طبقہ اساتذہ کے احساس معلمی کو بیدار کرنا۔

(۲) طبقہ اساتذہ کے مخصوص انفرادی تجربات معلمی کو شائع کرنا۔

(۳) فن معلمی پر نفسیاتی حیثیت سے نقد و نظر۔

(۴) انجمن اساتذہ کے مفید مضامین کی اشاعت۔

(۵) انجمن اساتذہ کے مقاصد و اغراض کو ملک کے طول و عرض میں مکمل طور پر پھیلانا۔

اس رسالہ میں صرف ایسے مضامین شائع ہوتے تھے جو تعلیم و تعلم سے متعلق ہوتے تھے اور جن میں ملک کے مفاد تعلیمی کے لحاظ سے ندرت و جدت ہو۔ (۴۹۸) جیسے "تعلیم بالغان" عورتوں کی مناسب و معقول تعلیم "مدارس و کالجوں میں صنعت و حرفت اور پیشوں کی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے۔" "تعلیم و ورزش جسمانی" "مدارس میں اجتماعی زندگی کی تربیت" "لڑکیوں کے لئے تربیت جسمانی کی ضرورت" "تعلیم کے عمرانی مسائل" "فرائض مدرسین" "مدارس میں اردو کی تعلیم" "تعلیم و تربیت کی خرابیاں اور ان کی اصلاح کی تجاویز" "تاریخ اور اس کا طریقہ تعلیم" "طلبا کی اخلاقی تربیت" "المبا مدارس کا معائنہ طبی" "فرقہ بندی اور تعلیم" "مدارس میں مذہبی تعلیم کی اہمیت" "مدارس میں قصہ گوئی کی تعلیم" "تعلیم روزگاری" "تعلیم و تدریس" "تعلیم مطالعہ قدرت" "کیا تعلیم جبری ہو" "مسئلہ تعلیم طلباء کم استعداد" "میسور کا نظام تعلیم" "بچوں کا نفس" "سزائے جسمانی اور تعلیم نسواں" وغیرہ جیسے موضوعات پر مضامین درج کئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ انجمن اساتذہ کے جلسوں کی کاروائی اور محکمہ تعلیمات کی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی اس میں درج کی جاتی تھیں اور تعلیم سے متعلق ملکی اور بین الاقوامی خبریں شائع ہوتی تھیں اور کتابوں و رسالوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا اور نظمیں و غزلیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ مغربی ممالک کے مدرسوں کی تعلیمی خصوصیات بھی اس میں درج کی جاتی تھیں۔

اس رسالہ کے مضامین ٹھوس علمی اور معیاری ہوتے تھے۔ اس رسالے نے ملک میں تعلیم کو عام کرنے اور مدرسوں میں تعلیمی معیار بلند کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس رسالہ میں زیادہ تر مضامین مدرسوں اور کالجوں کے اساتذہ کے تحریر کردہ ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض

اہم شخصیتوں کے مضامین بھی درج کیے جاتے تھے۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے ماہ آبان سنہ ۱۳۵۵ف (جلد نمبر ۱۸ شمارہ نمبر ۴) کے شمارے ادارہ ادبیات اردو (حیدرآباد) میں دستیاب ہوئے جن سے اس رسالہ کی اٹھارہ برس کی زندگی کا ثبوت ملتا ہے۔

تعلیمی اداروں سے جاری ہونے والے رسائل:

تدریسی اداروں کے رسائل کا رواج عام طور سے سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے ہوا لیکن حیدرآباد کا یہ بھی ایک امتیازی پہلو ہے کہ سب سے پہلا رسالہ "رسالہ طبابت حیدرآباد" سنہ ۱۹۵۵ء میں ایک درس گاہ سے نکلنا شروع ہوا۔ اس طرح کے وسائل میں عام طور سے طلبا اور اساتذہ کے مضامین شامل کیے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں اکا دکا باہر کے مشہور افراد کی نگارشات کو بھی شامل رسالہ کر کے زینت دی جاتی ہے۔ بعض رسائل ایسے ہیں جن میں صرف طلبا کے مضامین ہیں اور بعض میں طلبا اور اساتذہ کے مشترک ہیں۔ اس طرح کے رسائل کی مجلس ادارت میں درس گاہ کا پرنسپل سرپرست اور مدیر کوئی استاد یا پھر طلبا ہی مدیر و نائب مدیر وغیرہ ہوتے ہیں۔ اس طرح کے رسائل کا مقصد طلبا میں لکھنے کا شوق پیدا کرنا اور ان کی ادبی تربیت ہوتا ہے تاکہ قوت اظہار زیادہ سے زیادہ پیدا ہو۔

ان رسائل میں کہیں کہیں یقیناً بہت ہی اعلیٰ پایہ کا معیاری مضمون بھی مل جاتا ہے اور بعض ایسے لکھنے والے کے نام بھی دکھائی دیتے ہیں جو آگے چل کر ادبی دنیا میں کافی مشہور و مقبول ہوئے۔

"زنانہ ہائی اسکول میگزین / زنانہ کالج میگزین": زنانہ ہائی اسکول نامپلی حیدرآباد دکن کا افتتاح نواب میر محبوب علی خان کی خاص اجازت سے ۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۲۴ھ م ۲ فروری سنہ ۱۹۰۷ء کو ہوا۔ اس مدرسہ کا انتظام خواتین کے سپرد تھا۔ ابتدا میں اس مدرسہ کی صدر مدرسہ مس جعفری تھیں۔ اس مدرسہ میں اردو، فارسی، انگریزی، موسیقی اور انتظام خانہ داری وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ (۴۹۹)

اس اسکول سے سنہ ۱۹۲۲ء میں ایک سہ ماہی رسالہ شائع ہونے لگا۔ اس رسالہ کی مدیرہ احسن النساء تھیں۔ یہ رسالہ نظام دکن پریس میں طبع ہوتا تھا۔ اس رسالہ میں ایک حصہ اردو کا اور ایک حصہ انگریزی کا ہوتا تھا۔ اردو کا حجم عموماً ۱۶ تا ۲۸ صفحات ہوتا تھا۔

اس رسالہ کی اشاعت کا مقصد طالبات میں ادبی ذوق پیدا کرنا تھا چنانچہ اس رسالہ میں زیادہ تر انہیں کی نگارشات شائع ہوتی تھیں۔

اس اسکول کے ساتھ جب نامپلی کالج کا بھی قیام عمل میں آیا تو اس میگزین کا نام "زنانہ

کالج میگزین " رکھا گیا۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے دسمبر سنہ ۱۹۳۱ء تک کے چیدہ چیدہ شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے۔ اس رسالہ کے مضامین کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مضامین بڑی حد تک معیاری اور سادہ و سلیس زبان میں لکھے جاتے تھے۔

رسالہ " نوائے ہند ": اس ششماہی رسالہ کو ولایت میں زیر تعلیم ہندوستانی طلبہ نے ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۳ء میں انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے جاری کیا۔ اس رسالہ پر کہیں بھی ایڈیٹر کا نام درج نہیں ہے حالانکہ اس رسالہ میں ایڈیٹر کے نام سے "آغاز" کے عنوان سے اداریہ اور " کوائف آکسفورڈ " اور " کوائف کیمرج " کے عنوان سے ان دو یونیورسٹیوں کی ادبی سرگرمیوں کی تفصیلات درج ہیں۔ یہ رسالہ محمد مقتدی خان شروانی صاحب کے زیر اہتمام مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ میں عموماً ۶۴ صفحات پر طبع ہو کر دفتر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے شائع ہوتا تھا۔

یہ علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں زبان و ادب کے علاوہ علمی و تحقیقی اور سائنسی مضامین شائع ہوتے تھے اور غزلیں و نظمیں بھی درج ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ آکسفورڈ یونیورسٹی اور کیمرج یونیورسٹی کی ادبی سرگرمیاں بھی اس میں درج کی جاتی تھیں۔

یہ رسالہ " بزم اردو کیمرج " اور " بزم اردو آکسفورڈ " کا ترجمان تھا۔ اس رسالہ کی اشاعت کی تفصیلات اور اغراض و مقاصد بتلاتے ہوئے ایڈیٹر رسالہ مذکور لکھتے ہیں۔ " ------ اس کی تدبیر و تدوین نہ صرف کیمرج کے ہندوستانیوں کے ہاتھوں سے ہو رہی ہے بلکہ آکسفورڈ، لندن اور ایڈنبرا وغیرہ کے ہندوستانی طلبہ بھی اس مغرب نژاد رسالے کو کامیاب بنانے اور اس کی ہر طرح کی کاروائیوں میں حصہ لینے کی آمادگی ظاہر کر چکے ہیں۔

------ یہ ایک غیر سیاسی ششماہی رسالہ ہے جسے انگلستان کے ہندوستانی طلبا نے دو مقاصد کو پورا کرنے کے لئے جاری کیا ہے۔ اول اردو کا چرچا آپس میں بڑھانا اور اس ملک کے ہندوستانی طلبا کو اپنی مادری زبان کی خدمت پر آمادہ کرنا۔ دوم ہندوستان کے ان حلقوں سے براہ راست ایک سلسلہ ربط پیدا کرنا جو اردو کی خدمت اور اپنی علمی سرگرمیوں کی بدولت اہل وطن کو فیض پہونچا رہے ہیں۔

امید ہے کہ یہ پرچہ من جملہ متعدد انگریزی پرچوں کے چلتا رہے گا جو سرتاسر ہماری ہی طرح آج آنے اور کل جانے والے طلبا کے ہاتھوں رہ کر مدتوں سے آکسفورڈ اور کیمرج میں جاری ہیں۔ " (۵۰۰)

یہ رسالہ ابتدا میں " نوائے کیمرج " کے نام سے کلکتہ سے شائع کیا گیا تھا مگر بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر ایک شمارہ نکلنے کے بعد بند کر دیا گیا۔ پھر دوبارہ اسے انجمن ترقی اردو اورنگ

آباد سے "نوائے ہند" کے نام سے جاری کیا گیا۔ اس تعلق سے مدیر رسالہ لکھتے ہیں۔

"ہم اس موقع پر جناب مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے سکریٹری انجمن مذکور کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتے جن کی ہمت افزائی اور عملی توجہ کے بغیر قطعاً ناممکن تھا کہ ہمارے حوصلوں کو دوبارہ پورے ہونے کا موقع ملتا۔ موصوف ہی کی توجہ سے یہ ممکن ہوا کہ کیمبرج کی "بزم اردو" کا الحاق اس سال اورنگ آباد کی انجمن ترقی اردو سے ہو گیا۔" (۵۰۱)

یہ ایک اہم اور معیاری رسالہ تھا۔ اس کے ٹھوس اور علمی مضامین حیدرآباد کے علمی ذخیرہ میں اضافہ کے موجب ہوئے۔ اس رسالہ کے تمام مضامین کیمبرج یونیورسٹی کے زیر تعلیم طلبا کے تحریر کردہ ہیں۔ نمونہ کے لیے ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے۔

(۱) "ہماری زبان" (از معین الدین انصاری کیمبرج) (۲) علمی تحقیق کی ترقی" (از نظیر احمد صاحب کیمبرج) (۳) "چاند زمین اور سمندر کی لہریں" (از شیخ مظفر الدین صاحب کیمبرج) (۴) "جمالیات" (از بشیر حسین صاحب زیدی کیمبرج)۔

حصہ شاعری کے تحت مختلف مقامی اور ہندوستانی شعرا کا کلام درج کیا جاتا تھا۔ جنوری ۱۹۲۳ء کے شمارے میں لسان العصر مولانا اکبر الہ آبادی کی ایک غیر مطبوعہ غزل شائع کی گئی تھی۔ اس غزل کا مطلع و مقطع ملاحظہ ہو۔

نئی منطق اب ہوئی خضر رہ وہ طریق اپنا رہا کہاں
وہ اصول ہی جو شکست ہوں تو وفائے دل کی بنا کہاں
ہوئی ہے پرانی یہ داستاں اور اٹھا ہے اب یہ پے فغاں
نہیں اکبر اپنے حواس میں کوئی پوچھے اس سے کہ تھا کہاں

"نظام کالج اردو میگزین": یہ رسالہ ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۳ء میں نظام کالج حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر عموماً اس کالج کے طلبا ہوتے تھے۔ ابتدا میں اس کی مجلس ادارت میں محمد میر خان غربت (ایڈیٹر) میر طاہر علی خان مسلم (معتمد) اور برہان الدین حسین صاحب (منیجر) تھے۔ یہ رسالہ اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن میں عموماً ۳۸ تا ۱۱۶ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ مع محصول ڈاک چار روپیے چار آنہ اور ایک شمارے کی قیمت چھ آنے تھی۔ ابتدا میں یہ ماہوار رسالہ تھا جو چند ماہ نکل کر بند ہو گیا۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے جون سنہ ۱۹۲۳ء تک کے شمارے دستیاب ہوئے ہیں پھر یہ رسالہ سنہ ۱۹۲۶ء سے دوبارہ شائع ہونے لگا۔ مگر اس بار یہ ماہ نامہ کے بجائے سہ ماہی ہو گیا اور جناب ظہیر احمد صاحب کی ادارت میں نکلنے لگا۔ ماہ ستمبر ۱۹۲۷ء سے اس کی مجلس ادارت میں حسب ذیل افراد شامل تھے۔ پروفیسر آغا

حیدر حسین صاحب (مدیر) میر عزیز اللہ صاحب (معتمد) سید محمد کرمانی صاحب (منتظم) اور دوسرے طلباء۔

درسگاہوں سے نکلنے والے رسائل کی طرح اس میں بھی تعلیم، صنعت و حرفت، تاریخ، سائنس، تحقیق، شاعری، سوانح، تمدن، معاشرت اور دکھنیات کے موضوعات پر مضامین شائع ہوتے تھے اور کتابوں و رسالوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا اور کالج کی سرگرمیوں کا بھی تذکرہ ہوتا تھا

اس رسالہ کی اشاعت کے اغراض و مقاصد اور پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے میر طاہر علی خان مسلم (سکریٹری) لکھتے ہیں۔ "بغیر کسی تخصیص یا امتیاز کے تمام طلباء کا سچا رفیق و مشیر اور خیر طلب ہوگا۔ اس میں ایسے مضامین شائع ہوں گے جو ادبی ذوق رکھنے والے ناظرین کی تفریح طبع کا باعث ہوں گے اور یہ اساتذہ جلیل القدر کے خوان کرم کا ذلہ خوار اور ان کی بیش بہا معلومات کا دریوزہ گر ہوگا۔۔۔۔۔۔

راقم الحروف کی دلی خواہش ہے کہ میگزین کے لیے ایسے مضامین بھیجے جائیں جن میں معلومات کا عمدہ ذخیرہ موجود ہو جس سے تمام طالب علم استفادہ کریں۔۔۔۔۔۔ زمانہ وہ نہیں رہا کہ معشوق کی تحقیق کمر میں عمریں گنوادی جائیں یا انجنیرنگ کے فن کو اس کی زلفوں کی درازی کے ناپنے اور ان کا طول و عرض نکالنے میں صرف کر دیا جائے۔ یا کیمیاء کو صرف اس تجربہ پر وقف کریں کہ لب لعلیں پر مسی کی دھڑی کیوں کر جمتی ہے یا دست حنائی پر واقعی عاشق کا خون دل ہے یا کوئی شئے یا تاریخ اس واسطے پڑھیں کہ ایاز اور محمود کے عشق کے افسانے معلوم کیے جائیں یا اس واسطے کہ محمد شاہ رنگیلے کی کتنی کنیزیں تھیں یا رنگیلے پیاجان عالم واجد علی شاہ نے کمال رقص کس سے حاصل کیا تھا زمانہ وہ آگیا ہے کہ آپ پرانی لکیر کی فقیری چھوڑ دیں اور میدان عمل میں آکر جملہ علوم و فنون سے اصلی فائدہ اٹھائیں اور فائدہ پہنچائیں۔" (۵۰۲)

رسالہ "نورس": یہ دوماہی رسالہ اورنگ آباد سے جاری ہوا۔ اس رسالہ کے سن اجرا کے تعلق سے مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب کو تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے اس کا سن اجرا سنہ ۱۹۲۹ء لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کی جلد اول کا پہلا شمارہ اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوا جو ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا تھا۔

ابتدا میں اس رسالہ کے ایڈیٹر مولوی عبدالحق تھے۔ چند سال بعد اس رسالہ کے لیے ایک مجلس ادارت بنائی گئی جس میں جناب سید محی الدین صاحب بار ایٹ لا پرنسپل اورنگ آباد کالج (چیف ایڈیٹر) جناب مولوی غلام طیب بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی لکچرار عثمانیہ کالج (مدیر مسئول) اور نائب مدیران میں عموماً اسی کالج کے طلبا ہوتے تھے جو ہر سال یا دو سال میں تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ یہ رسالہ انجمن اردو کے مطبع میں ٹائپ میں طبع ہوتا تھا مگر چند سال بعد اس رسالہ کا

صرف ٹائٹل ٹائپ پر اور بقیہ رسالہ لیتھو میں طبع ہونے لگا۔ اس کا حجم عموماً ۸۰ تا ۱۶۰ صفحات ہوتا تھا۔

یہ رسالہ عثمانیہ انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد کا ترجمان تھا اس کالج کا قیام آبان نہ ۱۳۳۳ ف میں عمل میں آیا تھا۔ یہ رسالہ عثمانیہ یونیورسٹی کے کالجوں سے نکلنے والے رسالوں میں سب سے پہلا رسالہ تھا۔ اس رسالہ میں اورنگ آباد کالج کے طلبا اور اساتذہ کے مضامین شائع ہوتے تھے۔

اس رسالہ کی اشاعت اور اغراض و مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے مولوی عبدالحق ایڈیٹر رسالہ مذکور لکھتے ہیں۔

"جس طرح تعلیم و تربیت تکمیل حیات کے دو الگ الگ شعبے ہیں اسی طرح ہر ادارہ علمی کے لئے درس و تدریس کے ضابطوں کے علاوہ کچھ ذاتی صفات کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اظہار خیال کی قدرت زندگی کے مختلف مسائل سمجھنے کی صلاحیت اور بلند پایہ انسانیت کا نشو و نما یہ وہ چند صفتیں ہیں جن کا پیدا کرنا ہر تعلیم گاہ کا پہلا فرض ہے اگر زندگی کو نیرنگیوں کی وحدت مان لی جائے تو اس مجموع کے اجزا کی فرداً فرداً تکمیل کتنی ضروری ہو جاتی ہے۔ ہمارے رسالہ کا اجراء وہ پہلا قدم ہے جو اس تکمیل کی طرف بڑھایا جارہا ہے۔ "نورس" میدان صحافت میں کسی دعوے کے ساتھ نہیں اترا ہے وہ صرف ایک مقصد کا حامل ہے وہی مقصد جو ہر کلیہ کے رسالہ یا میگزین کا ہوتا ہے۔ یعنی طلبا میں ان کی بساط کے موافق علم و تحقیق کی چیٹک پیدا کرنا انہیں اس قابل بنانا کہ وہ اپنے کچے پکے خیالات کو اچھے اسلوب کے ساتھ پیش کر سکیں اور اہم اور دلچسپ معلومات حاصل کر سکیں۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر ہم نے اس رسالہ کے بڑے حصے کو طلبہ کے مقالات کے لئے وقف کر دیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ہماری یہ بھی نیت ہے کہ اس میں دیگر اہل ذوق حضرات کے لئے بھی معلومات و تفریح کا اچھا خاصا سامان فراہم کیا جائے۔" (۵۰۳)

مولوی عبدالحق صاحب اس رسالہ کی ادارت طلبا کے سپرد کرنا چاہتے تھے مگر وہ انہیں اس قابل نہیں سمجھتے تھے چنانچہ اس تعلق سے وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"فی الحال اس رسالہ کو ہم نے ہاتھ میں رکھا ہے جب طالب علم اس کی ترتیب وغیرہ کا کام سیکھ جائیں گے تو یہ امانت ان کے حوالے کر دی جائیگی تاکہ وہ خود ہی ترتیب دیں اور خود اس کے چلانے کا انتظام کریں۔" (۵۰۴)

رسالہ "نورس" میں علمی، ادبی، تعلیمی، تاریخی، تمدنی، طبی، صنعتی اور معاشرتی موضوعات پر مضامین شائع ہوتے تھے اس کے علاوہ "اخبار کلیہ" کے مستقل عنوان کے تحت کالج

کی سرگرمیاں درج کی جاتی تھیں اور اسی کالج کی " بزم ادب " کی روداد بھی شائع ہوتی تھی اور " اخبار علمیہ " کے مستقل عنوان کے تحت مقامی اور بین الاقوامی علمی و ادبی خبریں شائع کی جاتی تھیں اور نظمیں و غزلیں بھی شائع کی جاتی تھیں ۔ اس کے علاوہ اس رسالہ کے اداریہ میں حالات حاضرہ پر بھی تبصرہ کیا جاتا تھا ۔ دوسری جنگ عظیم کے تعلق سے ماہ آذر ۔ دے ۔ بہمن ۔ اسفندار سنہ ۱۳۴۹ف کا اداریہ ملاحظہ ہو جو بہرحال سرکار برطانیہ کی ہمنوائی میں ہے اور جس سے انگریزوں سے وفاداری اور جنگی تشہیر یا وار پروپگنڈہ کی بو آتی ہے ۔

" سلطنت برطانیہ جنگ میں شریک ہے اس لئے گویا ہم برسرپیکار ہیں عرصہ جنگ سے دور رہ کر یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم پر آنچ نہ آئے گی ۔ آج کل ہر جنگ عالمگیر ہوتی ہے ، ہندوستان کا ہر طبقہ سلطنت برطانیہ کا ہم نوا ہے ۔ " (۵۰۵)

یہ رسالہ کئی سال تک جاری رہا ۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے سنہ ۱۳۵۱ف تک کے چیدہ چیدہ شمارے دستیاب ہوئے ہیں ۔

مجلہ عثمانیہ : اس سہ ماہی مجلہ کا پہلا شمارہ فروری سنہ ۱۳۳۶ف فروری سنہ ۱۹۲۷ء میں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا ۔ طیب انصاری صاحب کو اس کے سن اجرا کے تعلق سے تسامح ہوا ۔ انہوں نے اس کا سنہ اجرا ۱۹۲۶ء (۵۰۶) لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے ۔ اس کا سالانہ چندہ چھ روپیہ مع محصول ڈاک ، قدیم طلبا سے پانچ روپیہ تھا ۔ ایک پرچہ کی قیمت دو روپیہ تھی ۔ ابتدا میں یہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ میں طبع ہوتا تھا ۔ اس مجلہ کے لیے ایک مجلس نگران تھی جس میں تین اساتذہ (ایک صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ ڈین آف دی فیکلٹی ایک انگریزی کا پروفیسر اور ایک فارسی کا پروفیسر) اور تین طلبا مدیران تھے ۔ ان میں سے دو اردو کے لیے اور ایک انگریزی کے لیے ۔

پہلے شمارے کا اداریہ " الفتاحیہ " کے عنوان سے سید معین الدین قریشی متعلم ایم ۔ اے نے لکھا ہے ۔ دوسرے مدیر سید غلام محی الدین قادری زور متعلم ایم ۔ اے کا مضمون "فارسی نثر کا آغاز اور ابو العلی بلعمی " بھی اس شمارے میں شامل ہے ۔ آخر میں انہوں نے "کلیہ کی خبریں " کے عنوان سے سرگرمیاں بیان کی ہیں ۔

رسالہ کی اشاعت کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ " جامعہ کے ذہنی ارتقا " کی ترجمانی کرتا رہے ۔ " (۵۰۷) اس رسالہ کو "گنگا جمنی رسالہ " کہا گیا ہے غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ ۱۸۳ صفحات میں اردو کے مشمولات اور ۴۳ صفحات میں انگریزی کے مشمولات ہیں ۔ الفتاحیہ میں مولانا

عبدالحلیم شرر کو بھی چار سطروں میں "شہید اردو" کہہ کر زبردست خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے اس کے مضمون نگاروں میں مولانا وحید الدین سلیم، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اور نظم طباطبائی جیسے بزرگ بھی ہیں۔ بہت سارے لوگوں کے نام سے پہلے لفظ "مولوی" کا اضافہ بھی ہے جو جوش ملیح آبادی کے نام سے قبل بڑا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے لیکن اس زمانے کا دستور تھا جس طرح آج کل "شری" اور "مسٹر" لکھتے ہیں اسی طرح اس زمانے میں مولوی لکھتے تھے۔

مجلہ کا آغاز مولانا وحید الدین سلیم کی نظم "اے مطلع عثمانیہ کالج کے ستارو" سے ہوتا ہے مضامین میں ادبی اور تہذیبی مضامین شامل ہیں۔ دوسرا اور تیسرا شمارہ مشترکہ نکلا ہے اس میں بھی مدیران وہی ہیں۔ اس شمارے میں "کلیہ کی خبریں" کے عنوان سے یہ ایک اطلاع بھی ملتی ہے کہ "زور صاحب یورپ کے سرکاری وظیفے پر روانہ کیے گئے ہیں" اسی طرح کی بہت ساری معلومات افزا اطلاعات مجلہ عثمانیہ کی اوراق گردانی سے حاصل ہوتی ہیں۔

اس کے چیدہ چیدہ شماروں پر نظر ڈالنے سے بہت سارے پہلو سامنے آتے ہیں مثلاً یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں ایک جاگیردارانہ نظام کی علامت دیسی ریاست کا ادبی مذاق بھی اقبال کی شاعری سے متاثر تھا اور اقبال کی وفات پر زبردست انداز میں مضامین کے ذریعے طلبا اور دانشوروں نے خراج عقیدت پیش کیا تھا۔ وہیں حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب کے پیش نظر اقبال کی وفات پر اس طرح کا ردعمل نظر آتا ہے وہاں سروجنی نائیڈو کو ڈی۔ لٹ کی اعزازی ڈگری ملنے پر بھی خراج تحسین پیش کیا گیا۔

مضامین میں تحقیق اور تنقید کا پٹ ملتا ہے۔ افسانوں کا حصہ کمزور ہے لیکن شعری حصہ میں فانی اور جوش جیسے بزرگوں کے ساتھ مخدوم جیسے نوجوان شعرا بھی ملتے ہیں۔ اس مجلہ کے مطالعہ سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شعر و ادب کی دنیا میں کسی زمانے میں کیسے کیسے ستارے ابھرے اور غروب ہو گئے۔ مثلاً ترقی پسند تحریک کے تذکرے میں اقبال کے بعد جوش ملیح آبادی کا ذکر اور جوش کے ساتھ علی اختر صاحب کا تذکرہ ملتا ہے حالانکہ اب شاید ہی کہیں کسی ناقد نے علی اختر صاحب کو رکھا ہو۔ اسی طرح اس مجلہ کی ایک خصوصیت اس کے وہ مضامین ہیں جو اقتصادیات، سماجیات، نفسیات اور سیاست پر لکھے گئے ہیں مثلاً "روسو اور معاہد معاشری" "نفسیاتی تحلیل" "ہندوستانی معاشی کانفرنس کا خطبہ افتتاحیہ" "عدم مساوات آمدنی" "بینتھم اور سیاسی الحادیت" وغیرہ یا سلطنت برطانیہ اور دیسی ریاستوں کے معاہداتی تعلقات اور "سنہ ۳۵ء کے ایکٹ کی رو سے مجوزہ وفاق میں حیدرآباد کی حیثیت"۔

یہ اس طرح کے مضامین ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مجلہ عثمانیہ کے مدیران کی یہ

کوشش رہی تھی کہ مجلہ کے ادبی وقار کو برقرار رکھتے ہوئے اسے ہمہ جہتی وقار کا بھی حامل بنایا جائے
اس مجلہ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ بہت سارے ایسے لوگ اس مجلہ کی انگریزی یا اردو کی ادارت سے وابستہ رہے جنہوں نے آگے چل کر سیاست اور صحافت میں شہرت حاصل کی مثلاً محمد یونس سلیم صاحب سابق مرکزی وزیر یا عابد علی خان مدیر روزنامہ "سیاست"، حیدرآباد
اسی طرح وہ لوگ جو آگے چل کر ادبی دنیا میں بہت مشہور ہوئے ان میں شیخ چاند (متعلم ایم۔ اے) عبدالقادر سروری (متعلم ایم۔ اے۔ ایل ایل بی) اور جناب محمد حمید اللہ صاحب متعلم بی۔ اے (پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ حال مقیم پیرس فرانس) وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔
اس مجلہ میں بہت ساری اہم تاریخوں کا بھی پتہ چلتا ہے اور اس کے جاگیردارانہ نظام میں رجحانات کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو شاہ پروری یا شاہ پرستی کی شکل میں ظاہر ہوئے تھے۔ چنانچہ آصف سابع کے نام سے پہلے کہیں حکیم السیاست کہیں سلطان العلوم اور کہیں اعلحضرت قدر قدرت وغیرہ وغیرہ توصیفی الفاظ ملتے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ مضامین میں ترقی پسند خیالات و نظریات اور ہندوستان کی آزادی کا تصور بھی نظر آتا ہے۔
مجلہ عثمانیہ کے مطالعہ سے یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ اس دور میں بھی گروہ بندی تھی۔ مجلہ طیلسانین سے چومیں چلا کرتی تھیں ایک دوسرے کے اوپر لطیف طنز کرنے سے بھی باز نہیں آتے تھے اور ان سب کے ساتھ مسابقت کا ایک ایسا تصور بھی پیدا ہوا تھا جس کی وجہ سے دیگر رسائل اپنے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتے تھے۔
ذیل میں مجلہ عثمانیہ کے منتخب مضامین کی ایک فہرست درج کی جاتی ہے جس سے اس کی تہذیبی، تدریسی اور ہمہ جہتی حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چونکہ ان میں سے اکثر مضامین بہت ہی اہم اور معرکہ خیز ہیں اس لیے جلد نمبر اور شمارہ نمبر بھی درج کر دیا گیا ہے تاکہ اگر حوالہ کے لیے تلاش کی ضرورت پیش آئے تو دشواری نہ ہو۔

جلد نمبر ۱

شمارہ نمبر ۱، ۲ اور ۳۔ سنہ ۱۳۳۶ ف
"نفسیات کی تحدید" (از میر حسن الدین) "تخیل اور داستان امیر حمزہ" (از سید وقار احمد)
شمارہ نمبر ۴
"مثنویات میر و سودا کا تقابلی مطالعہ" (از سید محمد صاحب)

جلد نمبر ۲

شمارہ نمبر ۲۔ سنہ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸ ف

"میر و سودا کے قصیدوں پر ایک نظر" (از جناب سید محمد صاحب)

شمارہ نمبر ۳ - ۴

"اردو نثر اور عظمت اللہ خان" (از سید وزیر حسین)

"غالب کی فارسی غزلیں" (از محمد عبدالقیوم)

جلد نمبر ۳

شمارہ نمبر ۳ - ۴ سنہ ۱۳۳۹ف

"مقابلہ بر اسلوب تحقیق" (از میر حسن الدین صاحب)

"سید عبدالولی عزلت" (از شیخ چاند)

جلد نمبر ۴

شمارہ نمبر ۱ - سنہ ۱۳۴۰ف

"نٹشے اور اس کا فلسفہ" (از ڈاکٹر جعفر حسین صاحب پروفیسر عمرانیات)

"ستاروں کی پیمائش" (از مولوی نصیر احمد پروفیسر طبیعات)

شمارہ نمبر ۴

"ماہیت علم اصول قانون" (از ڈاکٹر میر سعادت علی صاحب پروفیسر قانون)

جلد نمبر ۵

شمارہ نمبر ۱ - ۲ - سنہ ۱۳۴۱ - ۱۳۴۰ف

"ہندی ادب اور اس کا ارتقاء (از محمد رحمت اللہ)

"لینن اور انقلاب روس" (از غوث محی الدین رضوی)

جلد نمبر ۶

شمارہ نمبر ۱ - سنہ ۱۳۴۱ - ۱۳۴۲ف

"ہندوستانی کا آغاز" (از ڈاکٹر سید محی الدین قادری، پروفیسر اردو)

شمارہ نمبر ۳ - ۴

"ہندی جدید کا آغاز" (از سید محمد صاحب)

"فلسفہ برگساں" (از میر حسن الدین صاحب)

جلد نمبر ۷

شمارہ نمبر ۳ - ۴ سنہ ۱۳۴۴ف

"اودھ میں اردو شاعری کی ابتدا" (از محمد اعظم خان)

جلد نمبر ۸

شمارہ نمبر ۱ - ۲ - سنہ ۱۳۴۵ف

"ٹیگور کی عالمگیر شہرت کا راز" (از مخدوم محی الدین)

جلد نمبر ۱۰

شمارہ نمبر ۱ - ۲ سنہ ۱۳۴۶ف

"حیدر آباد میں جدید علمی و ادبی تحریکات" (از اکبر الدین صدیقی)

شمارہ نمبر ۳ - ۴

"قانون بین الاقوام کے چند نکات" (از پروفیسر ہارون خان شروانی)

جلد نمبر ۱۱

شمارہ نمبر ۱ - ۲ سنہ ۱۳۴۸ف

"اقبال کا اثر اردو شاعری پر" (از سید محی الدین قادری زور)

"علامہ اقبال" (از ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم صدر شعبہ فلسفہ)

"فلسفہ ابن خلدون" (از علامہ عبد اللہ عمادی)

جلد نمبر ۱۲

شمارہ نمبر ۱ - ۲ سنہ ۱۳۴۷ف - ۱۳۴۸ف

"ادب کا ترقی پسند نظریہ اور اردو" (از محمد عمر مہاجر)

"زبان کی تشکیل و توضیح اور اشاعت و ترویج میں سودا کی کارگزاری" (از شیخ چاند)

جلد نمبر ۱۳

شمارہ نمبر ۱ - ۲ - سنہ ۱۳۴۸ف

"اندر سبھا سے پہلے" (از مخدوم محی الدین)

"موجودہ مختصر قصے" (از عبد القادر سروری)

جلد نمبر ۱۴

شمارہ نمبر ۱ - ۲ - سنہ ۱۳۴۹ف

"موجودہ جنگ اور صنعتی جھگڑے" (از محمد ناصر علی لکچرار معاشیات)

شمارہ نمبر ۳ -

"سگنڈ فرائڈ" (از میر عابد علی خاں)

شمارہ نمبر ۴ -

"اقبال اور مسئلہ جبر و قدر" (از محمد داؤد خان)

جلد نمبر ۱۵

شمارہ نمبر۱۔۲۔ سنہ ۱۳۵۱ف

"مملکت آصفیہ کی عدالتوں کا ماضی و حال" (از ویروبا کشٹیا پٹیل بی۔ اے۔ ال ال بی)

جلد نمبر ۱۶

شمارہ نمبر۱۔ سنہ ۱۳۵۲ف

"سراج اورنگ آبادی (از پروفیسر عبد القادر سروری صدر شعبہ اردو جامعہ)
"فلسفہ حیاتیات" (از پروفیسر محمد سعید الدین) (میسور)
"نطشے کا فوق الانسان" (از محمد شمس الدین صاحب صدیقی)

شمارہ نمبر۲

"سوویٹ جمہوریت میں انسانی حقوق" (از سید عالم خوندمیری)
"مرہٹی ادب بیسویں صدی میں" (از محمد امجد علی خان یوسف زئی)

جلد نمبر۱۷

شمارہ نمبر۱سنہ ۱۳۵۳ف

"دیوان غالب کے چند اغلاط" (از مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی ناظم کتب خانہ رام پور)

"ادب اور جنگ" (از میر عابد علی خاں)

شمارہ نمبر۲۔۳

"ادب اور انقلاب" (از جناب آل صاحب (کذا) سرور جامعہ علی گڑھ)
"ادب حیات کی تفسیر ہے" (از حسینی شاہد)

یہ اہم اور معیاری مجلہ سنہ ۱۹۴۷ء تک برابر پابندی سے شائع ہوتا رہا اور اس کے بعد بھی شائع ہوتا رہا مگر اب یہ بجائے سہ ماہی کے سالانہ نکلنے لگا۔

گورنمنٹ ہائی اسکول میگزین اس میگزین کو گورنمنٹ ہائی اسکول حیدرآباد دکن کے طلباء نے ماہ اکتوبر ۱۹۲۸ء میں حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ اس کے مدیر محمد عبد الوہاب مسلم اور شریک مدیر محمد عبد الکریم تھے اس میگزین کا ایک حصہ اردو میں اور دوسرا حصہ انگریزی میں چھپتا تھا۔ اس رسالہ کا صرف ٹائیٹل تاج پریس میں طبع ہوتا تھا۔ حصہ اردو کا حجم عموماً

۵۶ صفحات ہوتا تھا۔ اور قیمت فی شمارہ ایک روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

گورنمنٹ ہائی اسکول سے یہ میگزین ابتدا میں قلمی نکلتا تھا پہلی دفعہ یعنی اکتوبر سنہ ۱۹۲۸ء میں یہ بجائے قلمی کے مطبوعہ شائع ہوا، اور یہ میگزین کا خاص نمبر تھا۔ جو اس مدرسہ کے صدر علامہ محمد پکتھال صاحب کے دورہ یورپ و امریکہ کی یادگار میں نکالا گیا تھا۔

محبوبیہ گرلس اسکول میگزین اس میگزین کو محبوبیہ گرلس اسکول حیدرآباد کی طالبات نے اگست سنہ ۱۹۲۹ء میں حیدرآباد سے جاری کیا تھا۔ اس کی مدیرہ مس صوفی تھیں اس میگزین کا بھی ایک حصہ اردو میں اور دوسرا حصہ انگریزی میں چھپتا تھا حصہ اردو کا حجم عموماً بیس صفحات ہوتا تھا

یہ میگزین محبوبیہ اسکول کی طالبات کا ترجمان تھا جس میں اسی اسکول کی زیر تعلیم اور فارغ التحصیل طالبات کے علمی و ادبی موضوعات پر اوسط درجے کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ جن کو ان کی ابتدائی ادبی کوششوں کا نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔

بچوں کے رسائل بچے کسی بھی قوم، معاشرے یا ملک کا مستقبل ہوتے ہیں اور عمر کا یہی حصہ ہوتا ہے جب سب سے زیادہ تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، ہمارے قدیم مشرقی ادب میں حکایتوں اور تمثیلوں کے ذریعہ بچوں کی ذہنی تربیت کا ایک تصور تھا۔ لیکن انگریزی میں چھوٹے چھوٹے مضامین انشائیے۔ لطیفے اور چٹکلے وغیرہ کے علاوہ ایسے طریقے جن سے بچوں کی ذہنی تربیت ہوسکے انیسویں صدی کی پیداوار ہیں۔ ہندوستان کی دوسری زبانوں کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں بچوں کے ادب کے سلسلے میں کیا رویہ تھا لیکن اردو میں حالی اور آزاد اور اس کے بعد اقبال نے اپنی شعری کاوشوں کے ذریعے بچوں کے ادب پر خصوصیت سے توجہ دی۔ مولانا محمد اسماعیل میرٹھی تو نظم و نثر دونوں میں ید طولی رکھتے تھے اور انھوں نے ہر طرح سے ایسے مضامین اور ایسی شعری تخلیقات پیش کیں جو بنیادی تعلیم سے لے کر ابتدائی تعلیم کے مرحلے تک ذہنی تربیت کا فریضہ انجام دیتی تھیں۔

بچوں کا ادب یقیناً کتابوں میں بھی ہے لیکن اس کی انتہائی دلچسپ صورت ایسے رسائل میں ہوتی ہے جو ہر ماہ شائع ہوتے ہیں اور جن کا مقصد ذہنی تربیت کے ساتھ اعلی پایہ کی ایسی تفریح بھی ہوتا ہے جو بچے کے جذبہ تحیر "تجسس کو بیدار کرے۔

حیدرآباد میں جہاں ہر موضوع پر رسائل نکلے وہاں اس اہم موضوع کو بھی نظرانداز نہیں کیا گیا چنانچہ اس موضع پر سب سے پہلا رسالہ سنہ ۱۹۱۱ء میں جاری ہوا۔

بچوں کے ادب کے سلسلے میں حامد اللہ افسر میرٹھی، شفیع الدین نیر کے نام بہت مشہور

ہوئے لیکن بچوں کے لیے چکبست، اقبال اور سرور جہاں آبادی وغیرہ نے بھی بڑی معرکہ کی نظمیں کہیں اور دوسری زبانوں سے ترجمے بھی کئے۔ بچوں کے جو رسائل حیدرآباد دکن سے نکلے ان میں سائنسی موضوعات، انکشافات، ایجادات، بہادری کے قصے حب الوطنی پر مبنی تخلیقات پیش کی گئیں۔ ان رسائل کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ ان میں خود بچوں کی تخلیقات بھی شائع ہوتی تھیں جس سے ان میں آئیندہ کے لکھنے کا حوصلہ ملتا تھا۔

رسالہ " **ادیب الاطفال** ": اس ماہ نامہ کو مرزا احمد اللہ بیگ آغائی ابو العلائی نے حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ مولانا امداد صابری صاحب مولف تاریخ صحافت اردو نے اس کا سن اشاعت ۱۹۰۹ء (۵۰۸) لکھا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کی جلد اول کا پہلا شمارہ اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوا اور اس پر ماہ اگست سنہ ۱۹۱۱ء کا سن درج ہے۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس رسالہ کا سنہ اشاعت اگست سنہ ۱۹۱۱ء ہے۔ اس کے جائنٹ ایڈیٹر رگھو ناتھ راؤ صاحب درد تھے۔ یہ رسالہ مطبع اختر دکن واقع افضل گنج حیدرآباد میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ ایک روپیہ چودہ آنہ پیشگی، حجم عموماً بیس صفحات ہوا کرتا تھا۔

" ادیب الاطفال " حیدرآباد میں بچوں کا سب سے پہلا رسالہ تھا۔ طیب انصاری نے مولوی عبدالرب کوکب صاحب کے رسالہ "اتالیق" کو (جو سنہ ۱۹۱۸ء میں جاری ہوا تھا) بچوں کا پہلا رسالہ قرار دیا ہے اور ساتھ ہی اس رسالہ کے ایڈیٹر کو بچوں کے رسائل کا باوا آدم قرار دیا ہے (۵۰۹) راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق بچوں کا پہلا رسالہ "ادیب الاطفال" ہے جو ماہ اگست ۱۹۱۱ء میں جاری ہوا اور رسالہ " اتالیق " جیسا کہ طیب انصاری نے لکھا ہے کہ سنہ ۱۹۰۸ء میں جاری ہوا تھا وہ سنہ ۱۹۰۸ء میں نہیں بلکہ ماہ فروری سنہ ۱۹۱۸ء میں جاری ہوا تھا۔ اس لحاظ سے بچوں کے رسائل نکالنے کا سہرا مرزا محمد احمد اللہ بیگ آغائی کے سر جاتا ہے۔

اس رسالہ کی اجرا کے اغراض پر روشنی ڈالتے ہوئے مرزا احمد اللہ بیگ ایڈیٹر رسالہ مذکور لکھتے ہیں۔

" اس کے اجرا سے مقدم غرض یہی ہے کہ یہ رسالہ تربیت اطفال میں والدین کا معین و مشیر ثابت ہو اور ملک کی ہونہار پود کے ہاتھ میں جائے اور اپنی غیر معمولی طاقت سے ان کے دماغ کی اصلاح کرے، تعلیمی اغراض ترقی کے اسباب بتائے، صنعت و حرفت کے فوائد سمجھائے، دلچسپ معلومات کے اقوال اور ان کے حالات سنائے، اتحاد و اتفاق کے خوشگوار نتائج پیش کرے گورنمنٹ کی وفاداری و عظمت اور والدین کی اطاعت محبت و بزرگی کا سبق پڑھائے۔" (۵۱۰)

اس رسالہ کے حسب ذیل مقاصد تھے۔

۱ - بچوں کے اخلاق کو اخلاقی مضامین کے ذریعہ سدھارنا ان میں علم و عمل کا شوق پیدا کرنا اور مطالعہ و مضمون نگاری کا ذوق پیدا کرنا۔

۲ - اتباع شریعت کی ترغیب دلانا، طرز معاشرت کی اصلاح کرنا، تعصب سے نفرت دلانا، غلط تاریخی واقعات کی صحت کرنا، صلح جوئی و امن پسندی کے خیالات کو عام کرنا۔

۳ - بچوں کے دلوں میں قومی و ملکی درد پیدا کرنا۔ قانون کی اطاعت کی رغبت دلانا۔ قانون کا احترام کرنا۔ والدین و بادشاہ کی محبت و بزرگی ان کے دلوں میں پیدا کرنا اور ان کی اطاعت کی تعلیم دینا اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ پیدا کرنا اور ایثار و استقلال کی تعلیم دینا۔

۴ - ہندو مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کرانا۔ بچوں میں مضمون نگاری کا ذوق پیدا کرنے کی غرض سے مضمون نگاری کے مقابلہ کروانا۔" (۵۱۱)

اس رسالہ کے ایڈیٹر نے طلبا میں مضمون نگاری کا ذوق پیدا کرنے کی غرض سے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ اچھے مضمون نگار کو ایک چاندی کی جیب کی گھڑی بطور انعام دیں گے (۵۱۲)۔ اس رسالہ کے مضامین عام فہم اور بالکل سادہ سلیس زبان میں لکھے جاتے تھے تاکہ طلبا آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں۔

اس رسالہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس رسالہ نے طلبا میں لکھنے پڑھنے کے ساتھ مضمون نگاری کا ذوق پیدا کیا۔ چنانچہ اس رسالہ میں اکثر طلبا کے لکھے ہوئے مضامین شائع ہوتے تھے۔

رسالہ "اتالیق": بچوں کا یہ ماہوار رسالہ ماہ فرور دی سنہ ۱۳۲۷ف (۵۱۳) م فروری سنہ ۱۹۱۸ء سے بہ سرپرستی نظامت تعلیمات سرکار عالی شاہ علی بنڈہ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ طیب انصاری صاحب کو اس رسالہ کے سن اجرا کے تعلق سے تسامح ہوا۔ انہوں نے اس کا سنہ اجرا ۱۹۰۸ء لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ (۵۱۴) اس کے ایڈیٹر محمد عبدالرب صاحب کوکب مولوی فاضل (دار العلوم) تھے۔ یہ رسالہ ابتدا میں مطبع صدر المطابع میں طبع ہوتا تھا پھر بعد میں مختلف مطبعوں میں طبع ہونے لگا۔ اس کا سالانہ چندہ دو روپیہ چار آنہ اور حجم عموماً ۳۲ صفحات ہوتا تھا۔

یہ بچوں کا رسالہ تھا جو کمسن بچوں اور اسکول کے طلبا کے لیے جاری کیا گیا تھا۔ اس رسالہ کا اہم مقصد کمسن طلبا کی اخلاقی نشو و نما اور علمی ترقی میں مدد دینا تھا۔ اس میں اخلاقی اور علمی مضامین خصوصاً سائنس، ہئیت، طبیعات، تاریخ، بڑے لوگوں کے بچپن کے حالات، بزرگوں کی سوانح عمریاں، نتیجہ خیز و دلچسپ کہانیاں شائع کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ بچوں کی نفسیات و

ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے کھیل کود، علمی لطیفے۔ حفظان صحت، ورزش سے متعلق مضامین اور ایسے قصے اور واقعات جن کے پڑھنے سے بچوں میں قومی جوش، حب الوطنی، ایثار و استقلال، صداقت و رحم دلی، نیک نفسی، علو ہمتی، سعادت مندی کے جذبات پیدا ہوں۔ اس کے علاوہ نیچرل، اخلاقی اور اصلاحی نظمیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔

اس رسالہ کو نظامت تعلیمات کی سرپرستی حاصل تھی اور یہ محکمہ ہر ماہ ۶۷ پرچے خرید تا تھا۔ (۵۱۵)

راقم الحروف کو اس رسالہ کے ماہ بہمن سنہ ۱۳۴۶ف م دسمبر سنہ ۱۹۳۶ء تک کے چیدہ چیدہ شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں جن کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۳۳ء کے بعد سے یہ رسالہ اورنگ آباد دکن سے شائع ہونے لگا تھا۔

رسالہ "نونہال": یہ ماہوار رسالہ ماہ رجب سنہ ۱۳۳۹ھ م مارچ۔ اپریل سنہ ۱۹۲۱ء سے چیلہ پورہ حیدرآباد دکن سے شائع ہونے لگا۔ طیب انصاری صاحب کو اس کے سنہ اجرا کے تعلق سے تسامح ہوا۔ انہوں نے اس کا سن اجرا ۱۹۲۰ء بتایا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ (۵۱۶) اس کے ایڈیٹر محمد مرغوب الدین بی۔ اے) علیگ) اور جائنٹ ایڈیٹر خواجہ احمد (علیگ) تھے۔ یہ رسالہ ابتدا میں عماد پریس میں عموماً ۲۴ تا ۵۶ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ دو روپیہ آٹھ آنہ تھا۔

اس رسالہ کے سرورق پر ذیل کے اشعار درج ہوتے تھے۔

ہے قوم اگر باغ تو تم اس کے شجر ہو
ہے قوم اگر نخل تو تم اس کے ثمر ہو
ہے قوم اگر آنکھ تو تم نور بصر ہو
ہے قوم اگر چرخ تو تم شمس و قمر ہو
ہے قوم اگر کان تو تم لعل و گہر ہو
نظارگی ہے قوم تو تم مد نظر ہو
موسیٰ بنو اور قوم کو ذلت سے بچاؤ
گوسالہ ۔ غفلت کی پرستش سے چھڑاؤ

یہ بچوں اور طلبا کا رسالہ تھا اس میں صرف ایسے مضامین شائع ہوتے تھے جو بچوں اور طلبا کے لیے مفید، کارآمد اور دلچسپ ہوں۔ اس رسالہ میں جن شعرا کا کلام درج ہوتا تھا ان میں جوش ملیح آبادی اور سید احمد حسین امجد حیدرآبادی قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ "لڑکیوں کا صفحہ" کے

عنوان سے ہر ماہ صغرا ہمایوں مرزا ایڈیٹر "النساء" دلچسپ اور مفید مضامین لکھتی تھیں۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے سنہ ۱۳۴۴ف (جلد نمبر ۴ شمارہ نمبر ۹) تک کے شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔

ادبی رسائل

خالص ادبی رسائل کے لیے بیسویں صدی کے ابتدائی تیس برس اس اعتبار سے سازگار ہیں کہ اسی دور میں رسالہ "اردو" کا اجرا ہوا۔ البتہ تعداد کے اعتبار سے یقیناً یہ بہت کم ہیں۔

رسالہ "اردو": یہ رسالہ جنوری سنہ ۱۹۲۱ء میں اورنگ آباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی عبدالحق صاحب تھے۔ ابتدا میں یہ رسالہ محمد مقتدی خان شیروانی صاحب کے زیر نگرانی انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ میں لیتھو پر طبع ہوتا تھا پھر سنہ ۱۹۲۴ء میں جب انجمن ترقی اردو کا ذاتی مطبع قائم ہوگیا تو یہ اسی میں ٹائپ پر طبع ہونے لگا۔ اس کا حجم عموماً ۱۵۰ تا ۲۰۰ ہوتا تھا اور سالانہ چندہ مع محصول ڈاک سات روپیہ سکہ انگریزی تھا۔ یہ سہ ماہی رسالہ انجمن ترقی اردو کا ترجمان تھا جسے انجمن جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر کے پہلے ہفتہ میں شائع کرتی تھی۔

یہ خالص ادبی رسالہ تھا۔ اس میں زبان اور ادب کے بارے میں نہایت قابل قدر محققانہ انداز میں فکر انگیز اور کافی معیاری مقالے شائع ہوتے تھے۔ اس رسالہ کے حسب ذیل مقاصد تھے۔

۱۔ زبان کے رسم الخط املا اور انشاء کی تہذیب و ترتیب۔

۲۔ الفاظ اور محاورات کی تحقیق۔

۳۔ وضع اصطلاحات۔

۴۔ تنقیدی معیار کا تعین اور اس کی روشنی میں ادبی تخلیقات کا محاکمہ۔

۵۔ ادبی تاریخ خصوصاً نایاب و کمیاب کو ادبی دنیا میں روشناس کرانا۔ مشاہیر اردو کے حالات اور ان کی خدمت کا جائزہ۔

۶۔ غیر زبانوں کے ادب کا ناقدانہ مطالعہ اور ان کے ادبی جواہر پاروں کو اردو میں منتقل کرنا۔

۷۔ زبان کی ترقی اور اشاعت کی تجاویز پر غور کرنا۔

اس رسالہ کی پالیسی کے تعلق سے مولوی عبدالحق صاحب نے صاف صاف لکھ دیا تھا کہ "یہ رسالہ خالص ادبی ہے یہ مثل کشکول کے نہ ہوگا جس میں ہر قسم کی رطب و یابس اور انمل بے جوڑ مضامین بھر دیئے جاتے ہیں اور کوئی خاص مقصد پیش نظر نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ انجمن کا رسالہ ادب اور اس کے متعلقات کی حد سے آگے بڑھنا نہیں چاہتا۔" (۵۱۷)

اس رسالہ کی پالیسی کے متعلق اکثر اہل علم اصحاب کے ذہنوں میں شکوک پیدا ہوئے کہ اس قدر محدود موضوع پر یہ رسالہ کب تک چلے گا چنانچہ سید ہاشمی فرید آبادی نے "انجمن ترقی اردو کی پنجاہ سالہ تاریخ میں اسی طرح کے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔ "ایک روز ملک کے نامور ادیب اور عالم مولوی وحید الدین سلیم اور جناب مولوی صاحب رسالہ کے موضوع پر گفتگو فرمار ہے تھے ------ مولانا سلیم صاحب نے فرمایا کہ صاحب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ اس کے موضوع کو اس قدر محدود اور تنگ کیوں کئے دیتے ہیں۔ زبان اور ادب پر مضمون ہی کتنے لکھے جا سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ چند نمبروں کے بعد یہ موضوع ختم ہو جائے گا۔ مولوی صاحب نے فرمایا نہیں صاحب یہ موضوع اس قدر وسیع ہے کہ کبھی ختم نہ ہو گا اور ہم اس رسالے کے ذریعہ نئے نئے مضمون بجھائیں گے۔" (۵۱۸)

چنانچہ مولوی صاحب نے جب یہ رسالہ جاری کیا تو سب سے پہلے ایسے تمام شکوک و شبہات کا ذکر کرتے ہوئے مدلل جواب دیا، لکھتے ہیں

> "اکثر صاحبوں نے اعتراض کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ کاغذ کی یہ ناؤ کب تک چلے گی اور یہ مضمون کب تک مساعدت کرے گا۔ بہت ہوا تو دو سال چلے گا اور آخر یہ دفتر تہہ کرنا پڑے گا۔
>
> میں اس کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ان صاحبوں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا اور روش عام اس رائے کا باعث ہوئی ہے۔ اگر ذرا نظر غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ یہ میدان باوجود تنگی کے بہت کچھ وسعت رکھتا ہے اور بجائے خود ایک عالم ہے۔ قلم کا مسافر آبلہ پا نہ ہو تو یہاں وہ منظر نظر آئیں گے جن کے لطف اٹھانے اور بیان کرنے کو ایک عمر چاہیئے نظر کوتاہی نہ کرے تو بہت سے ایسے خزانے ہیں جو ابھی تک پردہ خفا میں ہیں اور جنہیں ہوا تک نہیں لگی، ہمت جی نہ چرائے تو بہت سی کانیں ہیں جو ابھی کھودنی ہیں۔
>
> کون انکار کر سکتا ہے کہ بہت سے الفاظ اور محاورے ابھی تحقیق طلب ہیں۔ بہت سے ایسے مصنف اور شاعر ہیں جن کا کلام ابھی تک بساط قدر دانی تک نہیں پہنچا۔ بہت سی کتابیں ہیں جو لکھنے کے بعد ہی گوشہ گمنامی میں رہ گئیں یا شائع ہوتے ہی ناپید ہو گئیں۔
>
> زبان کے رسم الخط، املا اور انشا میں بہت سی باتیں اصلاح طلب اور مشوروں اور بحثوں کی محتاج ہیں۔ اردو کی تاریخ اور اس کی نشوونما میں بہت

سی منزلیں ابھی طے کرنی باقی ہیں۔ شاہراہ زبان سے مختلف شاخیں ایسی پھوٹتی ہیں جن کا سراغ لگانا ضروری ہے مثلاً خود اردو اور اس کی بہنیں کس خاندان کی ہیں ان میں باہم کیا تفاوت اور تعلق ہے اور ملک میں ان کا کیا درجہ ہے۔

زبان کی ترقی و اشاعت کی بہت سی ایسی تجویزیں ہیں جو ابھی تک عالم خیال سے صفحہ قرطاس پر نہیں آئیں ان پر بحث کرنا۔ ان کا جانچنا اور ان کو عمل میں لانا بھی بڑا کام ہے۔

تنقید جو ادب کی جان اور ذوق سلیم کی روح رواں ہے ابھی ہمارے یہاں ابتدائی مرحلہ میں ہے اسے صحیح رنگ میں دکھانا بہت بڑا فرض ہے اس کے بغیر ادب کی خدمت ادا ہونی ممکن نہیں۔

اردو کے بہت سے ایسے محسن ہیں جن کے حالات اور کارنامے ملک کے سامنے پیش ہونے چاہیئے اور خاص کر جو خدمت انہوں نے اردو کی، کی ہے اسے وضاحت کے ساتھ دکھانے اور ان کے کلام پر ہمدردانہ اور تنقیدی نظر ڈالنے کی ضرورت باقی ہے۔

اس کے علاوہ غیر زبانوں کے ادب میں ایسے انمول موتی ہیں جو صاحب نظر ادیب اور شائقین ادب کے لئے سب سے بڑا تحفہ ہیں۔ ضرورت ہے کہ انہیں اردو کے لباس میں پیش کیا جائے تاکہ ہمارے اہل ملک اسلوب بیان۔ طرز تخیل و ادائے مطلب سے خط حاصل کریں اور متمتع ہوں۔

خود غیر زبانوں کے ادب کا بیان ہمارے لئے سبق آموز اور عبرت خیز ہو سکتا ہے مثلاً اس نے کن ذرائع سے ترقی کی اور اہل ملک کے خصائل و عادات پر کیا اثر ڈالا اور ملک کے ابھارنے اور بنانے میں کیا کام کیا۔

اس زمانہ میں اردو کے حامی اور بہی خواہ اپنی زبان کو علمی زبان بنانے کے متمنی ہیں اور اس کے لئے بہت کچھ سعی بھی کر رہے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ کس قدر دشوار اور کٹھن منزل ہے۔ جدید اصطلاحات اور نئے خیالات اور جانکاری کے (کذا) بیان تشنہ رہتا ہے اور مطلب ادا نہیں ہوتا۔ بعض اچھے اچھے ذہین اور مستعد اصحاب اس کوہ کنی اور مغز پاشی سے عاجز ہو کر کام چھوڑ بیٹھتے ہیں یا یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے خیال و رائے کے مطابق من مانی الفاظ استعمال کرنے لگتا ہے جس سے پڑھنے والوں کو سخت الجھن ہوتی ہے اور زبان میں کوئی لفظ قائم نہیں ہونے پاتا۔ لیکن کیا کیا جائے مجبوری ہے اپنے خیالات کا اظہار کہاں کریں ان بحثوں کو کیوں کر پیش کیا جائے اور

فیصلہ کس طرح ہو۔ اس کی ایک ہی صورت ہے جو ہمارے آپ کے پیش نظر ہے۔

علاوہ اس کے زبان و ادب کے متعلق اور بہت سے مباحث اور مسائل ہیں جو کتابوں میں نہیں آسکتے جنہیں الگ شائع نہیں کر سکتے ان کی کھپت ایسے ہی رسالہ میں ہو سکتی ہے جس کا یہی ایک مقصد ہے تا کہ لوگ اسے پڑھیں ضرورت ہو تو اپنے خیالات اور تنقید سے دوسروں کو مستفید کریں اور عالمانہ بحث سے سب کو فائدہ پہنچے مختصر یہ کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ رسالہ اردو زبان اور ادب کی ایسی مفید اور محققانہ بحثوں سے مالامال ہو کہ شائقین ادب اسے غور اور شوق سے پڑھیں اور فائدہ اٹھائیں اور اہل ملک کے ذوق پر اس کا اچھا اثر ہو۔ وہ دن آئے کہ لوگ اس کے پرچے ڈھونڈھتے پھریں۔" (۵۱۹)

اس طویل اقتباس کے بعد رسالہ کے زاویہ نظر کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

اس رسالہ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ اس میں مغرب کے مشہور اہل قلم کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ جب کہ کسی اور جگہ سے نکلنے والے رسالہ کو مشکل ہی سے یہ اعزاز ملا ہو گا۔ اس رسالہ میں جن مغربی معاونین کے مضامین شائع ہوئے ان میں پروفیسر ای جی براون، پروفیسر کے دوئی، اے ایم لائڈ۔ ڈے لیوس مورس ماتر لنگ اور مارسل کوہن قابل ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ اس رسالہ کو اردو کے سب ہی مشہور انشاپردازوں کا تعاون حاصل تھا۔ ان میں سید مسعود حسین رضوی، جناب علی عباس حسینی، جناب نجیب اشرف ندوی، حکیم سید شمس اللہ قادری، سید راس مسعود صاحب، مولوی فرحت اللہ بیگ صاحب، محمد عبدالقادر سروری، محمود خان صاحب شیروانی، مولوی وحید الدین سلیم، پریم چند، اختر شیرانی، ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری، سید عابد حسین، محی الدین قادری زور، سید سراج الدین ترمذی، سید وہاج الدین، پروفیسر محمد اقبال، مولوی عبدالماجد صاحب، پنڈت موہن دتاتریہ کیفی، پروفیسر ہارون خاں شیروانی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور خود مولوی عبدالحق صاحب قابل ذکر ہیں۔ یہ وہ جلیل القدر شخصیتیں تھیں جن کے کارناموں سے اردو دنیا واقف و باخبر ہے۔

تیغ بہادر سپرو کا مشہور مقولہ "اردو مشترکہ تہذیب کی میراث ہے" بڑے زور و شور سے انجمن کا نعرہ بنا رہا اور اس کا مطلب ہی یہ تھا کہ اس مشترکہ میراث میں صرف غیر مقامی عنصر نہیں بلکہ مقامی عنصر بھی شامل ہے۔ ان سب سے الگ ہٹ کر انجمن کا مقصد یہ بھی تھا کہ صالح اور صحت مند ادب کی تخلیق اور تفہیم کے لیے تحقیقی اور تنقیدی شعور ایک ناگزیر حیثیت رکھتا

ہے ۔چناں چہ انجمن کے ترجمان اور نقیب کی حیثیت سے رسالہ اردو کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ہماری ادبی تاریخ کی گم شدہ کڑیوں کی بازیافت کر کے اسے ایک تسلسل عطا کیا۔

زبان کے وزن اور وقار کے لیے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ تاریخ، مذہب، تہذیب و تمدن، معاشرت اور فنون لطیفہ جیسے موضوعات بھی ایک ایسے اسلوب کے ذریعے سامنے آئیں جس میں وسعت، معنویت، ظرف اور گہرائی ہو۔ رسالے "اردو" کا یہ دوسرا اہم ترین کارنامہ تھا کہ اس نے ادبی تحقیق و تنقید کے ساتھ مندرجہ بالا موضوعات پر لکھے گئے مضامین کو بھی جگہ دی۔

ریاست حیدر آباد سے یہ رسالہ مسلسل اٹھارہ سال (جولائی سنہ ۱۹۳۸ء) نکلا اس کے بعد دہلی منتقل ہو گیا اس طرح عین عہد شباب میں دہلی منتقل ہوا۔ یہاں اس کی بنیاد اتنی مضبوط اور پائیدار ہو گئی تھی کہ تقریباً چار سو سے زاید اہم مضامین اس میں شائع ہوئے جو اردو ادب کی تاریخ کا اہم ترین جزو ہیں۔ ضمنی طور پر یہ عرض کرنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ "اردو" کے جیسے شاہکار نمبر حیدر آباد سے نکلے اس کا ایک چوتھائی کام بھی دہلی میں نو سال کے عرصہ میں نہ ہو سکا اور اقبال نمبر جسے یقیناً رسالہ کا شاہکار کہا جا سکتا ہے اس کی تیاری و ترتیب و تدوین بھی حیدر آباد میں ہوئی اور صرف اشاعت دہلی میں عمل میں آئی۔

ذیل میں اس رسالے کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج کی جارہی ہے جس کے مطالعہ سے اس رسالے کی نوعیت، اہمیت اور افادیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

مضمون نگار	مضمون کا عنوان	موضوع	ماہ و سنہ	صفحہ
ہاشمی فرید آبادی	قدیم یونانی علم ادب	غیر ملکی ادب	جنوری ۱۹۲۱ء	۹۳
شروانی محمد حبیب الرحمان	مقدمہ نکات الشعرا	مقدمہ	جنوری ۱۹۲۱ء	۱۰۳
نیرنگ سید غلام بھیک	تجویز بقائے اردو	اردو زبان	جنوری ۱۹۲۱ء	۱۲۳
یوسف علی، عبداللہ	تجویز دوبارہ اصلاح رسم الخط	رسم الخط اور اردو املا	جنوری ۱۹۲۱ء	۱۲۷
عبدالحق، مولوی	اصطلاحات، علمیہ	ج۔ طبعیات	جنوری ۱۹۲۱ء	۱۵۱
سلیم، سید وحید الدین	اصول واضع اصطلاحات	اصطلاحات	اپریل ۱۹۲۱ء	۷۳
ہاشمی فرید آبادی	قدیم یونانی علم ادب	غیر ملکی ادب	اپریل ۱۹۲۱ء	۸۳
افتخار، عالم سید	حضرت امیر خسرو کے کلام میں ہندی الفاظ (تاج خسروی کا ایک ادھورا مضمون)	لسانیات	اپریل ۱۹۲۱ء	۱۱۱
مہدی، مولوی محمد	کلام غالب کی بعض خصوصیات	تنقید	اپریل ۱۹۲۱ء	۱۲۹
بجنوری، عبدالرحمان ڈاکٹر	اردو زبان کی ترقی کے متعلق چند خیالات	اردو زبان	جولائی ۱۹۲۱ء	۳۵۳
شیرانی، حافظ محمود	شاہ نامہ کی نظم کے اسباب اور زمانہ	ادبیات — فارسی	جولائی ۱۹۲۱ء	۳۷۹

مہدی، مولوی محمد	مرزا غالب کے کلام کی بعض خصوصیات	تنقید	جولائی ۱۹۲۱ء	۳۹۳
ہاشمی فریدآبادی، سید	تجویز اصلاح رسم الخط	رسم الخط اور اردو املا	جولائی ۱۹۲۱ء	۴۲۹
دریاآبادی عبدالماجد	مصحفی کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی (بحر المحبت)	تحقیق	اکتوبر ۱۹۲۱ء	۵۷۱
لطافت حسین خاں	ناول	تنقید	اکتوبر ۱۹۲۱ء	۵۳۳
نظام الدین حسین نظامی	مراثی انیس	تحقیق	اکتوبر ۱۹۲۱ء	۵۷۵
عبدالحق، مولوی	اصطلاحات — علمیہ	الف الجبری	اکتوبر ۱۹۲۱ء	۶۱۵
غلام یزدانی مولوی سید	کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ	دکھنی ادب	جنوری ۱۹۲۲ء	۱
شیروانی محمد حبیب الرحمان خان	تبصرہ بر تذکرہ میر حسن دہلوی	تحقیق	جنوری ۱۹۲۲ء	۳۷
ہاشمی فریدآبادی سید	لارڈ میکالے کی یادداشت علم تعلیم پر (ترجمہ)	ترجمہ	جنوری ۱۹۲۲ء	۶۹
مائل دہلوی جینیشور پرشاد	ہندی شاعری	ہندی ادب	جنوری ۱۹۲۲ء	۱۳۳
احمد علی سید	اصلاح رسم الخط	رسم الخط اور اردو املا	جنوری ۱۹۲۲ء	۱۵۳
شیرانی حافظ محمود خاں	یوسف زلیخائے فردوسی	ادبیات فارسی	اپریل ۱۹۲۲ء	۱۷۹
ہاشمی فریدآبادی سید	کلام غالب اردو	تنقید	اپریل ۱۹۲۲ء	۲۴۴
ندیم الحسن رضوی موہانی	اردو کی قومیت	اردو زبان	اپریل ۱۹۲۲ء	۲۹۷
رفیق بیگ مرزا	مرزا غالب کا نسب نامہ	تحقیق	جولائی ۱۹۲۲ء	۳۶۷
عبدالحق مولوی	حیدرآبادی کا ایک خاندان احسان وعلی	دکھنی ادب	جولائی ۱۹۲۲ء	۵۴۹
شیرانی حافظ محمود خاں	تنقید شعرالعجم	ادبیات فارسی	اکتوبر ۱۹۲۲ء	۴۸۳
عبدالماجد دریاآبادی مولوی	اکبر کا آخری دور شاعری	تنقید	اکتوبر ۱۹۲۲ء	۵۳۵
چندورکر جی۔اے	کوکنی زبان پر سامی اثر	علاقائی ادب	اکتوبر ۱۹۲۲ء	۶۴۳
شیرانی حافظ محمود خاں	تنقید شعرالعجم (فردوسی)	ادبیات فارسی	جنوری ۱۹۲۳ء	۱۱
اشرف ندوی سید نجیب	اردو زبان کی ترقی میں بہار کا حصہ	علاقائی لسانیات	جنوری ۱۹۲۳ء	۴۹
شیرانی حافظ محمود	تنقید شعرالعجم (فرخی)	ادبیات فارسی	اپریل ۱۹۲۳ء	۱۶۳
عبدالماجد دریاآبادی مولوی	اکبر کا آخری دور شاعری	تنقید	اپریل ۱۹۲۳ء	۱۸۷
کاظم سید الطاف حسین	اصلاح اردو	رسم الخط اور اردو املا	اپریل ۱۹۲۳ء	۲۹۸
حامد جمال	بنگالی زبان پر مسلمانوں کے احسانات	علاقائی لسنیات	جولائی ۱۹۲۳ء	۳۴۱

شمس اللہ قادری سید	آثار الکرام	تحقیق	جولائی ۱۹۲۳ء	۳۵۳
ہاشمی فرید آبادی سید	غالب کے نئے کلام کا انتخاب	تحقیق	جولائی ۱۹۲۳ء	۳۱۳
تفضل حسین سید	یہودی ترجمہ روسی مصنف ترگی	مغربی ادب کے تراجم	جولائی ۱۹۲۳ء	۳۲۳
اقبال محمد پروفیسر	تنقید شعرا العجم	تحقیق	اکتوبر ۱۹۲۳	۳۹۳
عظمت اللہ خاں محمد	شاعری	تنقید	اکتوبر ۱۹۲۳ء	۵۳۷
عبد القادر صدیقی ڈاکٹر	اردو رسم الخط میں اصلاح	رسم الخط اور اردو املا	اکتوبر ۱۹۲۳ء	۵۸۱
شروانی محمد حبیب الرحمن	مقدمہ دیوان — درد	مقدمہ	اکتوبر ۱۹۲۳ء	۶۱۳
عظمت اللہ خاں محمد	شاعری	تنقید	جنوری ۱۹۲۴ء	۸۰
ایضاً	برسات کی رات دکن میں	نظم	جنوری ۱۹۲۴ء	۱۰۹
شرانی حافظ محمود خاں	تنقید شعرا العجم (انوری)	ادبیات فارسی	اپریل ۱۹۲۴ء	۱۷۱
عظمت اللہ خاں محمد	شاعری	تنقید	اپریل ۱۹۲۴ء	۲۳۳
شمس اللہ قادری سید	آثار الکرام	تحقیق	اپریل ۱۹۲۴ء	۲۷۵
عبد الحق مولوی	مرزا غالب کی خود نوشت سوانح عمری کا ورق	سوانح	جولائی ۱۹۲۴ء	۳۲۷
عبد الحق مولوی	سب رس (۳ ۔ وجہی) اردو نثر کی ایک قدیم کتاب	دکھنی	اکتوبر ۱۹۲۴ء	۱
ہاشمی فرید آبادی سید	اردو زبان کے متعلق ضروری	اردو زبان	اکتوبر ۱۹۲۴ء	۶۲
مسز صالح حیدری	سویڈن ادبیات میں رومان کی حیثیت	غیر ملکی ادب	اکتوبر ۱۹۲۴ء	۵۲
ہاشمی فرید آبادی سید	جاپان کی بعض ہم عصر شاعرات	غیر ملکی ادب	اکتوبر ۱۹۲۴ء	۸۱
شرر مولانا عبد الحلیم	شاعری اور پریاں	انشائیہ	جنوری ۱۹۲۵ء	۷۱
اختر شیرانی	جوگن پرواز	نظمیں	جنوری ۱۹۲۵ء	۸۳
عظمت اللہ خاں محمد	وزن رباعی پر ایک نوٹ	شعریات	جنوری ۱۹۲۵ء	۸۹
عظمت اللہ خاں محمد	وزن رباعی پر ایک نوٹ	شعریات	جنوری ۱۹۲۵ء	۹۷
بجنوری عبد الرحمن ڈاکٹر	رابندر ناتھ ٹیگور کی شہرہ آفاق تصنیف گیتا نجلی	علاقائی ادب	اپریل ۱۹۲۵ء	۱۸۳
فصیح	مرثیہ شہادت حضرت عباس	تحقیق	جولائی ۱۹۲۵ء	۳۹۱
سید احمد خاں سر	سرسید مرحوم کا خط مولانا حالی مرحوم کے نام	مکاتیب	جولائی ۱۹۲۵ء	۳۷۵
عبد الحق مولوی	وصال العاشقین از سید شاہ حسین ذوقی	دکھنی ادب	جولائی ۱۹۲۵ء	۵۹۳

مصنف	عنوان	موضوع	تاریخ	صفحہ
عبدالحق مولوی	گلشن حسن ودل از مجرمی	دکھنی ادب	جولائی ۱۹۲۵ء	۵۰۲
شرر مولانا عبدالحلیم	نواب عماد الملک مولوی سید حسین خاں صاحب بہادر	شخصیات	اکتوبر ء	۵۳۱
ہاشمی فرید آبادی سید	غالب کا فلسفہ	تنقید	اکتوبر ۱۹۲۵ء	۵۹۹
کیفی پنڈت	متروکات	شعریات	اکتوبر ۱۹۲۵ء	۶۳۵
شیرانی حافظ محمود خاں	تنقید شعرا لعجم نظام گنجوی	ادبیات فارسی	جنوری ۱۹۲۶ء	۱
کامٹ مسٹر ڈی بی	مرہٹی ڈراما	علاقائی ادب	جنوری ۱۹۲۶ء	۵۷
مولوی عبدالحق	داستان رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی	تحقیق	اپریل ۱۹۲۶ء	۲۶۷
مسعود حسن رضوی سید	اردو شاعری پر اعتراض کی نظر اور تحقیق کی نگاہ	تنقید	جولائی ۱۹۲۶ء	۳۶۵
سروری حسن شاہد	ادبی بات چیت (روس)	غیر ملکی ادب	جولائی ۱۹۲۶ء	۳۵۷
شیرانی حافظ محمود خاں	تصنیفات شیخ فرید الدین عطار	ادبیات فارسی	جنوری ۱۹۲۷ء	۱
صفدر مرزا پوری	اساتذہ کی اصلاحین	شعریات	اپریل ۱۹۲۷ء	۱۶
عبدالحق مولوی	حضرت میراں شمس العشاق ؒ	دکھنی ادب	اپریل ۱۹۲۷ء	۱۷۱
کامٹ مسٹر ڈی۔بی	مرہٹی لٹریچر میں سوانح عمریاں	علاقائی ادب	اپریل ۱۹۲۷ء	۲۳۹
شمس اللہ قادری سید	شاہ نامہ کا دیباچہ قدیم	ادبیات فارسی	اپریل ۱۹۲۷ء	۲۶۷
عبدالحق مولوی	حضرت شاہ برہان الدین جانم ؒ	دکھنی ادب	جولائی ۱۹۲۷ء	۵۱۹
فرحت اللہ بیگ مرزا	۱۲۶۱ میں دلی کا ایک مشاعرہ	مرقع نگاری	اکتوبر ۱۹۲۷ء	۵۷۱
ضیاء احمد بدایونی	مومن پر ایک نظر	تحقیق	اکتوبر ۱۹۲۷ء	۶۶۲
مسعود حسن رضوی سید	کیا اردو شاعری تقلیدی اور غیر فطری ہے	ادبی مناظرہ	اکتوبر ۱۹۲۷ء	۷۵۳
عبدالحق مولوی	بیجاپور کے اولیاء اللہ کا ایک شاعر خاندان شاہ امین الدین اعلیٰ ؒ	دکھنی ادب	جنوری ۱۹۲۸ء	۱
فرحت اللہ بیگ مرزا	ایک پرانی کہانی	انشائیہ	جنوری ۱۹۲۸ء	۱۰۱
جوش ملیح آبادی	ہوشیار اے مرد غافل ہوشیار	نظم	جنوری ۱۹۲۸ء	۱۱۸
عبدالحق مولوی	اردو نثر کی ایک بہت قدیم کتاب شرح تمہید ہمدانی از سید میراں	دکھنی	اپریل ۱۹۲۸ء	۱۵۳
حسینی علی عباسی	ناول نویس اور اردو	تنقید	اپریل ۱۹۲۸ء	۲۵۳
شمس اللہ قادری سید	جواہر العجائب (تذکرہ نساء از فخری مصری) مقدمہ وتعلیقات	تحقیق	جولائی ۱۹۲۸ء	۳۸۹
شمس اللہ قادری سید	شاہ نامہ کا دیباچہ قدیم	ادبیات فارسی	جولائی ۱۹۲۸ء	۳۹۰
غلام ربانی سید	مرہٹی شاعری کی کہانی	علاقائی ادب	اکتوبر ۱۹۲۸ء	۳۳۹

برنی سید حسن	حافظ شیرانی	ادبیات فارسی	اکتوبر ۱۹۲۸ء	۵۱۶
زور ڈاکٹر محی الدین قادری	تذکرہ گلزار ابراہیم پر ایک نظر	دکھنی ادب	اکتوبر ۱۹۲۸ء	۵۲۹
شمس اللہ قادری	اردو مخطوطات انڈیا آفس لائبریری	تحقیق	اکتوبر ۱۹۲۸ء	۶۳۸
ڈاکٹر بشیر احمد	خواجہ حافظ شیرانی	ادبیات فارسی	جنوری ۱۹۲۹ء	۱
رفیق بیگ مرزا	نستعلیق ٹائپ	رسم الخط اور اردو	جنوری ۱۹۲۹ء	۶۷
کوھن سی لے ومارسل	مقدمہ السنہ عالم	تاریخ	جنوری ۱۹۲۹	۱۳۱
زور محی الدین قادری	دکھنی کا اثر شمالی ہند پر	دکھنی ادب	اپریل ۱۹۲۹ء	۸۰
حفیظ سید محمد ڈاکٹر	قاضی محمود بحری اور ان کا کلام	دکھنی ادب	اپریل ۱۹۲۹ء	۲۱۳
عابد حسین ڈاکٹر سید	مقدمہ فاوسٹ	مقدمہ	اپریل ۱۹۲۹ء	۲۳۵
سروری عبدالقادر	باقر آغا (ان کی حیات تصانیف اور دیوان)	دکھنی ادب	اپریل ۱۹۲۹ء	۲۳۵
زور محی الدین قادری	دکھنی مرثیے ایڈنبرا میں	دکھنی ادب	جولائی ۱۹۲۹ء	۳۸۱
غالب مرزا اسد اللہ خاں	بادہ کہن ایک غیر مطبوعہ غزل	تحقیق	جولائی ۱۹۲۹ء	۵۳۸
عبدالحق مولوی	گجری (گجراتی) زبان	علاقائی لسانیات	جولائی ۱۹۲۹ء	۵۳۰
فخری حاجی احمد	دو تراجم	ترجمہ	اکتوبر ۱۹۲۹ء	۵۶۳
شیرانی حافظ محمود خاں	تنقید شعرالعجم	ادبیات فارسی	اکتوبر ۱۹۲۹ء	۵۵۹
مجیب محمد پروفیسر	روسی ادب (نسل تاریخ ادبی خصوصیات)	غیر ملکی ادب	جنوری ۱۹۳۰ء	۱
یوسف حسین خاں ڈاکٹر	کبیر داس اور ان کی شاعری	ہندی ادب	جنوری ۱۹۳۰ء	۲۴
ڈاکٹر بشیر احمد	حافظ کی شاعری کی ابتداء	ادبیات فارسی	جنوری ۱۹۳۰ء	۷۵
محمد حسین خاں	افغانستان کی زبانیں	غیر ملکی ادب	جنوری ۱۹۳۰ء	۱۳۲
مجیب محمد پروفیسر	روسی ادب (ادب العلوم	غیر ملکی ادب	اپریل ۱۹۳۰ء	۱۷۳
کامٹ مسز ڈی۔بی	دینا انیشور (مرہٹی زبان کا ایک شاعر)	علاقائی ادب	اپریل ۱۹۳۰ء	۲۹۹
فانی محمد عبدالقوی	فانی کی شاعری	ادبیات فارسی	اپریل ۱۹۳۰ء	۲۷۵
عبدالحق مولوی	باغ و بہار از میر امن	تحقیق	جولائی ۱۹۳۰ء	۳۹۲
مقبول حسین احمد پوری	اردو زبان کا ایک آئرش شاعر بی وی مانزوز مضطر	تحقیق	جولائی ۱۹۳۰ء	۴۱۶
کیفی پنڈت برج موہن	مبادیات فصاحت	شعریات	اکتوبر ۱۹۳۰ء	۵۳۱
طالب الہ آبادی	بگڑا شاعر مرثیہ گو	تنقید	اکتوبر ۱۹۳۰ء	۵۶۳
مجیب محمد پروفیسر	روسی ادب	غیر ملکی ادب	اکتوبر ۱۹۳۰ء	۶۷۸
میر تقی میر	میر تقی میر کے سلام اور مرثیہ	تحقیق	جنوری ۱۹۳۱ء	۱۰۳
مجیب محمد پروفیسر	روسی شاعری لیرمنتوف	غیر ملکی ادب	جنوری ۱۹۳۱ء	۱۵۳
مجیب محمد پروفیسر	روسی ادب (روسی شاعری فیڈر اور انورچ چیوچیف)	غیر ملکی ادب	اپریل ۱۹۳۱ء	۲۰۹

طالب الہ آبادی	داغ بے داغ (پہلی قسط)	تنقید	اپریل ۱۹۳۱ء	۳۲۳
طالب الہ آبادی	ایضاً (دوسری قسط)	تنقید	جولائی ۱۹۳۱ء	۳۲۴
ذار بشیر احمد	تنقید حیات حافظ	ادبیات فارسی	جولائی ۱۹۳۱ء	۳۲۷
مسعود حسن رضوی سید	مثنوی اسرار محبت	تحقیق	جولائی ۱۹۳۱ء	۳۵۹
نذیر احمد سید	دائرہ حضرت شاہ اجمل" اور شیخ امام ناسخ مرحوم	تحقیق	جولائی ۱۹۳۱ء	۳۸۱
غالب مرزا اسد اللہ خاں	ایک تضمین	تحقیق	جولائی ۱۹۳۱ء	۵۱۵
خلیل برہان پوری مولوی افتخار احمد	تذکرہ شعرائے برہان پور	دکھنی ادب	اکتوبر ۱۹۳۲ء	۶۳۲
احمد الدین مارہروی	مغربی اسماء معرفیہ اردو قالب میں	قواعد	جنوری ۱۹۳۲ء	۵۷
عبد الحق مولوی	غالب کا ایک غیر مطبوعہ رقعہ	قواعد	جنوری ۱۹۳۲ء	۷۱
عبد الحق مولوی	جنگ نامہ سید عالم علی خاں	دکھنی ادب	جنوری ۱۹۳۲ء	۷۳
کیفی پنڈت	اردو لسانیات	لسانیات	اپریل ۱۹۳۲ء	۱۷۷
فخری حاجی احمد	تحقیق الفاظ	لسانیات	اکتوبر ۱۹۳۲ء	۵۶۶
فرحت اللہ بیگ مرزا	حافظ عبد الرحمن خاں	شخصیت	اکتوبر ۱۹۳۲ء	۶۵۹
شیخ چاند	یورپ میں دکھنی مخطوطات پر ایک تنقیدی نظر	دکھنی ادب	اکتوبر ۱۹۳۲ء	۷۰۰
صفدر احمد صدیقی	کلام چکبست پر ایک تنقیدی نظر	تحقیق	اکتوبر ۱۹۳۳ء	۶۳۲
عبد الحق مولوی	گلشن عشق	دکھنی ادب	جنوری	۱
ذار بشیر احمد	حافظ شیرازی کی زندگی پر نئی روشنی (اعتراض کا جواب)	ادبیات	جنوری ۱۹۳۴ء	۱۶۱
شفق نواب نوار الدولہ سعد الدین خاں	مرزا غالب کا غیر مطبوعہ خط	تحقیق	جنوری ۱۹۳۴ء	۱۹۳
شیخ چاند	سودا کی حیات اور کلام کے متعلق غلط فہمیاں اور غلط بیانات	تحقیق	اپریل ۱۹۳۴ء	۳۳۱
کاش پریا گیس	دہ مجلس کا اردو کا ترجمہ از محمد رحمت اللہ انصاری	تحقیق	اپریل ۱۹۳۴ء	۳۷۱
عبد الحق مولوی	علی نامہ	دکھنی ادب	اپریل ۱۹۳۴ء	۳۷۹
زتشی پنڈت منوہر لال	کھڑی بولی	لسانیات	اپریل ۱۹۳۴ء	۳۲۷
ونش دھر پنڈت	کھڑی بولی	لسانیات	اپریل ۱۹۳۴ء	۳۷۱
عبد الحق مولوی	شیخ ملا نصرتی ملک الشعرا بیجاپور تاریخ اسکندری	دکھنی ادب	جولائی ۱۹۳۴ء	۵۱۸

شیخ چاند	ساقی نامہ دردمند	تحقیق	جولائی ۱۹۳۴ء	۵۷۴
عزیز احمد پروفیسر	عمر خیام ایک لیریکل ڈرامے	تخلیقی ادب	جولائی ۱۹۳۴ء	۶۳۱
عزیز احمد پروفیسر	جدید روسی تھیز	غیر ملکی ادب	اکتوبر ۱۹۳۴ء	۷۸۸
وقار عظیم سید	کلام اثر	تنقید	اکتوبر ۱۹۳۴ء	۸۲۸
عبد الحق مولوی	نصرتی قصائد و غزلیات اور کلام پر رائے	دکھنی ادب	اکتوبر ۱۹۳۴ء	۹۵۵
عبد الحق مولوی	مولانا حالی مرحوم	شخصیات	جنوری ۱۹۳۵ء	۱
شیخ چاند	نثر حالی	تحقیق	جنوری ۱۹۳۵ء	۲۴
اختر حسین رائے پوری	قاضی نذر الاسلام کی تین نظموں کے ترجمے	علاقائی ادب کے تراجم	اپریل ۱۹۳۵ء	۳۷۶
اختر حسین رائے پوری	ادب اور زندگی	نظریاتی مضمون	جولائی ۱۹۳۵ء	۳۳۹
شیخ چاند	شمالی ہند میں اردو شاعری کی ابتدا و ترقی	تحقیق	جولائی ۱۹۳۵ء	۵۵۹
عبد الحق مولوی	سر سید احمد خاں مرحوم کی مجوزہ اردو ورنیکلر یونیورسٹی	اردو زبان	جنوری ۱۹۳۶ء	۳
عبد الودود قاضی	کلام جوش عظیم آبادی	تحقیق	جنوری ۱۹۳۶ء	۹۶
مجیب محمد پروفیسر	روسی ڈرامہ (پہلا دور)	غیر ملکی ادب	اپریل ۱۹۳۶ء	۱۹۸
مہر غلام رسول	غالب کا سفر کلکتہ	تحقیق	اپریل ۱۹۳۶ء	۳۲
وجودی میاں سلطان احمد	فصل کا ایک شاہ کار... سوہنی مہیوال	علاقائی ادب	اپریل ۱۹۳۶ء	۷۵
احمد علی ایم۔اے	آرٹ کا ترقی پسند نظریہ	تنقید	جولائی ۱۹۲۶ء	۳۳۵
نہرو پنڈت جواہر لال	رسم الخط کا مسئلہ	رسم الخط اور اردو املا	جولائی ۱۹۳۶ء	۳۸۵
ناخدا	میکسم گورکی	غیر ملکی ادب	جولائی ۱۹۳۶ء	۳۳۰
ہاجرہ بیگم	بچوں کی کتابیں کس قسم کی ہونی چاہییں	بچوں کا ادب	اکتوبر ۱۹۳۶ء	۵۱۱
التفات حسین سید	اردو رسم الخط کے متعلق ایک مشورہ	رسم الخط اور اردو املا	اکتوبر ۱۹۳۶ء	۵۹۳
کیفی پنڈت	اردو ہماری زبان	اردو زبان	اکتوبر ۱۹۳۶ء	۶۳۱
ناخدا	جرمن میں ادب کی تباہی	غیر ملکی ادب	اکتوبر ۱۹۳۶ء	۶۷۰
پربھاکر ماچوے	زمانہ حال کی مرہٹی شاعری	علاقائی ادب	اکتوبر ۱۹۳۶ء	۶۷۵
عبد الحق مولوی	پرانی اردو میں قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں	مذہبی ادب	جنوری ۱۹۳۷ء	۱
عزیز احمد پروفیسر	خراب آباد ایلیٹ کی نظم دی ویسٹ لینڈ کا منظوم ترجمہ	مغربی شعر و ادب کا ترجمہ	جنوری ۱۹۳۷ء	۱۳۹
مدیر اردو	پنڈت نہرو اور ہندی پرچار	اردو زبان	جنوری ۱۹۳۷ء	۱۷۸

ناخدا	پریم چند کے خطوط	مکاتیب	جنوری ۱۹۳۷ء	۱۸۱
ناخدا	صوبہ برما اور اردو	علاقائی ادب	جنوری ۱۹۳۷ء	۱۸۳
عبدالحق مولوی	آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ	خطبہ صدارت	اپریل ۱۹۳۷ء	۳۵۹
فانی بدایونی	باغ نشاط (کشمیر)	نظم	اپریل ۱۹۳۷ء	۳۵۸
ناخدا	زبان کا مسئلہ	لسانیات	اپریل ۱۹۳۷ء	۳۹۵
ناخدا	ہندی اردو کا قضیہ	اردو زبان	اپریل ۱۹۳۷ء	۴۰۳
اسمٰعیل پانی پتی شیخ محمد	انگریزی میں اردو الفاظ	لسانیات	جولائی ۱۹۳۷ء	۵۳۵
عبدالودود قاضی	سال وفات جرأت	تحقیق	جولائی ۱۹۳۷ء	۵۵۷
ناخدا	ہندی اردو اور ہندوستانی	اردو زبان	جولائی ۱۹۳۷ء	۶۱۳
تھے گنیش راؤ	مسلمانوں کا مرہٹی ادب میں اضافہ	علاقائی ادب	جولائی ۱۹۳۷ء	۶۸۹
عبدالحق مولوی	سر سید راس مسعود	شخصیات	اکتوبر ۱۹۳۷ء	۸۲۹
عبدالقادر سر شیخ	چند روز مسعود	شخصیات	اکتوبر ۱۹۳۷ء	۸۳۵
فارسٹر ایڈورمارگن	سید راس مسعود	شخصیات	اکتوبر ۱۹۳۷ء	۸۵۲
اسپیٹ پروفیسر ای۔ ای	سر سید راس مسعود	شخصیات	اکتوبر ۱۹۳۷ء	۸۶۱
کرنیکو ڈاکٹر	سر سید راس مسعود	شخصیات	اکتوبر ۱۹۳۷ء	۸۶۱
کرینکو ڈاکٹر	سر سید راس مسعود	شخصیات	اکتوبر ۱۹۳۷ء	۸۷۳
ماریس اے کارٹر	سر سید راس مسعود	شخصیات	اکتوبر ۱۹۳۷ء	۸۸۶
فشر آرنل ایچ اے ایل	سر سید راس مسعود	شخصیات	اکتوبر ۱۹۳۷ء	۸۹۱
آسی لکھنوی	دیوان میر کا ایک مخصوص نسخہ اور میر کے متعلق معلومات میں خاص اضافہ	تحقیق	جنوری ۳۸ء	۱
عبدالودود قاضی	صغیر بلگرامی اور غالب	تحقیق	جنوری ۳۸ء	۲۹
یعقوب حسن	ہندوستان	اردو زبان	جنوری ۳۸ء	۱۶۳
عبدالودود قاضی	انیس کے غیر مطبوعہ اشعار	تحقیق	اپریل ۳۸ء	۴۱۵
ناخدا	ہندی شاعری کی ایک صنف	ہندی ادب	اپریل ۳۸ء	۴۴۳
کیفی پنڈت	ہندو مسلمانوں کے کلچرل تعلقات	تہذیب	جولائی ۳۸ء	۶۶۱
مجیب محمد پروفیسر	روسی ناول پہلا دور تالستائی	غیر ملکی ادب	اپریل ۳۹ء	۲۸۹

رسالہ "مشاعرہ": شعرائے اردو کا یہ ماہوار رسالہ اردی بہشت سنہ ۱۳۳۸ف م مارچ ۱۹۲۹ء سے دفتر رسالہ پرانی حویلی حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر نور اللہ محمد نوری صاحب تھے۔ اس رسالہ کا پہلا شمارہ شمس الاسلام پریس میں اور دوسرا مطبع سیدی میں طبع ہوا تھا۔ اس کا حجم عموماً ۴۸ صفحات ہوتا تھا اور سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ یہ خالص ادبی رسالہ تھا جس کے اہم اغراض و مقاصد بتاتے ہوئے ایڈیٹر لکھتا ہے۔

"اس میں شاعری کی تاریخ، شاعروں کے سوانح اور ان کے کلام پر تنقید - ادبی اشعار کی تشریح - شاعری اور اس کا فلسفہ عروض و قافیہ صنائع و بدائع - علم بیان و معانی وغیرہ پر مضامین اور ایک مطارحہ اور مناظمہ کے ذریعہ شعرا کے کلام کو پیش کیا جائے گا اس رسالہ کے اجرا سے ہماری غرض شعراء کے کلام کو شہرت دینے کے علاوہ یہ بھی ہے کہ جن اصناف سخن میں شعرائے اردو نے کم توجہ کی ہے اس میں کافی سرمایہ بہم پہنچایا جائے اور اردو ادب میں جس قسم کے مضامین اور مباحث کی کمی ہے اس کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے۔" (۵۲۰)

اس کے علاوہ انگریزی شاعری کے مستقل عنوان کے تحت ہر ماہ انگریزی کے مایہ ناز شاعروں کے کلام کا ترجمہ پیش کیا جاتا تھا اور رسالوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا - اس رسالہ میں ہر ماہ مقامی و بیرونی شعرا کا کلام بھی شائع کیا جاتا تھا۔

نظموں کے لیے ہر ماہ ایک عنوان دیا جاتا تھا اور غزلوں کے لیے مصرع طرح - اسی طرح حصہ نظم میں "ماہرو اور چاندی" کے عنوان کے تحت جناب شبیر حسین خاں جوش ملیح آبادی کی نظم "شب ماہ اور ساحل" شائع کی گئی۔

ذیل میں اس رسالہ کے چند عنوانات درج کیے جاتے ہیں جس سے اس رسالہ کی نوعیت اہمیت اور معیار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(۱) "تلسی داس اور رامائن" (از مولوی جناب سید محمد صاحب ایم - اے)

(۲) آوائی تامل زبان کی ایک شاعرہ" (از مولوی سید عبدالرزاق صاحب)

(۳) "مقدمۃ العروض" (از مولوی سراج الدین صاحب طالب)

(۴) "روح رواں پر ایک نظر" (پنڈت جگت موہن لال صاحب رواں کا مجموعہ کلام) (از مولوی تمکین کاظمی)

(۵) "ولی کا غیر مطبوعہ کلام" (از پروفیسر آغا حیدر حسن صاحب دہلوی)

(۶) "شرح ام الیقین - وغیرہ

راقم الحروف کو اس رسالہ کے صرف ابتدائی دو پرچے دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ "حیات سخن": یہ شعرائے اردو و فارسی کا ماہوار رسالہ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء (۵۲۱) سے زیر سرپرستی مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد اور نواب قدرت نواز جنگ قدرت، حیدرآباد دکن سے جاری ہوا - اس کے ایڈیٹر ابوالمحامد حکیم محمد عبدالرزاق عرشی اور معتمد ابوالاشرف حاجی محمد جہانگیر مجید آغائی اور منیجر ابوالفتح خواجہ محمد تراب علی خان خواجہ تھے - یہ رسالہ ابتدا میں معین دکن پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن میں طبع ہوا پھر بعد میں دوسرے مطابع میں

طبع ہونے لگا۔ اس کا حجم عموماً ۶۰ تا ۶۲ صفحات ہوتا تھا اور سالانہ چندہ عام خریداروں سے پانچ روپیہ اور شعراء سے چار روپیہ پیشگی تھا اور ایک پرچہ کی قیمت آٹھ آنہ تھی۔

اس رسالہ کا اہم مقصد "قدیم طرز شاعری کا احیا" تھا۔ اس تعلق سے ایڈیٹر اس رسالہ کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے خامہ طراز ہے۔

> شعر و شاعری کا مذاق، خدا کا شکر ہے کہ اب تک پہلے ہی کے جیسا ہے لیکن کچھ دونوں سے یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ لوگ مغربی تاثرات کے ماتحت کل جدید، لذیذ، کے بمصداق قدیم طرز شاعری سے کنارہ کش ہوتے جارہے ہیں اور خوف ہے کہ کہیں قدیم شاعری کی آنکھوں کو سکھ بخشنے والی شمع باد مخالف کے تیز و تند جھونکوں سے گل نہ ہوجائے۔۔۔ قدیم شاعری کے متعلق یہ کہنا کہ وہ گل و بلبل کے افسانوں اور عشق و عاشقی کی داستانوں سے پر ہے اور قافیہ و ردیف کی کڑی زنجیروں سے محدود ہے ایک بڑی حد تک تنگ نظری ہے کیوں کہ تخیل کی پرواز کے مقابلے میں ردیف و قافیہ ایک بے معنی سی چیز ہے بلکہ اس سے تو اس کی نزاکت اور خوبی میں ایک گونہ اضافہ ہوجاتا ہے۔ یہاں صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ اس رسالہ کے اہم مقاصد میں سے یہ بھی ایک مقصد ہے کہ قدیم شاعری کے مذاق کو پھر سے بھڑکایا جائے اور اس میں پھر سے ایک نئی روح پھونکی جائے اس بنیاد پر ہم نے اس کا نام حیات سخن رکھا ہے اور اس سے ہمارے پیش نظر ہماری قدیم شاعری، اردو فارسی کی حیات مقصود ہے۔" (۵۲۲)

مندرجہ بالا مقصد کے تحت اس رسالہ میں ہر ماہ دو مصرعہ طرح۔ ایک اردو اور ایک فارسی کے دیے جاتے تھے جس پر مقامی اور بیرونی شعراء طبع آزمائی کرتے تھے اور ان کی روانہ کی ہوئی غزلیں اس رسالہ میں شریک اشاعت ہوتی تھیں۔ اس میں شاعری سے متعلق مضامین اور مقامی و بیرونی شعراء کے حالات زندگی اور ان کے کلام پر تبصرے بھی شائع ہوتے تھے اور نظمیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ نظموں کے لیے ہر ماہ ایک عنوان دیا جاتا تھا۔

اس رسالہ میں جن شعراء کا کلام شائع ہوتا تھا ان میں ثاقب بدایونی، فصاحت جنگ جلیل محمد عبداللہ ضیغم، ضامن کنتوری، محمد سراج الدین طالب جوش ملیح آبادی، عزیز جنگ عزیز، میکش حیدرآبادی، سید احمد حسین امجد حیدرآبادی، مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد، قدرت نواز جنگ قدرت، محمد عبدالقیوم خاں باقی، غلام محمد شیدا اور نظم طباطبائی قابل ذکر ہیں۔

گلدستے

بیسویں صدی میں مذاق سخن بدلا اور گلدستوں کی نہ صرف یہ کہ وہ بہتات نظر نہیں آتی بلکہ تیس برس کے عرصے میں صرف پانچ گلدستے نظر آتے ہیں اور ان میں سے بھی تین ایک برس نکلے ہیں اور پھر ایک طویل وقفہ۔

گلدستہ سفر ہمایوں دہلی: اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں بہادر آصف جاہ سادس کے سفر دہلی سے (۱۰ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ) حیدرآباد واپس آنے کی خوشی میں محمد عبداللہ خاں ضیغم نے ایک خیر مقدمی طرحی مشاعرہ منعقد کروایا تھا۔ یہ مشاعرہ نواب شمس الملک ظفر جنگ بہادر (وزیر افواج آصفی) کی سرپرستی میں ۱۹ ذالحجہ ۱۳۲۱ھ م ۱۹ مارچ ۱۹۰۳ء کو منعقد ہوا تھا جس میں فارسی اور اردو کے یہ مصرعہ طرح دیے گئے تھے۔

فارسی۔۔۔ ہزار شکر کہ آصف بہ تختگاہ رسید

اردو۔۔۔ خدا کا فضل ہے شاہ دکن کی شان و شوکت پر

ان مصرعہ ہائے طرح پر مختلف مقامی و بیرونی شعراء نے قصیدے اور غزلیں پڑھی تھیں۔ ان شعراء میں ظہیر الدین حسین خاں دہلوی، سید محمد ضامن صاحب کنتوری، سید رضی الدین حسن کیفی حیدرآبادی، سید احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی، سید محمد کاظم صاحب شیفتہ کنتوری، محمد عبداللہ خاں ضیغم اور محمد نادر علی برتر قابل ذکر ہیں۔

اس مشاعرے میں پڑھے گئے جملہ شعراء کے کلام کو محمد عبداللہ خاں ضیغم نے مرتب کرکے "گلدستہ سفر ہمایوں دہلی" کے نام سے شائع کیا۔ یہ گلدستہ زیر اہتمام نادر علی برتر امانت پریس میں طبع ہوا۔ اس کا حجم ۷۰ صفحات ہے۔

گلدستہ جشن آصفیہ: اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں بہادر کی اڑتیسویں سالگرہ (ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ م جولائی ۱۹۰۳ء) کی خوشی میں ایک طرحی مشاعرہ منعقد ہوا تھا جس کا مصرعہ طرح یہ تھا۔

اٹھا ہے آج شور تہنیت جشن بیاں ہو کر

اس مصرعہ طرح پر جن مقامی اور بیرونی شعراء نے اپنا طرحی کلام سنایا۔ ان شعراء میں ظہیر الدین حسین خاں دہلوی، سید احمد حسین امجد حیدرآبادی، سید محمد کاظم حسین صاحب شیفتہ کنتوری، محمد عبداللہ خان ضیغم، سید محمد ضامن کنتوری اور محمد نانادر علی برتر قابل ذکر ہیں۔

اس مشاعرے میں پڑھے گئے تمام شعراء کے کلام کو محمد عبداللہ خاں ضیغم نے جمع کرکے "گلدستہ جشن آصفیہ" کی صورت میں شائع کیا تھا۔ اس مشاعرے اور گلدستہ کو مہاراجہ کشن پرشاد شاد کی امداد اور سرپرستی حاصل تھی جیسا کہ خود ضیغم نے بھی اس گلدستہ میں لکھا ہے۔

" مہاراجہ مدار المہام بہادر دام اقبالہ کو اپنے آقائے ولی نعمت کے زیر سایہ

عاطفت شاد و خرم رکھے کہ بہادر موصوف ہی کی امداد اور سرپرستی سے اس جلسہ اور گلدستہ کی رونق ہے ۔" (۵۲۳)

یہ گلدستہ نادر علی برتر کے زیر اہتمام امانت پریس میں طبع ہوتا تھا ۔ اس کا حجم ۸۰ صفحات تھا ۔

گلدستہ "معیار الانشاء": یہ شعر و شاعری کا ماہوار گلدستہ ماہ جولائی میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا ۔ اس کے ایڈیٹر نواب سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی تھے ۔ یہ گلدستہ زیر اہتمام محمد یوسف علی صاحب مطبع یوسفی حیدرآباد میں عموماً ۳۲ صفحات پر طبع ہوتا تھا ۔ اس کی قیمت تین روپیہ سالانہ تھی ۔

اس گلدستہ کے سرورق پر یہ عبارت درج ہوتی تھی ۔

"ان من الشعر لحکمتہ وان من البیان لسحرا"

اس گلدستہ میں ہر ماہ حضرت داغ دہلوی اور ظہیر دہلوی کا تازہ کلام شائع ہوتا تھا اس کے علاوہ داغ کے مقامی اور بیرونی شاگردوں کا طرحی کلام بھی درج ہوتا تھا گویا یہ ایک لحاظ سے داغ اور ان کے شاگردوں کے کلام کی اشاعت کی غرض سے نکالا گیا تھا ۔

اس گلدستہ پر اخبار "تالیف و اشاعت" (لاہور) میں یکم اپریل ۱۹۰۴ء کو ریویو کیا گیا تھا جو ذیل میں کیا جاتا ہے ۔

"یہ رسالہ شعر و شاعری قدیم کا ایک عمدہ نمونہ ہے اس کے مہتمم و ایڈیٹر مرزا سراج احمد خاں سائل دہلوی ہیں ۔ حضرت ظہیر و فصیح الملک حضرت داغ دہلوی اس گلدستے پر خاص نظر عنایت رکھتے ہیں اور ہر مرتبہ اپنا تازہ کلام چھپنے کے لیے دیتے ہیں ۔ اس خصوصیت کی وجہ سے یہ رسالہ ہندوستان کے اکثر گلدستوں پر فوق لے گیا ہے ۔ اگر نظم کے ساتھ نثر کے لیے بھی اوراق مخصوص کر دیے جائیں تو یہ رسالہ بہت جلد ترقی کر سکتا ہے ۔" (۵۲۴)

گلدستہ حسن خیال یہ ماہوار گلدستہ ۱۹۲۵ء میں بزم شعراء اورنگ آباد دکن نے جاری کیا ۔ اس رسالہ کے مرتب رضی کاکوری تھے جو اس بزم کے معتمد اعزازی بھی تھے ۔ یہ رسالہ ہر ماہ عبدالعزیز خاں پرنٹر کے زیر اہتمام عزیزی پریس آگرہ میں عموماً ۴ صفحات پر طبع ہو کر دفتر بزم اورنگ آباد دکن سے شائع ہوتا تھا ۔ اس کا سالانہ چندہ دو روپیہ تھا ۔ اس کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا ۔

میری قسمت سے الٰہی پائیں وہ رنگ قبول
پھول جو میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لیے

اس گلدستہ کے لیے بزم شعراء اورنگ آباد دکن ہر ماہ ایک طرحی مشاعرہ منعقد کرتی تھی جس میں مقامی اور بیرونی شعراء اپنا کلام سناتے تھے اور جو شعراء شریک مشاعرہ نہیں ہوتے وہ اپنا

کلام روانہ کر دیتے تھے۔ یہ تمام کلام اس گلدستہ میں شائع کیا جاتا تھا۔ اس بزم کی شاخیں سیہور ضلع سیتاپور (بھوپال) میں بھی تھیں وہاں بھی ہر ماہ پابندی سے طرحی مشاعرے منعقد کیے جاتے تھے اور ان مشاعروں کا کلام بھی اس گلدستہ میں درج ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ مقامی و بیرونی شعراء کا غیر طرحی کلام۔ رباعیات اور مزاحیہ کلام بھی درج گلدستہ ہوتا تھا۔

ابتداء میں اس میں صرف منظوم کلام ہی شائع کیا جاتا تھا مگر اکثر قارئین کے اصرار پر ادبی مضامین بھی شائع ہونے لگے تھے۔ اس سلسلے میں پہلا ادبی مضمون "شاعری کا نیا دور" کے عنوان سے محمد تقی حیدر انوری نے لکھا تھا۔

حالی کے مقدمہ شعر و شاعری کی اشاعت کے بعد سے جہاں اردو غزل پر اعتراضات کی بوچھار شروع ہوگی تھی وہیں بعض لوگ، اس کی حمایت میں بھی مضامین لکھنے لگے تھے۔ چنانچہ محمد تقی حیدر انوری کا مذکورہ مقالہ نئی غل کی حمایت میں ہے۔

گلدستہ " بزم شاد " " بزم شاد " کے نام سے ۱۳۳۹ف م ۱۹۳۰ء سے ایک مشاعرہ ہر سال حیدرآباد دکن میں منعقد ہونے لگا اس میں اردو اور فارسی کے شعراء طرحی کلام سناتے تھے۔ اس مشاعرے کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مہاراجہ سرکشن پرشاد بہ نفس نفیس تشریف فرما ہوتے تھے، اور خود بھی اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کرتے تھے اس مشاعرہ کی کاروائی قدیم طرز پر شمع روشن کرکے شروع کی جاتی اور شمع گشت کرائی جاتی تھی۔ بعد ختم مشاعرہ میں پڑھے گئے تمام شعراء کے کلام کو مہتمم مشاعرہ مولوی ابوالاشرف مجید آغائی ابوالعلائی جمع کرکے " بزم شاد " کے نام سے شائع کرتے تھے۔ یہ گلدستہ مسعود دکن پریس کالی کمان میں ۳۲ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔
راقم الحروف کو اس رسالہ کا صرف ماہ شہریور ۱۳۴۱ف کا شمارہ اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوا ہے۔ اس میں ۸۔ شہریور ۱۳۴۱ف کو منعقدہ مشاعرہ کا فارسی اور اردو کا طرحی کلام درج ہے اس مشاعرے میں فارسی کا مصرعہ طرح یہ دیا گیا تھا۔

"تاک نظارہ کنان بر سر دیوار بنود"

اور اردو کا مصرعہ طرح

مژدہ اے حیرت کہ کام اضطراب دل بنا

اردو مصرعہ طرح پر جن شعراء نے طبع آزمائی کی ان میں مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد، میر نادر علی برتر، مولوی محمد عبد القیوم خان صاحب باقی، نواب عزیز یار جنگ فرحت اللہ بیگ فرحت، مولوی ابوالاشرف مجید آغائی ابوالعلائی قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ اس گلدستہ میں شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی کی ایک غیر طرحی غزل بھی درج ہے اس گلدستہ کے اداریہ میں مہتمم مشاعرہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ آئندہ ماہ یعنی مہر ۱۳۴۱ف سے " بزم شاد " کا خاص مشاعرہ ماہوار مقرر ہوگیا ہے۔"

● حیدرآباد (دکن) کے علمی و ادبی رسائل ۱۹۳۱ء تا ۱۹۴۸ء

○ تہذیبی یا عمومی رسائل

○ زراعتی رسائل

○ طبّی رسائل

○ قانونی رسائل

○ تعلیمی و تدریسی رسائل

○ تعلیمی اداروں سے جاری ہونے والے رسائل

○ بچوں کے رسائل

○ ادبی رسائل

○ گلدستے

تہذیبی یا عمومی رسائل

تہذیبی یا عمومی رسائل میں تعداد اور موضوعات کے تنوع کے علاوہ معیار کے لحاظ سے بھی اہم پیش رفت نظر آتی ہے سترہ سال کی مدت میں بہت سے رسائل نکلے جن میں شراب بندی سیاست ، اسکاؤٹس تحریک ، گاؤں سدھار اور کاروباری (کمرشیل) موضوعات کے رسائل بھی شامل ہیں - ان میں اہم مضامین بھی ہیں اور یہ کوشش بھی نظر آتی ہے کہ زبان میں اتنی توانائی پیدا کی جاسکے کہ وہ ہر موضوع کو اپنے اندر سمیٹ سکے

رسالہ " رفیق دکن " یہ ماہ نامہ مورخہ یکم جنوری سنہ ۱۹۳۱ء میں حیدرآباد سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر حاجی کرتان محمد بشیر الدین احمد قادری چشتی نظامی تھے - یہ رسالہ اخبار شوکت الا سلام پریس بازار عیسیٰ میاں حیدرآباد میں عموماً بیس صفحات پر طبع ہوتا تھا - اس کا سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔

اس کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

معین ادب ہے کمال سخن ہے
ہر اک ورق اس کا رفیق دکن ہے

یہ علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں ادبی، تعلیمی، تاریخی، تمدنی، معاشرتی، اصلاحی، طبی، قانونی زراعتی اور صنعتی موضوعات پر مضامین شائع ہوتے تھے - اس کے علاوہ افسانے اور نظمیں و غزلیں دلچسپ جدید معلوماتی اور محکمہ امداد باہمی کت سرگرمیوں کی تفصیلات بھی شائع کی جاتی تھے -

اس رسالہ کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے مدیر رسالہ مذکور لکھتے ہیں -

> " الحمد للہ رفیق دکن ہمیشہ ہر گورنمنٹوں کا وفادار رہے گا - رفیق دکن گورنمنٹ اور رعایا میں میل ملاپ کا ایک بہتر ذریعہ ثابت ہوگا اور ہمیشہ عمدہ مسائل نیک مشورے پیش کرکے اہل ملک میں اتفاق و اتحاد باہمی کی کوشش کرے گا" (۵۲۵)

اس رسالہ کے مضامین کا معیار اوسط درجہ کا تھا۔

رسالہ " ممجولی " یہ ماہ نامہ ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۱ء میں فتح میدان حیدرآباد دکن سے جاری ہوا - مولوی نصیر الدین ہاشمی نے اس کا سن اشاعت غلط لکھا ہے ان کے بیان کے مطابق سنہ ۱۹۲۹ء میں اس کا اجراء عمل میں آیا (۵۲۶) جبکہ اس رسالہ کی جلد اول کا شمارہ اول بابتہ ماہ جولائی ۱۹۳۱ء کا پرچہ اردو ریسرچ سنٹر اور ادارہ ادبیات اردو میں موجود ہے - اس رسالہ کی مدیرہ سیدہ بیگم

خویشگی تھیں یہ رسالہ ابتداء میں مطبع آفرین پریس میں طبع ہوتا تھا بعد میں تاج پریس میں طبع ہونے لگا۔ اس کا حجم عموماً ۶۴ تا ۶۸ صفحات سالانہ چندہ چار روپیہ ہوا کرتا تھا یہ مصور رسالہ خواتین سے مخصوص تھا اس رسالہ کے اغراض و مقاصد اور پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے مدیرہ رسالہ مذکور اداریہ میں لکھتی ہیں۔

"یہ ماہ نامہ اپنے نونہالوں اور نوجوانوں کی ہر جہتی فلاح و ترقی کے لیے جاری کیا جارہا ہے جہاں نئی پود خود اس کے مضامین سے فائدہ حاصل کرسکے اس میں بہت سے مضامین ایسے بھی ہوں گے جو ان کے والدین اور استادوں کے لیے مختص ہوں گے جن سے بالواسطہ فائدہ بچوں ہی کو پہونچے گا۔

بھولی کی ترتیب میں جہاں بچوں کے حسب مطلب مضامین کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے وہاں ان کے والدین یا استادوں کے مفید مطلب مقالات کے اندراج کا بھی ضمنی طور پر التزام ہے تاکہ بیک کرشمہ دو کار کے مصداق ہر گروہ "بھولی" کے مطالعے سے بقدر لب و دندان بہرحال فائدہ حاصل کرسکے (۵۲۷)

یہ ایک اہم اور معیاری رسالہ تھا جس میں ادبی، تاریخی، معاشرتی، تعلیمی موضوعات پر مضامین شائع ہوتے تھے اس کے علاوہ افسانے نظمیں و غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں اور خواتین کے تاریخی کارنامے اور جسمانی ورزشیں بھی درج کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ نگہداشت و تربیت اطفال کے تعلق سے خاص طور پر مضامین شائع ہوتے تھے اس سلسلے میں "چونچال بچے" کے مستقل عنوان سے ہر ماہ بچوں کی ایسی حرکت قلمبند کی جاتی تھی جس میں دلچسپ شرارت اور تحیر و استعجاب کا پہلو نکلتا تھا۔ اس تعلق سے مدیر رسالہ مذکور نے والدین سے قلمی تعاون کی درخواست کی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا کہ ایسی سرگزشت کے ساتھ روک تھام کے لیے اختیار کی گئیں تدابیر بھی لکھیں۔ (۵۲۸)

اس کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرف تو بچوں کی ترکیب ذہنی اور ان کے عقل کی رسائی کی سرگزشت محفوظ ہوجائیگی اور دوسری طرف گھریلو علاج و معالجوں کا سرمایہ جمع ہوجائیگا جو صرف بوڑھوں کو معلوم ہے اور جو وقت کے ساتھ مٹتا جارہا ہے۔

یہ اپنے وقت کا مشہور رسالہ تھا اس کو ملک کے مشہور انشاء پردازوں کا تعاون حاصل تھا اس کے معاونین میں مرزا فرحت اللہ بیگ، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، جوش ملیح آبادی، فصاحت جنگ جلیل، پروفیسر عبدالحمید خاں، سید وزیر حسن، مرزا ہادی رسوا، ڈاکٹر سید عبد الرحمن، صغرا ہمایوں مرزا، عبدالقیوم خاں باقی، ساغر نظامی، سید تمکین کاظمی، مرزا عصمت اللہ بیگ اور حبیب الرحمن خاں شروانی قابل ذکر ہیں۔

ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک مختصر اور منتخب فہرست درج کی جاتی ہے جس

کے مطالعہ سے اس کی نوعیت اہمیت اور معیار کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔

(۱) "اصول تعلیم" (از مرزا ہادی رسوا) (۲) "پرورش اطفال" (از ڈاکٹر سید عبد الرحمن) (۳) "حیدر آباد کے سر رشتہ عدالت پر ایک نظر" (از مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دہلوی) (۴) "طریق ترجمہ اور اس کے اصول" (از مولوی محمد عنایت اللہ صاحب ناظم دار الترجمہ) (۵) "اردو مضمون نگاری اور چند اشارات" (از مرزا سلطان الدین صاحب) (۷) "بچوں کو مت ڈراؤ" (از حبیب الرحمن خان شروانی) (۷) "ریاضت جسمانی" (از حکیم محمد نعیم الدین)۔

اس رسالہ کے سب سے اچھے مضمون نگار کو میں ایک اشرفی نذر کی جاتی تھی اس سلسلہ میں جناب وزیر حسن صاحب اور جناب مرزا عصمت اللہ بیگ صاحب کو ایک ایک اشرفی نذر کی گئی تھی۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے جولائی سنہ ۱۹۴۰ء تک کے چیدہ چیدہ شمارے ادارہ ادبیات اردو اور ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ "سفینہ نسوان" یہ مصور ماہ نامہ مارچ ۱۹۳۲ء میں چادر گھاٹ حیدر آباد دکن سے جاری ہوا مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب نے اس کا سن اجراء سنہ ۱۹۲۹ء لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے (۵۲۹) یہ رسالہ صادقہ قریشی اور اختر قریشی کی ادرات میں نکلتا تھا اور مسعود پریس کالی کمان حیدر آباد دکن میں عموماً ۳۲ تا ۸۸ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ ۴ روپیہ ایک شمارہ کی قیمت چھ آنے تھی

یہ خواتین کا رسالہ تھا جس میں علمی، ادبی، تنقیدی، تحقیقی، تاریخی، اصلاحی، معاشرتی مضامین اور افسانے شائع ہوتے تھے اس کے علاوہ نظمیں اور غزلیں مفید معلومات اور کتابوں پر تنقید و تبصرہ بھی شامل کیا جاتا تھا۔ اس رسالہ کا مقصد عورتوں کی اصلاح اور ان میں علمی و ادبی ذوق پیدا کرنا تھا۔

اس رسالہ کے مضمون نگاروں میں خواتین کی اکثریت تھی راقم الحروف کو اس رسالے اپریل سنہ ۱۹۳۶ء تک کے چیدہ چیدہ شمارے دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ "حسن کار" یہ پندرہ روزہ رسالہ یکم دے سنہ ۱۳۴۲ف (۵۳۰) م ڈسمبر سنہ ۱۹۳۶ء کو حیدر آباد دکن سے جاری ہوا اس کے مدیر جناب سید محمد اکبر وفاقانی اور شریک مدیر مقبول رلی صاحب تھے یہ رسالہ اعظم اسٹیم پریس میں عموماً ۲۰ تا ۸۲ صدحات پر طبع ہوتا تھا اس کا سالانہ چندہ پانچ روپیہ آٹھ آنے تھا

یہ ایک مصور علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں خاص طور پر فنون لطیفہ جیسے مصوری، فن تعمیر، سنگ تراشی، خصوصیت سے موسیقی اور آلات موسیقی ادب و شاعری اور اسلحہ سازی پر دلچسپ مفید اور معیاری مضامین شائع ہوتے تھے۔

اس کے علاوہ اس میں تاریخی ، تمدنی ، نفسیاتی ، معاشرتی اور سائنسی موضوعات پر بھی مضامین شامل کئے جاتے تھے اور افسانوں ڈراموں غزلوں و نظموں اور دوسری زبانوں کے افسانوں کے ترجمے بھی شائع کئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ "نسوانی گفتگو" کے مستقل عنوان کے تحت ہر ماہ عورتوں سے متعلق مقامی اور بین الاقوامی خبریں اور مشہور عورتوں کے اہم کارنامے ادرج کئے جاتے تھے۔ اس رسالہ کی اجراء کے مقاصد بتلاتے ہوئے مدیر رسالہ مذکور رقم طراز ہیں

"حسن کار" کے خیال کی ابتداء محض "حسن کاری" کو اردو میں رائج کرنے کے خیال سے ہوئی ہے۔ "حسن کاری" میں ادب، شاعری موسیقی، رنگ کاری، آذری اور تعمیر کاری داخل ہیں اس وسعت مضامین کو ہم نے موجودہ صورت میں "حسن کار" کے لیے قبول کرلیا تاکہ ایک طرف "حسن کاری" کو اردو میں لایا جاسکے تو دوسری طرف اس کو اس قدر دلچسپ بنایا جائے کہ وہ اپنی چھوٹی سی دنیا میں بہت سی دلکشیاں جمع کرلے"۔ (۵۳۱)

اکبر وفاقانی خود حسن کاری کے اچھے نقاد تھے انھوں نے فنون لطیفہ بالخصوص مصوری اور اس کی تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا اس لیے خود انھوں نے اس موضوع پر کافی اہم مضامین اس رسالہ میں لکھے جیسے "مغربی حسن کاری اور ہندوستانی ارتسامات" (۲) نمونہ سازی کی تاریخ حسن کاری کے اہم شعبہ پر ایک نظر (۳) "مسجد ایک تاریخ حسن کارانہ مطالعہ" (۳) ہنگری کے حسن کار کی تصاویر نمائش" (۴) صحافت اور حسن کاری (۵) نسوانی جامہ زیبی اور حسن کاری (۶) کردار کشی اور کارٹون (۷) دور جدید اور اردو ڈرامہ (۸) حسن کاری قدیم و جدید "وغیرہ

ان کے علاوہ دوسرے مضمون نگاروں کے جو مضامین اس موضوع پر شائع ہوئے ان کی ایک مختصر سی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) "حسن کاری اور ہندوستان موسیقی" (از جناب محمد عبد القیوم خاں باقی) گراموفوں اور ہندوستانی موسیقی" از محمد عبد القیوم خاں باقی) (۴) "موسیقی اور ہند کے آلات موسیقی" (از کیپٹن اعجاز علی شہرت) (۵) "تلوار قدیم اسلحہ اور ان کا فن کاری (از کیپٹن اعجاز علی شہرت) (۶) "مغرب کے استاد مشرق بعید کے حسن کار" (مترجم محمد عبد القیوم خاں باقی) (۷) "کتابت" (از کیپٹن محمد اعجاز علی شہرت) "حسن کاری" (از ایمرسن مترجم سید شاہ محمد) (۹) ٹالسٹائے کا نظریہ حسن کاری" (از روشن رائے) (۱۰) "جاپانی حسن کاری" (از محمد عبد القیوم خاں باقی) (۱۱) "حیدر آباد کی تعمیر اور اس کا مستقبل" (۱۲) سیرت اور ادبیات (از سید محمد) (۱۳) سلاطین بہمنیہ کی علمی و فنی سرپرستی" (از سید یوسف الدین) (۱۴) "مملکت کے عناصر" (از پروفیسر محمد عبد المجید صدیقی)

(۱۵) "برھانپور اور اس کی تاریخی اہمیت" (از پروفیسر عبد المجید صدیقی) (۱۶) "حیدر آباد

کے کتب خانوں کے بعض اہم فارسی مخطوطات " (از محمد سردار علی) (۱۷) " ہند اسلامی تمدن میں شمال اور دکن کا حصہ (مترجم مخدوم محی الدین) (۱۸) " مثنوی دریائے تعشق " (از سید عبد القادر سروری) (۱۹) " انیسویں صدی میں قومیت اور سیاسیات علمی " (از سید عبد لغفار بی۔ اے عثمانیہ) (۲۰) " قدیم ہندوستان کا زندہ تمدن " (از ترجمہ مقبول علی) (۲۱) " گوئٹے " (از سید شاہ محمد) (۲۲) " کتب خانہ ریاست رام پور کے فارسی دواوین (از محمد سردار علی (۲۳) مبداء مملکت " (از پروفیسر محمد عبد المجید صدیقی) (۲۴) " نفسیات اطفال پر ایک اجمالی نظر " (ترجمہ ابوالمحاسن محسن خاں متین

اس رسالہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اس نے حسن کاری کی ماہئیت، اس کی حقیقت اور حسن کاری کے مختلف شعبوں پر کافی سیر حاصل مضامین اردو زبان میں پیش کئے اس رسالہ کے مختلف شماروں میں منشی پریم چند کی کہانیاں بھی شائع ہوتی تھیں۔ ان میں اکثر کے آگے ترجمہ لکھا ہوا ہے ان کہانیوں کے مترجم جی شنکر راؤ تھے پریم چند کی ایک کہانی " عید گاہ " پہلے اردو میں شائع ہوئی تھی اس کے آگے بھی مترجم لکھا ہوا ہے ایسا لگتا ہے کہ شنکر راؤ صاحب کو یہ کہانی اردو کے بجائے ہندی میں دیکھنے کو ملی تھی جن کہانیوں کا ترجمہ جی شنکر راؤ صاحب نے کیا ہے ان کے نام یہ ہیں (۱) " عید گاہ " (۲۰۔ اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء) (۲) " ویشیا " (ڈسمبر سنہ ۱۹۳۳ء) (۳) " نشہ " (اپریل سنہ ۱۹۳۴ء) (۴) " دل کی ملکہ " (۷۔ مئی ۱۹۳۵ء)

ان کے علاوہ دو کہانیاں (۱) " معصوم بچہ " (۲ جون سنہ ۱۹۳۵ء) (۲) " دونوں طرف سے (جولائی سنہ ۱۹۳۲ء) منشی پریم چند کی طبع زاد ہیں۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے سنہ ۱۹۳۵ء تک کے چیدہ چیدہ شمارے کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو میں دستیاب ہوئے ہیں۔

سالنامہ انجمن طلباء قدیم سٹی کالج اس سالنامے کو انجمن طلباء قدیم سٹی کالج نے ۱۲۔ دے سنہ ۱۳۴۳ م ۱۹۔ نومبر سنہ ۱۹۳۲ء کو زیر نگرانی مجلس انتظامی انجمن طلبائے قدیم حیدرآباد دکن سے شائع کیا۔ اس کے ایڈیٹر سید محی الدین قادری تھے یہ مجلہ آعظم اسٹیم پریس چارمینار میں ۲۲۴ صفحات پر طبع ہوا تھا۔ یہ سالنامہ انجمن طلباء قدیم سٹی کالج کا ترجمان تھا۔ جس کا قیام ۲۰ نومبر سنہ ۱۹۲۲ء کو عمل میں آیا تھا۔

اس سالنامہ میں صرف سٹی کالج کے فارغ التحصیل طلباء کی نگارشات شائع کی گئی تھیں اس تعلق سے مدیر رسالہ ڈاکٹر محی الدین قادری صاحب لکھتے ہیں۔ " اس سالنامہ کا مطالعہ کرنے والے اس امر کو ملحوظ رکھیں کہ یہ صرف سٹی کالج ہی کے فیض یافتوں کی علمی و ادبی کوششوں کا نتیجہ ہے اردو نظم و نثر کی گوناگونی اور معیار کے باعث اردو زبان کے شاید کسی سالنامہ سے کم مرتبہ بھی نہیں ہے اس میں جہاں غزلیں شامل ہیں جدید طرز کی نظمیں بھی موجود ہیں۔ اعلیٰ پایہ تحقیق و تنقیدی مضامین کے ساتھ دلچسپ افسانوں اور ایجی ڈراموں کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ " (۵۳۲)

اس سالنامہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تقریباً نصف کے قریب مضامین سٹی کالج ہی سے متعلق قلمبند کئے گئے ہیں۔ جیسے اس کالج کی تاریخ و محل و وقوع یہاں کی تعلیم و تربیت اور انجمن طلبائے قدیم کی تفصیلات وغیرہ اس کے علاوہ کئی مضامین اور نظمین ایسی بھی شائع کی گئی ہیں جس سے اس درسگاہ کے مختلف ادوار کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

رسالہ "خلیق" یہ ماہوار رسالہ بہ سرپرستی الحاج مولانا حضرت سید محمد بادشاہ حسینی قادری معتمد مجلس علماء دکن ماہ شعبان سنہ ۱۳۵۱ھ م ڈسمبر ۱۹۳۲ء حیدرآباد دکن سے جاری ہوا اس کے مدیر مرزا امام بیگ رونق قادری اور معاون مدیر محمد علی نیر تھے۔ یہ رسالہ مطبع اعظم اسٹیم پریس چارمینار میں طبع ہو کر افضل گنج گولی گوڑہ سے شائع ہوتا تھا اس کی قیمت سالانہ دو روپیہ چار آنہ اور فی پرچہ ۴ - آنے تھی اس رسالہ کا حجم ۳۴ تا ۴۸ صفحات ہوتا تھا۔

رسالہ خلیق میں مذہبی مضامین کے علاوہ علمی و ادبی مضامین اور غزلیں بھی درج ہوتی تھیں اس رسالہ کا "جشن سیمین منظوم نمبر" ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۵ھ میں نکلا تھا اس کے مضمون نگاروں میں نواب بہادر یار جنگ، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب، پروفیسر جامعہ عثمانیہ، علامہ امیر شکیب ارسلان، مولوی سید احمد محی الدین (ایڈیٹر رہبر دکن) مولوی خلیق احمد صاحب نعمانی۔ حکیم لئیق احمد اعمانی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

راقم الحروف کو اس رسالے کے ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۹ھ تک کے شمارے دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ "شہاب" یہ مصور ماہ نامہ فروری سنہ ۱۹۳۳ء میں دبیر پورہ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر محمد عبد الرزاق بسمل تھے۔ یہ رسالہ برقی پریس رہبر دکن میں عموماً ۳۲ تا ۸۰ صفحات پر طبع ہوتا تھا اس کا سالانہ چندہ عوام سے چار روپیہ تھا۔

اس رسالہ میں کہیں کہیں اہم مضوعات پر بھی مضامین ملتے ہیں مثلاً ڈاکٹر ولی الدین کا مضمون خیالات کا اثر نفسیاتی پر " مجموعی اعتبار سے یہ مقامی رنگ کا حمل تھا اور حیدرآباد کے لوگوں کی امنگوں اور آرزوں کا مظہر تھا۔ یہ سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد جاری رہا

سالنامہ انجمن طیلسانین عثمانیہ اس سالنامہ کو انجمن طیلسانین جامعہ عثمانیہ نے سنہ ۱۳۴۳ف م سنہ ۱۹۳۳ء / ۱۹۳۴ء میں جناب غلام دستگیر رشید ایم۔ اے (عثمانیہ) لکچرار فارسی نظام کالج کی ادارت میں حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ یہ سالنامہ مطبع عہد آفرین میں ۱۱۴ صفحات پر طبع ہوا تھا۔

یہ سالنامہ جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل طلباء کی "انجمن طیلسانین" کا ترجمان تھا اس انجمن کا قیام بتاریخ ۶۔ دے سنہ ۱۳۳۷ف کو عمل میں آیا تھا۔ لیکن چند ناگزیر وجوہات کی بناء پر یہ انجمن بالکل خاموش ہو گئی۔ ماہ شہریور سنہ ۱۳۴۱ف سے اس کا احیاء ہوا اور ابتداء چند مہینے

خاموشی سے کام ہورہا پھر بتاریخ ۱۲ - دے سنہ ۱۳۴۲ھ کو دوبارہ اس انجمن کا باضابطہ قیام عمل میں آیا اور اس کے دستور کی رو سے یہ قرار پایا کہ ہروہ شخص جو جامعہ عثمانیہ سے بی - اے یا اس کے مماثل یا اعلیٰ ڈگری حاصل کیا ہو وہ اس کا رکن بن سکتا ہے - اس انجمن کے سرپرست مہاراجہ سرکشن پرشا تھے - صدر نواب علی محمد خان المخاطب نواب فخر نواز جنگ اور معتمد محمد عبد الرحیم، اس انجمن کے قیام کا مقصد جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل طیلسانین کی عملی، اخلاقی، ذہنی اور جسمانی ترقی کے بہتر وسائل تلاش کرنا - ان میں معاشرتی روابط کے مواقع پہنچانا اور ان میں باہمی اتفاق اتحاد کو فروغ دینا تھا اس کے علاوہ علمی و ادبی جلسے منعقد کرنا تھا اور ان مقاصد کی اشاعت کے لیے ایک رسالہ کا اجرا بھی اس انجمن کے مقصد میں شامل تھا۔ (۵۳۳)

اس سالنامہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے تمام مضمون نگار جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل گریجویٹ تھے ان میں سید محی الدین قادری زور ایم - اے جناب عبد القادر سروری ایم - اے - ال - ال بی جناب عبد المجید صدیقی ایم - اے - ال - ال بی جناب سید سراج الدین ایم - اے اور میری احمد علی خاں ایم - اے - ال - ال بی قابل ذکر ہیں - (۵۳۴)

آئینہ آدب یہ ماہوار رسالہ ماہ تیر سنہ ۱۳۴۵ف ماہ مئی سنہ ۱۹۳۶ء سے محلہ سلطان پورہ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا - اس کے ایڈیٹر جناب مونس احمد صاحب تھے یہ رسالہ ابتداء میں آعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر میں عموماً ۶۴ تا ۸۰ صفحات پر طبع ہوتا تھا - اس کی سالانہ قیمت عوام سے چار روپیہ سالانہ اور فی پرچہ آٹھ آنے تھی - یہ رسالہ ایک سال تک پابندی کے ساتھ جاری رہنے کے بعد تین ماہ تک بند ہوگیا تھا پھر مہر سنہ ۱۳۴۶ف م اگست ۱۹۳۷ء سے دوبارہ شایع ہونے لگا -

یہ ایک اہم اور معیاری رسالہ تھا جس میں ادبی، تنقیدی، سوانحی اخلاقی، سائنسی اور تاریخی موضوعات پر معیاری اور فکر انگیز مضامین شائع ہوتے تھے اس کے علاوہ اس میں افسانے، ڈرامے اور دوسری زبان کے افسانوں کے ترجمے اور نظمیں وغزلیں بھی شائع ہوتی تھیں -

مودی لینڈ یہ ماہ نامہ ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۶ء میں سکندرآباد دکن سے زیر نگرانی محمد حسام الدین خاں غوری جاری ہوا اس کے ایڈیٹر ایل سی بھلہ تھے یہ رسالہ مودی لینڈ پرنٹنگ پریس سکندرآباد میں طبع ہوتا تھا ابتداء میں یہ اردو اور انگریزی میں ایک ساتھ شائع ہوتا تھا پھر ستمبر سنہ ۱۹۳۸ء سے اردو اور انگریزی میں علاحدہ شائع ہونے لگا - اس کا چندہ سالانہ دو روپیہ آٹھ آنے تھا - یہ مصور رسالہ کہنے کو تو فلمی تھا مگر اس میں ادبی مضامین افسانے، ڈرامے اور نظمیں وغزلیں بھی شائع کی جاتی تھیں -

اس رسالہ کو اردو کے جن مشہور شعراء اور ادیبوں کا تعاون حاصل تھا ان میں جگر مراد

آبادی، حضرت امجد حیدر آباد، سکندر علی وجد، اختر انصاری، حفیظ ہوشیار پوری، صدق جائسی، مولوی نصیر الدین ہاشمی، محترمہ جہاں بانو نقوی، راجہ مہدی علی خاں، پروفیسر عبد القادر سروری اور احسان دانش قابل ذکر ہیں۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے سنہ ۱۹۳۹ء تک کے چیدہ چیدہ شمارے کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو میں دستیاب ہوئے ہیں۔

مجلہ طیلسانین اس رسالہ کو مجلس علمیہ طیلسانین عثمانیہ نے ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۷ء میں بازار گھانسی حیدر آباد دکن سے جاری کیا۔ اس کی مجلس ادرات میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور (صدر) عبد المجید صدیقی (رکن) غلام دستگیر رشید (رکن) اور سید محمد معتمد اور منتظم اعزازی سید مہدی حسین تھے۔ سنہ ۱۹۴۳ء سے یہ رسالہ محمد غوث کی ادارت میں شائع ہونے لگا اور سنہ ۱۹۴۵ء میں مولوی محمد اکبر الدین صدیقی اور مولوی نور اللہ شریک مدیر کی حیثیت سے اس مجلہ سے وابستہ ہوگئے۔ یہ رسالہ ابتداء میں زندہ طلسمات فائن آرٹ پرنٹنگ پریس حیدر آباد میں عموماً ۱۲۵ تا ۲۳۶ صفحات ہوتا تھا۔ بعد میں دوسرے مطابع میں طبع ہونے لگا۔ اس کا سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔

یہ سہ ماہی رسالہ تھا جو ماہ جنوری اپریل۔ جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا تھا اور یہ "انجمن طیلسانین عثمانیہ" حیدر آباد کا ترجمان تھا اس انجمن نے سب سے بڑا اہم کارنامہ یہ کیا کہ اس نے ایم اے اور ایم ایس سی کی ڈگری کے لیے لکھے گئے ہیں مقالوں کو اس رسالیہ میں بالاقساط شائع کیا۔

یہ ایک معیاری علمی و ادبی رسالہ تھا اس میں مقالوں کے علاوہ صرف جامعہ عثمانیہ کے (گریجویٹ) اہل قلم کی نگارشات شائع ہوتی تھیں اس کے علاوہ کتابوں اور رسالوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا اور مجلس علمیہ کے جلسوں کی روداد بھی درج کی جاتی تھی۔

اس رسالہ کی اجراء اور اس کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور صاحب لکھتے ہیں۔

" مجلس علمیہ گذشتہ دو تین سال سے طیلسانین عثمانیہ کے علمی و ادبی کارناموں کے تحفظ و اشاعت کے متعلق غور و خوص اور عملی تجاویز میں مصروف ہے۔ اس نے اپنی برادری کی علمی فتوحات کی نشر و اشاعت کے کام کا آغاز اس مجلہ کی اجرائی سے کیا ہے۔ اس مجلہ میں طیلسانین کے بلند پایہ علمی و ادبی مضامین اور شعر و سخن کے نمونوں کے علاوہ فی الحال ان مقالوں کو بالاقسط شائع کیا جارہا ہے جن کو ام اے و ام۔ ایس سی وغیرہ کے امتحانوں کے لئے طیلسانین عثمانیہ نے قلمبند کیا تھا اور ان کو ممتحنوں نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور لکھنے والوں کو امتحان میں کامیاب قرار دیا۔ ان میں اکثر مقالے نئی تحقیقات کا نتیجہ اور ضروری معلومات کے حامل ہیں۔ ان کی اشاعت سے

علم و فضل و معلومات اور ادبیات اردو میں معتد بہ اضافہ ہو گا۔

مجلس علمیہ نے یہ التزام کیا ہے کہ مجلے میں شائع کرنے کے ساتھ ساتھ ان مقالوں کو کتابی شکل و صورتوں میں بھی شائع کر دیا جائے چناں چہ جہاں کسی مقالے کی جملہ اقساط اس مجلہ میں چھپ جائیں گی تو اس کے ساتھ ہی وہ مقالہ کتابی صورت میں بھی عوام کے ہاتھوں تک پہنچ جائے گا اس طرح سے توقع ہے کہ چند سال میں طیلسانین عثمانیہ کے جملہ بلند پایہ مقالے جو اس وقت اہل ذوق کی نظروں سے پوشیدہ ہیں منظر عام پر آجائیں گے۔" (۵۳۴)

جنوری ۱۹۴۳ء سے یہ رسالہ محمد غوث کی ادارت میں نکلنے لگا۔ محمد غوث صاحب نے ادارت کے فرائض سنبھالنے کے بعد اس رسالہ میں کچھ اہم اور نئے اضافے کئے۔ یعنی جنوری سنہ ۱۹۴۳ء سے اس رسالہ میں ایک حصہ "معاشیات" کے لئے مختص کیا گیا۔ اس تعلق سے وضاحت کرتے ہوئے مدیر رسالہ محمد غوث صاحب لکھتے ہیں۔

"معاشیات کے سیر حاصل اور خاص اہمیت کے موضوع پر اکثر اردو رسائل میں کافی معیاری مضامین طبع ہو جاتے ہیں لیکن اس موضوع کی اہمیت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس پر ایک خاص مجلہ شائع ہوا کرے چنانچہ مجلہ طیلسانین کی اس اشاعت کے ساتھ اس کے حصہ معاشیات کا آغاز کر دیا گیا۔ امید ہے کہ مجلہ کی یہ کوشش پوری طرح سے کامیاب ہوگی اور ملک میں خوش حالی اور فارغ البالی پیدا کرنے کے لئے اس کے مضامین ہر طرح سے ممد و معاون ثابت ہوں گے۔"

اس کے علاوہ اس سال سے مملکت آصفیہ کے سرکاری و خانگی کتب خانوں اور دوسرے ملکوں کے کتب خانوں کے مخطوطات کی اشاعت بھی اس رسالہ میں ہونے لگی اور "تاریخی کاغذات کے ذخیرے" کے مستقل عنوان کے تحت اہم اور دلچسپ تاریخی مواد کو شائع کیا جانے لگا۔ "جامعاتی معلومات" کے مستقل عنوان ہندوستان کی جامعات اور دوسرے علمی و ادبی اداروں کی علمی و ادبی ترقیوں اور ان جامعات کی سرگرمیوں کی روداد بھی اس رسالہ میں شائع ہونے لگی۔ اس کے علاوہ مشاہیر کی سوانح عمریاں اور ان کے کارناموں پر تنقید و تبصرہ بھی کیا جانے لگا۔ یہ ایک بہت ہی اہم اور معیاری رسالہ تھا جو کئی برسوں تک شائع ہوتا رہا۔ اس مجلہ میں جو ایم۔ اے و ایم۔ ایس سی کے مقالے شائع ہوئے صرف ان ہی کی ایک منتخب فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) "اردو ادب بیسویں صدی میں" (از سید علی حسنین زیبا ام۔ اے) (۲) "قانون تجاذب اور سیرت سازی" (از ڈاکٹر میر ولی الدین) (۳) "حسن کا ادبی پہلو" (از عبدالقیوم خاں باقی) (۴) "پریم چند اور ان کی افسانہ نگاری" (از محمد اکبر الدین صدیقی) (۵) "دربار اودھ کا اثر لکھنو کی شاعری پر" (از محمد اعظم خاں لکچرار جامعہ عثمانیہ) (۶) "امام غزالی کے کلامی خصوصیات"

(از محمد غوث ام ۔ اے) (۷) "عہد ابراہیم عادل شاہ ثانی کے متولیان ریاست" (از سید علی محسن ام ۔ اے) (۸) "اردو کے اسالیب بیان" (از سید محمود احمد صاحب) (۹) "یوسف زلیخا تالیف ہاشمی بیجاپوری اور نورس" (از محمد غوث ام ۔ اے)

رسالہ "**ترک مسکرات**": اس ماہ نامہ کو صدر انجمن ترک مسکرات حیدر آباد دکن ۱۵ تیر سنہ ۱۳۴۶ف م ۲ مئی ۱۹۳۷ء (۵۳۵) کو حیدر آباد دکن سے جاری کیا ۔ یہ رسالہ اس انجمن کے صدر نشین نواب مرزا یار جنگ بہادر مدار المہام عدالت و امور مذہبی سرکار عالی اور نائب عالی جناب دیوان بہادر آرمدو آئنگار صاحب اور دوسرے اراکین کی ادارت میں نکلتا تھا اور اعظم اسٹیم پریس چارمینار میں عموماً چوبیس صفحات پر طبع ہوتا تھا ۔ اس کا سالانہ چندہ دو روپیہ چار آنہ تھا ۔ اس رسالہ کے سرورق پر شعر یہ درج ہوتا تھا ۔

دشمن ہے نشہ آبرو و جان و مال کا
پس اس بلا کو چھوڑ چھڑا کر رہیں گے ہم

نواب میر عثمان علی خاں بہادر کے علم میں جب یہ بات آئی کہ کثرت شراب نوشی کی وجہ سے رعایا کی جسمانی صحت اور اخلاقی عادتیں خراب ہو رہی ہیں تو انہوں نے نواب مرزا یار جنگ کی صدارت میں ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا ۔ اس کمیشن نے تحقیقات کے بعد ایک رپورٹ پیش کی جس میں بتلایا گیا کہ "رعایا کو آئندہ ادبار و مصیبتوں سے بچانے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ سرکار ترک مسکرات کی جانب توجہ کرے اور وہ تمام جائز طریقے اختیار کرے جن سے لوگ ترک مسکرات کے عادی ہوں ۔" (۵۳۶)

چنانچہ اس رپورٹ کی بنا پر ۱۷ رمضان سنہ ۱۳۵۲ھ کو ایک فرمان سرکار عالی جاری ہوا جس میں یہ اعلان کیا گیا کہ تحریک انسداد مئے نوشی کو میری پوری تائید حاصل ہے اور اس کام کے لئے عہدہ داران سرکار عالی سے ہر قسم کی اعانت ملے گی ۔

اس فرمان مبارک کے فوراً بعد نواب میر عثمان علی خاں نے بذات خود انجمن ترک مسکرات کی ایک کمیٹی قائم کی اور اس کمیٹی کے صدر نواب مرزا یار جنگ بہادر مدار المہام عدالت و امور مذہبی سرکار عالی اور نائب صدر جناب دیوان بہادر آرمدو آئنگار صاحب بنائے گئے ۔

یہ رسالہ اس انجمن کا ترجمان تھا ۔ اس انجمن کے اغراض و مقاصد حسب ذیل تھے ۔

"انسداد استعمال مسکرات کی تبلیغ و تشہیر اور اس کے حصول کے لئے بہ مشورہ سررشتہ مال ضروری کاروائی کرنا یا اس کے متعلق مشورہ دینا مثلاً سررشتہ تعلیمات کو مشورہ دینا کہ نصاب تعلیمی میں ایسے قصے کہانیوں کو شامل کیا جائے جن میں ترک مسکرات پر زور دیا گیا ہو ۔

ترک مسکرات کے متعلق چھوٹے چھوٹے رسالہ جات مرتب و تقسیم کرنا ۔ دوکانات لائسنس کی تعداد کے متعلق سرکار عالی صیغہ مال کو توجہ دلانا یا سفارشات کرنا یا مسودہ قواعد پیش

کرنا۔

شراب خواری کی عادت کو چھڑانے یا کم کرنے کی غرض سے چائے خانہ جات قائم کرنا، قصبات میں کتب خانہ جات کا افتتاح اور حسب گنجائش مناسب مقدار رقم دینا تاکہ ان لوگوں کے لئے جنہوں نے شراب خواری کو کم کرکے روپیہ پس انداز کیا ہے "ماڈل ہاوس" تعمیر کئے جائیں۔ (۵۳۷)

انجمن کے تبلیغی ذرائع میں یہ رسالہ ایک اہم ذریعہ تھا جو اپنے موضوع پر اردو کا منفرد رسالہ تھا۔ اس میں شراب نوشی کے مضر اثرات پر مضامین، دلچسپ اور نصیحت آمیز افسانے اور نظمیں شائع ہوتی تھیں اس کے علاوہ مختلف زبانوں کی کتابوں سے اس موضوع پر لکھے گئے اصلاحی مضامین مشاہیر ادب کے خیالات درج کئے جاتے تھے اور شراب نوشی کی جو برائیاں ملک اور سماج میں پھیل رہی تھیں اور آئے دن جو حادثات ہو رہے تھے ایسی تمام خبریں بھی اس رسالہ میں درج کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ ہر ماہ ایک دلچسپ اور اصلاحی مضمون بچوں کے لئے بھی شائع کیا جاتا تھا جس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ان کو ابتداہی سے شراب نوشی کے اثرات سے واقف کرایا جاسکے

راقم الحروف کو اس مفید رسالہ کے ماہ اردی بہشت ۱۳۵۷ ف تک کے چیدہ چیدہ شمارے کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ "انیس الغربا": یہ ماہ نامہ رجب سنہ ۱۳۵۵ھ م ستمبر سنہ ۱۹۳۷ء میں ادارہ انیس الغربا ناملپلی حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر خواجہ بدرالدین صاحب تھے۔ یہ رسالہ مطبع برقی اعظم جاہی شاہ علی بنڈہ حیدرآباد میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا حجم عموماً ۳۲ صفحات ہوتا تھا۔ رسالہ ادارہ کو ماہانہ ایک روپیہ چندہ دینے والے اصحاب کو مفت دیا جاتا تھا۔

ادارہ انیس الغربا کا قیام سنہ ۱۳۴۰ھ میں عمل میں آیا تھا۔ یہ رسالہ اس ادارہ کا ترجمان تھا۔ اس میں زیادہ تر مذہبی مضامین شائع ہوتے تھے اس کے علاوہ تعلیمی، اصلاحی، معاشرتی موضوعات پر بھی مضامین شائع ہوتے تھے اور بچوں کی تربیت و نگہداشت پر بھی مضامین درج رسالہ ہوتے تھے۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے سنہ ۱۳۵۷ھ تک کے چیدہ چیدہ شمارے اردو ریسرچ سنٹر اور ادارہ ادبیات اردو میں دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ "حیدرآباد اسکاوٹ": (۵۳۸) اس سہ ماہی رسالہ کو حیدرآباد بوائے اسکاوٹس (ہیڈ کوارٹرز) نے غالباً سنہ ۱۹۳۷ء میں حمایت نگر حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ اس کی مجلس ادارت میں مولوی سید محمد ہادی آرگنائزنگ کمشنر، مولوی علی موسیٰ رضا، مولوی محمد فاضل اور محمد اسمٰعیل خاں شامل تھے۔ یہ رسالہ انتظامی پریس حیدرآباد میں اردو اور انگریزی میں ایک ساتھ

طبع ہوتا تھا۔ حصہ اردو کا حجم تیس صفحات ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔

اس رسالہ میں اسکاوٹس سے متعلق مضامین شائع کئے جاتے تھے اس کے علاوہ اسکاوٹس ہیڈ کوارٹرز کی سرگرمیوں کی روداد بھی درج کی جاتی تھی اور نظمیں و غزلیں بھی چھپتی تھیں۔

رسالہ "سب رس": یہ مصور ماہ نامہ جنوری سنہ ۱۹۳۸ء (۵۳۹) میں زیر نگرانی ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، خیریت آباد دکن سے جاری ہوا۔ ابتدا میں اس کے ایڈیٹر صاحبزادہ میر محمد علی خاں میکش تھے مگر دوسرے سال سنہ ۱۹۳۹ء میں ایک مجلس ادارت بنائی گئی جس میں صاحبزادہ میکش کے علاوہ خواجہ حمید الدین شاہد، سکینہ بیگم اور معین الدین احمد انصاری شامل تھے اور نگران ڈاکٹر زور ہی تھے۔ معین الدین احمد انصاری صاحب بچوں کے مضامین اور سکینہ بیگم خواتین کے مضامین کی نگران کار تھیں۔ یہ رسالہ خواجہ حمید الدین شاہد کے زیر اہتمام مطبع ابراہیمیہ مشین پریس حیدرآباد میں عموماً ۶۴ تا ۱۶۸ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ حیدرآباد کے لئے چار روپیہ اور بیرون حیدرآباد کے لئے ساڑھے چار روپیہ تھا۔

یہ ایک بہت ہی اہم علمی و ادبی اور تحقیقی رسالہ ہے جو ابھی تک پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔ اس میں زبان و ادب کے مختلف شعبوں اور پہلوؤں پر نمایاں عالمانہ اور تحقیقی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ یہ رسالہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کا ترجمان ہے۔ ادارہ ادبیات اردو ہندوستان میں لسانی تحقیقات کا ایک اہم مرکز ہے جس کے نادر ذخیرے سے ملک اور بیرون ملک کے محققین اپنے تحقیقاتی کام کے سلسلے میں آئے دن استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ اس ادارہ کو ڈاکٹر سید محی الدین قادری نے چند مخلصین اردو یعنی پروفیسر عبد القادر سروری، پروفیسر عبد المجید صدیقی، پروفیسر عبد القادر صدیقی اور مولوی نصیر الدین ہاشمی کے تعاون سے سنہ ۱۹۳۱ء میں قائم کیا۔ اس ادارہ کے حسب ذیل اغراض و مقاصد تھے۔

۱۔ اردو زبان اور ادب کی توسیع اور حفاظت۔

۲۔ سرزمین دکن میں اردو زبان اور ادب کا صحیح ذوق پیدا کرنا۔

۳۔ ملک کے نوجوانوں میں انشاپردازی اور شاعری کا ذوق پیدا کرنا اور تصنیف و تالیف میں رہبری اور مدد کرنا۔

۴۔ عوام میں اردو کی تعلیم اور مطالعہ کا شوق پیدا کرنا اور اس کے لیے ضروری وسائل اختیار کرنا (کذا)

۵۔ اردو کو مختلف علوم و فنون سے روشناس کرانا۔

۶۔ تاریخ دکن کی خدمت اور ملک کے تاریخی اور ادبی آثار کی حفاظت۔

۷۔ ایک ایسا مکمل کتب خانہ قائم کرنا جس میں اردو کی بالعموم اور خاص طور پر دکن کی تمام تحریریں اور آثار محفوظ ہو سکیں اور جس کا ایک حصہ اناث کے لیے وقف رہے گا۔

(۵۴۰) اس کے علاوہ ادارے کے مقاصد میں دکھنی ادب پر تلاش و تحقیق کے لیے سہولتیں بھی مہیا کرنا تھا۔ ادارے کے مندرجہ بالا اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے کئی شعبوں کا قیام عمل میں آیا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک کتب خانہ قائم کیا گیا تھا جس میں دکنی ادب کی تاریخ اور مختلف علوم و فنون پر اردو، فارسی اور عربی کی نایاب کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا

ادارے کا ایک اہم شعبہ میوزیم ہے جہاں دکن کی تاریخ و ثقافتی آثار کا بیش بہا ذخیرہ محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ ادارے کا ایک اور اہم شعبہ، شعبہ امتحانات ہے جس کا قیام سنہ ۱۹۴۰ء میں عمل میں آیا۔ اس شعبے کی جانب سے سال میں دو مرتبہ اردو دانی، اردو زبان دانی، اردو عالم اور اردو فاضل کے امتحانات منعقد ہوتے ہیں۔ رسالہ کے اغراض و مقاصد او پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور اداریہ میں لکھتے ہیں۔

"سب رس کا سب سے بڑا مقصد یہی ہوگا کہ وہ سب کے لئے ہو۔ سب رس، بچوں اور بوڑھوں اور عورتوں اور مردوں سب کے لئے دلچسپی کا باعث بن سکے۔ اس لئے بچوں اور طلباء کا حصہ بھی رکھا گیا ہے جس میں نظمیں کہانیاں اور دلچسپ مضمون ہوں گے جو یا تو بچوں اور بچیوں اور مدرسوں کے طلبہ یا طالبات ہی کے لکھے ہوئے ہوں گے یا ان کے لئے خاص اہتمام سے لکھوائے جائیں گے۔ اس طرح حصہ نسواں علیحدہ تو نہیں کیا گیا مگر نسوانی دلچسپیوں کا خاص طور پر خیال رکھا جائے گا اور ہر رسالہ کی ترتیب میں صنف نازک کا کافی حصہ ہوگا۔

مضامین کے انتخاب میں بھی بڑی وسیع نظری (کذا) ملحوظ رہے گی۔ افسانوں نظموں علمی ادبی اور تنقیدی مضمونوں اور اردو کی مطبوعات پر غیر جانب دارانہ تنقیدوں کے سوا آرٹ اور تصویر (سینما) پر بھی دلچسپ مصور مضمون چھپتے رہیں گے نہ صرف دکن بلکہ تمام اردو دنیا کے اچھے شاعروں اور انشا پردازوں کی نظمیں اور مضمون حاصل کرنے اور چھاپنے کا التزام کیا گیا ہے۔
(۵۴۱)

اس رسالہ کو ابتدا سے ہی ملک کے مشہور اہل قلم کا تعاون حاصل رہا ہے۔ اس کے معاونین میں پروفیسر عبدالقادر سروری، ڈاکٹر زور، علی عباس حسینی، میراجی، پروفیسر مسعود حسن رضوی، پروفیسر سید محمد، پروفیسر نجیب اشرف ندوی، قاضی عبدالغفار، سکندر علی وجد، مخدوم محی الدین، امجد حیدرآبادی، اکبرالدین صدیقی، صفی اورنگ آبادی، شیخ چاند، مغنی تبسم، غلام عمر خاں، ہارون خاں شیروانی، احمد ندیم قاسمی، زینت ساجدہ، ابراہیم جلیس، سلیمان اریب، فراق گورکھپوری، جگر مرادآبادی، خلیفہ عبدالحکیم، محبوب حسین جگر، نصیر الدین ہاشمی، مرزا فرحت اللہ بیگ، عزیز یار جنگ اور عابد علی خاں قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر زور کا بنیادی مقصد دکھنی زبان و ادب کی بازیافت تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے

پیش نظر انہوں نے ادارے سے الگ ہٹ کر بھی بہت کام کیا تھا۔ جب انہوں نے سب رس نکالا تو یہ بنیادی پہلو بھی ملحوظ رکھا کہ دکھنی ادب کے نوادرات اور جواہر ریزوں کو ادبی دنیا سے متعارف کرایا جائے چنانچہ اس کے مشمولات میں اور عنوانات سے صرف نظر کرتے ہوئے دکھنی سے متعلق مضامین کی ایک فہرست درج کی جاتی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کتنے اہم موضوعات کو منتخب کیا اور دنیا کو ان سے روشناس کرایا اور بعد کی تحقیق کے لئے راہیں ہموار کیں۔

(۱) "سلطان محمد قلی قطب شاہ" (از پروفیسر مسعود حسن رضوی) (۲) "نصرتی کا سن وفات" (از سید محمد ایم۔اے) (۳) "وجہی کی سب رس" (از زینت ساجدہ) (۴) "سراج اورنگ آبادی" (از ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور) (۵) "علی عادل شاہ شاہی کے مرثیے" (از نصیر الدین ہاشمی) (۶) "شاہ سراج اور شاہ چراغ" (اورنگ آبادی) (از پروفیسر عبد القادر سروری) (۷) "محمد قلی قطب شاہ کی بارہ پیاریاں" (از ڈاکٹر زور) (۸) "سلطان محمد قطب شاہ" (از میراجی) (۹) "ملا غواصی ملک الشراء" (از میر سعادت علی رضوی) (۱۰) "وجہی اور ابن نشاطی کے اسالیب کا موازنہ" (از محمد معین الدین ایم۔اے) (۱۱) "دکنی بولی" (از میر حسن ایم۔اے) (۱۲) "قدیم اردو (دکھنی) کے ترقی پسند شاعر" (از نصیر الدین ہاشمی) (۱۳) "سب رس تین سو گیارہ سال قبل کی مشہور اردو کتاب" (از ڈاکٹر زور) (۱۴) "بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت (اس کے سلاطین اور مشاہیر) (از سید محمد ایم۔اے) (۱۵) "دکن میں اردو مثنوی کا ارتقاء" (از عبد القادر سروری) (۱۶) "دکن کے مرثیہ نگار شعراء" (از افسر النساء بیگم) (۱۷) "ملا ہاشمی بیجاپوری" (از میر سعادت علی رضوی) (۱۸) "گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت" (از ڈاکٹر زور)۔

اردو میں ادبی رسائل کی تاریخ اس اعتبار سے بہت المناک رہی ہے کہ بہت سے اچھے رسائل کم سنی میں دم توڑ گئے اگر اچھے رسائل کی ایک فہرست مرتب کی جائے تو ان میں ہمایوں، عالمگیر، نیرنگ خیال، ادبی دنیا، ساقی، نگار، حسن، دبدبہ آصفی، دکن ریویو اور اردو کے نام لیے جاسکتے ہیں مگر ان میں اردو اور نگار کو چھوڑ کر بقیہ سب تخلیقی ادب کو اپنا سہارا بنائے ہوئے تھے اور تنقید کبھی کبھی مگر تحقیق کا تصور ان رسائل کے پاس نہ تھا۔ البتہ اردو اور نگار میں تحقیقی اور تنقیدی مضامین شائع ہوتے تھے اور ان کا معیار بھی بلند تھا۔

اردو رسائل کی تاریخ میں "سب رس" وہ واحد رسالہ ہے جس نے نہ صرف اپنے معیار کو بلند رکھا بلکہ گذشتہ ستاون برس سے برابر شائع ہو رہا ہے انگار اور اردو کا محور اور مرکز نیاز فتح پوری اور مولوی عبد الحق کی ذات تھی لیکن سب رس کے ساتھ کوئی ایسی بات نہ تھی حالانکہ اس کے بانی ڈاکٹر زور تھے مگر انہوں نے بھی اپنی ذات کو رسالہ پر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ رسالہ اس اعتبار سے بھی بہت اہم ہے کہ یہ ایک ایسے ادارے کا ترجمان تھا جس کی

حیثیت جنوب میں مرکز علم کی سی ہے۔ پورے ہند و پاک میں یہ واحد ادارہ ہے جس کے پس پشت ایسی کوئی انجمن یا کوئی ایسی تنظیم نہیں ہے جس کے اغراض و مقاصد میں سیاست بھی شامل ہو۔

ایک اہم پہلو اس رسالہ کا یہ بھی ہے کہ اس میں حیدرآباد کی ادبی اور تہذیبی سرگرمیوں کی روداد بھی شائع ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور پہلو جو بہت ہی اہم ہے وہ یہ ہے کہ اس رسالہ نے کئی اہم ادبی شخصیتوں کی تعمیر کی۔ اگر "زمانہ" کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے پریم چند اور "ادبی دنیا" نے کرشن چندر کی ادبی شخصیت کی تعمیر کی ہے تو سب رس کے تعلق سے بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اکبرالدین صدیقی، حمیدالدین شاہد، بشیرالنساء بیگم بشیر اور صاحبزادہ میر محمد علی خاں میکش وغیرہ جیسی شخصیتوں کی تعمیر کی۔

زمانہ، ادبی دنیا اور ساقی وغیرہ نے تخلیق کاروں کو روشناس کرایا تھا اور ان کی ادبی شخصیت بنائی تھی لیکن سب رس نے تخلیق، تنقید اور تحقیق تینوں شعبوں کی تعمیر کی۔

اس رسالہ نے کئی اہم خاص نمبر بھی شائع کیے جن کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔
(۱) "محرم نمبر" (مارچ سنہ ۱۹۳۸ء) (۲) "اقبال نمبر" (جون سنہ ۱۹۳۸ء) (۳) "ایجوکیشنل کانفرنس نمبر" (اگست سنہ ۱۹۳۸ء) (۴) "دکن نمبر" (جنوری سنہ ۱۹۳۹ء) (۵) "اردو نمبر" (جنوری سنہ ۱۹۴۰ء) (۶) "ریڈیو نمبر" (جنوری سنہ ۱۹۴۱ء) (۷) "جنگ نمبر" (مئی سنہ ۱۹۴۲ء) (۸) "سالنامہ نمبر" (مئی سنہ ۱۹۴۲ء) (۹) "اردو کانفرنس نمبر" (اپریل سنہ ۱۹۴۴ء) (۱۰) "ترقی پسند ادب نمبر" (جولائی سنہ ۱۹۴۴ء)

رسالہ "فلم": یہ پندرہ روزہ رسالہ مورخہ ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۳۹ء سے زیر نگرانی سید سعد اللہ قادری میڈل کمیٹی، حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی سید سعد اللہ قادری تھے۔ یہ رسالہ عثمانیہ یونیورسٹی پریس سے اردو اور انگریزی میں طبع ہوتا تھا۔ حصہ اردو کا حجم عموماً بیس تا چوبیس صفحات ہوتا تھا اور اس کا سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔

کہنے کو تو یہ فلمی رسالہ تھا مگر اس میں "ہندوستانی فلموں کے لیے کونسی زبان زیادہ موزوں ہے" کے مستقل عنوان کے تحت اردو زبان پر کافی مضامین لکھے گئے۔ ایک مضمون کا اقتباس ملاحظہ ہو جس سے رسالہ کے معیار اور زاویہ نظر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

"کیا فلم کمپنیوں کے لیے یہ امر ضروری نہیں ہے کہ وہ ایسی فلمیں تیار کریں جس کی زبان ہندوستان کے ہر صوبہ میں تعلیم یافتہ اور ان پڑھ لوگ بھی سمجھ سکیں یقیناً اگر تعصب کی عینک ہٹا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس زبان کی فلمیں کمپنیوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچا سکتی ہیں جو ہر صوبہ میں آسانی سے سمجھی جا سکیں۔ اور یہ زبان صرف "اردو" ہو سکتی ہے۔ ہندوستان کے کسی صوبہ میں چلے جائیے خواہ وہ بمبئی ہو یا پنجاب ہو یا یوپی۔ ہر جگہ آپ کو "اردو"

زبان کے جاننے اور بولنے والے ملیں گے اور آپ ہر صوبہ میں "اردو" کے ذریعہ سے تبادلہ خیال کر سکیں گے۔ لیکن نہ تو کسی دوسری صوبہ داری زبان میں آپ اپنا کام چلا سکتے ہیں اور نہ آپ کی "ہندی" آپ کی مشکل آسان کر سکتی ہے۔ (۵۴۲)

مضامین کی ایک منتخب فہرست درج کی جارہی ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ملک میں اردو کے لسانی موقف اور ذرائع ابلاغ میں اس کی کیا اہمیت تھی۔

(۱) "فلموں کی زبان" (از مولوی نصیر الدین ہاشمی) (۲) "ہندوستانی فلموں کے لئے موزوں زبان" (از پروفیسر ڈاکٹر سید کلیم اللہ حسینی پی ایچ۔ڈی لندن) (۳) "ہند میں فلم کی زبان (از پروفیسر آقا سید محمد علی مولف فرہنگ نظام) (۴) "ہندوستانی فلموں کی زبان" (از مولوی محشر عابدی صاحب ایم ایس۔سی عثمانیہ) (۵) "فلم کی زبان" (از مولوی مرزا عصمت اللہ بیگ) (۶) "فلم اور اردو" (از مولوی سید وزیر حسن صاحب) (۷) "اردو اور فلم ساز" (از مولوی سید امداد اللہ قادری) (۸) "ہندوستان کی بین الاقوامی زبان اردو سے فلم سازوں کا تعصب" (از جناب رضی الرحمن صاحب ادارہ ملیہ)

راقم الحروف کو اس رسالہ کے فبروری سنہ ۱۹۴۰ء تک کے چیدہ چیدہ شمارے ادارہ ادبیات اردو میں دستیاب ہوئے۔

رسالہ "دو آتشہ" (۵۴۳): اس رسالہ کو ماڈرن لٹریری سوسائٹی نے ماہ مئی سنہ ۱۹۳۹ء سے کوچہ چراغ علی حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ اس کے مرتب سید ابراہیم وحید معتمد مظفر الدین محمد خاں اور مہتمم میر مقبول الرحمن اثر تھے۔ یہ رسالہ عثمانیہ المعارف پریس حیدرآباد میں ۶۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ چار روپیہ مع محصول ڈاک تھا۔

یہ رسالہ ماڈرن لٹریری سوسائٹی کا ترجمان تھا۔ اس سوسائٹی کے حسب ذیل اغراض و مقاصد تھے۔

(۱) "حسب ضرورت اردو اور انگریزی میں اخبارات و رسائل جاری کرنا۔" (۲) "مصنفین، مترجمین اور مولفین کی ہر طرح مدد کرنا" (۳) ملک میں مختلف ذرائع سے ادبی و علمی شوق پیدا کرنا اور قوم کی فلاح و بہبود سے متعلق ہر قسم کا عام فہم و ارزاں لٹریچر پیش کرنا۔" (۵۴۴)

یہ رسالہ "ادب برائے ادب" کے مسلک کا حامل تھا۔ اس تعلق سے مرتب رسالہ سید ابراہیم نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا "دو آتشہ اس مسلک کا حامل ہے کہ ادب کو ادب کی خاطر پیش کیا جائے۔" (۵۴۵)

یہ علمی و ادبی رسالہ تھا۔ اس کے مضامین کافی محنت اور تحقیق سے لکھے جاتے تھے۔ اس میں افسانے بھی شائع ہوتے تھے۔ ذیل میں اس کے مشمولات درج کیے جاتے ہیں جس سے اس کی نوعیت و اہمیت اور افادیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۱) "فنون لطیفہ میں موسیقی کا درجہ اور ہندوستانی موسیقی کا جمالیاتی پس منظر" (از شیر محمد خاں) (۲) "مذہب اسلام اور تمدن" (از محمد حامد خاں صاحب الہندی) (۳) "ہندوستان میں اسلامی تہذیب" (از ڈاکٹر سید عبدالطیف صاحب سابق پروفیسر انگریزی جامعہ عثمانیہ) (۴) "شیلے کی زندگی کے چند اہم دلچسپ پہلو" (از جناب میر عزیز الحق صاحب بی۔ اے) (۵) "غزل حضرت فانی بدایونی"

"مجموعہ مقالات علمیہ": اس سالنامہ کو حیدرآباد اکاڈیمی نے سنہ ۱۹۳۹ء میں حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ اس کی مجلس ادارت کے صدر محمد عبدالرحمن خاں اے آر۔ سی۔ ایس۔ سی آنرس (لندن) اور معتمد میر ولی الدین بی۔ اے (عثمانیہ) پی ایچ۔ ڈی (لندن) تھے۔ اور اراکین میں ڈاکٹر سید عبدالطیف، ڈاکٹر محمد نظام الدین، ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ڈاکٹر سید مہدی علی، ڈاکٹر راحت اللہ خاں اور نصیر الدین ہاشمی شامل تھے۔ یہ رسالہ مطبع انتظامی پریس میں عموماً ۱۴۴ تا ۱۹۲ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔

یہ رسالہ حیدرآباد اکاڈیمی کا ترجمان تھا۔ اس اکاڈیمی کے سرپرست شہزادہ نواب اعظم جاہ بہادر سپہ سالار و ولی عہد مملکت آصفیہ اور شہزادی درشہوار دردانہ بیگم ولیہ عہد مملکت آصفیہ اور نائب سرپرست نواب سالار جنگ بہادر تھے۔ اس اکاڈیمی کے حسب ذیل اغراض و مقاصد تھے

(الف) ادبی اور حکمیاتی صحیح ذوق کی آبیاری کے لیے۔

(۱) "مشترکہ دلچسپیاں رکھنے والے ارکان کی وقتاً فوقتاً ہم بزمی اور تبادلہ خیالات نیز باہم عملی تعاون کے مواقع فراہم کرنا۔

(۲) اپنا ایک مجلہ جاری کرنا یا مجموعہ مقالات شائع کرنا۔

(۳) سرمایہ اور وسائل فراہم ہونے پر اپنے اراکین کی تالیفین طبع کرانا۔

(ب) اپنے ارکان کے حق تصنیف و ایجاد کا تحفظ کرنا۔" (۵۴۶)

یہ ایک بہت ہی اہم اور معیاری رسالہ تھا جس میں ادبی موضوعات کے علاوہ تاریخی، تمدنی، فلسفیانہ، اقتصادی، سائنس اور تعلیمی موضوعات پر عالمانہ اور معیاری مقالے شائع کیے جاتے تھے۔ اس رسالہ کو جن مشہور اہل قلم کا تعاون حاصل تھا ان میں محمد عبدالرحمن خاں، ڈاکٹر کلیم اللہ قادری، ڈاکٹر میر ولی الدین، ڈاکٹر سید مہدی علی استاد جامعہ عثمانیہ، پروفیسر عبدالمجید صدیقی، ڈاکٹر حمید اللہ، رضی الدین صدیقی اور ڈی۔ ڈی شنڈار کر قابل ذکر ہیں۔

ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے جس سے اس کی نوعیت اور اہمیت اور معیار کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۱) "اقبال کا نظریہ زمان و مکان" (از رضی الدین صدیقی) (۲) "فارسی شاعری میں رمزیہ

اشارے " (از مظہر علی خاں) (۳) "فارسی شاعری کاآغاز اور اس کی تاریخ" (از ڈاکٹر سید کلیم اللہ قادری) (۴) "اقبال کا نظریہ عقل و عشق" (از ڈاکٹر ولی الدین) (۵) "جوہری توانائی" (از محمد عبدالرحمن خاں صدر حیدرآباد اکاڈیمی) (۶) "انسانوں اور جانوروں کا اکتساب" (از ڈی ۔ ڈی شنڈارکر) (۷) "سیاروں پر زندگی کے امکانات" (از محمد عبدالرحمن) (۸) ہندوستان کے اسلامی عہد میں تعلیم و تعلم" (از سید مناظر احسن گیلانی) (۹) "تعلیمی تنظیم مابعد جنگ" (از مولوی محمد یوسف) (۱۰) "جاہلیت عرب کے معاشی نظام کا اثر پہلی مملکت اسلامیہ کے قیام پر" (از ڈاکٹر حمید اللہ)۔

یہ رسالہ ۱۹۴۷ء تک پابندی سے شائع ہوتا رہا۔

"سب رس **معلومات**": یہ ماہ نامہ ماہ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء (۵۴۷) میں زیر نگرانی ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، خیرت آباد حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کی مجلس ادارت میں صاحبزادہ میر محمد علی خاں میکش، محترمہ سکینہ بیگم، خواجہ حمید الدین شاہد، عبدالحفیظ صدیقی اور معین الدین احمد انصاری تھے۔ یہ رسالہ ابتدا میں اعظم اسٹیم پریس میں طبع ہوتا تھا بعد میں دوسرے مطابع میں طبع ہونے لگا۔ اس کا حجم عموماً سولہ صفحات ہوتا تھا اور سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔

یہ ایک مفید علمی رسالہ تھا جو ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن کے ماہ نامہ "سب رس کا ضمیمہ تھا جس میں تاریخی، صنعت و حرفتی، تعلیمی اور سائنسی، مشاہیر کی سوانح عمریاں، مسابقتی امتحانات سے متعلق معلومات، کھیل کی خبریں، حالات حاضرہ پر تبصرہ شائع کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ سیاسی خبریں بھی درج کی جاتی تھیں۔

اس ضمیمے کا اصل مقصد یہ تھا کہ جو طلبا حیدرآباد یا برطانوی ہند کے مسابقتی امتحانات میں حصہ لینے کے خواہشمند تھے ان کے لیے زبان اردو میں قیمتی معلومات اور اس تعلق سے تمام ضروری مواد فراہم کرنا تھا۔

ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے جس کے مطالعے سے اس کی نوعیت، اہمیت و افادیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۱) "کمال اتاترک" (از عبدالحفیظ صدیقی) (۲) "چند مشاہیر" (از میر عزیز الحق صاحب) (۳) آب دوز کشتیاں" (از فیض محمد صاحب صدیقی) (۴) "ہماری تعلیمی زبان" (از پروفیسر عبدالقادر سروری) (۵) "اردو اور صحافت" (از بدر الدین شکیب) (۶) "جین آسٹن" (از عزیز رضوی) (۷) "آج کل کے اردو رسالے" (از ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور) (۸) "صنعتی انقلاب انگلستان کے اثرات" (از آغا محمد بیگ) (۹) "قدیم دڑاوڑی تہذیب" (از رابعہ بیگم) (۱۰) "دیوجانس کلبی" (از بشیر احمد صاحب) (۱۱) "موجودہ جنگ اور دنیائے اسلام" (از محمد جلال

الدین جعفر)

رسالہ "سیاست" یہ رسالہ ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء میں ڈاکٹر یوسف حسین خان ریڈر شعبہ تاریخ و سیاسیات جامعہ عثمانیہ کی زیر ادارت حیدر آباد دکن سے جاری ہوا۔ یہ اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد میں عموماً ۱۵۰ تا ۲۰۰ صفحات پر طبع ہوتا تھا اس کا سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔

یہ سہ ماہی رسالہ تھا جو ماہ جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا تھا یہ خالص علمی، سیاسیاتی رسالہ تھا جس میں سیاسی اور اجتماعی زندگی کے مسائل پر اعلیٰ اور معیاری علمی مضامین شائع ہوتے تھے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان خود "سیاست" کے استاد تھے اور اس موضوع پر انہوں نے کئی مضامین بھی لکھے تھے۔ ڈاکٹر صاحب لفظ "سیاست" کی تشریح اور علم سیاست کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"(سیاست) یہ لفظ اگر چہ آج کل محدود معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کے معنی بہت وسیع ہیں اور یہ ہماری بہت پرانی اصطلاح ہے ایک زمانہ میں "سیاست مدن" اور "تدبیر منزل" کی اصطلاحیں مظاہر اجتماعی کے پورے مفہوم پر حاوی تھیں۔

سیاسیات ایک تمدنی علم ہے اور اس کا موضوع بحث مملکت ہے اس علم میں مملکت کی ماہیت مقصد اور اس کے خارجی مظہر یعنی حکومت کی مختلف شکلوں سے بحث کی جاتی ہے سیاسیات علم ہونے کے ساتھ ساتھ فن بھی ہے سیاسی مظاہر کے علت و معلول کے سلسلے کی چھان بین کے ساتھ ہم سیاسیات سے موجودہ حالات کے لئے رہبری کا کام بھی لے سکتے ہیں اگر چہ اس کی نظری نوعیت عام اور تجریدی اصولوں سے بحث کرتی ہے لیکن اس کے عملی پہلو کے پیش نظر موجودہ اور متعین ادارت کا مقابلہ اور ان کی تحقیق ہوتی ہے چنانچہ اس کے تحت کسی مخصوص سیاسی نظام کو بروے کار لانے کی تدبیر پر غور کیا جاسکتا ہے۔" (۵۴۸)

آگے چل کر وہ رسالہ کی پالیسی اور مقاصد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اس کا مقصد یہ ہے کہ سیاسی اور اجتماعی زندگی کے پیچیدہ مسائل کو صاف اور سلیس زبان کے ذریعہ اردو دان طبقہ میں مقبول بنایا جائے اور جدید تمدن کے مختلف پہلوؤں پر دنیا کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں میں جو تخلیق ہو اسے اردو میں منتقل کیا جائے۔ یہ خالص علمی رسالہ ہے جس میں حیات اجتماعی کے مختلف مسائل پر غیر جانبداری کے ساتھ بے لاگ تحقیق کے نتایج شائع ہوتے ہیں اور کسی خاص جماعت یا مسلک کے خیالات کی نشر و اشاعت سے احتراز کیا جاتا ہے۔ علمی اور بعض اوقات مختلف فیہ مسائل پر بھی ہمارے صفحات میں جو بحث ہوگی وہ بھی علمی انداز میں ہوگی"۔ (۵۴۹)

ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی فہرست درج کی جاتی ہے ۔
(۱) "عہد نبوی میں سیاست کاری" (از ڈاکٹر حمید اللہ صاحب استاد جامعہ عثمانیہ) (۲) "مشین اور معاشرہ" (از سید وہاج الدین صاحب) (۳) "برطانوی دستور کی خصوصیات" (از ایڈیٹر) (۴) "جنگ یورپ" (از ایڈیٹر) (۵) "ترکی اور ممالک بلقان کا نیا محاذ" (از قاضی عبد الغفار) (۶) "ہندوستان کا سیاسی مستقبل" (از ایڈیٹر) (۷) "وضع قوانین کے ذریعہ عمرانی اصلاح" (از سید جعفر حسن ریڈر عمرانیات) (۸) "سیاست کا موضوع اور اس کا طریق تحقیق" (از ایڈیٹر) (۹) "ہندوستان کی آبادی کا مسئلہ" (از ڈاکٹر انور اقبال صدر شعبہ معاشیات جامعہ عثمانیہ) (۱۰) "آئرستان کی سیاسی جدوجہد میں دانیال او کانل کا کارنامہ" (از خواجہ سرور حسن صاحب) (۱۱) "وفاق ہند کے تصور کا ارتقاء اور دیسی ریاستیں" (از مولوی احمد صدیقی صاحب) (۱۲) "تاریخ کی معاشی تعبیر" (از جناب محمد عبد القادر صاحب) (۱۳) "زمانہ جنگ کے بعض معاشی مسائل" (از عبد الطیف صاحب رضوی استاد معاشیات جامعہ عثمانیہ) (۱۴) "اقبال کا فلسفہ تمدن" (از ایڈیٹر) (۱۵) "نئی سیاست" (از پروفیسر محمد مجیب صاحب (آکسن) (۱۶) "اشتمالی روس" (از مولوی شاہد حسین صاحب رزاقی) ۔

اس فہرست کے مندرجات سے رسالے کے موضوعات کی ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے ۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب نے لفظ سیاست استعمال کیا ہے لیکن نظری پہلو کے لئے لفظ سیاسیات زیادہ موزوں ہے علمی پہلو کے لئے لفظ سیاست، سیاسیات کے خشک علمی مسائل کو اور سیاسیات کے قانون اور معاشیات وغیرہ سے تعلق کو پیش کرنا بہت مشکل کام ہے ۔ آج سے چالیس سال قبل بعض رسائل میں سیاسیات کے موضوع پر تو خامہ فرسائی کی جاتی تھی لیکن سیاسیات کے تمام نظری پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے خالص اس موضوع سے متعلق کسی رسالہ کا وجود مشکل سے ہی ملے گا ۔ انیس الرحمن کا رسالہ "زندگی" سنہ ۱۹۴۵ء کے بعد کی پیداوار ہے ۔

گلدستہ ارم / ارم یہ ماہ نامہ یکم مئی سنہ ۱۹۴۰ء کو ارشاد محمد خان کی ادارت میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا ۔ یہ مسعود دکن پریس کالی کمان حیدرآباد میں عموماً ۳۲ تا ۶۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا ۔ اس کا سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا ۔ یکم جولائی سنہ ۱۹۴۰ء سے یہ رسالہ شکیلہ جی ۔ ایم خان کی ادارت میں نکلنے لگا تھا اس کے شریک مدیر آزاد بی ۔ اے تھے ۔ پھر اپریل / مئی ۱۹۴۵ء سے یہ رسالہ دوبارہ ارشاد محمد خان کی ادارت میں شائع ہونے لگا ۔ جنوری سنہ ۱۹۴۲ء سے رسالہ کا نام بجائے "گلدستہ ارم" کے صرف "ارم" رکھا گیا ۔ اس رسالہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا ۔

تخیلات کسی محفل کی شمع ہے بیشک
ارم کے نام سے روشن دماغ ہوتا ہے

اس رسالہ میں نفسیاتی، سائنسی، صنعت و حرفتی، معاشرتی، تعلیمی، تفریحی اور معلوماتی

مضامین شائع ہوتے تھے اس کے علاوہ نظمیں و غزلیں بھی چھپتی تھیں ۔ اس رسالہ کا مقصد نئے لکھنے والوں کی ہمت افزائی کرنا تھا ۔ چنانچہ اس تعلق سے مدیر رسالہ لکھتے ہیں ۔ " نونہالوں کی مشق اور جولانی طبع کو جگہ دینے کے لئے اس رسالے کو نکالا جارہا ہے ۔ " (۵۵۰)

اپریل / مئی سنہ ۱۹۴۵ء میں جب اس کی ادارت کی ذمہ داری دوبارہ ارشاد محمد خان نے قبول کی تو انہوں نے اس (رسالہ) کو جدید ادبی رجحانات کا ترجمان بنادیا اور اس کے ادبی معیار کو بہتر بنانے کے لئے مشہور انشاپردازوں کا تعاون بھی حاصل کیا چنانچہ ان کی کوششوں کی وجہ سے بعض اہم اور فکر انگیز مضامین بھی اس میں شائع ہوئے ۔

اس رسالہ نے ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء میں " عید نمبر " اور ماہ تیر سنہ ۵۲ ۱۳ف میں " اقبال نمبر " بھی شائع کیا تھا ۔

رسالہ " معلومات " اس مصور نامہ کو محکمہ اطلاعات حیدرآباد دکن نے ماہ آذر سنہ ۱۳۵۰ف اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء میں حیدرآباد دکن سے جاری کیا ۔ یہ رسالہ دارالطبع سرکار عالی میں ٹائپ میں طبع ہوتا تھا ۔

یہ محکمہ اطلاعات حیدرآباد کا ترجمان تھا ۔ ابتداء میں اس محکمہ کا نام سررشتہ معلومات تھا اس کا قیام سنہ ۱۹۳۱ء میں عمل میں آیا تھا ۔ اس کے فرائض یہ تھے کہ مملکت حیدرآباد کی اخلاقی اور مالی ترقی کے متعلق سالانہ رپورٹ تیار اور شائع کرے جیسا کہ برطانوی ہند میں کیا جاتا تھا ۔ اس رپورٹ میں نہ صرف اعداد شمار ہوتے تھے بلکہ تصویروں کے ساتھ دلچسپ پیرایہ میں مواد پیش کیا جاتا تھا ۔ کوئی محکمہ اس بات کا مجاز نہ تھا کہ سررشتہ معلومات عامہ کے توسط کے بغیر کوئی گشتی یا مضمون پریس میں طباعت کے لئے روانہ کرے ۔ (۵۵۱)

یہ رسالہ اردو کے علاوہ انگریزی ، تلگو ، کنڑی اور مرہٹی میں بھی شائع ہوتا تھا یہ سرکاری رسالہ تھا جیسا کہ اس طرح کے رسالوں میں حکومت کا پروپگنڈہ کیا جاتا ہے ۔ اس طرح اس رسالہ میں بھی گورنمنٹ کے نقطہ نظر کی وضاحت کی جاتی تھی ۔ اور ریاست حیدرآباد میں ہونے والے مختلف ترقیاتی پروگراموں کی تفصیلات بھی شائع ہوتی تھیں ۔ اس کے علاوہ ایسے مضامین بھی شائع کئے جاتے تھے جو اخلاقی اعتبار سے اعلیٰ نقط نظر کے حامل ہوں اور ان سے ریاست کے حکمرانوں کو انتظامیہ کے سیاسی رخ میں مدد ملے مثلاً فرقہ وارانہ ہم آہنگی یا زبان کے غیر فرقہ واری ہونے کا تصور ۔ یہ مضامین اخلاقی اعتبار سے بھی بہت بہتر ہیں اور دیسی ریاست کے انتظامیہ کے لئے بھی ، غیر فرقہ واریت کا پروپگنڈہ بھی اس لئے اہم تھا کہ یہاں اقتدار اقلیت کے ہاتھ میں تھا اور اکثریت بہر حال محکوم تھی ۔

رسالہ " مومنہ " یہ ماہ نامہ محرم سنہ ۱۳۶۰ھ فبروری سنہ ۱۹۴۱ء میں کنہ حسین ساگر حیدرآباد دکن سے جاری ہوا ۔ یہ رسالہ محترمہ صبیحتہ النساء بیگم اور محترمہ صغریٰ بیگم کی ادارت

میں شائع ہوتا تھا اور ابو محمد مصلح کی نگرانی میں آعظم اسٹیم پریس میں عموماً بتیس صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔

یہ خواتین کا رسالہ تھا اس کے اجرا کا مقصد بتلاتے ہوئے محترمہ صبیحۃ النساء نے لکھا "مومنہ کے اجرا کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ طبقۂ نسوان کی صحیح خدمت انجام دی جائے"۔

یہ رسالہ دو سال جاری رہ کر بند ہو گیا تھا پھر محرم سنہ ۱۳۶۵ھ ڈسمبر ۱۹۴۵ء سے دوبارہ شائع ہونے لگا۔ اس بار اس میں بچیوں کے صفحات کے مستقل عنوان کے تحت بچیوں کی دلچسپی کے لئے کہانیاں لطیفے وغیرہ بھی درج کئے جانے لگے۔

رسالہ "گاؤں سدھار" اس ماہ نامہ کو صدر جمعیتہ اتحاد باہمی (۵۵۲) نے ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء میں حیدرآباد دکن سے جاری کیا اس کے چیف ایڈیٹر سید محمد نواب اور ایڈیٹر محمد عبدالقوی بی۔ اے تھے۔ یہ رسالہ انتظامی پریس حیدرآباد دکن میں عموماً ۳۲ تا ۸۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔

اس رسالہ کی اشاعت کے اغراض مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے ایڈیٹر رسالہ اداریہ میں لکھتے ہیں۔

> "اس کا نصب العین دیہات سدھار۔ کاشتکاروں کی فلاح و بہبود اور قوم کی اجتماعی ترقی ہے۔ "گاؤں سدھار" گاؤں والوں کا ترجمان ہے "گاؤں سدھار" ان امور کا مناسب اور اطمینان بخش حل جو کسان کی زندگی اور دیہی طبقہ کی خوشحالی سے متعلق ہے۔ "گاؤں سدھار" کے صفحات پر زیادہ تر ایسے ہی مضامین پیش کئے جائیں گے جنہیں پڑھکر ایک معمولی دیہاتی اور ایک شد بد جاننے والا کسان کچھ معاش یا معاشرتی فائدہ حاصل کرے۔
>
> دیہی تنظیم کا مقصد جیسا کہ ہر شخص جانتا ہے بہتر زراعت بہتر معاملت اور بہتر معاشرت ہے "گاون سدھار" میں صرف ایسے ہی مضامین رہیں گے جن کا تعلق مندرجہ بالا امور سے دیہات کو مادی ترقی دینا ہمارا مطمع نظر ہے اور کسان کو خوشحال رکھنا ہمارا مسلک ہوگا۔" (۵۵۳)

یہ رسالہ ایک اہم مقصد کو پیش نظر رکھکر نکالا گیا تھا چنانچہ اس میں اکثر مضامین اسی موضوع پر شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اس میں زراعت، صنعت و حرفت مویشیوں کے امراض، ان کے علاج، ملک کے غذائی مسائل پر مفید اور کارآمد مضامین درج کئے جاتے تھے اور نظمیں و غزلیں بھی چھپتی تھیں اس کے علاوہ محکمہ زراعت کی جدید تحقیقات اور اس محکمہ کی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی شائع کی جاتی تھیں۔

اس رسالہ میں غلہ کی چوربازی یا بلیک مارکٹنگ کو دور کرنے کے لئے حکومت وقت کو

مشورے بھی دیئے جاتے تھے۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے ڈسمبر سنہ ۱۹۴۴ء تک کے شمارے ادارہ ادبیات اور اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ "جیت" یہ مصور ماہ نامہ سنہ ۱۳۵۱ف (۵۵۴) م ماہ اگسٹ سنہ ۱۹۴۲ء سے حسب منظوری مجلس عاملہ اغراض جنگ فنڈ اور زیر نگرانی جناب سجاد مرزا صاحب خیرت آباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر جناب مرزا عصمت اللہ بیگ صاحب تھے۔ یہ رسالہ آعظم اسٹیم پریس میں عموماً ۳۲ تا ۴۸ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ معہ محصول ڈاک چار روپیہ تھا۔

یہ رسالہ فوجیوں کے لئے نکالا گیا تھا۔ اس رسالہ کے اجراء کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے مولوی سجاد مرزا صاحب لکھتے ہیں "سپاہیوں کی ذہنی چستی، دماغی تازگی اور اپنے وطن کی یاد کے لئے موزوں لٹریچر مہیا کیا جائے۔ نہ صرف حیدرآبادی فوج بلکہ سرکار انگریزی کی ہندوستانی فوج کے لئے بھی اردو زبان میں ایسا لٹریچر فراہم کرنے کی ضرورت ہے جو تھکے ماندے یا زخمی سپاہوں کی پژمردگی اور کلفت دور کرنے ان میں چستی اور تازگی پیدا کرنے اور ان کی خوش مزاجی کا باعث ہو"۔ (۵۵۵)

اس رسالہ میں ہلکے پھلکے مزاحیہ مضامین اور غزلیں و نظمیں، لطیفے اور دلچسپ قصے کہانیاں اور حب الوطنی کے جذبے سے سرشار مضامین درج ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ فوجی مضامین یعنی فوجی اسلحہ۔ فوجی ترقیات اور دوسرے ممالک میں نئے اور جدید فوجی ساز و سامان کی تیاری سے متعلق مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ اس رسالہ میں زیادہ تر مرزا فرحت اللہ بیگ اور اکبرآلہ آبادی کے مضامین اور نظمیں چھپتی تھیں۔

راقم الحروف کو اس ماہ نامہ کے جولائی سنہ ۱۹۴۶ء تک کے چیدہ چیدہ شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ "پیام ادب" پیام ادب کا پہلا شمارہ ماہ سمتبر سنہ ۱۹۴۳ء (۵۵۶) میں زیر نگرانی فصیح انصاری جاری ہوا۔ اس ماہوار رسالہ کے ایڈیٹر سید عبدالوہاب اور مینجنگ ڈائرکٹر چودھری اقبال سلیم گاہندری تھے۔ لیکن دوسرے ہی مہینے انصاری صاحب کا نام ہٹ گیا لیکن جون سنہ ۱۹۴۴ء کے شمارے میں سید عبدالوہاب اور محمد اقبال سلیم گاھندری کے نام ادارہ تحریر میں ہیں۔ اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء کے شمارے میں صرف چودھری سلیم گاھندری درج ہے اور انہیں مینجنگ ڈائرکٹر لکھا گیا ہے۔ لیکن جون سنہ ۱۹۴۴ء میں ان کا نام چودھری محمد اقبال سلیم گاھندری لکھا گیا ہے۔

یہ رسالہ ادارہ اشاعت اردو کی جانب سے عابد روڈ حیدرآباد دکن سے شائع ہوتا تھا اس کا

سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ طباعت اعظم اسٹیم پریس میں ہوتی تھی۔ اس کا حجم عموماً ۴۶ تا ۸۴ صفحات ہوتا تھا۔

رسالہ کی پالیسی بہت گنجلک معلوم ہوتی ہے ایک طرف اس کے لکھنے والوں میں اختر حسین رائے پوری، احمد ندیم قاسمی اور ساغر نظامی وغیرہ ہیں جو ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہیں دوسری طرف ماہر القادری اور محمود محتسب جیسے لوگ بھی ہیں جو ترقی پسند ادب کے خلاف ہیں پہلے شمارے کے اداریے میں لکھا گیا ہے کہ " رسالہ ترقی پسند ادب کی فحاشی اور حیا اور عفت کو ذبح کرنے والے عناصر کو پر جوش قومی اور مجاہد کی حیثیت سے رونما ہوا ہے "۔

اس کے معاونین میں ڈاکٹر سید سجاد، حسرت موہانی، شبیر محمد خان، خورشید احمد جامی، کوثر چاند پوری، شوکت تھانوی، جیسے مشہور اہل قلم تھے۔ اس رسالے کے بعض مضامین بہت ہی فکر انگیز ہوا کرتے تھے۔

رسالہ " خیابان دکن " یہ ماہ نامہ جنوری سنہ ۱۹۴۴ء میں بسر پرستی بیگم نواب کمال یار جنگ بہادر حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کی مدیرہ حمیدہ عسکر علی اور معاون ذکیہ سعید اور اعظم مرزا محمد علی بیگ صاحب تھے۔ یہ رسالہ مطبع حسینی بازار نور الامرا حیدرآباد میں عموماً ۴۸ تا ۸۰ صفحات پر طبع ہوتا تھا اس کا سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔ ڈسمبر سنہ ۱۹۴۵ء سے یہ رسالہ وحشی جونپوری کی ادارت میں نکلنے لگا۔

یہ خواتین کا رسالہ تھا۔ اس کی اشاعت کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے مدیرہ رسالہ مذکور نے لکھا۔

> " میرے پیش نظر، " خیابان دکن " کے ذریعے خواتین میں صحیح علمی و ادبی ذوق پیدا کرنا اور ان کے معاشی اور معاشرتی مسائل کی گتھیوں کو سلجھانا ہے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے بخوبی واقف ہو کر اپنی زندگی کی کٹھن منزلیں خوشگوار اور پر سکون طریقے سے طے کر سکیں "۔ (۵۵)

اس رسالہ میں عموماً تعلیم نسوان۔ بے جوڑ شادیوں کے نتائج، شوہر کی خدمت، بچوں کی تعلیم و تربیت۔ عورت اور سماج، عورت کی معاشی زندگی، پردے کی اہمیت اور حقیقت، کیا مشرقی عورت رفتار زمانہ کا ساتھ دے سکتی ہے؟ جیسے موضوعات پر مضامین ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ دستکاری اور پکوان کی ترکیبیں بھی درج کی جاتی تھیں۔ افسانے اور نظمیں و غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں۔

اس رسالہ کو جن مقامی و بیرونی انشا پردازوں اور شاعروں کا تعاون حاصل تھا ان میں پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، نصیر الدین ہاشمی، مجنوں گورکھپوری، میکش حیدرآبادی، ضامن کنتوری، محترمہ زینت ساجدہ، صفی اورنگ آبادی، مخدوم محی الدین اور میر اکبر علی خان قابل

ذکر ہیں۔

رسالہ "ضیا الایمان" یہ رسالہ ماہ محرم سنہ ۱۳۶۴ھ ا ڈسمبر سنہ ۱۹۴۴ء میں زیر سرپرستی محمد اسحاق حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر محمد یعقوب ضیائی و محمد ایوب تھے۔ یہ رسالہ اعظم اسٹیم پریس مغلپورہ حیدرآباد میں تیس صفحات پر طبع ہوتا تھا اس کا سالانہ چندہ ایک روپیہ آٹھ آنے تھا۔

یہ سہ ماہی رسالہ تھا جو ماہ محرم۔ ربیع الثانی، رجب اور شوال میں شائع ہوتا تھا یہ جماعت سلیمانی کا ترجمان تھا۔ مگر اس میں علمی و ادبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے اور نظمیں و غزلیں بھی چھپتی تھیں۔ اس اعتبار سے اس رسالہ کی اہمیت تھی کہ یہ مسلمانوں کے نسبتاً بہت ہی کم معروف فرقے کی ترجمانی کے فرائض انجام دیتا تھا۔

رسالہ "دکن ریڈیو / نوا" نشرگاہ حیدرآباد دکن کے قیام کے بعد اس نشرگاہ سے ابتداء میں سنہ ۱۹۳۹ء میں ایک کتابچہ ہر پندرہ روز کو "دکن ریڈیو" کے نام سے اردو اور انگریزی میں ایک ساتھ شائع ہونے لگا تھا اس میں صرف ریڈیو پروگرام کی تفصیلات اور نظام الاوقات درج ہوتا تھا۔

ماہ آذر سنہ ۱۳۵۵ف م ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء سے اس کا نام "نوا" رکھا گیا۔ اب یہ مکمل رسالہ کی صورت میں صرف اردو زبان میں مہینے میں دو بار شائع ہونے لگا۔ اس میں ریڈیو پروگرام اور نظام الاقات کے علاوہ علمی و ادبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے اس کے علاوہ نظمیں و غزلیں بھی درج کی جاتی تھیں۔

یہ رسالہ دارالطبع سرکار عالی حیدرآباد دکن میں طبع ہوتا تھا۔

رسالہ "پروگرام بلیٹن / ندا" نشرگاہ اورنگ آباد کے پروگرام کی تفصیل ابتداء میں "پروگرام بلیٹن" کے نام سے سنہ ۱۳۵۰ف سے ماہوار شائع ہونے لگی تھی ماہ جون سنہ ۱۹۴۶ء سے اس کا نام "ندا" رکھا گیا۔ یہ لفظ نظام العمل۔ دکن ریڈیو اورنگ آباد کا مخفف تھا۔ اس کا حجم عموماً ۱۸ تا ۲۸ صفحات ہوتا تھا اور یہ ٹائپ میں طبع ہوتا تھا اس کا سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔

اس رسالہ میں نشرگاہ اورنگ آباد کے پروگراموں کی تفصیلات اور نظام الاوقات درج ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس میں علمی و ادبی مضامین اور نظمیں و غزلیں وغیرہ بھی شائع ہوتی تھیں اور بچوں کا صفحہ کے عنوان سے دلچسپ اور نصیحت آمیز قصے کہانیاں اور نظمیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ یہ رسالہ ڈسمبر سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی جاری رہا۔

رسالہ "ایوان" یہ ماہ نامہ فبروری سنہ ۱۹۴۷ء (۵۵۸) میں معظم جاہی مارکٹ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے مالک و ایڈیٹر سید مختار محمد کرمانی اور مہتمم شفیع اختر صاحب تھے۔ یہ رسالہ مطبع مکتبہ ابراہیمہ ناسپلی۔ حیدرآباد میں عموماً ۶۴ تا ۸۸ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔

اس کا سالانہ چندہ چار روپیہ آٹھ آنہ تھا۔ یہ علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں ہر ماہ ادبی، تاریخی صنعتی، اصلاحی، معاشی موضوعات پر مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ افسانے ڈرامے نظمیں و غزلیں اور علمی دنیا کی خبریں بھی درج کی جاتی تھیں۔ اس میں کتابوں اور رسالوں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا۔

اس رسالہ میں بعض اہم موضوعات پر علمی و ادبی مضامین شائع ہوتے تھے جن کی ایک مختصر فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) "علمی اردو" (از ڈاکٹر محمد نظام الدین) (۲) "ترقی پسند ادب کیا ہے" (از جناب ماہر القادری) (۳) "ایرانی فن تصویر" (از جناب امجد علی نقاد) (۴) "گھریلو صنعت" (از جناب جے عبدالمجید صاحب) (۵) "جواریوں کی نفسیات" (از حاجی بشیر احمد خان) (۶) "حضرت جلیل کا فنی مقام" (از علامہ حیرت بدایونی) (۷) "نظام الملک آصف جاہ اول" (از سید خورشید علی صاحب) (۸) "تعمیری ادب" (از جناب اختر انصاری اکبرآبادی)

یہاں اس بات کا تذکرہ غیر ضروری نہ ہوگا کہ اس رسالہ میں زیادہ تر افسانے اور غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ اس رسالہ کو جن شعراء کا تعاون حاصل تھا ان میں حضرت جگر مرادآبادی، اختر انصاری، ساحر لدھیانوی، مجروح سلطان پوری، جوش ملیح آبادی، عرشی بھوپالی، قدیر لکھنوی، حیرت بدایونی اور ماہر القادری قابل ذکر ہیں۔

یہ رسالہ سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی جاری رہا۔

رسالہ "مینا" یہ ماہوار رسالہ ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۷ء (۵۵۹) میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے مدیر تمکین کاظمی اور معاون مدیر شیام موہن لال جگر بریلوی، حیدر صدیقی اور تسکین عابدی تھے۔ یہ رسالہ اعظم اسٹیم پریس، حیدرآباد میں عموماً ۹۶ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ رعایتی چندہ آٹھ روپیہ تھا۔

یہ علمی و ادبی رسالہ تھا۔ اس میں ادبی، لسانیاتی، تاریخی تمدنی معاشرتی اور طبعی موضوعات پر مضامین شائع کئے جاتے تھے اس کے علاوہ افسانے اور نظمیں و غزلیں بھی چھپتی تھیں۔

یہ ایک اہم اور معیار رسالہ تھا جو قدیم اور جدید رنگ کا حامل تھا۔ خصوصاً اس کی نظمیں ترقی پسند زاویہ نگاہ سے لکھی جاتی تھیں اور مضامین کافی محنت اور تحقیق سے لکھے جاتے تھے اس رسالہ کے پہلے شمارے میں جناب امتیاز علی خان عرشی کا مضمون "اردو زبان کی بناوٹ میں افغانوں کا حصہ" شائع ہوا تھا۔ اس رسالہ میں جو مضامین شائع ہوتے تھے ان کی ایک منتخب فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) "اصلاح زبان اور خواتین" (از آمنہ خاتون) (۲) "امریکہ میں تہذیب و تمدن کی نگہداشت" (از سید یوشع) (۳) "عورت اور آزادی" (از بیگم ارجمند مسیح الزماں) (۴) "شاہان

سلف کی علمی تفریحات " (از ابرار حسین فاروقی) (۵) شاعر (از تمکین کاظمی) ۔
رسالہ " تجارتی دنیا " یہ ماہ نامہ ماہ جولائی سنہ ۱۹۴۷ء میں افضل گنج حیدرآباد دکن سے جاری ہوا ۔ اس کے ایڈیٹر محمد فخرالدین خان فخر نظامی تھے ۔ یہ رسالہ صحیفہ پریس میں عموماً ۴۸ تا ۶۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا ۔ اس کا سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا ۔

اس رسالہ میں صنعت اور حرفت اور معاشیات کی تعلیم اور تجارت کے موضوع پر مضامین شائع ہوتے تھے ۔ اس رسالہ کا اصل مقصد ملک کے نوجوانوں کو بیکاری اور بیروزگاری سے نجات دلاکر صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف راغب کرانا تھا ۔ چنانچہ اس مقصد کے تحت اس رسالہ میں دنیا کے بڑے بڑے صنعت کاروں اور تاجروں کے واقعات زندگی درج کئے جاتے تھے اور یہ بتلایا جاتا تھا کہ انھوں نے کس طرح معمولی سرمایہ سے محنت اور لگن کے ساتھ کام کرکے کتنی جلد ترقی کی منزلیں طے کیں اور کیسے دنیائے صنعت و تجارت میں اپنا نام پیدا کیا اس کے علاوہ اس رسالہ میں تجارت کے موضوع پر افسانے ڈرامے اور نظمیں بھی شائع کی جاتی تھیں ۔ اور ہر ماہ امجد حیدرآبادی " گلستان امجد " کے عنوان سے سعدی کی گلستان کا ترجمہ سادہ اور سلیس زبان میں کرتے تھے ۔
رسالہ " سازِ نو " یہ ماہ نامہ ماہ اگسٹ سنہ ۱۹۴۷ء میں سید احمد علی حسینی فکر کی ادارت میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا ۔ یہ رسالہ تاج پریس چھتہ بازار حیدرآباد میں عموماً ۴۸ تا ۶۰ صفحات پر طبع ہوتا تھا اس کا سالانہ چندہ پانچ روپیے تھا ۔

اس رسالہ کی اشاعت اور مقاصد پر روشنی ڈلتے ہوئے ایڈیٹر رسالہ مذکور نے لکھا " سازِ نو " اپنے منشا اور مقصد کے لئے ایک ایسا ماہ نامہ ہوگا جو علم و ادب کے خدا لگتے رجحانات اور صالح اخبار کو اس طرح پیش کرے گا کہ اس میں تہذیب کے لئے مولوی کا مبالغہ نہ ہوگا سیاست کے لئے لیڈر کی چرب زبانی نہ ہوگی اور ادب و اخلاق کے لئے الفاظ کا گورکھ دھندا نہ ہوگا ۔ سیدھی سادھی ٹھیک باتیں زندگی کے عملی پہلوؤں کو سامنے رکھ پیش کی جائیں گی " ۔ (۵۶۰)

اس رسالہ میں ادبی ، تنقیدی ، اور طبی موضوعات پر شگفتہ انداز میں مضامین لکھے جاتے تھے ۔ اس میں عموماً دکن کے اہل قلم کی نگارشات شائع ہوتی تھیں جن میں حسینی شاہد ، رفیعہ سلطانہ ایم ۔ اے (عثمانیہ) ، محبوب حسین جگر ، امجد یوسف زئی ، میکش حیدرآبادی ، نظر حیدرآبادی وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔
رسالہ " جان نثار " یہ سہ ماہی رسالہ ماہ مہر سنہ ۱۳۵۶ اف (۵۶۱) م اگسٹ سنہ ۱۹۴۷ء کو ہیڈ کوارٹر حیدرآباد آرمی ، حیدرآباد دکن سے جاری ہوا ۔ اس رسالہ پر کہیں بھی ایڈیٹر کا نام درج نہیں ہے ۔ رسالہ دارالطبع سرکار عالی میں عموماً ۶۲ تا ۷۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا ۔ یہ ٹائپ میں چھپتا تھا ۔

یہ رسالہ افواج آصفیہ کا ترجمان تھا۔ اس کی اشاعت کا مقصد عساکر آصفیہ میں ادبی رجحان پیدا کر کے اس کے شمشیرزنوں کو بہ حیثیت صاحب قلم دنیا سے متعارف کرانا تھا۔

اس رسالہ میں فوجیوں سے متعلق مضامین جیسے فوج کے بہادروں اور سورماوں کے حالات زندگی، فوجی ٹریننگ کے طریقے، افسران فوج کی تقریریں اور افواج آصفیہ کے کارنامے شائع کئے جاتے تھے اور ایسے مضامین بھی شائع کئے جاتے تھے جن کے پڑھنے سے فوجیوں میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا ہو۔ اس کے علاوہ تاریخ اسلام کی مشہور فوجی شخصیتوں کے میدان جنگ کے واقعات اور ان کی شجاعت کے قصے بھی درج کئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ادبی مضامین افسانے، ڈرامے اور شعر و شاعری کے عنوان کے تحت ہر ماہ رسالہ ہذا کے ایڈیٹر کے ذاتی کتب خانہ کی اہم کتابوں سے اقتباسات اور شعرا کا منتخب کلام بھی درج ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ لطیفے اور نصیحت کی باتیں درج کی جاتی تھیں۔ عربی اور پشتو زبان کے تاریخی، ادبی اور فوجی مضامین کے ترجے بھی شائع کئے جاتے تھے۔

ادبی مضامین کی شمولیت کے تعلق سے اداریہ میں وضاحت کی گئی تھی کہ "اکثر احباب اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ فوج اور ادب، شمشیر اور قلم ایسے ہی ہیں جیسے آب و آتش یا پھر آسمان اور زمین مگر شاید انہوں نے تاریخ کی ورق گردانی میں کوتاہی سے کام لیا ہے ورنہ ان کی نظریں نادر شاہ، چنگیز خان اور ہلاکو خان کی خونی شمشیروں میں الجھ کر نہ رہ جاتیں بلکہ وہ زور شمشیر کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ، خالد بن ولیدؓ، اورنگ زیب اور نپولین کا زور قلم بھی دیکھتے۔

موجودہ دور کی جنگوں میں زور بازو کے ساتھ ساتھ زور خرد بھی دیکھا جاتا تھا صرف ہتھیار کی جھنکار ہی فتح کا باعث نہیں ہوتی بلکہ دماغ کی تربیت کا بھی اس میں بڑا حصہ ہے۔

سپاہی درندہ نہیں ہوتا وہ انسان ہے اور ہر انسان کے پہلو میں ایک دل ہوتا ہے اور دل میں لطیف احساسات بھی۔ وقت کا تقاضہ اس دل کو پتھر کی طرح سخت بھی بنا دیتا ہے اور شمع کی طرح ہمہ سوز بھی"۔

اس رسالہ میں جن مشہور شعراء کا کلام شائع ہوتا تھا ان میں جگر مرادآبادی، کیفی آعظمی، تسنیم مینائی، مجیب خیرآبادی، سکندر علی وجد، اکبر وفاقانی، علی سردار جعفری، نریش کمار شاد، ماہر القادری، خیرات ندیم اور بانو طاہرہ سعید قابل ذکر ہیں۔

یہ رسالہ اپنی نوعیت کا منفرد رسالہ تھا اس کے ایڈیٹر نے اس کو بڑی محنت سے فوجی رسال کے ساتھ ادبی رسالہ بنانے کی کامیاب کوشش کی تھی۔

یہ رسالہ سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی جاری رہا۔

رسالہ "تہذیب" یہ مصور سہ ماہی رسالہ ماہ رمضان سنہ ۱۳۶۶ھ م سنہ ۱۹۴۷ء میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا اس کے ایڈیٹر محمد محبوب جنیدی تھے یہ رسالہ مطبع دستگیری میں عموماً

۱۱۲ تا ۱۳۸ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ عوام سے بارہ روپیہ تھا۔

تہذیب کا لفظ بہت ہی وسیع مفہوم کا حامل ہے اگر جواز اور تاویل کا سہارا لیا جائے تو شاید کائنات کی کوئی ایسی شئے نہیں جسے کسی نہ کسی طرح سے تہذیب کے دائرے میں شامل نہ کیا جاسکے۔ جنیدی صاحب کا زاویہ نظر بھی کچھ اسی طرح کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے فنون لطیفہ اور سائنس سب کو تہذیب میں شمار کیا ہے ان کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

"گو اردو زبان ایک بلند مرتبہ پر پہنچ چکی ہے مگر بہت مایوسی ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ آج تک اس کا ایک بھی علمی یا فنی رسالہ اس شان کا نہیں نکل سکا جو مغربی ممالک کے اوسط درجہ کے رسالوں کی برابری ہی کر سکتا ہو۔ اس کو اگر ہماری قومی بد مذاقی پر محمول کیا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ بد مذاقی کے اس بحران میں، ہم نے تہذیب کی اجرائی سے اس کمی کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے"۔

رسالہ تہذیب اپنے صوری و معنوی اعتبار سے ایک حسین و جمیل مرقع ہوگا۔ جس میں قدیم اور جدید علوم و فنون سے متعلق سنجیدہ معلومات آفرین تحقیقی مقالات و معیاری مضامین شائع ہوا کریں گے اور یہ اس کا خوشگوار فرض ہوگا کہ ہندوستان کی تہذیب و تمدن کو غیر اقوام کی اندھی تقلید سے جو گھن لگ رہا ہے اس کو حتی الامکان اپنی قلمی کاوشوں سے نیست و نابود کرنے کی سعی کرے۔ (۵۶۲)

اس اقتباس کی روشنی میں رسالہ کے اغراض و مقاصد کا تعین اور خود مدیر رسالہ تہذیب کا کیا تصور رکھتے ہیں اس کا تعارف بھی ہو جاتا ہے۔

اس رسالہ میں ایسے مضامین بھی شائع کئے گئے تھے جن کا تعلق فنون لطیفہ سے تھا خاص طور سے فن تعمیر مجسمہ سازی یا بت تراشی وغیرہ پر بہت اہم اور کار آمد مضامین جمع کئے گئے۔ رسالہ میں تصویریں بھی ہیں جیسا کہ اس دور کے اکثر خاص نمبروں میں رواج تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رسالہ اہم اور قیمتی مضامین پر مشتمل ہوتا تھا اور اس کا نام بھی اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ اس کا معیار منفرد اور سب سے بلند ہوگا۔ لیکن ایسا تھا نہیں۔ یقیناً نام اس کا منفرد تھا غالباً اس نام کا کوئی پرچہ نہیں نکلا تھا۔ لیکن اس طرح کے مضامین اس دور میں شمالی ہند کے بیشتر رسائل میں اور خود حیدرآباد کے دوسرے رسائل میں شائع ہوتے تھے جن کی نشاندہی کی جاچکی ہے۔

اس رسالہ کے منتخب مشمولات کی ایک فہرست درج کی جاتی ہے۔ (۱) "گولکنڈے کا طرز تعمیر" (از قدسی حیدرآباد) (۲) "مسلمان اور سائنس" (از محمد عبدالرحمن خان سابق صدر جامعہ

عثمانیہ) (۳) "تصوریت" (از ڈاکٹر میر ولی الدین) (۴) "اردو غزل" (از ڈاکٹر یوسف حسین خان (۵) "نستعلیق کے مشہور خطاط (از محمد سردار علی) (۶) "عمر خیام اور فلسفہ حیات" (از سید غلام خواجہ صاحب فاروقی) (۷) "ہندوستانی بت سازی" (از محمد اشرف صاحب حیدرآباد) (۸) سماج سازی یعنی سماجی ذہنیت کے نشو نما کی سرگذشت" (از ڈاکٹر جعفر حسن پروفیسر عمرانیات جامعہ عثمانیہ (۹) "مسکی کا قدیم تمدن" (از خواجہ محمد احمد) (۱۰) "حیدرآباد اور سائنسی تحقیقات" (از محمد عبدالرحمن صاحب) (۱۱) "ہندوستانی سکے" (از جے۔ بی۔ ڈیلمرک)

رسالہ **"نوائے ادب"** یہ ماہ نامہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۷ء میں نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے مدیر شیخ محبوب قریشی مالک محبوبیہ کارخانہ جلد سازی حیدرآباد تھے اور معاون مدیر سردار علی۔ یہ رسالہ انتظامی پریس میں عموماً ۴۸ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔

یہ علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں ہر ماہ ادبی، تاریخی، معاشرتی، اصلاحی موضوعات اور جدید عربی و فارسی ادب اور اسلامی علوم و فنون پر بلند پایہ مضامین شائع ہوتے تھے۔

اس رسالہ کی اجرائی کا مقصد اور اس کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے مدیر رسالہ مذکور نے لکھا" اس رسالہ کی اشاعت کا مقصد علم و ادب کی اشاعت کی تحریک کو تقویت دینا اور ملک میں صحیح علمی ذوق پیدا کرنا ہے اس میں دور از کار افسانوی ادب کو کوئی جگہ نہیں دی جائے گی (۶۳ د

ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک مختصر سی فہرست نمونہ کے لئے پیش کی جاتی ہے۔

(۱) "انیسویں صدی کے ادب پر ایک نظر" (از سردار علی) (۲) "سلطنت آصفیہ کی جہاز رانی" (از نصیر الدین ہاشمی) (۳) "دکن میں اردو کے قدیم خدمت گزار" (از مظفر الدین) (۴) "آصفی خاندان کی اردو شاعری" (از معین الدین رہبر فاروقی) (۵) "عہد مغلیہ میں مصوری و خطاطی" (از بی۔ این۔ ایچ۔ حسین عثمانی) (۶) "عہد عباسیہ کے عرب مورخین" (از سردار علی) ۷ "انیسویں صدی کے عربی ادب پر ایک نظر" (از سردار علی)۔

رسالہ **"روح ترقی"** یہ ماہوار رسالہ ماہ محرم سنہ ۱۳۶۷ھ نومبر / ڈسمبر سنہ ۱۹۴۷ء میں مولانا محمد مرتضیٰ مرحوم کی یاد میں جاری ہوا۔ یہ حافظ محمد مظہر صاحب کی ادارت میں مطبع ابراہیمیہ حیدرآباد میں ۶۴ تا ۹۶ صفحات پر طبع ہو کر نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن سے شائع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔ اس رسالہ کے اجراء کے تعلق سے مدیر رسالہ لکھتے ہیں" یہ رسالہ مولانا محمد مرتضیٰ مرحوم اور ان کے رفقاء کی موزوں علمی یادگار کے طور پر جاری کیا گیا ہے۔ جنہوں نے ملت کے مفکر اور حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے بانی کی حیثیت سے توسیع و تعلیم اور اصلاح و

فلاح اہل ملت و ملک میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ (۵۶۴)

یہ علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں ادب تاریخ، ااا شیات، معاشرت، تعلیم اور بلدی و شہری نظم و نسق کے عنوان پر معیاری مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ کتابوں اور رسالوں پر بے لاگ عالمانہ تبصرے کئے جاتے تھے۔ اور ملکی و بین الاقوامی اور اسلامی دنیا کے اہم واقعات بھی درج کئے جاتے تھے۔

اس رسالہ کی یہ ایک خصوصیت تھی کہ اس کے اداریہ میں حالات حاضرہ پر تنقید و تبصرہ کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مولانا محمد مرتضیٰ صاحب کے مضامین ہر ماہ بطور تبرک شائع کئے جاتے تھے۔

ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد سلطنت آصفیہ کو ایک سال تک " حالات قائمہ " کو جاری رکھنے کی قرار داد طے پائی تھی۔ اس موقع پر اس رسالہ نے " معاہدہ تعلقات سرکار میں اور جدید تشکیل باب حکومت کے متعلق " ایک خصوصی اشاعت ماہ ڈسمبر سنہ ۱۹۴۷ء میں عمل میں لائی جس میں اس تعلق سے اہم اور فکر انگیز مضامین شائع ہوئے تھے۔ ذیل میں اس شمارے کے مشمولات درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) " ہماری موجودہ حیثیت " (ایک متعلم دستور کی توضیح و تحلیل)۔ (۲) " پاکستان اور انڈیا کی قلمروی اتحادوں میں شریک ریاستوں کی حیثیت " (از ڈاکٹر حمید اللہ) (۳) " اگر حیدرآباد کو ایک برطانوی قلمرو بنادیا جائے " (از مورخ) (۴) " چاروں طرف ایک ہی علاقے سے گھری ہوئی سلطنتوں کی حیثیت " (از ڈاکٹر حمید اللہ صاحب) (۵) " سلطنت آصفیہ کے انڈین یونین میں شریک ہونے سے حیدرآبادی ہندوؤں کا نقصان عظیم " (از جناب نیلا کشن راؤ صاحب) ()

" حیدرآباد کو آزادی کا استحقاق " (از جناب محمد حمید اللہ صاحب) (۷) " حیدآباد کی آزادی کے مضمرات " (از جناب نور الدین صاحب ایم اے ایل ایل بی) (۸) " حیدرآباد اور انڈیا کے مستقل روابط " (از جناب نور الدین صاحب) (۹) " معاہدہ سرکار کے طے شدنی امور " (از محمد مظہر)

ہندوستان میں ایک عرصہ تک کشمیر اور حیدرآباد کی ریاستوں کی عجیب پوزیشن رہی ہے خاص طور سے حیدرآباد کا Stand Still Agreement تھوڑے ہی عرصہ کے لئے سہی مگر دستوری اور سیاسی تاریخ کا عجیب و غریب نمونہ تھا۔ ستمبر سنہ ۱۹۴۸ء کے بعد اس طرح کے تصورات ختم ہوگئے۔ لیکن دستوری اور آئینی تاریخ کے سلسلے میں " روح ترقی " کا یہ خاص نمبر بے حد دلچسپ اہم اور معنی خیز ہے۔ ہندوستان میں اور کہیں بھی (روزانہ اخبارات کے اداریوں اور شذرات کو چھوڑ کر) اس موضوع پر اتنی شرح و بسط کے ساتھ نہیں لکھا گیا۔

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور اپنی ذات سے ایک ادارہ ایک انجمن ایک نظام فکر تھے وہ نہ صرف اردو کے پروفیسر ادیب شاعر، مورخ، نقاد اور محقق زبان و ادب تھے بلکہ بلاشبہ اردو کے ایک بہت بڑے محسن اور ادیبوں کے سرپرست تھے۔ اس کے علاوہ دکنی زبان و ادب پر ماہرانہ قدرت بھی رکھتے تھے ادب میں ان کا مرتبہ بحیثیت نقاد، محقق اور ماہر لسانیات کافی بلند ہے۔

ان کی پیدائش ۷۔ڈسمبر ۱۹۰۴ء کو حیدرآباد میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم دارالعلوم میں پائی۔ جامعہ عثمانیہ سے بی۔اے کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے لندن گئے اور وہاں سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ فرانس میں لسانیات پر ریسرچ کیا پھر واپس حیدرآباد آئے اور جامعہ عثمانیہ نے اردو کے پروفیسر کی حیثیت سے ان کی خدمات حاصل کیں پھر چادرگھاٹ کالج کے صدر بنائے گئے۔وظیفہ پر سبکدوش ہونے کے بعد کشمیر یونیورسٹی نے آپ کی خدمات سے استفادہ کیا اور ان کو صدر شعبہ اردو فارسی اور ڈین فیکلٹی آف آرٹس اینڈ اورینٹیل لنگویجس کے عہدہ پر فائز کیا۔

ڈاکٹر زور کا سب سے بڑا کارنامہ "ادارہ ادبیات اردو" کا قیام ہے۔ انہوں نے تقریباً پچیس کتابیں تصنیف و تالیف کیں جن میں روح تنقید، اردو شہ پارے کلیات قلی قطب شاہ، اردو اسالیب بیان، ہندوستانی لسانیات، ہندوستنی صوتیات، داستان ادب حیدرآباد اور عہد عثمانی میں اردو کی ترقی قابل ذکر ہیں۔

ان کا انتقال کشمیر میں ۲۴ سمتبر ۱۹۶۲ء کو حرکت قلب ہونے کی وجہ سے ہوا۔

ڈاکٹر یوسف حسین خان

مولوی فدا حسین صاحب اڈیٹر رسالہ "آئین دکن" کے فرزند اور ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم صدر جمہوریہ ہند کے بھائی ڈاکٹر یوسف حسین خان سنہ ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم حیدرآباد میں پائی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے علی گڑھ لے گئے۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں بی۔اے۔ کا امتحان پاس کیا۔اور اس سال فرانس گئے اور جامعہ پیرس سے ڈی۔لٹ کی ڈگری حاصل کی پھر واپس حیدرآباد آئے یہاں پر جامعہ عثمانیہ کی ریڈر کی حیثیت سے ان کا تقرر عمل میں آیا۔ ۱۹۴۵ء شعبہ تاریخ کے صدر بنائے گئے سنٹرل ریکارڈ آفس میں کیوریٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۵۷ء میں رٹائر ہونے کے بعد مسلم یونیوسٹی علی گڑھ میں پرو وائس چانسلر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

ڈاکٹر یوسف حسین خان کا شمار ہندوستان کے سربرآوردہ مورخوں میں ہوتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو اردو شعر و ادب سے خاص شغف تھا۔ انہوں نے خصوصی طور پر اقبال کے کلام کا

مطالعہ کیا تھا ۔ اقبال پر ان کی کتاب "روح اقبال" اردو دنیا میں کافی مشہور ہوئی ۔ اس کے علاوہ ان کی تصانیف میں "اردو غزل" اور "یادوں کی دنیا" قابل ذکر ہیں ۔

محمد مظہر

محمد مظہر ۱۳۰۷ھ میں پیدا ہوئے ۔ یہ مولوی محمد مرتضیٰ صاحب معتمد ایجوکیشنل کانفرنس کے بھائی تھے ۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ دار العلوم میں پائی ۔ ان کے اکثر مضامین مختلف اخباروں اور رسالوں میں شایع ہوتے تھے ۔ ان کا اسلوب بیان سادہ اور سلیس تھا ۔ تاریخ، مذہب معاشرت، سیاست، تعلیم اور صنعت و حرفت ان پسندیدہ موضوع رہے ۔ انہوں نے دو کتابیں "قلمرو آصفی کی دولت" اور "تذکرہ باب حکومت" تصنیف کی تھیں ۔

زراعتی رسائل

زراعت کی طرف توجہ کا اندازہ یہ بھی ہے کہ جنگلات کو بھی زراعت سے متعلق سمجھا گیا چنانچہ اس مدت میں زراعت سے متعلق دو رسائل اور جنگلات سے متعلق ایک سہ ماہی رسالہ ملتا ہے۔ ان میں نہ صرف ذرائع پیداوار کے نئے طریقوں اور نئے اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے بلکہ زمین کی حد بندی وغیرہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔

ان رسائل کا تفصیلی جائزہ آئندہ صفحات میں لیا گیا ہے۔ اس جائزے میں پندرہ روزہ رسائل بھی شامل ہیں۔

رسالہ "حیدرآباد فارمر": اس رسالہ کو حیدرآباد فارمنگ اسوسی ایشن نے ماہ خورداد سنہ ۱۳۴۰ف مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۱ء میں زیر سرپرستی اعلیٰ حضرات میر عثمان علی خان آصف جاہ سابع، حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ اس کے چیف ایڈیٹر جناب نظام الدین حیدر صاحب معتمد فارمنگ اوسی ایشن تھے۔ یہ رسالہ مطبع نظام سلور جوبلی پریس حیدرآباد دکن میں طبع ہوتا تھا۔ اس رسالہ کے ایک حصہ میں اردو اور دوسرے حصہ انگریزی مضامین شامل ہوتے تھے چند سال بعد اس میں حصہ تلگو کا اضافہ کیا گیا حصہ اردو کا حجم عموماً ۳۸ تا ۷۰ صفحات پر ہوتا تھا اس کا سالانہ چندہ عام قارئین سے دو روپئے تھا یہ رسالہ فارمنگ اسوسی ایشن کے اراکین کو مفت دیا جاتا تھا یہ سہ ماہی زرعی رسالہ جو ماہ اذر ماہ اسفند یا خورداد اور ماہ شہر یور کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا تھا حیدرآباد فارمنگ اسوسی ایشن ترجمان تھا اسوسی ایشن کے حسب ذیل مقاصد تھے۔

"۱۔ معزز کاشتکاروں کی امداد اور حوصلہ افزائی

۲۔ ممالک محروسہ سرکار عالی میں پیشہ کاشتکاری میں خصوصاً اور زندگی کے تمام شعبوں میں عموماً حسب ذیل طریقوں پر اصلاح۔

الف۔ ارکان اسوسی ایشن میں تعاون باہمی اور

ب۔ سرکاری محکمہ جات زراعت انجمن ہائے امداد باہمی اور علاج حیوانات کے ساتھ اشتراک۔(۵٦۵)

اس کے علاوہ اس اسوسی ایشن کے مقاصد میں ایک رسالہ کا اجرا بھی شامل تھا۔ اس رسالہ کے اجرا کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب بی ابڈی۔ کالنس آئی آئی سی ایس ڈائرکٹر صنعت و حرکت سرکار عالی نے لکھا:

"یہ رسالہ ماہرین فن یا عالی خیال حضرات کے لیے نہیں ہے۔ اور نہ فن زراعت ہی کے عالی خیال افراد کے لیے بلکہ یہ رسالہ ارکان فارمنگ اسوسی ایشن ہی کے لیے مختص ہے جو یا تو معزز قابضان اراضی ہیں یعنی وہ تعلیم یافتہ اشخاص جو اپنی فرصت کے اوقات میں بطور تفریح یا مثال قایم کرنے کی غرض

ے یا محض وابستگی کی خاطر و نیز مالی مفاد کی غرض سے کرتے ہیں یا ایسے معمولی تعلیم یافتہ کاشتکار ہیں جو عام فہم رسالہ کا مطالعہ کر کے ناخواندہ کاشکاروں کو سمجھانے کی قابلیت رکھتے ہیں۔

اس رسالہ سے انہیں واضح ہوگا کہ ان کا محکمہ زراعت ممالک محروسہ سرکار عالی میں کیا خدمات انجام دے رہا ہے اور دیگر محکمہ جات زرعی اون ریاستوں و دیگر صوبہ جات ہند میں جو ممالک محروسہ سرکار عالی سے ملحق ہیں کیا انجام دے رہے ہیں۔

یہ رسالہ حتی الوسع سلیس پیرایہ سے اون کو زرعی امور میں مشورہ دے گا اور سائنٹفک زراعت کی ممکنہ ترقیوں کو آشکار کر کے ان میں بھی زراعت کا شوق پیدا کردے گا۔ (۵۶۶)

اس زرعی رسالہ میں فن زراعت اور کاشتکاری کے جدید سائنٹفک طریقوں پر مفید اور کار آمد مضامین درج کیئے جاتے تھے۔ فصلوں اور پودوں کو جراثیم اور کیڑوں سے بچانے کی تدابیر اناج اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کے جدید طریقے، موسم کے متعلق رپورٹیں اور دوسری زبانوں، کے زرعی اور تجارتی موضوعات پر مضامین کے ترجمے بھی اس میں شائع کئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ہندوستان اور مغربی ممالک میں زراعتی ترقی سے متعلق مضامین اور سررشتہ زراعت سرکار عالی کی سرگرمیوں کی تفصیلات اور اس محکمہ کے ملازمین کے تقرر و تبدل کے احکامات، دستور العمل اور یادداشتیں اور اسوسی ایشن کے جلسوں کی روداد بھی اس میں درج کی جاتی تھی۔

اس رسالہ کے مضامین کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں تینوں زبانوں کے مضامین ایک ہی ہوتے تھے یعنی جو مضمون اردو میں ہوتا تھا اسی مضمون کا ترجمہ انگریزی اور تلگو میں بھی درج ہوتا تھا اسی طرح تلگو یا انگریزی کا ترجمہ اردو میں بھی ہوتا تھا۔

اس رسالہ کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ چونکہ یہ ایک اہم موضوع پر نکالا جاتا تھا اس لیے یہ کئی برسوں تک پابندی سے شائع ہوتا رہا۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے ۱۹۳۹ء تک کے چیدہ چیدہ شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔

حیدرآباد فارسٹ میگزین / رسالہ جنگلات حیدرآباد دکن : اس میگزین کو سررشتہ جنگلات سرکار عالی نے ماہ شہریور ۱۳۵۰ف م جولائی ۱۹۴۱ء میں مہتمم جنگلات مرزا محمد علی بیگ کی سرپرستی میں حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ اس کے اعزازی ایڈیٹر مرزا نوازش علی صاحب تھے۔ یہ میگزین اردو اور انگریزی زبان میں ایک ساتھ شائع ہوتا تھا۔ اس کا اردو حصہ ابتداء میں دی نظام سلور جوبلی پریس حیدرآباد دکن میں طبع ہوتا تھا۔ اس حصہ کا حجم عموماً ۲۸ تا ۴۵ صفحات اور سالانہ چندہ دو روپئے تھا۔ دوسرے شمارے سے یعنی اکتوبر ۱۹۴۱ء سے اس میگزین کا نام " رسالہ

جنگلات حیدرآباد دکن" رکھا گیا۔

یہ سہ ماہی رسالہ تھا جو ماہ جنوری، ماہ اپریل، ماہ جولائی اور ماہ اکتوبر میں شائع ہوتا تھا مدیر رسالہ نے اداریہ میں جنگلات کی اہمیت اس رسالہ کی اجرائی کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:-

"------ جیسے ہر ترقی پذیر اداروں کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مسائل کو حل کرکے ان کی نسبت تبادلہ خیالات کرے اور مسلمہ امور کو بروئے عمل لائے اسی طرح سررشتہ جنگلات کو بھی ضرورت ہے ان امور کی ایک گونہ تکمیل کے لیے "حیدرآباد فارسٹ میگزین" جاری کیا جارہا ہے۔

ممالک محروسہ سرکار عالی کی بیشتر رعایا برایا کو جنگلات کی ضرورت پوری طرح محسوس نہیں ہوئی ہے ایک طرف تو قیام جنگل بے کار سی بات معلوم ہوتی ہے اور دوسری جانب جنگلوں کی قطع و برید سے جو نقصان اس وقت تک ملک کو پہونچ چکا ہے اس کا نہ اندازہ ہے اور نہ علم۔

اب بہر حال ضرورت اس امر کی ہے کہ جنگلات کے افادیت و مسائل پر نہ صرف عوام کو معلومات بہم پہونچائے جائیں بلکہ سررشتہ جنگلات میں جس قدر کام انجام پارہے ہیں ان کی نسبت ہر عہدہ دار جنگلات کو مطلع کیا جائے اور بعض امور پر تبادلہ خیال ہو۔

چونکہ جنگلات کی کمی کی وجہ سے اس وقت مختلف اہم مسائل کا ملک کو سامنا ہے جیسے چراگاہوں کی کمی۔ عمدہ عمارتی چوبینہ کی کمی۔ پانی کی کمی۔ قحط سالی۔ زمینات کی کاشت کا خراب سے خراب تر ہونا۔ پہاڑوں کی مٹی کے تودے بہہ کر محض چٹان باقی رہ جانا۔ زمین سے روئیدگی درخت و سبزہ کی قوت زائل ہوتے ہوئے "مورم" باقی رہ جانا وغیرہ وغیرہ۔ ضرورت ہے کہ ان مسائل کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالی جائے۔ عوام کو مطلع کیا جائے تا خلاف قدرت جو کام ہوتے رہے ان کی کمی بلکہ انسداد ہو۔" (٥٦٧)

اس رسالہ میں جنگلات کی اہمیت اور اس کی نگہداشت اور ان کی نشو و نما پر ٹھوس علمی مضامین ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ جنگلات کی پیداوار اور یہاں کی آب و ہوا کے بارے میں مفید معلومات، بنجر زمین پر جنگلات اگانے کے طریقے، ہندوستان اور دوسرے ممالک میں جنگلات کے علاقہ اور وہاں کی پیداوار کے متعلق مضامین سررشتہ جنگلات کی سرگرمیاں، رپورٹ نظم و نسق اور اس سررشتہ کی جانب سے جو ترقیاتی کام ہورہے ہیں ان کی تفصیلات، جانوروں کے چارہ کے لیے جنگلات میں اچھی قسم کی گھاس پات اگانے کے طریقے بھی اس میں درج کیے جاتے تھے اور اس

موضوع پر دوسری زبانوں کے مضامین کے ترجمے بھی شائع کیے جاتے تھے۔
اس رسالہ کی زبان خالص علمی ہوتی تھی اور انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا جاتا تھا۔

رسالہ "زراعت": یہ پندرہ روزہ رسالہ مورخہ ۱۵۔ مارچ ۱۹۴۷ء کو بازار عیسیٰ میاں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر جناب محمد منیر الدین صاحب بی۔ اے (عثمانیہ) تھے یہ رسالہ اعظم جاہی برقی پریس شاہ علی بنڈہ حیدرآباد میں عموماً بارہ صفحات پر ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ مع محصول ڈاک آٹھ روپیہ تھا۔

یہ زرعی رسالہ تھا جس میں زراعت اور کاشتکاری پر جدید اور سائنٹفک انداز کے مضامین شائع ہوتے تھے اور کسانوں کو مفید مشورے اور بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنانے کی ترکیبیں درج ہوتی تھیں اس کے علاوہ صنعت و حرفت اور دیہی زندگی کے مسائل پر مفید اور کار آمد مضامین شائع ہوتے تھے جیسے دیہاتی گھریلو صنعتیں ہندوستان میں صنعتی ترقی کے امکانات پولٹری فارمنگ۔ ریشم کے کیڑوں کی پرورش افزائش نسل مویشیاں۔ افزائش نسل مچھلیاں۔ مگس پروری۔ ڈیری فارمنگ وغیرہ اور اس رسالہ میں زرعی مسائل اور دیہی زندگی سے متعلق موضوعات پر افسانے، نظمیں اور طبی مضامین بھی شامل اشاعت ہوتے تھے اس کے علاوہ سررشتہ زراعت کی سرگرمیوں کی روداد اور اس محکمہ کے جانب سے کیے جانے والے نئے نئے تجربوں کی تفصیلات بھی درج کی جاتی تھیں۔

اس رسالہ کے مقاصد بتلاتے ہوئے ایڈیٹر رسالہ مذکور لکھتے ہیں:۔

> "رسالہ زراعت ایک طرف حکومت کو زراعت اور اس سے متعلقہ مسائل میں ایسے تمام مشورے دے گا جس سے حیدرآباد کی زرعی ترقیات میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے اور حیدرآباد ان ممالک کی صف میں کھڑا ہو جائے جن کی زرعی ترقیان اعلیٰ معیار پر ہیں۔ دوسری طرف ملک کے لاکھوں کاشتکاروں اور پٹہ داروں میں احساس پیدا کرے گا کہ وہ غور و فکر کریں کہ ہمارے زرعی مسائل کیا ہیں زراعت کو ترقی دینے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہے کونسے اسقام اور کمزوریاں ہیں جو ہماری زرعی ترقیات میں مانع ہیں ان کو کس طرح دور کیا جاسکتا ہے ملک کی زراعت ترقی یافتہ، ممالک کے زرعی معیار کے مماثل کب ہوسکے گی۔" (۵۶۸)

اس رسالہ کا اہم مقصد ملک کو زرعی اعتبار سے خود مکتفی بنانا تھا اس رسالہ کا نعرہ "زیادہ غلہ اگائیے" ۔ تھا چنانچہ اس کے مضامین میں زرعی پیداوار بڑھانے اور کسانوں کو زراعت کے جدید طریقوں سے استفادہ کرنے پر زور دیا جاتا تھا۔ اس کے مضامین سادہ سلیس اور عام فہم زبان میں

لکھے جاتے تھے تاکہ دیہات کے معمولی پڑھے لکھے لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

طبی رسائل

سنہ ۱۹۳۱ء سے جس دور کا آغاز ہوتا ہے اس میں طبی رسائل کے سلسلے میں کوئی اہم پیش رفت نظر نہیں آئی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے صحت عامہ سے متعلق رسائل کی اشاعت کی جگہ دوسرے موضوعات نے لے لی ہو لیکن جو رسائل نکلے ان کے مضامین وقیع جیساکہ تفصیلی جائزے سے اندازہ ہوگا۔

یہاں اس پہلو نشاندھی کرنا ضروری ہے کہ اس دور میں ایلوپیتھی طریقہ علاج نے تقریباً مکمل طور پر یونانی طریقۂ علاج کی جگہ لے لی تھی۔ سرکاری شفاخانہ کھلنے لگے تھے اسی عرصہ میں میڈیکل کالج کا قیام بھی عمل میں آیا چنانچہ مجلہ عثمانیہ میڈیکل کالج بھی ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا جو بہت اہم ہے حالانکہ اس کا تذکرہ تعلیمی اداروں سے نکلنے والے رسالوں کے ضمن میں ہونا چاہیئے تھا لیکن موضوع کے اعتبار سے یہ طب سے متعلق تھا اس لیے اس کا جائزہ بھی طب سے متعلق رسائل کے ضمن میں لیا گیا ہے۔

رسالہ "حکیم دکن" اس ماہ نامہ کو یونانی طبی بورڈ حیدرآباد نے ماہ فروری ۱۳۴۶ف م فروری ۱۹۳۷ء میں حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ ابتدا میں اس کے مدیر مسئول حکیم انیس احمد صاحب تھے۔ ۱۹۳۸ء سے یہ حکیم محمد ظفرالدین ناصر کی ادرات میں شائع ہونے لگا۔ یہ رسالہ مطبع مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد میں عموماً ۲۴ صفحات میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ عوام سے دو روپیہ تھا۔

یہ طبی رسالہ تھا جو انجمن اطباء یونانی ممالک محروسہ کا ترجمان تھا۔ اس میں عموماً طب یونانی پر مفید اور کارآمد مقالے شائع کیے جاتے تھے اس رسالہ کو حیدرآباد اور اضلاع کے سبھی مشہور حکماء و اطباء کا تعاون حاصل تھا۔

اس رسالہ میں مقالات علمیہ۔ تشخیص امراض الامراض والعلاج۔ علاج اطفال علم الادویہ مجربات۔ حفظان صحت۔ برتھ کنٹرول۔ جیسے مستقل عنوانات کے تحت مفید و کارآمد اور معلومات انگیز مضامین درج ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ امراض کہنہ اور جنسی امراض پر ہر ماہ خصوصی مضامین شائع ہوتے تھے اور "اخبار و معلومات" کے عنوان کے تحت طب سے متعلق ملکی اور بیرونی خبریں اور قارئین کے طبی استفسارات کے جوابات دیے جاتے تھے اس کے علاوہ انجمن اطباء یونانی کے جلسوں کی روداد بھی شائع کی جاتی تھی۔ اور طب سے متعلق کتابوں و رسائل پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا۔

یہ رسالہ اپنے موضوع پر بے حد اہم اور مفید کارآمد اور معلومات انگیز مضامین شائع

کرنے کی وجہ سے اطباء اور عوام میں کافی مقبول تھا اور اسی لیے ۱۹۴۷ء کے بعد بھی کافی عرصے تک جاری رہا۔

جریدہ "صحت عامہ" اس پندرہ روزہ مصور جریدہ کو مجلس صحت عامہ نے مورخہ ۷۔ آذر ۱۳۵۱ف م ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ اس کے ایڈیٹر حکیم لیق احمد فائق نعمانی تھے یہ جریدہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد میں عموماً بارہ تا چالیس صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ عوام سے چار روپیہ چار آنے تھا۔

اس طبی رسالے کی اشاعت کے اغراض و مقاصد کے تعلق سے ایڈیٹر رسالہ مذکور رقمطراز ہیں۔

> "اس جریدہ کی اشاعت کا بنیادی مقصد اس استفسار کا جواب دینا ہے کہ کس بیمار نہ ہوں اس غرض سے ہم لپنے۔ اس مسلک کا پرچار کریں گے کہ "حفظ ماتقدم" علاج سے بہتر ہے۔ حفظ ماتقدم کی طرف توجہ کرنے کے لیے "موسمی امراض" پر ایسے حکیماتی مضامین شائع کیے جائیں گے جس میں ان کے پھوٹ پڑنے کے اسباب ان کے بچنے کے تدابیر سے عوام کو عام فہم پیرائے میں آگاہ کیا جاتا رہے گا۔"

اس رسالہ کا اہم مقصد صحت عامہ کے متعلق عوام کی معلومات میں اضافہ کرنا اور علم صحت کی اشاعت تھا۔ اس میں ایسی طبی معلومات بھی درج کی جاتی تھیں جس کا روزمرہ زندگی اور عوام کی صحت سے نہایت گہرا تعلق ہوتا ہے۔

اسکے علاوہ اس رسالہ میں ماہ دو مستقل موضوعات موسمی امراض اور "جنسیات" پر مفید اور معلومات انگیز مضامین شائع ہوتے تھے اور سررشتہ طبابت و صحت عامہ سرکار عالی کی رپورٹس اور ان محکموں کی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی شائع کی جاتی تھیں۔ بلدیہ اور صحت عامہ کے عنوان سے بلدی فرائض اور ذمہ داریوں سے عوام کو واقف کرایا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ صحت عامہ، کارشتہ جنگی تشہیریا اور پروپگنڈا سے بھی جوڑا گیا چونکہ ۱۹۴۱ء میں دوسری جنگ عظیم چھڑ چکی تھی اور جرمنی کے ہوائی حملے کا خوف بڑھ گیا تھا۔ چنانچہ اس رسالے ایڈیٹر نے ہوائی حملہ سے بچاؤ کے مختلف طریقوں سے متعلق مستند معلوماتی مضامین بھی اس رسالہ میں شائع کرنا شروع کیے اور اور ساتھ ہی قارئین کے ایسے تمام استفسارات کے جوابات بھی دیے جانے لگے جن میں ہوائی حملہ سے بچاؤ اور شہری مدافعت کے تعلق سے پوچھا جاتا تھا۔

اس رسالے نے ملک کی خواتین کو زمانہ جنگ میں رضاکارانہ خدمات کی ترغیب دینے کی غرض سے ایک خاص نمبر "شہری مدافعت اور خواتین" نکالا تھا۔

مجلۂ کلیہ طبیہ جامعہ عثمانیہ / مجلۂ عثمانیہ میڈیکل کالج

اس سال نامہ کو کلیہ طبیہ جامعہ عثمانیہ کے طلباء نے سنہ ۱۹۳۹ء (۵۶۹) میں حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ اس کے ایڈیٹر عموماً اسی کالج کے طلباء ہوتے تھے۔ جو ہر سال دو سال میں تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ اس مجلہ کے سب سے پہلے ایڈیٹر (حصہ اردو) جناب یاور عباس اور معتمد جناب یوسف صدیقی تھے۔ یہ مجلہ ابتداء میں آفرین برقی پریس حیدرآباد میں طبع ہوتا تھا۔ بعد میں دوسرے مطابع میں طبع ہونے لگا۔ اس مجلہ کا ایک حصہ اردو میں اور ایک حصہ انگریزی میں طبع ہوتا تھا۔ حصہ اردو کا حجم عموماً ۴۰ تا ۶۲ صفحات ہوتا تھا۔

ویسے تو اس مجلہ کا اجرا سنہ ۱۹۳۸ء میں عمل میں آیا تھا مگر اس دفعہ یہ مجلہ صرف انگریزی میں شائع ہوا تھا۔ سنہ ۱۹۳۹ء میں پہلی بار انگریزی کے ساتھ حصہ اردو بھی شامل کیا گیا۔ یہ طبی مجلہ تھا جس میں طب مغربی پر مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس میں کالج کے طلباء کے مضامین کے علاوہ دواخانہ عثمانیہ کے ڈاکٹروں کے فن جراحی کے تجربات اور مشاہدات بھی درج کیے جاتے تھے اس کے علاوہ کالج کی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی شائع کی جاتی تھیں۔ چونکہ یہ طبی رسالہ تھا اس لئے اس کے مضامین کافی محنت اور تحقیق سے لکھے جاتے تھے یہ مجلہ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی جاری رہا۔

قانونی رسائل: آزادی سے قبل قانونی رسائل کا انداز وہی رہا جو ابتدا میں تھا البتہ دو پہلو قابل غور ہیں اس دور کے رسائل میں حیدرآباد کے مخصوص ماحول کے پیش نظر یہاں کے عدالتی فیصلوں کے نظائر یا رولنگ پر مبنی رسائل نظر آتے ہیں۔ یہاں ایک مسئلہ صرف خاص کی اراضیات و جائیدادوں کا تھا جس کا کوئی تصور برٹش انڈیا میں نہیں تھا۔ چنانچہ اس پہلو کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا گیا دوسرا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ ہفتہ وار رسائل بھی نکلے اور ان میں سے ایک نے اپنے کو برٹش، انڈیا کی عدالتوں کے فیصلے تک محدود رکھا۔

رسالہ "عطیات سلطانی / عطایا سلطانی" رسالہ عطیات سلطانی ماہ امرداد ۱۳۴۲ف م جون ۱۹۳۳ء میں حسب منظوری معزز کمیٹی مرافعہ عطیات باب حکومت سرکار عالی و جناب صدر المہام بہادر سیاسیات و مہاراجہ صدر اعظم بہادر سرکار عالی بمقام دار الشفاء جام باغ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر میر غضنفر علی خاں جاگیردار وکیل ہائیکورٹ سرکار عالی تھے۔ اس

رسالہ کی ایک مجلس مشاورت بھی تھی جس میں مشہور و وکلا شامل تھے۔ یہ رسالہ مارواڑی پریس افضل گنج حیدر آباد دکن میں عموماً ۱۱۲ صفحات پر طبع ہوتا تھا اس کا سالانہ چندہ بارہ روپیہ پیشگی تھا

دوسرے ماہ سے یعنی ماہ شہریور سنہ ۱۳۴۲ف سے اس رسالہ کا نام بدل کر کے " عطایاء سلطانی " رکھا گیا۔

یہ قانونی رسالہ تین حصوں پر مشتمل تھا۔ حصہ اول میں فیصلہ جات کمیٹی مرافعہ عطیات معہ فرامین مبارک مال وغیرہ شائع ہوتے تھے۔

حصہ دوم۔ فرامین مبارک قبل قیام معزز کمیٹی مرافعہ عطیات باب حکومت و قوانین و احکام مال متعلق عطیات درج ہوتے تھے۔

حصہ سوم میں جاگیرداروں اور ان کے افراد خاندان کے حالات زندگی مع تصاویر شائع کیے جاتے تھے۔

یہ رسالہ کئی سال تک جاری رہا۔ راقم الحروف کو سنہ ۱۳۴۵ف تک کے شمارے جناب محمد عبد الرشید ایڈوکیٹ کے ذاتی کتب خانہ میں دستیاب ہوئے ہیں۔

نظائر مال صرف خاص مبارک یہ ماہ نامہ آذر سنہ ۱۳۴۴ف (۵۷۰) ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۴ء میں بہ منظوری صدر آعظم بہادر معزز کمیٹی انتظام امور صرفخاص مبارک آصف نگر حیدر آباد دکن سے جاری ہوا، اس کے ایڈیٹر محمد جمال خاں غوری وکیل سرکار تھے۔ یہ رسالہ زیر اہتمام محمد عثمان خاں غوری وکیل ممتاز پریس آصف نگر حیدر آباد عموماً ۶۴ تا ۸۰ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ اس رسالے کی بھی ایک مجلس مشاورت تھی۔ اس رسالہ کے سرورق پر یہ عبارت درج ہوتی تھی۔

" تلاش صداقت انسان کا شریف ترین پیشہ اور اس کی اشاعت انسان کا فرض ہے۔ "

اس رسالہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اس میں بعض دفعہ صدر المہام صرفخاص یا کوئی اور بلند مرتبہ عہدہ دار کی سوانح حیات شائع کی جاتی تھی۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے سنہ ۱۳۵۰ف تک کے چیدہ چیدہ شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ " نظائر حیدر آباد " یہ ماہ نامہ بہ منظوری مہاراجہ سر صدر آعظم بہادر سرکار عالی ماہ آذر سنہ ۱۳۴۶ف م اکتوبر ۱۹۳۶ء میں کٹلمنڈی حیدر آباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر محمد ابھر اللہ صدیقی بیرسٹرایٹ لا تھے۔ یہ رسالہ محمد عبد الستار منشی فاضل (مینجر) کے زیر اہتمام دار الطباعت رہبر کوچہ شنکر باغ حیدر آباد میں طبع ہوتا تھا۔

اس قانونی رسالہ کے اغراض و مقاصد کے تعلق سے مدیر رسالہ لکھتے ہیں۔

" اس رسالہ کا بورڈ اس امر کی کوشش بلیغ کرے گا کہ عدالت العالیہ اور جوڈیشل کمیٹی اور محکمہ جات بالا کے فیصلہ جات اسی طرح شائع کئے جائیں کہ قوانین جاریہ وصول ہائے سلسلہ کے تحت فیصلہ جات مذکور کی تعبیر اور دیگر ضروری متنوں کا خلاصہ ہر فیصلہ کی ابتداء میں اس موزونیت کے ساتھ برٹش انڈیا اور انگلستان کے رسائل شائع کرتے ہیں درجہ ہو جایا کرے۔ اور پھر اس امر کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ مفید اور قانونی مباحث کو بہ شکل مضامین اس میں شائع کئے جائیں۔ غرض کہ اس رسالہ کے جراء کا مقصد قانون اور ملک کی خدمت ہے۔" (۵۷۱) یہ رسالہ عموماً چار حصوں پر مشتمل ہوتا تھا

حصہ اول میں مکمل فیصلہ جات و نظائر متعلقہ مال شائع کئے جاتے تھے۔

حصہ دوم میں مکمل قوانین و گشتیات و احکام سرکار عالی درج ہوتے تھے۔

حصہ سوم جو "ممالک غیر" کے عنوان سے ہوتا تھا اس میں نظائر و فیصلہ جات اور مرافعہ جات پریوی کونسل و ہائیکورٹ لاہور۔ و ہائیکورٹ الہ آباد ہائیکورٹ بمبئی اور ہائیکورٹ مدارس شائع کئے جاتے تھے۔

حصہ چہارم میں ایڈیٹوریل نوٹس کے علاوہ مشہور وکلا کے قانونی مضامین بھی شائع ہوتے تھے

رسالہ "نظائر عثمانیہ عدالت عالیہ" یہ ماہوار رسالہ سنہ ۱۳۴۸ف م ماہ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں حسب منظوری نواب سر صدر آعظم بہادر سرکار عالی جاری ہوا۔ ابتداء میں اس کے اعزازی ایڈیٹر کلیم الدین انصاری ایڈوکیٹ اور سب ایڈیٹر محمد مصلح الدین وکیل ہائیکورٹ تھے بعد میں یہ رسالہ بدر شکیب وکیل ہائیکورٹ اور سید منصور احمد وکیل ہائیکورٹ کی ادارت میں نکلنے لگا۔ یہ رسالہ محمد غلام رسول قریشی کے زیر اہتمام ابتدا میں مطبع دار الطباعت عثمانیہ عدالت عالیہ میں طبع ہوتا تھا۔ بعد میں دوسرے مطابع میں طبع ہونے لگا۔

یہ قانونی رسالہ عموماً تین حصوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ حصہ اول میں نظائر دیوانی ہائیکورٹ حصہ دوم میں نظائر فوجداری ہائیکورٹ اور حصہ سوم میں احکام و قوانین شائع ہوتے تھے

راقم الحروف کو اس رسالہ کے سنہ ۱۳۵۸ف تک چیدہ چیدہ شمارے جناب محمد عبد الرشید صاحب ایڈوکیٹ کے ذاتی کتب خانہ میں دستیاب ہوئے ہیں۔

تعلیمی و تدریسی رسائل تعلیم و تدریس میں اس اعتبار سے ایک اہم رجحان کی نشان دہی ہوتی ہے کہ اسے صرف شہری زندگی تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ دیہی علاقوں میں توسیع تعلیم اور تدریس کا کیسا انداز ہونا چاہیئے اس کی ضرورت بھی محسوس کی گئی۔ اور یہ رسائل جو سہ ماہی شکل میں بھی شائع ہوئے اور ہر ماہ بھی شائع ہوئے تعلیم اور تدریس کہ سلسلے میں اعلیٰ معیاری

مضامین پیش کرتے ہیں۔

رسالہ "ویلیج ٹیچر" اس رسالہ کو "انجمن اساتذہ صوبہ ورنگل" نے ماہ دے سنہ ۱۳۴۵ف م نومبر سنہ ۱۹۳۵ء میں صوبہ ورنگل سے جاری کیا۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے جو شمارے دستیاب ہوئے ان کے سرورق نہیں ہیں اور ساتھ ناقص الاخر بھی ہیں۔ اس لئے اس کے ایڈیٹر مطبع اور قیمت کے تعلق سے قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

یہ رسالہ انجمن اساتذہ صوبہ ورنگل کا ترجمان تھا۔ اس انجمن کا قیام سنہ ۱۳۴۱ف میں عمل میں آیا تھا۔ اس کے سرپرست مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری ناظم تعلیمات سرکار عالی تھے۔ اور اس کی شاخیں ملک کے دوسرے اضلاع میں بھی پھیلی ہوئی تھیں۔

اس انجمن کے مقاصد میں ایک رسالہ کا اجرا بھی شامل تھا۔ یہ خالص تعلیمی رسالہ تھا۔ اس کا مقصد طریقہ تعلیم اور تحتانیہ وثانوی مدارس کی رہبری کرنا اور ساتھ ہی دوسرے تعلیمی مسائل پر بھی اظہار خیال کرنا تھا۔

اس رسالہ میں تعلیمی موضوعات پر تجربہ کار اساتذہ کے بلند پایہ مضامین شائع ہوتے تھے اس کے علاوہ نظمیں وغزلیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔ ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے۔

(۱) "مدارس میں پیشہ وارانہ تعلیم" (از مسٹرٹی بچیا مددگار مدرسہ) (۲) "شفٹ سسٹم کی توضیح و مقصد" (از مولوی احمد اللہ صاحب مہتمم تعلیمات ورنگل) (۳) "مقصد تعلیم" (از حکیم خواجہ محمد اسمعیل ذبیح مددگار مدرسہ فوقانیہ)

اس رسالہ کو حکومت آصفیہ کی سرپرستی بھی حاصل تھی اور ملک کے مختلف مدارس کے لئے اس کے پرچے خریدے جاتے تھے۔

رسالہ "تربیت" اس سہ ماہی رسالہ کو انجمن اساتذہ صوبہ اورنگ آباد نے سنہ ۱۳۵۴ف م سنہ ۱۹۴۴-۱۹۴۵ء میں جناب مولوی شمس الدین احمد صاحب صدر مہتمم تعلیمات کی سرپرستی میں اورنگ آباد دکن سے جاری کیا۔ اس کے ایڈیٹر جناب جگ موہن لال صاحب سپرنٹنڈنٹ مدرسہ تعلیم المعلمین اورنگ آباد تھے۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کا صرف ایک شمارہ بابت ماہ اسفندار آبان سنہ ۱۳۵۵ف کا اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوا ہے جو دوسری جلد کا پہلا شمارہ ہے۔ جو اس رسالہ کا خاص نمبر "اعادی نصاب نمبر" ہے۔

یہ تعلیمی رسالہ تھا اس کی اشاعت خصوصی کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے مدیر رسالہ لکھا ہے۔

"چونکہ سال حال میقات میں جدید نظریات اور فنی مسائل تعلیم کے علاوہ

مدرسین کی تدریسی اور ایسے نہایت ضروری عملی مسائل و تدریسی جن کو عام طور پر نظر انداز کیا جاتا ہے یا جو ان کی نظروں سے اوجھل ہیں زیر غور ہیں۔ اس لئے عام طور پر جملہ معلمین اور بطور خاص مفکرین عملی تعلیم کی نظروں تک اس جدوجہد کے نتائج پہنچانا ضروری ہے تاکہ معلمین کی کارکردگی کی رفتار تیز ہو جائے"۔

دراصل یہ اپنی نوعیت کا واحد رسالہ تھا جو ایک مخصوص دور میں مخصوص موضوع پر نکلا تھا۔ یہ رسالہ اساتذہ کے ریفریشر کورس کے ٹریننگ سنٹر کے فورۃ ٹرم Fourth Term کے خاتمہ پر نکالا گیا تھا۔ اس سے انہماک کا بھی پتہ چلتا ہے اور جوش اور وابستگی کا بھی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حیدرآباد میں بالخصوص چوتھے دہے میں بہت شدت سے اس کا لحاظ رکھا جارہا تھا کہ انگریزی الفاظ کے مترادفات تلاش کیے جائیں اور انھیں رائج کیا جائے۔ ایسے الفاظ کو وضع کرنے میں یقیناً کافی زحمت پیش آتی رہی ہوگی اور کبھی وہ مضحک بھی معلوم ہوتے رہے ہوں گے۔ یہ کوشش بہت بلیغ تھی کہ زبان کو مخلوط نسل نہ بنایا جائے مگر دوسری طرف اس سے زبان کا دائرہ بھی محدود ہوتا تھا۔ بہر حال یہ رسالہ اس اعتبار سے منفرد تھا کہ ایک مخصوص دور میں اور مخصوص موضوع پر نکلا تھا۔

اس کے مشمولات میں بالکل ہی ٹکنیکل قسم کے مضامین ہیں جن کا تعلق اساتذہ کی ٹریننگ کے کورس سے ہے اور جن میں نفسیات اور تدریس بالخصوص ابتدائی اور ثانوی تدریس کے سلسلے کے مضامین درج کئے گئے ہیں۔

رسالہ "رہبر تعلیم" یہ ماہ نامہ ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۷ء میں ادارہ اشاعت علوم و فنون نے بیرون دبیرپورہ حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ اس کے مدیر برج لال اور شریک مدیر پروین لیکھک۔ یہ رسالہ محمودیہ مشین پریس چارمینار حیدرآباد میں عموماً ۲۴ تا ۴۸ صفحات پر طبع ہوتا تھا اس کا سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔

اس تعلیمی رسالہ میں تعلیم کے موضوع کے علاوہ زبان و ادب۔ صحافت۔ سائنسی اور فنی موضوعات پر بھی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ نظمیں و غزلیں انشائیے بھی شائع کیے جاتے تھے۔

اس رسالہ کے اغراض و مقاصد اداریہ میں یوں بیان کئے گئے ہیں۔

"علم و ادب اور فن کی ترقی و اشاعت کے لئے ایک پرسکون و پرامن اور اشاعت ماحول چاہیئے لیکن یہ تو جوہری اور اسی قماش کو نوازئیدہ طفیلی راست اقدام کا

زمانہ ہے جس میں نہ صرف جنگ اور احتجاج کے طریقوں میں ہی نہیں بلکہ
تہذیب و تمدن میں بھی عظیم ترین انقلاب ہوے، ہیں اور ہونے والے ہیں۔
آج زندگی اور ادب "ہیروشیما" اور "ناگاساکی" کے قبرستان اور راست اقدام
کی خونی دریاؤں میں بہہ رہے ہیں۔ ایسے مقید ماحول اور بے لگام دور کے غیر
ذمہ دارانہ نظام میں "رہبر تعلیم" کی پہلی جلد کا دوسرا شمارہ" سالگرہ ہمایونی
کے اس مبارک ماہ میں جس احساس کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا
ہے اس کا اندازہ زیر نظر اشاعت کے تجزیے سے کیا جائے۔" (۵۷۲)

اس رسالہ کا بنیادی مقصد "مختلف اصناف علم و ادب اور فن کے اتم معیار" کو پیش کرنا تھا۔ اس رسالہ کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی تھی کہ اردو میں ہندی لفظیات کے اثر کو نمایاں کر کے ہندوستانی کے لئے راہ ہموار کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ "لیکھک" اور "اتم" جیسے الفاظ اس رجحان کی غمازی کرتے ہیں۔

ذیل میں اس کے مشمولات کی ایک مختصر سی فہرست بطور نمونہ درج کی جارہی ہے۔
(۱) "اردو زبان" (از حضرت علی اختر صاحب) (۲) "ادب کیا ہے" (از سری جیتندر کمار) (۳) "شاعری کیا ہے" (از پروفیسر پنڈت ونشی دھرجی ودیالنگار) (جامعہ عثمانیہ) (۴) "تعلیم کیا ہے" (از پروفیسر محمد عبدالقیوم خاں باقی) (۵) "حیدرآباد کی تعلیمی ترقی" (از جناب محمد خواجہ یوسف الدین پرنسپل عثمانیہ ٹریننگ کالج) (۶) "ناخواندہ بالغون کی تعلیم" (از جناب زاہد حسین ایم۔ ایڈ) "ہندوستانی و امریکی صحافت" (از مسٹر جواگن)۔
یہ رسالہ سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی جاری رہا۔

تعلیمی اداروں سے نکلنے والے رسائل

تعلیمی اداروں سے نکلے والے رسائل ایک خاص مقصد نظریہ اور حالات کے تحت شایع ہوتے تھے اس لیے یہ ہر ماہ نہیں شایع ہو سکتے تھے۔ ان کی حیثیت سہ ماہی، ششماہی یا سالانہ کی ہوتی ہے۔

اس دور میں سہ ماہی رسائل اچھی خاصی تعداد میں نکلے اور ان سب کے پس منظر میں مجلہ عثمانیہ تھا جو سنہ ۱۹۲۷ء میں نکلنا شروع ہوا تھا۔ مگر مجلہ عثمانیہ کو استناد وزن و وقار اسی دور میں حاصل ہوا۔ مجلہ عثمانیہ نے صحیح معنوں میں تعلیمی اداروں سے نکلنے والے رسائل کے سلسلے میں روایت سازی کی اور ایک ایسا راستہ دکھایا جسے ہر تعلیمی ادارہ سے نکلنے والے رسالے نے اپنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ مجلہ عثمانیہ نے ادب میں تحقیقی گوشہ کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی تھی بعد میں جو سالانہ مجلے نکلے ان میں یہ رجحان جزو غالب کی حیثیت رکھتا ہے۔ خاص طور سے "مجموعہ تحقیقات علمیہ" میں اس رجحان کو پورے طور سے دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے

کہ تعلیمی اداروں سے نکلنے والے مجلے اردو ادب کی تاریخ میں اس لیے بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں کہ ان مجلوں کے ذریعے سے جہاں طلبا کی ذہنی تربیت اور ان میں ذوق علم اور ذوق تخلیق پیدا ہوا وہاں ان مجلوں کی وجہ سے آگے چل کر انہیں طالب علموں نے تحقیق و تنقید کی دنیا میں اپنے لیے جگہ بنائی۔

" سالنامہ بزم اردو ": اس سالنامہ کو " بزم اردو " جامعہ عثمانیہ نے سنہ ۱۳۴۰ف / سنہ ۱۳۴۱ف م سنہ ۱۹۳۱ء، سنہ ۱۹۳۲ء میں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن سے جاری کیا تھا۔ اس کے ایڈیٹر میر سعادت علی رضوی بی۔ اے صدر بزم اردو تھے۔ یہ سالنامہ مطبع پائیگاہ خاص آسمان جاہ میں عموماً ۲۴ تا ۹۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔

بزم اردو کا قیام ۱۰ آبان سنہ ۱۳۴۰ف (۵۷۳) کو عمل میں آیا تھا اس بزم کے پہلے صدر نواب ظہیر الدین خاں صاحب فرزند نواب معین الدین الدولہ بہادر معتمد ابوالخیر ابراہیم حسینی صاحب تھے۔ اس بزم کے حسب ذیل اغراض و مقاصد تھے۔

" ۱۔ اراکین بزم اردو میں اردو ادب کا صحیح ذوق پیدا کرنا۔

۲۔ اراکین کی قوت تقریر علمی قابلیت اور ادبی ذوق کی ترقی کے لیے کوشش کرنا۔

۳۔ باہمی میل جول اور اتحاد بڑھانے کے لیے معاشرتی جلسے منعقد کرنا۔

۴۔ مشہور انشاپردازوں اور مقررین کی تقریروں اور مضامین سننے کے واسطے جلسے منعقد کرنا۔

۵۔ اردو ڈرامہ کی ترویج۔

اس کے علاوہ ایک ادبی رسالہ کا اجرا بھی اس بزم کے مقاصد میں شامل تھا۔ یہ سالنامہ اسی بزم کا ترجمان تھا۔ اس میں علمی و ادبی مضامین کے علاوہ نظمیں اور غزلیں بھی شایع ہوتی تھیں اور " بزم اردو " کی روداد بھی شایع کی جاتی تھی۔ اس سالنامہ میں تمام مضامین و غزلیات صرف جامعہ کے زیر تعلیم طلبا کے ہیں۔ ان میں مخدوم محی الدین، سکندر علی وجد، نواب محمد ظہیر الدین خان، میر حسن اور عزیز احمد کے نام قابل ذکر ہیں۔

رسالہ " الموسی ": سٹی کالج حیدر آباد دکن کا قدیم تعلیمی ادارہ ہے۔ اس ادارے کی امتیازی خصوصیت رہی ہے کہ یہاں سے بہت ہی روشن دماغ اور بلند فکر طلبا نکلے ہیں۔ ماہ آذر سنہ ۱۳۴۳ف م سنہ ۱۹۳۳ء میں اس کالج کی ادبی مجلس " بزم ادب " نے ایک سہ ماہی رسالہ جاری کیا یہ کالج کیوں کہ موسی ندی کے کنارے واقع ہے اس لیے اس رسالہ کا نام " الموسی " رکھا گیا۔ یہ رسالہ سید محمد اعظم صاحب ایم۔ اے (کینٹب) پرنسپل سٹی کالج جناب ابو ظفر عبد الواحد ایم اے

(لکچرار اردو) اور جناب سید محمد صاحب ایم ۔اے (مددگار اردو ،فارسی) کی نگرانی میں شایع ہوتا تھا اس کے مدیر عموماً اسی کالج کے طلبا ہوا کرتے تھے ۔ابتدا میں اس کے مدیر مرزا سرفراز علی (متعلم سال دوم) اور شریک مدیر محمد یونس سلیم (۴۷ء) (متعلم سال دوم) تھے ۔یہ رسالہ ابتدا میں شمس المطابع و عماد پریس حیدرآباد میں طبع ہوتا تھا اور بعد میں دوسرے مطابع میں طبع ہونے لگا ۔اس کا حجم عموماً ۸۰ تا ۱۷۶ صفحات ہوتا تھا ۔ سالانہ چندہ عام خریداروں سے چار روپیے اور طلبا سے دو روپیے مقرر تھا ۔یہ کافی مشہور اور معیاری رسالہ تھا اس میں سماجی علوم کے مختلف شعبوں سے متعلق مضامین ہوتے تھے ۔اس کے علاوہ افسانے ،ڈرامے اور نظمیں و غزلیں بھی شایع ہوتی تھیں اور کالج کی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی درج کی جاتی تھیں۔

اس رسالہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اس کے ہر شمارے میں کالج کے اساتذہ یا مشہور انشا پردازوں کا ایک مضمون شایع ہوتا تھا اور بقیہ مضامین طلبا کے شایع کئے جاتے تھے ۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف تو طلبا کے پیش نظر اچھے اور معیاری مضمون کا نمونہ ہو اور دوسری طرف رسالہ کا معیار بھی برقرار رہے ۔

اس رسالہ کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ اس میں طلبا کے مضامین بھی کافی معیاری اور فکر انگیز ہوتے تھے ۔

اس رسالہ کے اہم معاونین میں کالج کے اساتذہ کے علاوہ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی مولوی عبدالحق ، پروفیسر آغا حیدر حسن صاحب ، ڈاکٹر جعفر حسن صاحب ، مولوی عبدالقیوم صاحب باقی ، نصیر الدین ہاشمی ، پروفیسر عبدالقادر سروری اور ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور قابل ذکر ہیں ۔

ماہ خورداد سنہ ۱۳۴۴ ف میں اس رسالہ کا "یادگار ولی" نمبر شایع ہوا تھا ۔ ذیل میں اس نمبر کے منتخب مضامین کی فہرست درج کی جاتی ہے ۔

(۱) "ولی کا سن وفات" (از مولوی عبدالحق) (۲) "ولی کی شاعری" (از ابو ظفر عبدالواحد صاحب) (۳) "ولی کا اسلوب شعر و جدید شاعری" (از مولوی عبدالقیوم صاحب باقی) (۴) "ولی اور اس کی شاعری" (از موسیو گارساں دتاسی ترجمہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب) (۵) "ولی کی اہمیت" (از مولوی شیخ چاند) (۶) "عہد ولی میں دکن کی علمی و تمدنی حالت" (از عبدالمجید صدیقی ایم اے) (۷) "ولی سے پہلے دکن کی اردو شاعری" (از نصیر الدین ہاشمی) (۸) "ولی کے تلامذہ کا دور" (از پروفیسر عبدالقادر سروری) (۹) "اردو شاعری میں ولی کا مرتبہ" (از محمد عبدالحکیم صاحب جامعہ اسلامیہ علی گڈھ (۱۰) دیوان ولی کے قلمی نسخے" (از ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور)

اس کے علاوہ آذر اور اسفندار سنہ ۱۳۵۱ ف میں اس رسالہ کا ٹیگور نمبر بھی شایع ہوا تھا۔

یہ رسالہ سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی کئی برسوں تک جاری رہا۔

مجموعہ تحقیقات علمیہ: اس سالنامہ کو مجلس تحقیقات علمیہ کلیہ جامعہ عثمانیہ نے سنہ ۱۹۳۳ء میں حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ ابتدا میں اس کی مجلس ادارت میں محمد عبدالرحمن خان، مولوی عبدالحق اور سید عبداللطیف صاحب تھے۔ یہ رسالہ ابتدا میں مقنن پریس اسٹیشن روڈ حیدرآباد میں ٹائپ میں طبع ہوتا تھا۔ بعد میں دوسرے مطابع میں طبع ہونے لگا۔ اس رسالہ کا ایک حصہ اردو اور ایک حصہ انگریزی کا ہوتا تھا۔ حصہ اردو کا حجم عموماً ۱۰۶ تا ۲۳۴ صفحات ہوتا تھا۔ ایک بار (سنہ ۱۹۳۶ء) یہ رسالہ صرف ۳۷ صفحات پر طبع ہوا تھا۔

یہ خالص تحقیقی رسالہ تھا جس میں ہر سال علمی و ادبی موضوعات پر اساتذہ کے عالمانہ تحقیقی مقالات شایع ہوتے تھے اور ان مقالات کی اشاعت کے لیے ایک ریسرچ بورڈ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ابتدا میں اس کے صدر نشین مولوی محمد عبدالرحمان خان (پرنسپل) اور معتمد اعزازی سید عبداللطیف صاحب (پی ایچ۔ ڈی لندن) تھے۔ اراکین میں جن کی تعداد اٹھائیس تھی مولوی عبدالحق، ہارون خان شیروانی، خلیفہ عبدالحکیم، یوسف حسین خان، محمد رضی الدین صدیقی اور سید غلام محی الدین کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس رسالہ کا مقصد جامعہ عثمانیہ کے تحقیقی کارناموں کو منظر عام پر لانا اور علم کی اشاعت و توسیع کرنا تھا۔ اس تعلق سے محمد عبدالرحمن خان صاحب اداریہ میں لکھتے ہیں۔

> "جامعہ کے ابتدائی دور میں ناکافی سامان کی وجہ سے صحیح تحقیقی کام ممکن نہ تھا لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ حکومت کی فیاضی سے فکر و تحقیق کے لئے نیا نیا مواد ہاتھ آتا رہا اب تحقیق کا جوش نہ صرف اساتذہ میں بلکہ طلبائے طیلسانین میں بھی پیدا ہو گیا تھا۔
>
> کلیہ جامعہ عثمانیہ کے اس رسالہ کا مقصد یہ ہے کہ اس میں صرف اساتذہ کی کاوش علمی کے نتائج ہر سال شائع کئے جائیں اس کے ساتھ ساتھ توقع ہے کہ طلبائے طیلسانین کے تحقیقاتی مقالوں کے لئے بھی علیحدہ صورت میں اشاعت کا انتظام ہو جائے گا۔" (۵۷۵)

اس رسالہ میں جن انشا پردازوں اور محققوں کے مقالات شایع ہوئے ان کے کارناموں سے ساری اردو دنیا واقف ہے۔ ان میں ہارون خاں شیروانی، مولوی عبدالحق، یوسف حسین خاں سید غلام محی الدین قادری زور، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور خلیفہ عبدالحکیم قابل ذکر ہیں۔

اس رسالہ کے مقالات کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے۔

(۱) "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام" (از مولوی عبدالحق) (۲) "عہد مغلیہ میں مصوری کی ترقی" (از یوسف حسین خان مددگار پروفیسر تاریخ) (۳) "سحر البیان کی اصلاح اور مرزا قتیل" (از سید غلام محی الدین قادری زور) (۴) "اسلامی نظریات سیاسی کے چند

اوراق " نظام الملک طوسی کے پیشرو و الماوردی و صاحب قابوس نامہ " (از ہارون خان شیروانی) (۵) " اردو مرثیہ کے ابتدائی گہوارے " (از سید محی الدین قادری زور) (٦) " اردو شاعری میں ابہام گوئی " (از عبدالحق صدر شعبہ اردو) (۷) " عربوں کے تعلقات بیزنطینی سلطنت سے " (از ڈاکٹر محمد حمید اللہ) (۸) اسلامی عدل گستری اپنے آغاز میں " (از ڈاکٹر حمید اللہ) (۹) " اودھ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے تعلقات سنہ ۱۷۹۸ء تا سنہ ۱۸۰۱ء " (از محمد کاظم رضا صاحب) (۱۰) " زمان و مکان " (از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ) (۱۱) " بنو امیہ اندلس کا مکمل شجرہ نسب " (از محمد جمیل الرحمن پروفیسر تاریخ) (۱۲) " حکومت کی آمدنی اور اس کے مصارف و اغراض (از سید مناظر احسن گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ) ۔

قلمی معاونین کی فہرست پر نظر ڈالنے سے پہلی نظر میں جو بات متوجہ کرتی ہے وہ یہ کہ زیادہ تر محققین ایسے ہیں جنہوں نے یورپ سے ڈگریاں حاصل کی ہیں ۔ یہ پہلو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ مشرقی فکر اور مغربی طرز تحقیق سے باخبری نے جب اردو تحقیق کی بنیاد ڈالی تو ایک مستحکم اور پختہ انداز عطا کیا ۔ اس مجلہ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ بعض مضامین جو بعد میں بہت مشہور ہوئے اور کتابی شکل میں شایع ہوئے وہ اس میں پہلے آگئے تھے جیسے " اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام "

اس مجلہ میں جو مضامین ہیں وہ مختلف النوع موضوعات پر ہیں ۔ ان کا تعلق صرف ادب سے نہیں بلکہ تاریخ اور فلسفہ سے بھی ہے ۔ مثلاً خلفیہ عبدالحکیم کا معرکہ خیر مضمون " زمان و مکان

ان تفصیلات سے اس بات کی غمازی ہوتی ہے کہ حیدرآباد میں ادب کے جن گوشوں کی طرف متوجہ کیا گیا تھا اور اسے جس اعلیٰ منزل تک لے جایا گیا تھا وہاں تک اس دور میں بھی ہم نہیں پہنچ پائے ہیں جیسے پاکستان کا " مجلہ تحقیق " جو ڈاکٹر وحید قریشی کی ادارت میں شایع ہوتا ہے یا " نوائے ادب " جو بمبئی سے شایع ہوتا ہے ، " مجموعہ تحقیقات علمیہ " کے معیار تک نہیں پہنچ سکے ۔

یہ رسالہ نو سال (سنہ ۱۹۴۱ء) پابندی سے شایع ہوتا رہا اور تحقیقی نوادرات اور عالمانہ مضامین سے اردو دنیا کو مالا مال کرتا رہا ۔

" مجلہ نظامیہ " : اس ماہوار مجلہ کو مدرسہ نظامیہ کی انجمن طلباء قدیم نے مورخہ ۱۲ فروردی سنہ ۱۳۴٦ف (۵۷٦) م فروری ۱۹۳۷ء کو حیدرآباد دکن سے جاری کیا ۔ اس کے مدیر شاہ ابوالخیر کنج نشین مولوی فاضل (نظامیہ) تھے ۔ اور شریک مدیر محمد وجیہ الدین مولوی کامل (نظامیہ تھے ۔ یہ رسالہ مطبع ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد میں عموماً ۴۸ تا ۵٦ صفحات پر طبع ہوتا تھا ۔ اس کا سالانہ چندہ دو روپیہ چار آنہ تھا ۔

یہ رسالہ علماء امت اور فارغ التحصیل طلبائے نظامیہ کا ترجمان تھا ۔ " فارغین " (۵۷۷) نظامیہ

نے ایک انجمن بنائی تھی ۔ اس انجمن کے مقاصد اور اس رسالہ کی اجرا کے تعلق سے مدیر رسالہ مذکور لکھتے ہیں " اس جماعت کا مقصد ایک طرف تو اس مادر علمی کے نئے اور پرانے طلبا میں اتحاد و یک جہتی پیدا کر کے ان میں آزادی فکر اور قوت عمل پیدا کرنا ہے تو دوسرے طرف ملک و قوم کی خدمت کر کے عامۃ المسلمین کو دین اسلام کی صحیح راہیں دکھانا اور ان کو عمل پر آمادہ کرنا ہے ۔ انجمن کو اپنے مقصد کے لئے پہلے جز سے جس طرح بن پڑا نپٹتی رہی ۔ لیکن دوسرے جز میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اس نے محسوس کیا کہ جب تک اپنے خیالات اور مقصد کی اشاعت نہ کی جائے اس وقت تک اس میں کامیاب ہونا بہت دشوار ہے ۔ اس کے لئے یہ ناگزیر سمجھا گیا کہ ایک ماہ نامہ شایع کیا جائے ۔ " (۵۷۸)

اس رسالہ میں مذہبی مضامین کے علاوہ ادبی مضامین بھی شایع ہوتے تھے ۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کے سنہ ۱۳۵۴ف تک کے چیدہ چیدہ شمارے حیدر آباد کے مختلف کتب خانوں میں دستیاب ہوئے ہیں ۔

" مجلہ ورنگل کالج " / " مجلہ عثمانیہ کالج ورنگل : اس کو طلبائے عثمانیہ کالج ورنگل نے جاری کیا تھا ۔ ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۶ (۵۷۹) سے یہ مجلہ صرف اردو میں نکلنے لگا ۔ اس سے قبل یہ اردو ، انگریزی اور تلنگی میں شایع ہوتا تھا ۔ اس کے مدیر عموماً اسی کالج کے طلبا ہوتے تھے ۔ سب سے پہلے اس رسالہ کے مدیر عبدالعلی خان اور شریک مدیر خواجہ معین الدین قیصر تھے ۔ یہ رسالہ ابتدا میں مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس حیدر آباد میں طبع ہوتا تھا پھر بعد میں دوسرے مطابع میں طبع ہونے لگا ۔ اس کا حجم عموماً ۹۲ صفحات اور سالانہ چندہ عوام سے تین روپیہ اور طلبا سے ایک روپیہ آٹھ آنہ تھا ۔

ابتدا میں یہ سہ ماہی تھا ۔ ماہ بہمن سنہ ۱۳۴۸ف م جنوری ۱۹۳۹ء سے یہ ششماہی شایع ہونے لگا اور اس کا نام بجائے " مجلہ ورنگل کالج " کے " مجلہ عثمانیہ کالج ورنگل " رکھا گیا ۔ اس رسالہ کی اجرا کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے مدیر رسالہ لکھتے ہیں ۔ " اس رسالہ کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اردو زبان کے علم و ادب کا دائرہ وسیع ہو اور اس میں ہر قسم کے ادبی ۔ اخلاقی ۔ تمدنی ۔ تعلیمی اور تاریخی مضامین لکھے جائیں ۔ عربی فارسی سنسکرت ۔ تلنگی اور انگریزی زبان کی مستند کتابوں اخباروں اور رسالوں سے ہر قسم کے مفید دلچسپ اور پاکیزہ مضامین کے ترجے کئے جائیں و نیز اعلیٰ معیار کے سبق آموز قصے ۔ ڈرامے اور نظمیں شایع کئے جائیں تا کہ طلبا میں روشن ضمیری عمدہ تربیت اور تہذیب کی اشاعت ہو ۔۔۔۔۔۔۔ طلباء میں صحیح ادبی ذوق اور مضمون نویسی کی مشق و مہارت پیدا ہو ۔ " (۵۸۰)

رسالہ "تلمیذ" : یہ سہ ماہی رسالہ مدرسہ نام پلی فوقانیہ ، نام پلی حیدرآباد سے زیر سرپرستی جناب مولوی سید مجتبیٰ حسین صدر مدرسہ اور زیر نگرانی مولوی فیض محمد بی۔ اے ڈپ ایڈ (استاد مدرسہ ہذا) اور مولوی سلطان منشی فاضل (استاد مدرسہ ہذا) امرداد سنہ ۱۳۴۷ف م ماہ جون ۱۹۳۸ء میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ یہ رسالہ اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد میں عموماً ۴۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس رسالہ کے مدیر عموماً اس مدرسہ کے طلبا ہوتے تھے۔ یہ رسالہ صرف اردو زبان میں نکلتا تھا۔

"آصفیہ میگزین" : اس سہ ماہی میگزین کو طلبا مدرسہ آصفیہ ملک پیٹھ حیدرآباد دکن نے ماہ جنوری ۱۹۴۰ء میں "بہ یادگار مسرت مراجعت فرمائی دلہن شہزادیان و شہزادگان والاشان" جاری کیا۔ یہ رسالہ نواب میجر ممتاز یار الدولہ بہادر جناب مولوی اسد غفور الحق صاحب ایم اے (علیگ) کی نگرانی میں شایع ہوتا تھا۔ ابتدا میں اس کے مدیر سید حسن الدین صاحب اور شریک مدیر سید عابد علی بی اے عثمانیہ) تھے۔ یہ رسالہ مہدی آرٹ پریس چھتہ بازار حیدرآباد میں عموماً ۳۴ تا ۶۸ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔

اس میں سماجی علوم کے مختلف شعبوں سے متعلق مضامین شایع ہوتے تھے اور اسکول کی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی درج کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ " بزم اطفال " کے مستقل عنوان کے تحت ہر ماہ، بچوں کے لیے دلچسپ قصے، کہانیاں اور آسان زبان میں ہلکے پھلکے علمی و ادبی مضامین بھی شایع ہوتے تھے۔

اپریل سنہ ۱۹۴۰ء سے اس رسالہ میں خواتین کے لیے بھی ایک حصہ مختص کیا گیا اور اس حصہ کا نام " بزم خواتین " رکھا گیا۔ اس میں صرف خواتین کی نگارشات ہوتی تھیں۔

کہنے کو تو یہ طلبا کا میگزین تھا مگر اس کو طلبا کے علاوہ مشہور انشا پردازوں اور شاعروں کا بھی تعاون حاصل تھا۔ اس کے معاونین میں فصاحت جنگ جلیل، صفی اورنگ آبادی، فانی بدایونی، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، صاحبزادہ میکش حیدرآبادی، امجد حیدرآبادی، ماہر القادری، ڈاکٹر ولی الدین، بشیر النسا بیگم بشیر، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، جگر مرادآبادی، پروفیسر آغا حیدر حسن صاحب اور ناکارہ حیدرآبادی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اس رسالہ کا معیار عام اسکولوں اور کالجوں سے نکلنے والے میگزین سے کافی بلند تھا۔

راقم الحروف کو اس رسالے کے ستمبر سنہ ۱۹۴۳ء تک کے چیدہ چیدہ شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ "نظام ادب" : اس ششماہی رسالہ کا پہلا اور دوسرا شمارہ یعنی ماہ ستمبر سنہ

۱۹۳۹ء اور ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء ( ) کا پرچہ ایک ساتھ نظام کالج حیدر آباد دکن سے جاری ہوا تھا یہ رسالہ جناب آغا حیدر حسن دہلوی پروفیسر اردو، جناب احمد عبداللہ صدیقی پروفیسر اردو، غلام دستگیر رشید پروفیسر فارسی اور سید بادشاہ حسین (سابق طالب علم) کی نگرانی میں جاری ہوا۔ اسکے مدیر عموماً اسی کالج کے طلبا ہوتے تھے۔ اس کے سب سے پہلے مدیر محمد عبدالقوی اور معتمد سید منظور الحسن ہاشمی تھے۔ یہ رسالہ اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ دو روپیہ تھا جو بعد میں تین روپیہ کر دیا گیا تھا۔

یہ رسالہ طلباء نظام کالج کا ترجمان تھا۔ اسی کالج سے جنوری سنہ ۱۹۲۳ء میں "نظام کالج اردو میگزین" شایع ہوتا تھا۔ اس کے بند ہونے کے کم و بیش دس سال بعد یہ رسالہ جاری ہوا۔ اس رسالہ کا مقصد طلبا میں ادبی ذوق پیدا کرنے کے ساتھ اردو ادب کی پر خلوص خدمت کرنا تھا۔

اس رسالہ میں ادبی، تحقیقی، تنقیدی، تعلیمی، تاریخی، سائنسی، صنعت و حرفتی، فن موسیقی اور اقتصادی موضوعات پر مضامین درج ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ افسانے، ڈرامے اور نظمیں و غزلیں بھی شایع کی جاتی تھیں اور کالج کی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی درج کی جاتی تھیں۔ یہ ایک اہم اور معیاری رسالہ تھا۔ اس میں طلبا کے علاوہ اساتذہ اور ملک کے مشہور انشا پردازوں کے مضامین شایع ہوتے تھے۔ ذیل میں اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست درج کی جاتی ہے جس سے اس کی نوعیت، اہمیت اور معیار کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۱) "دکن کی اور دہلی کی اردو کا نمونہ" (از پروفیسر خواجہ عبدالحمید دہلوی) (۲) "دربار اکبری کے نورتن" (از پروفیسر آغا حیدر حسن دہلوی) (۳) "خواجہ بندہ نواز کی فارسی شاعری" (از پروفیسر غلام دستگیر رشید) (۴) "جاپان کی صنعتی و معاشی ترقی" (از مولوی محمد عبدالحق) (۵) "ہندوستان کی صنعتی ترقی کے ذرائع" (از جناب ہادی جعفر حسین صاحب) (۶) "موسیقی" (از احسان احمد صاحب) (۷) "اردو کا نیا قاعدہ" (از جناب کرشن چندر) (۸) "شاہین اقبال" (از پروفیسر غلام دستگیر رشید) (۹) "لوہے کی صنعت اور تامینی اقدام" (از جناب سید منظور الحسن صاحب ہاشمی) (۱۰) "اصغر گونڈوی" (از جناب میر مقصود علی صاحب) (۱۱) "ہندوستان کے چند معاشی مسائل" (از جنابہ دیاوتی استھانہ صاحبہ) (۱۲) "ہندوستان کا دستوری ارتقا" (از جناب محمد عبدالولی صاحب) (۱۳) "کلچر کا عام مفہوم اور اسلامی کلچر" (از ڈاکٹر نواب سر امین جنگ مترجمہ اسرائیل احمد مینائی) (۱۴) "غالب میں قنوطیت کا عنصر" (از صاحبزادہ میر اشرف الدین علی خاں)

اس رسالہ کا ایک خصوصی نمبر "بیاد گار قادر حسین خاں صاحب مرحوم سابق صدر نظام کالج" جون سنہ ۱۹۴۴ء میں شایع ہوا تھا۔ اس رسالہ کے ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۶ء کے شمارے میں علامہ سر محمد اقبال کا پیام شایع ہوا تھا جو انہوں نے خواجہ نظام الدین صاحب سابق مدیر نظام کالج اردو میگزین (سنہ ۲۹ - ۱۹۲۸ء) کی استدعا پر طلبائے نظام کالج کے نام ارسال فرمایا تھا۔ اس فارسی

کلام کا منظوم ترجمہ پروفیسر غلام دستگیر رشید استاد فارسی نے کیا تھا۔ ذیل میں علامہ اقبال کا پیام اور پروفیسر غلام دستگیر رشید کا منظوم ترجمہ دونوں درج کیے جاتے ہیں۔

(متن) چو خورشید سحر پیدا نگاہے من تواں کردن
ہمیں خاک سیہ را جلوہ گاہے من توان کردن
نگاہ خویش را از نوک سوزن تیز تر گردار
چو جوہر در دل آئنہ راہے می توان کردن
تو در زیر درختاں ہم چو طفلاں آشیاں بینی
بہ پرواز آئے صید مہر و ماہے می تواں کردن

اقبال ۱۱ نومبر سنہ ۲۸ء

(ترجمہ) شعاع مہر سی روشن نگاہ پیدا کر
سیاہ خاک سے اک جلوہ گاہ پیدا کر
اگر نگاہ میں تیری ہے جوہر قابل
تو قلب آئنہ میں اپنی راہ پیدا کر
شجر کے سایہ میں کیوں آشیانہ طفلاں
بلند حوصلہ صید ماہ پیدا کر

یہ رسالہ سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی کئی برس تک جاری رہا۔

رسالہ "آفتاب علم و فکر و عمل": یہ سہ ماہی رسالہ مدرسہ فوقانیہ سرکار عالی پربھنی سے مورخہ ۱۶ اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء سے زیر سرپرستی جناب محمد ابرار فاروقی ایم اے (علیگ) صدر مدرس مدرسہ فوقانیہ سرکار عالی ضلع پربھنی صوبہ اورنگ آباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر عموماً اسی مدرسہ کے طلبا ہوتے تھے۔ یہ رسالہ بیک وقت اردو، انگریزی اور ہندی میں شایع ہوتا تھا۔ حصہ اردو کا حجم ۳۸ صفحات ہوتا تھا۔ یہ رسالہ ٹائپ میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ دو روپیہ آٹھ آنہ تھا۔

یہ رسالہ مدرسہ فوقانیہ سرکار عالی کے طلبا کا ترجمان تھا۔ اس میں عموماً طلبا اور اساتذہ کے علمی و ادبی موضوعات پر مضامین شایع ہوتے تھے۔ اس رسالہ کا مقصد طلبا میں ذوق مطالعہ اور مافی الضمیر کے اظہار کی قوت پیدا کرنا تھا۔" (۵۸۱)

مجلہ کلیہ گلبرگہ: اس مجلہ کو عثمانیہ کالج گلبرگہ دکن کے طلبا نے ماہ شہریور سنہ ۱۳۵۲ ف م جولائی سنہ ۱۹۴۳ء میں جاری کیا۔ اس مجلہ کے ایڈیٹر عموماً اسی کالج کے طلبا ہوتے تھے۔ یہ

مجلہ مطبع عزیزیہ گلبرگہ میں طبع ہو کر کلیہ عثمانیہ گلبرگہ دکن سے شایع ہوتا تھا۔ اس کا حجم عموماً ۶۴ صفحات ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔

یہ سہ ماہی رسالہ تھا جو ماہ شہریور، آذر، اسفندار اور اردی بہشت میں شایع ہوتا تھا۔ یہ رسالہ طلبا عثمانیہ کالج گلبرگہ کا ترجمان تھا جس میں "ادبی۔ متفرق" اور "منظومات" کے مستقل عنوان کے تحت مضامین اور غزلیں شایع ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ کالج کی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی درج کی جاتی تھیں۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے اردی بہشت سنہ ۱۳۵۴ف۔ کے چیدہ چیدہ پرچے اردو ریسرچ سنٹر میں ستیاب ہوئے ہیں۔

"چادر گھاٹ کالج میگزین": چادر گھاٹ ہائی اسکول و کالج حیدر آباد کا بہت قدیم تعلیمی ادارہ ہے۔ سٹی کالج اور چادر گھاٹ یہ دو ایسے ادارے رہے ہیں جن کو یہ امتیازی خصوصیت حاصل رہی ہے کہ یہاں سے بہت ہی روشن دماغ اور بلند فکر طلبا نکلے اور حکومت نے بھی خصوصی طور پر ان پر نظر رکھی۔

چادر گھاٹ میگزین کے جو چیدہ چیدہ شمارے دستیاب ہوئے ان پر جلد نمبر اس طرح سے پڑا ہوا ہے کہ خلط مبحث پیدا ہوتا ہے مثلاً مارچ سنہ ۴۶ء کے میگزین پر جلد نمبر دو ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پہلا شمارہ سنہ ۱۹۴۵ء میں شایع ہوا ہوگا لیکن اکتوبر سنہ ۱۹۴۸ء کے شمارے پر جلد نمبر پانچ درج ہے۔ ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے جو شمارے دستیاب ہوئے ہیں ان میں سے کسی پر صرف چادر گھاٹ کالج میگزین" درج ہے اور کسی پر "فکر نو" اور کسی پر "سیل رواں" اس طرح یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہر دور میں جو بھی نگران رہا اس نے اپنی مرضی کے مطابق کوئی نام دیا اور کبھی صرف اسے کالج میگزین رکھا۔

ہمارے موضوع کے دائرے میں صرف سنہ ۱۹۴۷ء تک کے شمارے آتے ہیں جن میں سنہ ۱۹۴۶ء کا صرف ایک شمارہ جو اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوا ہے اس شمارے میں زیادہ تر طلبا کے مضامین ہیں۔ اس کے مدیر محمد عزیز الرحمن اور نائب مدیر سید علی علاؤ الدین قادری حبیب تھے اور اس کی مجلس ادارت مشاورت کے صدر کالج کے پرنسپل محمد عثمان صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (لندن و آکسفورڈ) اور معتمد محمد عثمان علی خان انوری تھے۔ یہ رسالہ مطبع دستگیری میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا ایک حصہ اردو کا ہے جو ۵۲ صفحات پر مشتمل ہے اور دوسرے حصے میں ۳۶ صفحے انگریزی کے ہیں۔

اس رسالہ کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ہر طالب علم کے لیے بجائے "متعلم" کے "تلمیذ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں طالب علموں کی تصویریں بھی ہیں۔

"نوخیز": اس سالنامہ کو مدرسہ وسطانیہ "سٹی مڈل اسکول" کے طلبا نے مولوی محمد محبوب علی خان صاحب صدر مدرسہ سٹی مڈل اسکول کی سرپرستی میں سنہ ۱۳۵۴ف م سنہ ۱۹۴۴ / ۱۹۴۵ء میں حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ اس رسالہ کے مدیر عموماً اسی اسکول کے طلبا ہوتے تھے۔

یہ رسالہ مولوی سید ضیاالدین صاحب مددگار سٹی مڈل اسکول کی نگرانی میں اعظم اسٹیم پریس میں عموماً چالیس صفحات پر طبع ہوتا تھا۔

یہ سالنامہ سٹی مڈل اسکول کے طلبا کا ترجمان تھا جس میں عام مضامین کے علاوہ اس مدرسہ کی سرگرمیوں کی تفصیلات درج ہوتی تھیں۔ اس رسالہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں سب ہی مضامین اور نظمیں وغزلیں اسی اسکول کے طلبا کی لکھی ہوتی تھیں۔ اس طرح سے یہ رسالہ کم عمر طلبا کی اولین ادبی کوششوں کا نمونہ تھا۔

اس سالنامہ کا مقصد طلبا میں علمی وادبی ذوق پیدا کرنے کے ساتھ مضمون نگاری کا شوق پیدا کرنا تھا۔ اس مقصد کے تحت اس رسالہ کے سب سے اچھے مضمون نگار کو انعام دیا جاتا تھا اور ساتھ ہی اس طالب علم کی تصویر بھی چھاپی جاتی تھی۔

راقم الحروف کو اس سالنامہ کے سنہ ۱۳۵۵ف اور سنہ ۱۳۵۶ف کے شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔

بچوں کے رسائل

بچوں کے رسائل کی طرف اس دور میں زیادہ توجہ نظر آتی ہے۔ ان رسائل میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ یہ رسالے ایسے ہوں کہ جن میں بچوں کی نفسیات کے پیش نظر دلچسپی بھی ہو اور ذہنی تربیت بھی ہوسکے۔

رسالہ "ہزار داستان": یہ ماہنامہ ماہ اذر ۱۳۴۰ف م اکتوبر سنہ ۱۹۳۰(۵۸۴) چھتہ بازار حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر ابوالمعانی وصف تھے۔ ابتدا میں یہ تاج پریس میں طبع ہوتا تھا۔ پھر بعد میں دوسرے مطابع میں طبع ہونے لگا۔ اس کا حجم عموماً ۳۲ صفحات اور سالانہ چندہ دو روپیہ آٹھ آنہ تھا

یہ بچوں کا مصور رسالہ تھا۔ اس رسالہ کی پالیسی کے تعلق سے ایڈیٹر رسالہ لکھتے ہیں۔

"اس رسالہ میں جھوٹی نہیں سچی کہانیاں مفید ادبی، اخلاقی، تاریخی، جغرافیائی دلچسپ مضامین ہیں زبان بھی صاف اور بول چال کے موافق ہے۔ صنعت و حرفت سیکھنے والے لڑکے لڑکیاں بھی اس سے فائیدہ اٹھا سکتی ہیں۔" (۵۸۳)

یہ رسالہ نہ صرف بچوں کی تعلیم کے لیے بلکہ ان میں صحیح علمی ذوق بڑھانے کے لیے نکالا

گیا تھا۔ اس میں ہر قسم کے مضامین ہوتے تھے جو بچوں کی زبان اور استعداد سے مناسبت رکھتے تھے مقصد یہ تھا کہ کوئی بار ان کے دماغ پر نہ پڑے اور ساتھ ہی ان کی معلومات میں اضافہ ہو اور ان کو از خود پڑھنے کا شوق پیدا ہو۔ اس رسالہ کے مضامین دلچسپ اور مفید ہوتے تھے۔

اس رسالہ میں بچوں کے مضامین کے علاوہ مرزا محمد ہادی رسوا کے مضامین اور جوش ملیح آبادی کی نظمیں بھی شایع ہوتی تھیں۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے فروری ۱۳۴۰ف تک کے چیدہ چیدہ شمارے دستیاب ہوئے۔

رسالہ "سب رس" (بچوں کا): یہ ماہ نامہ جنوری ۱۹۳۸ء میں زیر نگرانی ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور خیرت آباد حیدر آباد دکن سے جاری ہوا۔ ابتدا میں اس کے ایڈیٹر صاحبزادہ میر محمد علی خان میکش تھے۔ بعد میں ۱۹۳۹ء سے یہ رسالہ معین الدین احمد انصاری بی۔ ایس سی (علیگ) کی ادارت میں نکلنے لگا۔ یہ رسالہ ابتدا میں مکتبہ ابراہیمیہ پریس میں عموماً ۱۶ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔

یہ بچوں کا رسالہ تھا جو ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن کے ماہ نامہ "سب رس" کا ضمیمہ تھا۔ اس تعلق سے ڈاکٹر محی الدین قادری زور لکھتے ہیں۔

> "سب رس" میں بچوں اور طلبہ کے لیے جو سولہ صفحے وقف کیے گیے ہیں ان کو ایک علحدہ دیدہ زیب سرورق کے ساتھ ضمیمہ کے طور پر شایع کیا جارہا ہے تا کہ جو بچے اور طلبہ "سب رس" نہ خرید سکیں وہ سالانہ ایک روپیہ چندہ میں ہر ماہ سب رس کے اس حصہ سے فائدہ اٹھا سکیں جو ان کی دلچسپی اور ضروریات کی تکمیل کے لیے خاص اہتمام سے مرتب کیا جائے گا۔" (۵۸۴)

اس رسالہ میں بچوں کی دلچسپی کے لیے دلچسپ اور مفید قصے، کہانیاں، مختصر معلوماتی مضامین، افسانے، نظمیں وغیرہ شایع ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ معمے، پہیلیاں اور لطیفے بھی درج کیے جاتے تھے۔

یہ رسالہ نہ صرف زبان و بیان بلکہ مضامین اور دوسری دلچسپیوں کے لحاظ سے وسطانیہ اور فوقانیہ کے طلبا کے لیے بہت ہی مفید تھا۔

اس رسالہ نے بچوں کے لیے بھی دکن نمبر (جنوری ۱۹۳۹ء) اور ریڈیو نمبر (جنوری ۱۹۴۱ء اقبال نمبر، اردو نمبر بھی) نکالا تھا۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے دسمبر ۱۹۴۷ء تک کے شمارے ادارہ ادبیات اردو میں دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ " **بزم ادب** ": یہ ماہوار رسالہ زیر سرپرستی جیرام پرشاد صدر مدرس دھرم ونت ہائی اسکول ۱۳۵۲ف م ۱۹۴۲ء / ۱۹۴۳ء میں کوٹلہ عالی جاہ حیدر آباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر بشوا ناتھ مدرس دھرم ونت ہائی اسکول تھے۔ یہ رسالہ چشتیہ پریس میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا حجم عموماً چوبیس صفحات اور سالانہ چندہ ایک روپیہ چار آنہ تھا۔

یہ بچوں کا مصور رسالہ تھا۔ اس میں بچوں کی دلچسپی کے لیے راجہ، رانی، جن اور پریوں کی کہانیاں درج ہوتی تھیں یعنی انگریزی کی FAIRY TALES کی قسم کی کہانیاں ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ اس میں سادہ اور سلیس زبان میں صنعت و حرفت سے متعلق مضامین اور لطیفے بھی شایع کیے جاتے تھے۔

اس رسالہ کا مقصد بچوں کو ابتدا ہی سے تعلیم کے ساتھ ساتھ صنعت و حرفت کی تعلیم کی طرف بھی راغب کرنا تھا۔

راقم الحروف کو اس رسالہ کے ماہ فروردی ۱۳۵۳ف تک کے چیدہ چیدہ شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں۔

رسالہ " مسلم ": یہ ماہوار رسالہ سنہ ۱۳۶۶ف م ۱۹۴۷ء سے حیدر آباد کن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر محمد صدیق جمال تھے۔ یہ رسالہ شیام سندر پریس حیدر آباد دکن میں عموماً ۲۰ تا ۳۰ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ مع محصول ڈاک تین روپیہ تھا۔

یہ بچوں کا رسالہ تھا۔ اس میں بچوں کی دلچسپی کے لیے کہانیاں، لطیفے، نصیحت کی باتیں درج ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ تعلیمی اور اخلاقی مضامین بھی شایع کیے جاتے تھے اور نظمیں وغیرہ بھی ہوتی تھیں۔

اس رسالے کے بعض مضامین بچوں کے ذہنی معیار سے بلند ہوتے تھے۔ یہ رسالہ سنہ ۱۹۴۷" کے بعد بھی جاری رہا۔

ادبی رسائل

ادبی رسائل میں ماہ ناموں کی حد تک کسی اہم نئے رسالہ کی اشاعت اس دور میں نظر نہیں آتی۔ لیکن ہندوستانی ادب جیسے رسائل میں یقیناً نئے زاویوں کی تلاش کی گئی البتہ سہ ماہی رسائل میں قاضی عبد الغفار کا " نیا ادب " اور " نیا زمانہ " بہت ہی اہم ہیں جن پر آئندہ صفحات میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان تمام رسائل میں یہ پہلو قابل ذکر ہے کہ ان کے موضوعات میں بھی تبدیلی آئی ہے۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر کہانیوں اور نظموں میں سماجی زندگی کے نقوش ملنے لگتے ہیں اور غزلوں میں بھی انیسویں صدی کی روایتی فرسودگی کے بجائے بیسویں صدی کی تازگی نظر

آتی ہے۔

رسالہ "دلگداز": یہ ماہوار رسالہ مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم کی یادگار میں اورنگ آباد دکن سے جاری ہوا۔ راقم الحروف کو اس رسالہ کا صرف ایک شمارہ ماہ مارچ سنہ ۱۹۳۳ء کا جو بتیسویں جلد کا تیسرا شمارہ ہے کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو میں دستیاب ہوا۔ اس کے ایڈیٹر محمد صدیق حسن صاحب تھے۔ اس کا حجم چوبیس صفحات ہے اور سالانہ چندہ مع محصول ڈاک ایک روپیہ بارہ آنہ تھا۔

اس رسالہ میں ادبی اور تاریخی مضامین شایع ہوتے تھے۔ راقم الحروف کو جو شمارہ دستیاب ہوا ہے اس میں جناب حکیم محمد سراج الحق صاحب کا ایک تاریخی مضمون بعنوان "مہابت خاں" اور ایک سوانحی مضمون "من آنم کہ من دانم یعنے مولانا شرر مرحوم کی خود نوشت سوانح عمری شائع ہوا تھا۔

ایک ہی شمارہ دستیاب ہونے کی وجہ سے اس رسالہ کی تفصیلی بحث ممکن نہیں لیکن "دلگداز" کی نشاۃ ثانیہ کا تصور ہی بہت معرکہ خیز ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ مالی مشکلات کی وجہ سے یہ رسالہ پابندی سے شایع نہ ہوا ہوگا۔

رسالہ "سلسلہ داستان گو": جناب علی احمد صاحب بی اے نے ماہ آذر سنہ ۱۳۴۵ف م اکتوبر سنہ ۱۹۳۵ء میں "سلسلہ داستان گو" کو معظم جاہی مارکیٹ حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ اس رسالہ کے سن اجرا کے تعلق سے جناب طیب انصاری کو تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے اسکا سنہ اجرا ۱۹۴۱ء لکھا ہے جو درست نہیں ہے (۵۸۵) ابتدا میں یہ رسالہ کوہی مشین پریس حیدرآباد میں طبع ہوتا تھا۔ بعد میں دوسرے مطابع میں طبع ہونے لگا۔ اس کا حجم عموماً ۳۸ تا ۴۸ صفحات ہوتا تھا اور سالانہ چندہ ایک روپیہ آٹھ آنہ تھا۔

اس رسالے میں صرف افسانے شایع ہوتے تھے جن میں بعض طبع زاد ہوتے اور بعض انگریزی اور عربی زبان سے ترجمہ کیے ہوئے ہوتے تھے۔ اس رسالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ ان افسانوں کو لکھنے والے یا ان کا ترجمہ کرنے والے تمام تر جامعہ عثمانیہ کے طلبا ہیں۔ اس رسالہ کا مقصد ملک کے نوجوانوں انشا پردازوں میں بلند پایہ افسانے لکھنے اور دوسری زبان سے ترجمہ کرنے کا شوق پیدا کرنا اور عوام کے ادبی مذاق کی بھی خاطر خواہ اصلاح کرنا تھا۔

اس رسالہ کے معاونین میں مخدوم محی الدین، جمیل احمد برنی، محمد احمد سبزواری، میر حسن، بدر الدین شکیب، سید اکبر وفاقانی اور خود علی احمد قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ ایک افسانہ بعنوان "بار امانت" (پانچویں قسط) پروفیسر عبدالقادر سروری ایم۔ اے۔ ال ال بی

(عثمانیہ) بھی شایع ہوا تھا۔

اس رسالہ کی اہمیت یہ بھی ہے کہ تخلیقی ادب کے سلسلے میں عبدالقادر سروری اور اکبر الدین صدیقی جیسے نقاد اور محققین کے نام نظر آتے ہیں اور مشہور شعرا جیسے سکندر علی وجد اور مخدوم محی الدین کے نام افسانوں کے ترجمے یا افسانہ نگاری کے سلسلے میں نظر آتے ہیں۔

اس رسالے کے ہر شمارے کا نام مختلف ہوتا تھا یعنی ہر شمارے میں جو سب سے اچھا افسانہ ہوتا تھا اسی افسانے کے عنوان کو رسالے کے سرورق پر بھی درج کر دیا جاتا تھا۔

راقم الحروف کو اس " سلسلہ داستان گو " کے نو شمارے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوئے ہیں جن کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) " حضرت ادریس کی تسبیح " (۲) " دوزخ کے خطوط " (۳) " اختر کی ڈائری " (۴) " انجام رقابت " (۵) " زمرد کے بندے " (۶) " حسن ظن " (۷) " پرواز " (۸) سنہ ۲۰۰۰ء " (۹) " بزم ارواح "۔

اس رسالہ کے بند ہونے کے تعلق سے جناب سید تمکین کاظمی لکھتے ہیں۔ " چونکہ اس کی باضابطہ اجازت نہیں لی گئی تھی اس لیے یہ پرچہ بند کر دیا گیا۔ (۵۸۶)

سلسلہ " پرواز خیال ": " سلسلہ داستان گو " کی طرح جناب مرتضیٰ مجتہدی نے ایک سلسلہ " پرواز خیال " کا ماہ فروردی سنہ ۱۳۴۸ف م فروری سنہ ۱۹۳۹ء میں شروع کیا۔ سلسلہ داستان گو کی طرح اس رسالہ کا نام بھی کسی اچھے افسانہ کے عنوان پر رکھا جاتا تھا۔ راقم الحروف کو اس " سلسلہ پرواز خیال " کا ایک شمارہ بعنوان " فریبی نظریں " اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوا جو ماہ اردی بہشت سنہ ۱۳۴۸ف م مارچ ۱۹۳۹ء میں شایع ہوا تھا۔ یہ رسالہ احمدیہ پریس چار مینار حیدر آباد دکن میں عموماً ۶۴ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ دو روپیہ آٹھ آنہ تھا۔

اس رسالہ میں دلچسپ طبعزاد افسانے، انشائیے، نظمیں و غزلیں اور رباعیات شایع ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ انگریزی نظموں کے ترجمے بھی شایع ہوتے تھے۔

اس رسالے کو مقامی و بیرونی انشا پردازوں اور شاعروں کا تعاون حاصل تھا اور اس میں اکثر نئے لکھنے والوں کی نگارشات بھی شایع کی جاتی تھیں۔ اس کے معاونین میں پروفیسر عبالقادر سروری، مخدوم محی الدین، خلیق نعمانی، ماہر القادری، تابش دہلوی اور خود مرتضیٰ مجتہدی قابل ذکر ہیں۔

اس رسالہ کا مقصد عوام میں ادبی ذوق پیدا کرنا اور نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا تھا۔

رسالہ "فصاحت": یہ ماہ نامہ اپریل سنہ ۱۹۴۱ء میں سلطان پورہ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے مالک وایڈیٹر صدیق احمد اثر تھے۔ یہ رسالہ ابتدا میں مہدی آرٹ پریس واقع چھتہ بازار حیدرآباد میں طبع ہوتا تھا بعد میں دوسرے مطابع میں طبع ہونے لگا۔ اس کا حجم عموماً ۲۰ تا ۴۸ صفحات ہوتا تھا اور سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔

اس رسالہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

پھر چلے دور جام مینائی
پھر چمن میں اثر بہار آئی

ابتدا میں اس رسالہ میں ہر ماہ طرحی غزلیات اور ایک دلچسپ قصہ شایع ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ قارئین کے ادبی سوالات کے جوابات دئے جاتے تھے اور مختلف مقامات پر منعقدہ مشاعروں کی روداد بھی شایع کی جاتی تھی۔ بعض دفعہ "بزم نسواں" کے تحت خواتین کا کلام شایع کیا جاتا تھا۔ ماہ ستمبر ۱۹۴۱ء سے قارئین کے اصرار پر اس میں علمی و ادبی مضامین بھی شایع کیے جانے لگے۔ اس کے علاوہ غیر طرحی کلام اور نظمیں بھی شایع ہونے لگیں۔

رسالہ "ہندوستانی ادب": یہ مصور ماہ نامہ ماہ امرداد سنہ ۱۳۵۰ ف م ماہ جون سنہ ۱۹۴۱ء میں جناب غلام محمد خان ام۔ اے (عثمانیہ) کی ادارت میں چنچل گوڑہ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی اور طیب انصاری کو اس رسالہ کے سن اجرا کے تعلق سے تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے اس کا سن اجرا سنہ ۱۹۳۹ء بتایا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ یہ رسالہ عہد آفریں برقی پریس میں عموماً ۴۸ تا ۱۰۰ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ چار روپیہ چار آنہ تھا۔

یہ رسالہ عام رسائل کی طرز پر نکلتا تھا۔ البتہ ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں زبان کے مسئلے پر عالمانہ مضامین شایع ہوتے تھے اور لسانی حیثیت سے اس کا جائزہ لیا جاتا تھا۔

اس رسالہ کے کچھ منتخب مضامین کے عنوانات درج کیے جاتے ہیں جن کے مطالعہ سے اس کی نوعیت، اہمیت اور معیار کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۱) "ہندوستانی" (از پروفیسر عبد القادر سروری) (۲) "ڈراما میں عمل کی اہمیت" (از جناب سید بادشاہ حسین صاحب) (۳) ہندوستانی زبان اور ادب کی چند نئی تحریکات" (از غلام محی الدین) (۴) "نظام الملک" (از جناب صابر صاحب مٹھیالوی) (۵) "موضوع تعلیم پر ایک لمحہ فکر" (از پروفیسر وجد الحسینی صاحب) (۶) "ادبی تنقید" (از جناب احمد خان بی۔ اے)

آزادی سے قبل بھی اس رسالہ کو حیدرآباد، میسور اور بھوپال کی ریاستوں کی سرپرستی حاصل رہی اور آزادی کے بعد بھی یہ سرپرستی نہ صرف برقرار رہی بلکہ اس میں پنجاب کی حکومت

بھی شامل ہو گئی۔

اس رسالہ نے کئی خاص نمبر نکالے تھے ان میں "ٹیگور نمبر" اور "جلیل نمبر" کافی مشہور و مقبول ہوئے۔

رسالہ "ہماری کتابیں": اس ماہ نامہ کو عبد الہادی مہتمم گشتی کتب خانہ انجمن ترقی اردو (ہند) نے ماہ جولائی سنہ ۱۹۴۲ء میں اردو گلی حیدر آباد دکن سے جاری کیا۔ اس کے مدیر جناب سید علی شبیر حاتمی بی ایس۔ سی (عثمانیہ) تھے۔ یہ رسالہ ابتدا میں مطبع دستگیری چیلپہ پورہ حیدر آباد میں عموماً ۲۸ تا ۳۸ صفحات پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ یہ رسالہ سر رشتہ تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی سے منظور شدہ تھا۔

یہ ادبی رسالہ تھا جس میں مندرجہ ذیل مستقل عنوانات پر مضامین اور تبصرے شایع کیے جاتے تھے۔

۔ "تکملہ" اس عنوان کے تحت ملک کے مختلف کتب خانوں کی فہرست شایع کی جاتی تھی۔

۔ "تذکرہ" کے ضمن میں ہر ماہ کسی ایک شاعر یا ادیب کے مکمل حالات زندگی مع تبصرہ تصانیف رج ہوتے تھے۔

۱۔ "تبصرہ" کے تحت مختلف کتابوں پر تبصرہ کیا جاتا تھا۔

۴۔ "خلاصہ کتب / قابل مطالعہ کتاب کے عنوان کے تحت کسی ایک کتاب کا خلاصہ شایع کیا جاتا تھا۔

۵۔ "کتب خانہ" کے عنوان سے ملک اور شہر کے مختلف مقامات کے کتب خانوں کا تعارف اور جملہ معلومات فراہم کی جاتی تھیں۔

۶۔ "قابل مطالعہ اکتساب" کے عنوان سے مختلف موضوعات پر لکھی گئی منتخب کتابوں کی تلخیص مع تبصرہ شایع کی جاتی تھی۔

۷۔ تعارف میں جدید مطبوعات کا تعارف کرایا جاتا اور مختلف رسائل میں جو اچھے مضامین شایع ہوتے تھے ان کی نشاندہی کی جاتی تھی۔

اس کے علاوہ علمی استفسارات کے جوابات بھی دئے جاتے تھے۔ یہ اپنی نوعیت کا واحد رسالہ تھا جسے کتابوں کی ڈائر کٹری کہا جا سکتا ہے۔

عہد حاضر میں اسی طرز پر دہلی سے "کتاب نما" نکل رہا ہے لیکن اس رسالہ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں کتب خانہ یا اس طرح کے دوسرے کتب خانوں کا اشاریہ ہوتا تھا جو "کتاب نما" میں نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کتاب کی تلخیص کا تصور بھی بہت معرکہ کی چیز تھی اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس رسالہ کے مرتبین میں بہت نامور شخصیتیں نہیں تھیں۔ اس طرح

کے رسالے اردو زبان میں پھر دیکھنے کو نہیں ملے۔

"نیا ادب": اس سہ ماہی رسالہ کو مالکان "اشاعت گھر" (حیدرآباد) غوث محی الدین اور چندر سین جائسوال نے ماہ جنوری سنہ ۱۹۴۴ء (۱۳۵۸ھ) میں حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ اس کے مدیر اعلیٰ قاضی عبدالغفار (*) تھے۔ اس کا حجم عموماً ۱۰۸ صفحات ہوتا تھا اور ایک شمارے کی قیمت پانچ آنہ تھی

(*) قاضی عبدالغفار ایک صاحب طرز ادیب اور کہنہ مشق صحافی تھے۔ یہ مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ تعلیم و تربیت علی گڑھ اور آکسفورڈ میں ہوئی۔ کچھ دن سرکاری ملازمت کی لیکن مولانا شوکت علی کے اصرار پر صحافت کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کی صحافتی زندگی کا آغاز مولانا محمد علی کے رفیق کی حیثیت سے ہوا۔ سنہ ۱۹۳۴ء میں حیدرآباد آئے اور سنہ ۱۹۳۵ء میں روزنامہ "پیام" جاری کیا جو سنہ ۱۹۴۶ء تک ان کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ سرمرزا کے دور وزارت عظمیٰ میں نظامت معلومات میں ان کی خدمات سے استفادہ کیا گیا۔ لیکن بہت جلد یہ سلسلہ ختم ہوگیا اور وہ علی گڑھ چلے گئے۔

ان کی تصانیف لیلیٰ کے خطوط، روزنامچہ، حیات اجمل، آثار جمال الدین افغانی، سیب کا درخت، نقش فرنگ اور آثار ابوالکلام قابل ذکر ہیں

(حیدرآباد کے ادیب (حصہ نثر) (جلد اول) صفحہ ۳۹۱)

قاضی عبدالغفار تخلیق کار تو تھے ہی لیکن صحافت میں بھی ان کے نام سے پہلے اگر کسی کا نام لیا جا سکتا ہے تو وہ سرسید، ابوالکلام آزاد اور مولانا ظفر علی خان جیسے لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ وہ عبقری (Genius) شخصیت کے مالک تھے اور ان کا دائرہ کار صحافت میں بھی متنوع تھا۔ انہوں نے جہاں روزنامہ اور ہفتہ وار کی ادارت کی وہاں ادبی رسائل بھی مرتب کئے اور اس سلسلے میں قاضی صاحب پر تحقیق کرنے والوں نے ان کی اس حیثیت کو نظر انداز کیا ہے۔

"نیا ادب" کے بارے میں ایک غلط فہمی یہ رہی ہے کہ یہ بمبئی سے شایع ہوتا تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ابتدا میں اس رسالہ کے کچھ شمارے "قومی دار الاشاعت" بمبئی سے شایع ہوئے۔ بعد میں اس کا مستقر بدل گیا اور یہ حیدرآباد دکن سے شایع ہونے لگا۔ یہ رسالہ ترقی پسند ادب کا ترجمان تھا۔

بعض رسائل کی اشاعت کسی مخصوص پیشہ یا مخصوص شعبہ زندگی سے متعلق ہوتی ہے لیکن بعض ایسے بھی رسائل نکلے جو کسی تحریک یا سیاسی نظریہ یا رجحان کی نشر و اشاعت کے لیے مخصوص تھے۔ اسی طرح کے نظریات میں اشتراکیت کا نظریہ تھا جس نے ترقی پسند تحریک کی

صورت میں سنہ ۱۹۳۶ء سے لے کر سنہ ۱۹۵۶ء تک ہندوستان کی تمام زبانوں کے ادب کو اور خصوصاً اردو ادب کو بے حد متاثر کیا۔

ترقی پسند ادب کی اشاعت کے سلسلے میں یہ پہلو مد نظر رکھا جاتا تھا کہ کم از کم ایک نظریاتی مضمون اور ایسی نظمیں یا افسانے پیش کیے جائیں جو کسی نہ کسی شکل میں ترقی پسند نظریات کی ترجمانی کریں۔ اس تحریک سے وابستہ افراد کا ایک حلقہ تھا اور عام طور سے ان رسائل کے لکھنے والوں میں اسی حلقے کے افراد ہوا کرتے تھے۔

حیدرآباد ترقی پسند تحریک کا اہم مرکز تھا۔ اس لیے بھی کہ یہاں چوتھی دہائی میں انقلابی تحریکیں زور پکڑ رہی تھیں اور اس لیے بھی کہ یہاں مخدوم محی الدین، قاضی عبدالغفار، ابراہیم جلیس جیسی شخصیتیں تھیں اور شاید اسی وجہ سے یہاں ترقی پسند ادیبوں کی کانفرنس کا انعقاد بھی عمل میں آیا تھا۔

ترقی پسند ادب کی ترجمانی کرنے والے رسائل میں لکھنے والوں کے نام نوے فیصدی تک مشترک ہیں لیکن ان کی تخلیقات میں بہرحال یکسانیت نہیں ہے اور ان تخلیقات نے ان رسائل کے ذریعہ اردو ادب کو ایک نیا مزاج دیا ہے۔

اس رسالہ کے مشمولات کی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) "ترقی پسند ادب کی تحریک" (خطبہ صدارت) "(از سجاد ظہیر) (۲) "کھلے ہوئے ہیں دلوں کی جراحتوں کے چمن" (نظم) (از جگر مرادآبادی) (۳) "جنون تیرتا پھر رہا ہے فضا میں" (نظم) (از جوش ملیح آبادی) (۴) "کارل مارکس" (نظم) (از جوش ملیح آبادی) (۵) "کون" (نظم) (از اختر انصاری) (۶) "رجعت پرستوں کا نعرہ" (نظم) (از احمد ندیم قاسمی) (۷) "موبی" (افسانہ) (از کرشن چندر) (۸) "جدید فرانسیسی شاعری" (مقالہ) (از سجاد ظہیر) (۹) "عصمت چغتائی" (تنقیدی مضمون) (از مجنوں گورکھپوری) (۱۰) "غزل کا مستقبل" (مقالہ) (از عطا محمد)

رسالہ "نیا زمانہ": یہ سہ ماہی رسالہ ماہ جنوری سنہ ۱۹۴۷ء (۱۳۵۶ف) میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے مدیر قاضی عبدالغفار اور شریک مدیر مسلم ضیائی تھے۔ اس رسالہ کی مجلس ادارت میں کرشن چندر، فضل الرحمن، مخدوم محی الدین اور ابراہیم جلیس شامل تھے۔ یہ رسالہ عہد آفریں برقی پریس میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا حجم ۱۹۲ صفحات ہوتا تھا۔

یہ ترقی پسند ادب کا ترجمان تھا۔ قاضی عبدالغفار اس رسالہ کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے اداریہ میں لکھتے ہیں۔

"اپنی ادبی غلطیوں کے اس تسلسل میں اب میں ایک غلطی کا ارتکاب کر رہا ہوں اور وہ ترقی پسند ادب کا نام لے کر اس رسالہ کی اشاعت ہے۔ نیا زمانہ کی

اشاعت کا مقصد ہرگز کوئی ذہنی اور ادبی تعیش نہیں ہے زندگی کے ناتمام تقاضوں میں سے یہ بھی ایک تقاضا ہے کہ کچھ لکھے جائیں اور کچھ کہے جائیں ----- قصہ مختصر "نیا زمانہ" اردو زبان کی بزم ادب میں مدعی بن کر نہیں آیا نہ کوئی بڑا ناقد بن کر آیا -------- ترقی پسند ادب کی قدرے قلیل کوئی خدمت اگر یہ رسالہ کر سکتا ہے تو صرف اتنی کہ ہر مکتب خیال کے ترقی پسند ادیبوں کو ان صفحات پر کچھ نہ کچھ لکھنے کی دعوت دے۔ ترقی پسند ادیبوں کے لئے ابھی قلم کا میدان تنگ ہے ------

"قدیم" سے محض انکار ۔۔ خواہ کتنا ہی شدید ہو --- فی نفسہ جدید کا اثبات نہیں ہوا کرتا۔ ایسی بے نفسی بے عمل اور عقیم بھی ہو سکتی ہے۔ "نیا زمانہ" صرف ایسے جدید ادب کا ترجمان بننا چاہتا ہے جو مجرد نفی کی طاقت کو ایک تعمیری اثبات میں منتقل کرتا ہو۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس مقصد میں کامیاب ہونا اس رسالہ کے لئے بھی ممکن ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ "نیا زمانہ" کا مقصد میں کامیاب ہونا ترقی پسند ادیبوں کے تعاون پر منحصر ہے۔" (۵۸۹)

اس رسالہ کے معاونین میں سجاد ظہیر، کرشن چندر، حسینی شاہد، بلونت سنگھ، ابراہیم جلیس، صدیقہ بیگم، محبوب حسین جگر، احمد ندیم قاسمی، سردار جعفری، شاہد صدیقی، سکندر علی وجد، عابد علی خاں اور خود قاضی عبدالغفار قابل ذکر ہیں۔

رسالہ "سویرا": یہ ماہ نامہ فروری سنہ ۱۹۴۷ء میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر غوث محی الدین (عثمانیہ) تھے۔ یہ رسالہ ابتدا میں صحیفہ پریس حیدرآباد میں طبع ہوتا تھا بعد میں دوسرے مطابع میں طبع ہونے لگا۔ اس کا حجم عموماً ۴۸ تا ۱۱۲ صفحات ہوتا تھا۔ اور سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔

اس کے پہلے صفحہ کی پیشانی پر مخدوم کا یہ شعر درج ہوتا تھا۔

حیات لے کے چلو کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو

یہ رسالہ ترقی پسند ادب کا ترجمان تھا اس کی پالیسی اور اغراض و مقاصد کے تعلق سے مدیر رسالہ مذکور اداریہ میں لکھتے ہیں۔

"ترقی پسند ادب کا ترجمان ہو گا اور اس تحریک کو آگے بڑھائے گا۔ اس عبوری دور میں ہمارا ملک سیاسی اور معاشی بدحالی میں مبتلا ہے اس کی پرچھائیاں ادب پر بھی پڑ رہی ہیں۔ ترقی پسندی کا نام لے کر رجعت پسندانہ چیزیں لکھی

جاری ہیں اور عوام میں گمراہی اور انتشار پیدا کیا جارہا ہے۔ ایسے وقت ہمارا فرض ہے کہ صحیح ترقی پسند ادب سے قارئین کو روشناس کرائیں۔ ہندوستانی سیاست قلابازیاں کھارہی ہے۔ سامراج کی شطرنج کی چالیں بدلتی جارہی ہیں۔ بنگال کے قحط کا داغ ابھی ہندوستان کے سینہ میں تازہ تھا کہ ملک بھر میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی ...... ایسے نازک دور میں ترقی پسند ادیب کا فرض ہے کہ وہ عوام کو ملک کے صحیح مسائل سے واقف کرائے باہمی منافرت کو دور کرے اور سامراجی چالبازیوں کا انکشاف کرے۔ "سویرا" ملک کے ان مسائل کی طرف خاص توجہ کرے گا۔ (۵۹۰)

یہ ایک معیاری ادبی رسالہ تھا۔ اس کے معاونین میں ابراہیم جلیس، علی سردار جعفری، ل۔ احمد، پروفیسر خلیفہ عبدالحکیم، مخدوم محی الدین، پروفیسر عزیز احمد، کیفی اعظمی، فراق گورکھپوری، سلیمان اریب، خلیل الرحمن اعظمی، عالم خوند میری، قاضی عبدالغفار، ساحر لدھیانوی، غلام ربانی تاباں، شاہد صدیقی، ابن انشا اور عابد علی خاں قابل ذکر ہیں۔

اس رسالہ کے مشمولات کی ایک منتخب فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے جس سے اس کی نوعیت اور معیار کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

(۱) "نیا ادب کیا ہے" (از ل۔ احمد) (۲) "ادب میں مخالف سامراجی تصورات" (از ابراہیم جلیس) (۳) "غالب۔۔ عبوری دور کا شاعر" (از علی سردار جعفری) (۴) "منشی پریم چند" (از قاضی عبدالغفار) (۵) "ہندوستان میں اشتمالی تحریک" (از عابد علی خاں) (۶) "اردو کی چند اچھی نظمیں" (از پروفیسر عزیز احمد) (۷) "ادب میں تسلسل اور تغیر" (از فراق گورکھپوری) (۸) "بنگالی ادب میں جدید رجحانات" (از محمد یونس احمر) (۹) "انقلابی شعر و ادب کی اہمیت" (از محمد سلطان تیمور) (۱۰) "ترقی پسند شاعری اور جدید فنی رجحانات" (از وامق احمد مجتبیٰ)

رسالہ "داستان": یہ ماہ نامہ فروری سنہ ۱۹۴۷ء میں توپ کا سانچہ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ اس کے مدیر احمد مکی تھے ابتدا میں ادارہ تحریر میں زینت ساجدہ، مظہر ممتاز اور جاوید عزیز تھے۔ یہ رسالہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد میں طبع ہوتا تھا اس کا حجم عموماً ۵۶ تا ۶۴ صفحات ہوتا اور سالانہ چندہ پانچ روپیہ چھ آنہ تھا۔

یہ مصور رسالہ تھا۔ اس کے سرورق پر ہر ماہ کسی ادیب یا شاعر کی تصویر دی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں پہلی بار قرۃ العین حیدر کی تصویر دی گئی تھی۔ اس میں تنقیدی مقالے، تحقیقی مضامین، افسانے، انشائیے، اور غزلیں و نظمیں شائع ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ اس رسالہ میں ہر ماہ کسی افسانہ نگار کا افسانہ شائع کیا جاتا اور اس پر تنقید و تبصرہ کیا جاتا تھا اس کے علاوہ خیالستان کے

مستقل عنوان سے فلمی خبریں اور فلموں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا۔

اس رسالہ کے اغراض و مقاصد اور پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے احمد مکی اداریہ میں لکھتے ہیں۔

" داستان " نہ تو گل و بلبل اور طوطا مینا کی فرسودہ کہانیاں چھاپے گا نہ عریاں افسانوں کو اپنے صفحات پر جگہ دے گا۔ وہ بیان کرے گا داستان اس زندگی کی جس سے آج ساری دنیا نبرد آزما ہے وہ سنائے گا قصے اس دور کے جو ہماری نگاہوں کے سامنے گزر رہا ہے وہ ترجمانی کرے گا ایسے ادیبوں کی جن کی جوان روحوں میں نئی زندگی کا لہو انگڑائیاں لے رہا ہے جن کی فنکاری میں حیات نو کی تصویریں نمایاں ہیں۔ جن کی قلم کاری نئی زندگی کی پیامی ہے جو وقت کی ضرورتوں اور تقاضوں کے نباض ہیں۔ اسی احساس کے تحت میں نے داستان جاری کیا۔ " (۵۹۱)

اس رسالہ کو بھی اردو کے مقامی و بیرونی مشہور انشاپردازوں اور شاعروں کا تعاون حاصل تھا۔ اس کے معاونین میں میراجی، ابراہیم جلیس، ساغر نظامی، کیفی اعظمی، حسینی شاہد، جگر مرادآبادی، قرۃ العین حیدر، اختر الایمان، احمد ندیم قاسمی۔ سلیمان اریب، سلام مچھلی شہری، شاہد صدیقی، زینت ساجدہ، ہاجرہ مسرور، محبوب حسین جگر، نصیر الدین ہاشمی، پروفیسر اویس احمد ادیب، غلام ربانی تاباں، میکش حیدرآبادی، مجروح سلطان پوری، اختر ہوشیار پوری، ریوتی شرن شرما، عالم خوند میری، پروفیسر شور، جوش ملیح آبادی، خواجہ احمد عباس اور عبادت بریلوی قابل ذکر ہیں۔

یہ رسالہ سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی جاری رہا۔

گلدستے

گلدستہ " مرقع جشن سیمیں ": اس گلدستہ کو میر عثمان علی خان آصف سابع کی سلور جوبلی تقریب کی یادگار میں سید جعفر اللہ حسینی صادق نے سنہ ۱۳۵۴ھ م ۱۹۳۵ء میں حیدر آباد دکن سے شائع کیا۔ یہ گلدستہ عثمانیہ المعارف پریس چھتہ بازار میں ۲۴ صفحات پر طبع ہوا تھا۔

اس گلدستہ میں مختلف مقامی و بیرونی شعرا کا غیر طرح (مدحیہ) کلام جو آصف سابع کی مدح میں ہے شائع کیا گیا تھا۔ اس گلدستہ میں سب سے پہلے میر عثمان علی خان کی غزل شائع کی گئی تھی۔

اس میں جن مشہور شعرا کا کلام چھپا تھا ان میں مہاراجہ سرکشن پرشاد، فصاحت جنگ جلیل، نواب معظم جاہ شجیع، اختر مینائی اور مونس احمد (مدیر آئینہ ادب) قابل ذکر ہیں۔

استدراک : پیش نظر تصنیف کی کتابت مکمل ہونے کے بعد راقم الحروف کو جناب عبدالصمد خاں صاحب مالک اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد کے کتب خانے میں مزید کچھ گلدستے دستیاب ہوئے جو انہوں نے حال ہی میں ملک کے مختلف نجی ذخیروں سے جمع کئے ہیں۔ طوالت کے خوف سے ذیل میں ان کا مختصر سا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

گلدستہ محمودی ": اس گلدستہ کے مرتب حافظ محمد منیر الدین خاں صاحب محمودی منیر نے اسے ۱۳۰۸ھ میں حیدرآباد سے جاری کیا۔ یہ گلدستہ محمد عزیز الدین چشتی محمودی کے زیر اہتمام مطبع عزیز دکن میں ۳۶ صفحات پر طبع ہوا تھا اس میں مقامی و بیرونی شعراء کا طرح کلام درج ہے۔

گلدستہ بہار: یہ گلدستہ محمد عبداللہ مالک نائک وکٹوریہ، لیڈی جمیلہ کلکتہ کی فرمائش پر ۱۳۱۴ھ میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا تھا۔ اس گلدستے کے آخر میں تمام راگ راگنیوں کے نام درج کیے گئے ہیں۔ گلدستہ بہار یہ مطبع فخر نظامی حیدرآباد میں ۳۲ صفحات پر طبع ہوا تھا۔

گلدستہ محبوب دکن: یہ قصائد کا گلدستہ تھا جو محمد برہان الدین تاجر کتب بازار پتھر گٹی کی فرمائش پر ۱۲ رجب ۱۳۲۸ھ کو انبیکا پرنٹنگ پریس حیدرآباد میں طبع ہوکر حیدرآباد دکن سے شائع ہوا تھا۔ اس گلدستے میں تمام قصائد نواب میر محبوب علی خاں کی مدح میں درج ہیں۔

گلدستہ یادگار مستقل وزارت شاد: اس گلدستہ کو مہاراجہ کشن پرشاد کے

مستقل مدار المہام منتخب ہونے کی خوشی میں محمد عبداللہ خاں ضغیم نے حیدرآباد دکن سے ۲۶ شعبان المعظم ۱۳۲۰ھ کو جاری کیا تھا۔ یہ گلدستہ مطبع محبوب شاہی چھتہ بازار میں ۸۶ صفحات پر طبع ہوا اور اہل ذوق میں مفت تقسیم کیا گیا۔

گلدستہ شہاب المعروف گنجینۂ نعت: یہ نعتیہ گلدستہ ۹ / صفر ۱۳۳۲ھ کو حیدرآباد سے جاری ہوا تھا اور یہ محمد برہان الدین تاجر کتب کے زیر اہتمام مطبع ابراہیمیہ میں طبع ہوا تھا۔

گلدستہ شور عاشقاں: یہ گلدستہ حضرت منشی میر امداد علی شاہ صاحب قبلہ قلندر چشتی نظامیؒ کے عرس کے موقعہ پر منعقد طرحی مشاعرہ میں پڑھے گئے کلام کا مجموعہ ہے جس کو نواب احمد نواز جنگ بہادر فانی کی فرمائش پر ۱۳۳۶ھ میں جاری کیا گیا یہ گلدستہ دکن پریس بازار عیسیٰ میاں میں ۴۲ صفحات پر طبع ہوا۔

گلدستہ شایق: یہ گلدستہ محمد برہان الدین تاجر کتب کی فرمائش پر مطبع شوکت الاسلام میں ۱۲ صفحات پر طبع ہو کر ۱۳۳۱ھ میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا تھا۔

گلدستہ شہید ناز: اس گلدستہ کے مرتب محمد محمد شمس الدین کتب فروش نے اسے ۱۳۴۸ھ میں حیدرآباد دکن سے جاری کیا۔ یہ گلدستہ مطبع رحیم پریس چھتہ بازار ۴۰ صفحات پر طبع ہوا تھا اس میں صوفیانہ، عاشقانہ اور نعتیہ کلام درج ہے۔

گلدستہ امارت سخن: یہ گلدستہ نواب میر عثمان علی خاں بہادر کی سالگرہ اور نواب مکرم جاہ بہادر کی ولادت باسعادت کی پر مسرت یادگار میں اظہار عقیدت کے طور پر ماہ / رجب المرجب ۱۳۵۳ھ میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ یہ گلدستہ حکیم خواجہ محی الدین جامی کے زیر اہتمام مسعود دکن پریس کالی کمان میں ۲۷ صفحات پر طبع ہوا۔

گلدستہ بزم طرب المعروف نغمہ: یہ گلدستہ محمد مرتضی صاحب خلف اکبر مولوی محمد چاند صاحب صوفی کے عقد مسعود کے پر مسرت موقع پر ۲۶ / شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ کو شائع ہوا اس کے مرتب محبوب عرف غوثو میاں نے اسے نظام پریس چھتہ بازار میں ۳۲ صفحات پر طبع کرایا تھا۔ اس میں مقامی و بیرونی شعراء کا طرحی و غیر طرحی کلام درج ہے۔

گلدستہ میخانہ محبت: جشن باسعادت سیدنا غوث الاعظیم دستگیرؒ کے موقعہ پر منعقد طرحی مشاعرے کے تمام کلام کو سید عبدالرزاق جعفر القادری ایم ۔ اے (عثمانیہ) نے جمع کر کے گلدستہ میخانے محبت کے نام سے ۱۳۶۰ھ میں حیدرآباد میں شائع کیا ۔ اس گلدستہ کا صرف سرورق اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد میں چھپا تھا اس گلدستہ کی ضخامت ۸۷ صفحات ہے ۔

گلدستہ زعم: عرس حضرت حافظ سید شاہ غلام محمد زعم رفاعی القادری (واقع پل مسلم جنگ) کے موقع پر ایک طرحی مشاعرہ منعقد ہوا تھا ۔ اس مشاعرے میں مختلف شعراء نے جو طرحی غزلیں پڑھی تھیں اسے مولوی سید محمد حسین صاحب آزاد معتمد مشاعرہ نے گلدستہ زعم کے نام سے ۱۳۶۹ھ میں حیدرآباد سے شائع کیا یہ سالانہ گلدستہ انتخاب پریس حیدرآباد میں ۵۴ صفحات پر ہوتا تھا اور کافی عرصہ تک جاری رہا ۔

گلدستہ سرمدی سویرا: حضرت سید خواجہ حسن برہنہ شاہ صاحب قبلہ کے عرس کے موقع پر ایک طرحی مشاعرہ ۱۵ / جمادی الاول ۱۳۷۴ھ کو منعقد ہوا تھا اس مشاعرے میں پڑھے گئے تمام کلام کو مولانا حامد قریشی نے مرتب کر کے گلدستہ سرمدی سویرا کے نام سے شائع کیا ۔ یہ گلدستہ اعجاز مشین پریس چھتہ بازار میں ۳۲ صفحات پر طبع ہوا تھا ۔

حیدرآباد کے رسائل کے موضوعات

انیسویں صدی میں اردو میں یا کسی بھی علاقائی زبان میں اخبارات کا وہ تصور نہیں کیا جاسکتا ہے جو دور حاضر میں کیا جاسکتا ہے دہلی سے اردو میں ضرور اخبارات نکلتے تھے لیکن وہ ایک مخصوص دور میں ہی فروغ پاسکے۔

اور پھر ان اخبارات میں خبریں کم اور ادارہ کے نظریات زیادہ ہوا کرتے تھے یعنی انھیں "نیوز پیپر"(NEWS PAPER) کے بجائے "ویوز پیپر"(VIEWS PAPER) کہا جاسکتا تھا اس نظریاتی تشہیر اور اشاعت، مضامین کے ذریعے عوام میں دیرپا اثرات پیدا کرنے والے تصورات کی تخلیق! لوگوں میں اردو ادب کا ذوق پیدا کرنا اور اردو کے مسائل کی طرف متوجہ کرانا۔ ان تمام باتوں کا بوجھ رسائل نے زیادہ برداشت کیا اور ان کی اہمیت بڑھتی گئی۔

حیدرآباد میں عثمانیہ یونیورسٹی قائم ہوئی جہاں اردو ذریعہ تعلیم تھی اور ایک دارالترجمہ کا قیام بھی عمل میں آیا تھا۔ یہ کوئی اتفاقی یا حادثاتی عمل تھا نہ ہی کسی ایک شخص کی ذہنی افتاد طبع کا رد عمل تھا البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حیدرآباد کی ریاست کا سربراہ مسلمان تھا اور مسلمانوں کو بھی اردو سے ہمدردی تھی اس لئے حیدرآباد میں اردو کو زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ لیکن اس کے بالمقابل دوسری مثال بھی ملاحظہ ہو۔ رامپور کی ریاست کا سربراہ بھی مسلمان تھا اور رامپور کی ریاست میں (۸۰) اسی فیصد سے زیادہ مسلمان آبادی تھی اور رامپور کا حکمران بھی "فرزند دلپذیر دو لت انگلشیہ" کے لقب سے ملقب تھا مگر رامپور کو کسی طرح سے بھی اردو کے ایک بڑے مرکز کی حیثیت نہ حاصل ہوسکی۔ رامپور سے متصل علی گڑھ تھا جہاں ایک بہت بڑا تعلیمی مرکز جنم لے چکا تھا لیکن وہاں بھی اس طرح کا رجحان نظر نہیں آتا۔ لکھنو میں بھی ایک ایسی ریاست تھی جسے اردو سے بڑی گہری وابستگی تھی سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد بھی لکھنو میں بڑے بڑے تعلقہ داروں کی اردو سے گہری وابستگی کے باوجود بھی کوئی ایسا ٹھوس کام نہ ہوسکا جو اردو کے فروغ یا ترقی کا سبب بنتا۔ بھوپال کا سربراہ بھی مسلمان تھا لیکن بھوپال کی ریاست کے پاس بھی اس طرح کا کوئی تصور نظر نہیں آتا۔

یہ حقیقت ہے کہ زبان کی ترقی اور فروغ کے لئے ذرائع ابلاغ ناگزیر حیثیت رکھتے ہیں رسائل کی بھی ذرائع ابلاغ میں بہت اہمیت ہے خصوصاً انیسویں صدی کے نصف سے لے کر بیسویں صدی کی ایک چوتھائی تک تمام ذرائع ابلاغ میں رسائل کی اہمیت زیادہ تھی ۔ اور اردو کے جن مراکز کا ذکر کیا گیا ہے ان تمام مراکز میں رسائل کے سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان جگہوں سے بہت کم رسائل کی اشاعت عمل میں آئی ۔ لاہور جیسے پانچ چھ رسائل کی وجہ سے بڑی اہمیت حاصل ہوئی ہے مثلاً "مخزن " اور بعد میں "ادبی دنیا " ، "پیسہ اخبار " (یہ اخبار بھی تھا اور اس کے ایڈیشن رسائل کی شکل میں بھی نکلتے تھے) ، "عالمگیر " ، "ہمایوں " ، نیرنگ خیال " وغیرہ ۔ ایک ہی طرز کے رسالے تھے ان میں نظمیں غزلیں افسانے اور مضامین ہوا کرتے تھے اور ان رسائل نے اردو کے تصور کو بہت ہی محدود زاویہ سے دیکھنے کی کوشش کی اس کے برعکس حیدرآباد میں یہ تصور پیدا ہوا کہ کوئی بھی زبان صرف شعروشاعری ، ڈرامہ ، افسانہ یا ناول نگاری کے لیے ہی نہیں ہوتی بلکہ زبان کو زندگی کے ہمہ جہتی رخ کی عکاسی بھی کرنی چاہئے اور یہی عکاسی دراصل زبان کو ایک مضبوط بنیاد اور استحکام بخشتی ہے زبان میں مختلف موضوعات کے اظہار کے لئے صلاحیت ہونی چاہئے اسی سے زبان کے دائرے میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور اسی بناء پر زبان کو وسیلہ اظہار بنایا جاتا ہے زبان میں زندگی کی رنگارنگی وسعت و جامعیت کا اس طرح اظہار ہوتا ہے ۔

اردو کے دور آغاز ہی سے اسے "گل و بلبل " اور " مذہب " کے دائرے تک محدود رکھا گیا ۔ یہ "گل و بلبل " داستانوں میں "طوطا مینا" بن کر یا تصوف کے رسائل کی حیثیت سے مذہبی لبادہ میں مل جاتے ہیں ۔ اس کے برعکس اردو میں وہ موضوعات داخل نہیں کئے گئے جو انیسویں صدی میں اپنا وجود رکھتے تھے مثلاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں چونکہ صنعتی نظام نہیں تھا اس لئے یہاں نثر میں ایسے موضوعات کو جگہ نہ مل سکی جن کا تعلق صنعت و حرفت سے تھا لیکن ہندوستان میں بہرحال زراعت تو تھی مگر زراعت پر بھی کوئی کتاب یا مضمون بمشکل ہی مل سکے گا

حیدرآباد میں رسائل کے ذریعہ اس کی کوشش کی گئی کہ زراعت ، باغبانی ، صنعت و حرفت ، سائنس ، طبعیات ، کیمیا ، ہئیت ، فلکیات ، تدریسات ، طب ، فلسفہ ، تاریخ و تمدن ، معاشرت ، سوانح ، اقتصادیات ، فن تعمیر ، موسیقی ، حسن کاری ، مجسمہ سازی ، مصوری ، ریاضی ، نجوم ، اور حیوانات جیسے موضوعات پر بھی قلم اٹھایا جائے اور زبان کے دائرے کو وسیع تر کیا جائے ۔ یہ وہ موضوعات تھے جو زندگی کے تقریباً ہر رخ کو اپنے دامن میں لئے ہوئے تھے ۔

خالص ادبی موضوعات میں بھی کئی نئے گوشے انہی رسائل کی وجہ سے سامنے آئے مثلاً تحقیق میں ، دکھنیات ، تنقید میں ، غالبیات ، واقبالیات ، اور افسانہ میں تراجم ناولوں میں قسط وار

ناولوں کا سلسلہ وغیرہ۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو حیدرآبا نے زندگی کے ہمہ جہتی رخ کو رسائل ذریعہ پیش کیا۔ رسائل کے اس انداز اور رویہ نے اردو کو ایک مستحکم بنیاد عطا کی اور اس فضاء کی تعمیر کی جو آگے چل کر عثمانیہ یونیورسٹی اور دارالترجمہ کے قیام میں ساز گار ثابت ہوئی۔ ان رسائل کا یہی وہ مثبت رویہ تھا جس نے اردو کو غزل اور داستان کے طلسم سے نکال کر اسے زندہ زبان کی منزل تک پہونچایا جہاں وہ معاصر زبانوں سے آنکھیں چار کر سکے۔ اس میں یہ وسعت و صلاحیت پیدا ہوئی کہ وہ ہر موضوع کو اپنے دامن میں سمیٹ سکے ایک ایسے دور میں جب سائنس کے مختلف موضوعات کی تدریس اور تفہیم کے لئے ہر قدم پر انگریزی کا سہارا ڈھونڈنے کی زیادہ ضرورت نہیں رہ گئی۔

ان تمام موضوعات کے علاوہ ان رسائل میں سماجیات کے اہم پہلو بھی مل جاتے ہیں جیسے سیاست، اقتصادیات اور معاشیات ہندوستانی طبقات میں پس ماندگی کے اسباب رسم و رواج اور توہم پرستی وغیرہ یہ ایسے پہلو ہیں جو دوسری جگہ سے نکلنے والے رسائل میں مشترک ہیں لیکن اس سے اس پہلو کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ حیدرآباد میں رسائل نے جہاں نئے موضوعات کی تلاش میں نئی دنیاوں کی تعمیر کی وہاں انھوں نے روایتی موضوعات سے صرف نظر نہیں کیا چنانچہ مذہب جو ہندوستان کی سماجی زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے اور تقریباً بیشتر رسائل میں کسی نہ کسی زاویہ سے نظر آتا ہے اسے بھی حیدرآبادی رسائل نے نظرانداز نہیں کیا اور مذہب کے ساتھ ساتھ مذہبی تاریخ کے گوشے بھی سامنے لائے گئے اور تاریخ کے سلسلے میں ایسے ذوق کو پیدا کیا گیا جس سے تاریخ افراد کی سرگزشت بن کر نہ رہ جائے بلکہ اس کے ذریعہ تہذیب و تمدن و معاشرت کی جھلکیاں بھی سامنے آسکیں۔

ایک اور پہلو جو انسانی زندگی کو مختلف انداز سے موثر تا رہتا ہے اور یہ پہلو ہے دفاتر کی زبان، مروجہ قانون، اصطلاحات، گشتیاں، فرامین، چٹھیاں، عدالتوں کے فیصلے، درخواستیں، بیع و شرا کے معاہدات کی زبان وغیرہ۔ اس تجزیہ میں ایسے رسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جن میں یہ سارے موضوعات کسی نہ کسی رخ سے سامنے آتے ہیں۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں کتنی وسعت اور اپنے عصر کے انجذاب کی کتنی صلاحیت پیدا ہو چلی تھی اور رسائل نے انہیں فروغ دینے اور استحکام بخشنے میں کس حد تک مثبت کردار ادا کیا تھا۔ شمالی ہند میں بہت سی جگہوں پر دفاتر کی زبان اردو ہی تھی لیکن اس کے باوجود وہاں شاید ہی اس طرح کا کوئی رسالہ نظر آئے یہ امتیاز بھی حیدرآباد کو حاصل تھا کہ یہاں انگریزی کے طرز پر آل انڈیا جرنلس کی طرح کے رسائل نکلے۔

ان رسائل نے نفسیاتی طور پر عوام میں اور خصوصاً اردو داں طبقہ میں گرمئ محفل کی فضا پیدا کی۔ (اس طرح کی گرمئ محفل کا ایک سبب انجمنوں کے ترجمان رسائل بھی تھے جو اپنی

انجمنوں کے فروغ و استحکام کے لیے کوشاں رہتے تھے اور ان کی وجہ سے دلچسپی اور وابستگی میں اضافہ ہوتا تھا) اور اس فضا نے لوگوں میں زبان کے سلسلے میں صحت مند رجحانات کی تخلیق بھی کی اور اس کی تربیت نیز اسے استحکام بھی بخشا۔ یہ نفسیاتی فضا دراصل بڑی اہمیت کی مالک تھی اس لئے کہ جب تک لوگوں میں جوش و خروش و لولہ اور امنگ نہ ہو زبان سے وابستگی نہیں پیدا ہو سکتی اس اعتبار سے ان رسائل کا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ان کی وجہ سے نہ صرف حیدرآباد بلکہ پورے جنوب میں ایک ایسا ماحول پیدا ہوا جہاں اردو کی اہمیت و افادیت کے ساتھ اس سے شدید وابستگی ناگزیر حیثیت اختیار کر گئی۔

اس پس منظر میں رسائل کی اہمیت اور افادیت کی ساتھ ساتھ یہ پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ حیدرآباد میں ان رسائل کی وجہ سے اردو کو ہمہ جہتی ترقی ہوئی اور استحکام ملا۔

اردو کے فروغ میں حیدرآباد کے رسائل کا حصہ

"رسائل کا تعلق بھی ذرائع ابلاغ ہے عوام میں ترسیل کا بہترین وسیلہ ہونے کا ساتھ رسائل اپنے عہد کی تفسیر بھی کرتے ہیں۔ رسائل سے سیاسی، سماجی، معاشرتی، تہذیبی رجحانات کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔
ایسے اہم موڑ بھی آتے ہیں جب رسائل نے پوری سوسائٹی کے مزاج کی تعمیر بھی کی ہے اور رہنمائی بھی اسی طرح رسائل میں اپنے دور کی زندگی کی تفسیر بھی ہوتی ہے اور تنقید بھی۔"

اس قول کی روشنی میں رسائل کی اہمیت اور سماجی زندگی میں ان کے کردار پر اگر غور کیا جائے تو یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ذرائع ابلاغ میں جو اہمیت دور حاضر میں ریڈیو، ٹی وی وغیرہ کی ہے اس سے کہیں زیادہ اہمیت ماضی میں اخبارات اور رسائل کی تھی اس لئے کہ اس وقت یہ ابلاغ کا واحد ذریعہ تھے۔ اخبارات، رسائل سے یقیناً زیادہ اہم ہیں ماضی میں بھی انہیں رسائل پر فوقیت تھی دور حاضر میں بھی اخبار کی اہمیت ریڈیو اور ٹی وی کے باوجود اپنی جگہ پر ہے دراصل اخبار زبان وادب کے لیے تشہیری حیثیت رکھتے ہیں جب کہ دوسرے ذرائع بنیادی طور پر تفریحی نوعیت کے ہوتے ہیں آج بھی اردو میں اخبار نکالنا مشکل ہے اس دور میں بہت کم اخبار شائع ہوا کرتے تھے۔ اس لیے ترسیل کی زیادہ تر ذمہ داری رسائل پر تھی یہ رسائل عوام کے مزاج کی نمائندگی کرتے تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ان سے اس دور کے مذاق، رجحان اور میلان کا بھی پتہ چلتا ہے اور ان کی وجہ سے عوام کو ایک نئی روشنی بھی ملتی تھی۔

رسائل ہر طرح کے ہوتے ہیں۔ ادبی، علمی، فنی، طبی، قانونی، فلمی اور خالص تفریحی جن کا مقصد محض وقت گزاری ہوتا ہے۔ لیکن ان تمام رسائل میں کسی نہ کسی شکل میں انسانی مشاہدات و تجربات کے اہم نتائج کا تذکرہ ہوتا ہے اور اس اعتبار سے رسائل کی دنیا اپنے اندر ایک وسیع کائنات رکھتی ہے۔ رسالہ عربی کے مادہ "رسل" سے بنا ہے جس کے معنی پہنچانے کے ہیں اس طرح لفظی حیثیت سے اگر غور کیا جائے تو رسائل ایک کے خیال کو دوسرے تک پہنچانے کا وسیلہ ہوتے ہیں ان رسائل کے ذریعہ افراد کے رجحان اور پورے معاشرے کی سمت ورفتار کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

کتابیں کسی ایک مخصوص موضوع پر ہوتی ہیں یہ ممکن ہے کہ ایک کتاب کے کئی مصنف ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ ایک رسالہ کا موضوع بھی محدود ہو لیکن کتاب اور رسالہ میں جو شیئے مابہ الامتیاز ہے وہ اس کا معیاری اور ہنگامی ہونا ہے رسالہ معیاری PERIODICAL ہے

اس اصطلاح میں اخبار اور رسالے دونوں شامل ہیں ۔ رسالہ ہر مہینے نکلتا ہے دوسرے ، تیسرے مہینے نکلتا ہے کتاب میں اس طرح کی کوئی پابندی نہیں ہوتی اس طرح رسائل کے ذریعے ہم وقت کے تغیرات لمحہ بہ لمحہ تبدیلیوں اور مختلف رجحانات کے بننے یا بگڑنے کا اندازہ لگا سکتے ہیں ۔

رسائل کی ایک اہمیت اس بناء پر بھی ہے کہ ان کے ذریعے تاریخ کے تسلسل کے عمل کو سمجھا جاسکتا ہے اردو رسالے انیسویں صدی میں شائع ہونا شروع ہوئے اس لئے ان کے ذریعے کم از کم ڈیڑھ سو برس سے زائد عرصے کی تاریخ کے نشیب و فراز کو اور اس کے تسلسل کو سمجھنا آسان ہوتا ہے رسائل اس خلا کو پر کرتے ہیں جو مسلسل کسی اہم ادبی تحقیق کے وجود میں نہ آنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے ۔ ادبی تاریخ کی گمشدہ کڑیوں کی بازیافت میں بھی رسائل مددگار ہوتے ہیں اور اس کا ایک ثبوت یہ مطالعہ ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بہت سارے موضوعات یا مصنفین یا ان کی تخلیقات یا ان کے اجتہاد یا تسامحات کب ، کیسے اور کن حالات میں وجود میں آئے

اردو رسائل کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے کچھ پہلو سامنے آتے ہیں اور ان میں ایک بات یقیناً بہت اہم ہے اور وہ یہ کہ بیشتر اردو رسائل نظم و نثر دونوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں اردو رسائل کا مزاج عمومی طور پر بہت عالمانہ نہیں رہا ہے اور نہ ہی موضوعاتی رہا ہے اردو رسائل کا مرکز پنجاب کو سمجھا جاتا ہے ۔ جہاں سے " مخزن " " ہمایوں " " نیرنگ خیال " اور " عالمگیر " وغیرہ شائع ہوتے تھے ۔

یہ رسائل اپنے اپنے عہد کی ادبی شخصیتوں کی تعمیر بھی کرتے تھے اور انہیں عوام سے روشناس کرانے میں مددگار ثابت ہوتے تھے ۔ یو ۔ پی نے رسائل کی دنیا میں بعض اہم رسائل کے ذریعے سے ادبی تاریخ کو نئے موڑ دیئے انیسویں صدی میں " اودھ پنچ " اور " تہذیب الاخلاق " یا پھر " خیر خواہ ہند " جیسے رسائل نے ادبی اسلوب کے تعین میں مدد کی ، بیسویں صدی میں " صلائے عام " نگار اور ہندوستانی " جیسے رسالے یو ۔ پی سے نکلے ۔ ان سب میں ایک بات مشترک نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ ان رسائل نے جہاں اردو کے مزاج کی پاسداری کی وہاں مغربی اثرات بھی قبول کیے اور مشرق و مغرب کا ایک خوبصورت سنگم تیار کیا ۔ لیکن ان تمام رسائل میں ایک خامی بھی مشترک رہی اور وہ ہے ان کی اشاعت کی بے قاعدگی ، ان میں ہنگامی موضوعات کے ساتھ شعری تخلیقات پر زیادہ زور دیا گیا ہے خصوصاً غزل پر ۔

حیدرآباد سے نکلنے والے اردو رسائل کا تجزیہ مجموعی حیثیت سے رسائل کی صنفی خصوصیت ، اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالتا ہے حیدرآباد کے رسائل نے بھی اپنے سماج کی اور اپنے ادوار کی تصویر کشی کے ساتھ ہی ساتھ تنقید بھی کی ہے یہاں سے بے شمار رسالے جاری ہوئے جو کبھی پابندی وقت سے کبھی بے قاعدگی سے شائع ہوتے رہے یہاں کے رسائل میں بھی

اپنے طرز کی بنیاد پر وہ ساری خوبیاں و خامیاں تھیں جو شمالی ہند کے دیگر رسائل میں پائی جاتی تھیں لیکن کئی اعتبار سے ان رسائل کا مزاج کسی حد تک مختلف تھا۔ ان کی اہمیت اور افادیت کے بہت سے نئے گوشے سامنے آتے ہیں جنہیں اختصار کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

حیدرآباد کے ادبی رسائل کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے تاریخ کے ایک نئے تصور کو مدنظر رکھنا ہوگا اور اس روشنی میں ان رسائل کی اہمیت زیادہ واضح ہوگی۔

زیر نظر مقالے کا موضوع جس دور سے متعلق ہے وہ شخصی حکومت کا دور تھا کارنامہ کسی کا بھی ہو سماجی، سیاسی عوامل اور وقت بھی واقعات کے بہاؤ کو چاہیے جس طرح لے جائے اس کا سہرا حکمراں کے سر باندھ دیا جاتا تھا۔

اس مطالعے میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ صرف ان افراد کا ہی ذکر نہ ہو جو صاحبان اقتدار تھے۔ یعنی آصف جاہ خامس یا آصف جاہ سادس یا آصف سابع بلکہ ان لوگوں کا نام بھی ہے جو اگر نہ ہوتے تو علم وداب کے میدان میں حقیقی کارنامے سرانجام نہ دیئے جاتے جس طرح اکثر نامعلوم سپاہیوں کی یادگاریں قائم کی جاتی ہیں راقم الحروف نے بھی کوشش کی ہے کہ ادب کے ان غیر معروف سورماؤں کا پتہ چلائے تاکہ ان کی یادگار بھی قائم ہوسکے اور اس امر کی نشان دہی بھی ہوسکے کہ رسالے کا نکلنا یا کسی خاص موضوع پر نکلنا ایک یا دو فرد کا کارنامہ کہا جاسکتا ہے لیکن اس کے لئے جس ماحول کی ضرورت ہوتی ہے اور اس ماحول سازی کا کام جو لوگ انجام دیتے ہیں ان کا تذکرہ بھی سامنے آئے۔

اس سلسلے میں ایک اور پہلو بہت اہم ہے حیدرآباد کے ادبی رسائل نے اپنے لئے نقطہ ارتکاز اردو زبان کی ترقی اور فروغ کو قرار دیا چنانچہ مختلف النوع مضامین کے ذریعہ اس بات کی کوشش کی گئی کہ اردو کا میدان وسیع تر ہوجائے اور ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی لحاظ رکھا گیا کہ مغرب سے جو کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے اسے بھی اس طرح لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے کہ مشرق ومغرب کا سنگم نظر آئے۔

موجودہ جائزہ صرف رسائل کی کھتونی یا وضاحتی فہرست نہیں ہے بلکہ اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ان رسائل کے اقتباسات کے ذریعہ ان تمام تہذیبی، سماجی، معاشرتی، اقتصادی اور تکنیکی رجحانات کو ظاہر کیا جاسکے جو اس دور میں عام تھے۔ اس سلسلے میں رسالہ "طبابت حیدرآباد" کے بارے میں گذشتہ صفحات میں تفصیل سے لکھا گیا ہے اور اس طرف توجہ دلائی گئی کہ حیدرآباد میں بہت پہلے مختلف علوم کی اشاعت کے لیے اردو کو وسیلہ اظہار بنایا گیا اور ساتھ ہی ساتھ "اردو والوں" نے اس ایک بات کو بھی محسوس کیا کہ تاریخ کا عمل ارتقاء پذیر ہوتا ہے اور تیز روشنی کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلینا دانائی ہے اور نہ اس کی خیرگی سے مرعوب ہوجانا عقل مندی ہے چنانچہ یہ کوشش بھی انہیں رسائل کے مطالعہ سے سامنے آئی کہ اردو والوں نے ہر میدان میں مغربی کی ترقی

کی روشنی سے استفادہ ضرور کیامگر اپنی اقدار حیات سے روگردانی نہیں کی جس کی ایک بین مثال مشرقی و مغربی طریقہ علاج کو ملاکر معالجہ کا تصور تھا اس کے نتیجہ میں آج بی - یو - ایم - ایس (B.U.M.S) ڈگریاں دی جارہی ہیں جس میں قدیم طریقہ علاج اور جدید طریقہ علاج دونوں کا امتزاج ہوتا ہے۔

ان رسائل کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ ادبی تاریخ پیش کی گئی ہے بلکہ اس دور کے ہر طرح کے رجحانات پر بھی روشنی پڑتی ہے اور وہ فرق بھی سامنے آتا ہے جو حیدرآباد اور شمالی ہند کے رسائل میں تھااور جو دراصل حیدرآباد میں ایک مخصوص رجحان کی نمائندگی کررہا تھا۔

اس مطالعہ سے ایک اہم نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ شمال اور جنوب میں کم از کم اردو کی حد تک مزاج اور مذاق کا نمایاں فرق تھا۔ شمال سے نکلنے والے رسائل میں ناول افسانے قصے مزاحیہ مضامین اور سیاسی نوعیت کے مضامین گلدستے اور شعری تخلیقات پر زیادہ زور دیا جاتا تھا لیکن حیدرآباد میں جہاں یہ موضوعات تھے وہیں سنجیدہ علمی موضوعات اور خصوصاً فلسفہ " سائنس طب، کیمیا، نباتات، زراعت وغیرہ پر بھی زور دیا جاتا تھا۔ سرسید نے " تہذیب الاخلاق " کے ذریعہ مضمون نگاری کا جو رجحان پیدا کیا تھا وہ سرسید کے یہاں صرف سماجی تعلیمی اور تہذیبی مسائل تک محدود ہوکر رہ گیا تھا۔ حیدرآباد نے اس رجحان کو ایک نئی شکل دی اور اردو میں وسعت جامعیت اور تنوع کے ساتھ ان اہم موضوعات کا بھی انتخاب کیا جن کا تعلق زندگی کے عملی اور تکنیکی شعبوں سے تھا۔

یہ سوال کہ جامعہ عثمانیہ میں ہی اردو کو ذریعہ تعلیم کیوں بنایا گیااور حیدرآباد میں ہی دارالترجمہ کیوں قائم ہوا تشنہ جواب رہ جاتا ہے۔ عام طور سے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ ایک فرد (میر عثمان علی خاں آصف سابع) کی انفرادی اپج تھی جب کہ اس مطالعہ سے اس نتیجہ پر آسانی سے پہنچا جاسکتا ہے کہ حیدرآباد میں انیسویں صدی کے نصف سے یہ رجحان جڑ پکڑنے لگا تھا کہ کسی زبان کے دائرے میں صرف داستان اور شعری نہیں بلکہ وہ موضوعات بھی ہوتے ہیں جن کا تعلق عملی اور مادی زندگی سے ہوتا ہے۔ شمال میں بھوپال اور رام پور کی ریاستیں بھی تھیں اور ان سے بالاتر خود علی گڑھ یونیورسٹی تھی جہاں یہ تجربہ کیا جاسکتا تھا کہ اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے لیکن جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ دونوں جگہ مزاج اور رجحان کا فرق تھا جس کی آخری شکل جامعہ عثمانیہ کا قیام اور اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا جاتا ہے۔یہاں یہ عرض کرنا بھی ناگزیر ہے کہ حیدرآباد کی آزاد ریاست جس حد تک فعال اور کارکردرہی ہے اور اردو کے سلسلے میں اس کی جو خدمات رہی ہیں اس کا ثبوت بھی یہ رسائل پیش کرتے ہیں۔

یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ حیدرآباد کے بہت سے رسائل جو اہم اور خصوصی موضوعات پر شائع ہوا کرتے تھے ان کا سلسلہ سنہ ۱۹۴۷ء یا ستمبر ۱۹۴۸ء تک رہااور اس کے بعد

سے وہ بند ہوگئے ۔ یہ سمجھنا کے ان کے پڑھنے والوں کا طبقہ ہی ختم ہوگیا ممکن نہیں کیوں کہ اچانک تمام پڑھنے والے ہوا میں تحلیل نہیں ہو سکتے تھے ۔ ان کے مسدود ہونے کی اہم وجہ یہ تھی کہ ریاست حیدرآباد کے قیام تک ریاست کی سرپرستی ان رسائل کو حاصل رہی اور جیسے ہی ریاست ختم ہو گئی یہ رسائل بھی ختم ہوگئے اور رسائل کا جو ذوق و شوق تھا سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد اس میں نمایاں کمی ہوئی ۔ اگر اس موضوع پر کوئی تقابلی چارٹ تیار کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سو اور بیس کا تناسب رہ گیا تھا ۔

یہ رسائل انیسویں اور بیسویں صدی کے ۹۲ (بیانوے) سال پر محیط زندگی کے ہر شعبے کی ایسی تصویر پیش کرتے ہیں جس میں تاریخ کے سینکڑوں رنگ نظر آتے ہیں اور ساتھ ہی یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ حیدرآباد کی دیسی ریاست کا مزاج اور کردار کیا تھا ۔ عام طور سے دیسی ریاستوں میں جاگیردارانہ نظام کا یہ تصور رہا ہے کہ اس نظام میں عوامی خوشحالی کا شائبہ بھی نہیں ہوتا اور اس زمانہ کو تاریخ ہند کا ایک تاریک دور سمجھا جاتا ہے ۔ مورخین ان دیسی ریاستوں کی اس طرح تصویر کشی کرتے ہیں جیسے برطانوی ہند کے مقابلے میں یہاں ہر طرح اخلاقی ، تمدنی ، معاشی اور اقتصادی بنیادوں پر ایک زوال آمادہ استحصالی نظام تھا لیکن ان رسائل کا مطالعہ اس کی نفی کرتا ہے ۔

ایک خوشحال فلاحی ریاست کا تصور یہ ہے کہ اس میں ہمہ جہتی ترقی ہو ۔ اس طرح کے ترقیاتی منصوبوں کا اندازہ بھی ان رسائل سے لگایا جاسکتا ہے ۔ اس لیے کہ رسائل انہیں موضوعات پر شائع ہوتے ہیں جس سے دلچسپی رکھنے والوں کا ایک حلقہ موجود ہوتا تھا ۔ چنانچہ حیدرآباد سے جن موضوعات پر رسائل نکلے ان میں زراعت ، صنعت و حرفت ، جنگلات ، سائنس ، تعلیم ، جانوروں کی پرورش اور گاؤں سدھار تحریکیں وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ ان سب کی گذشتہ صفحات میں نشان دہی کی جاچکی ہے اور تفصیل کے ساتھ ان کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے لیکن کچھ موضوعات ایسے ہیں جن کا تذکرہ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے اور یہ حیدرآباد کے اردو رسائل کا امتیازی وصف ہے ۔

رسائل کی اشاعت میں آج سے پچاس سال پہلے ہی اردو میں وہ تمام موضوعات داخل کیے گئے تھے جو ملک کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں میں نہیں تھے ۔ جسے ہم ٹریڈ یونین تحریک کہتے ہیں یعنی طبقاتی بنیادوں پر انجمنوں کا قیام ۔ ان کے ترجمان رسائل آج بھی کم نظر آتے ہیں ۔ یونیورسٹی اور ڈگری کالج میں پڑھانے والے اساتذہ کی انجمنیں ضرور ہیں مگر ان کی ترجمانی کرنے والے اور پیشہ وارانہ رخ سے ان کے مسائل کا تجزیہ کرنے والے رسائل اگر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں ۔ انجمن اساتذہ جامعات ہند کا ترجمان " جامعات ہند " کے نام سے ضرور کبھی کبھی شائع ہوتا ہے مگر اس کے موضوعات میں " اخباری " عنصر زیادہ ہوتا ہے ۔ طریقۂ تعلیم پر کم روشنی ڈالی جاتی ہے لیکن

حیرت انگیز طور پر یہ شرف بھی حیدر آباد کو حاصل رہا ہے کہ اس نے نصف صدی قبل مستقبل کے افق کو دیکھ لیا تھا۔

اور ایک ایسے رسالہ کی اشاعت بھی عمل میں آئی تھی جو معلمی اور تدریسی اصولوں و ضوابط پر نظری اور عملی دونوں اعتبار سے روشنی ڈالتا تھا۔یہاں اس کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ تدریس (ایجوکیشن) بحیثیت مضمون بی۔اے (B.A) کی سطح تک سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد شروع ہوئی اس سے پہلے فارمل اسکول یا اساتذہ کے تربیت کے اسکول ہوا کرتے تھے اور بہت کم جگہوں پر اساتذہ کی ٹریننگ کے لئے کالج تھے ایسے دور میں طریقہ تعلیم کے اصولوں کو اور اس سے متعلق مباحث کو پیش کرنا اگر معجزہ نہیں تو کرامت ضرور ہے۔

یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک ایسی ریاست میں جہاں اردو سرکاری زبان رہی ہو یا اعلی سطح پر اس کی تعلیم کا انتظام ہو اس طرح کے موضوعات پر رسائل کا نکلنا کوئی اہم بات نہیں لیکن رسائل کے عنوانات اور موضوعات پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے موضوعات بھی اپنائے گئے جن پر آج بھی قلم اٹھانا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً دور حاضر میں کاشتکاری اور باغبانی کے موضوعات پر رسالے ضرور شائع ہوتے ہیں مگر حیدر آباد کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اس طرح کے خشک موضوعات کو بھی اس دور میں اپنایا گیا۔جب اردو اعلی سطح پر ذریعہ تعلیم نہ تھی۔

اگر غور کیا جائے تو اس پہلو کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ ہمہ جہتی ترقی کا تصور کچھ اس انداز سے ابھرا تھا کہ ہر گوشے کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی تھی اور ایسی شاہراہیں تیار کی گئی تھیں جن پر بعد میں آنے والے سایہ دار درخت لگا سکیں۔

رسائل کے اس جھرمٹ میں جن اجتہادی کوششوں کا تذکرہ کیا گیا انہیں میں سے ایک رخ وہ بھی تھا جو آج بھی مشعل راہ بن سکتا ہے اور وہ ہے زبان کے بارے میں وسیع النظری کا تصور۔

گاندھی جی نے شمالی ہند میں ایک نیا تجربہ کیا تھا یہ تجربہ دو لسانی رسالے کی اشاعت تھی اس رسالہ کا نام "نیا ہند" تھا اور پنڈت سندر لال اور بشمبر ناتھ پانڈے وغیرہ اسے نکالتے تھے اس رسالہ میں صرف رسم الخط کا فرق تھا زبان ایک ہی ہوا کرتی تھی لیکن حیدر آباد میں اس سے بہت پہلے دو لسانی رسائل کی اشاعت کا تجربہ کیا گیا اس طرح کے رسائل تلگو اور اردو میں شائع ہوتے تھے یہاں رسم الخط کا نہیں بلکہ زبان کا فرق تھا مگر موضوعات ایک ہی ہوتے تھے اس طرح کے رسائل کی اشاعت سے اردو کی وسیع النظری کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ اردو کا مزاج لسانی امپیریلزم کے خلاف ہے سابق حیدر آباد میں دونوں زبانوں کو پھولنے پھلنے کا یکساں موقع دینے کی یہ کوشش بڑی مستحسن تھی جس سے آج کے دور کو سبق لینا چاہئے۔

ان رسائل کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جہاں یہ اپنے دور کی نمائندگی یا اپنے اجتہادی طرز عمل سے اپنے دور کی تنقید کا فریضہ انجام دیتے نظر آتے ہیں وہاں مثبت انداز میں ان رسائل نے ایک جہت ایک سمت اور ایک رخ کو بھی اپنایا ہے ۔ اور ایسی تحریکوں کو لے چلے جن کی طرف آج کے دور میں توجہ کی جارہی ہے حیدرآباد کے یہ رسائل اس اعتبار سے ہندوستان کی سماجی و معاشرتی تاریخ میں اہمیت کے حامل ہیں کہ انھوں نے مستقبل کے افق پر اس تحریر کو پڑھ لیا تھا جو آج کے دور میں بہت روشن ہو گئی ہے ۔ یعنی عورت اور مرد کے لئے مساویانہ حقوق اور عورتوں کی پسماندگی دور کرنے کے طریقے ان کے معیار زندگی اور حیثیت بلند کرنا اور ان کے حقوق کے لئے جدوجہد کرنا اور ان میں بیداری پیدا کرنا وغیرہ ۔

معاشرتی اصلاح کی تحریک کے دو رخ ہوتے ہیں یعنی تحریری اور تقریری ۔ ان میں تحریری پہلو حیدرآباد میں بہت ہی مستحکم بنیادوں پر قائم تھا ۔ چنانچہ انیسویں صدی کے اواخر میں جب عورتوں کی تعلیم یا ان کی معاشرتی اصلاح کا بڑا مبہم سا تصور تھا اس دور میں ایسے رسائل نکالنا اور تحریری جہاد کرنا حیدرآباد کا بہت بڑا کارنامہ ہے اس کارنامہ کا سہرا مولوی محب حسین کے سر بندھنا ہے یہ وہ عظیم شخصیت تھی جس کے ساتھ ہمارے مورخین نے انصاف نہیں کیا انھوں نے اپنی زندگی کا ایک مشن بنایا تھا اور اس مشن کی تکمیل کے لئے انھوں نے رسائل کو اپنا وسیلہ قرار دیا تھا اور زندگی ، وہ کسی نہ کسی رخ سے اپنے اس نصب العین کی تکمیل کے لئے کوشاں رہے ۔

مولوی محب حسین نے جو تحریک شروع کی تھی اس کے اثرات بعد میں اس طرح ظاہر ہوئے کہ صغرا ہمایون مرزا نے بھی خواتین کا رسالہ نکالا اور مولوی محب حسین نے تحریک سے وابستگی کی بناء پر اس میں بھی قلمی معاونت کی اور اس طرح انھوں نے اس دور کے ایک رجحان کو تحریک کی شکل دے دی ۔ یہ درست ہے کہ اس تحریک کے پس پشت کوئی ایسی قدر آور شخصیت نہ تھی جسے ملک گیر شہرت حاصل ہوتی یا جس کے پاس سیاسی اقتدار ہوتا ۔ محب حسین کو ایک مصلح کی حیثیت سے جنوب کا سرسید کہا جاسکتا ہے ۔ تعلیم نسواں یا اصلاح نسواں کے سلسلے میں ان کی تمام کوششوں کا سرچشمہ رسائل ہی تھے ۔

رسائل کے سلسلے میں اس رخ کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ یہ رسائل نامساعد حالات میں بھی نکلتے تھے مگر لگن خلوق اور اپنے انداز میں ادب کی خدمت کا جذبہ انہیں ہر طرح کی تکالیف سے لڑنے پر اکسا تا رہتا تھا چنانچہ طباعت کی دشواریاں بھی اپنی جگہ تھیں بعض مثالوں میں ایک رسالہ کئی مطبعوں میں طبع ہوتا تھا اس سے باآسانی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ذوق ادب اور خدمت زبان کا جذبہ اس منزل تک پہنچ گیا تھا جہاں طباعت کی دشواریاں سد راہ نہیں ہوتی تھیں ۔ اور کسی نہ کسی شکل میں رسائل نکالے جاتے تھے ۔

اس سے پہلے کہ ان رسائل کے ادبی رخ پر کچھ عرض کیا جائے ضمنی پہلو ایسے بھی ہیں جن

کی نشان دہی ضروری معلوم ہوتی ہے اور ان میں سب سے نمایاں وصف ان رسالوں کے مدیروں کی یہ خواہش نظر آتی ہے کہ یہ رسائل معیار کے اعتبار سے بلند ہوں ۔ اچھے مضمون نگاروں سے مضمون حاصل کرنا مشکل کام ہے اس دور کامزاج یہ بھی تھا کہ قلمی معاونت کا کوئی صلہ نہیں ہوسکتا ۔ علمی و ادبی تخلیقات انمول ہیں اس لئے ابتداء میں معاوضہ کا کوئی تصور نہ تھا بلکہ قلمی معاونین کو متوجہ کرنے کے لئے اور ان کی حوصلہ افزائی کے لئے انعام کاتصور رکھا گیا تھا ۔ انعام میں ایک اشرفی دی جایا کرتی تھی ۔ حیدرآباد میں انیسویں صدی کے آخری دہے اور بیسویں صدی کے پہلے دہے تک یہ رجحان رہا اور یہاں اشرفی انعام میں دی جاتی تھی بعد میں یہ انعام معاوضہ کی شکل میں دیا جانے لگا ۔

کسی رسالہ کے قلمی معاونین سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے قارئین کا حلقہ کتنا متنوع کتنا وسیع اور معیار کے اعتبار سے کتنا بلند ہے ۔ حیدرآباد سے نکلنے والے علمی و ادبی رسائل کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان میں ، بیشتر کی حیثیت مقامی نہ تھی بلکہ " کل ہند " تھی اور شمالی ہند کے رسائل میں حیدرآباد کے بعض معروف شعرا اور ادیب بہت کم جگہ پاسکے مثلاً رضی الدین حسین کیفی ۔ اصغر علی بلگرامی ۔ راجہ راجیشور راؤ اصغر ۔ مولوی محب حسین اور صفی اورنگ آبادی وغیرہ ۔

حیدرآباد کے جن لوگوں نے شمالی ہند کے رسائل میں بھی جگہ پائی ان میں مہاراجہ سرکشن پرشاد ۔ معظم جاہ بہادر شجیع ۔ تمکین کاظمی ۔۔ نصیر الدین ہاشمی ۔ تمکین سرمست ۔ امجد حیدرآبادی ۔ ہارون خان شیروانی ۔ ابراہیم جلیس ۔ عزیز احمد ۔ ناکارہ حیدرآباد ۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور ۔ عبدالقادر سروری ۔ مخدوم محی الدین اور سکندر علی وجد وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

یہ پہلو حیدرآبادی رسائل کی وسعت قلب کشادہ دلی اور علمی اعتراف پر دلالت کرتا ہے اور ان سے ان رسائل کے وزن و وقار کا بھی اندازہ ہوتا ہے یہ ضرور ہے کہ حیدرآباد کے بہت سے اہل قلم شمال میں اتنے معروف نہ ہوسکے جو مقبولیت انہیں یہاں حاصل ہوئی لیکن جو پہلو اہم ہے وہ مقبولیت نہیں بلکہ ان کے علمی اکتسابات اور ان کے مضامین کا معیار ہے اور اس معیار کی بناء پر ان رسائل کو ایک اور امتیاز ملا ۔

آزادی سے پہلے بھی بہت سے ہندوستانی لندن جاتے تھے اور وہاں کے رسائل میں اپنے مضامین شائع کراتے تھے لیکن کسی انگریز اہل قلم کا "NATIVE" پرچہ میں مضمون دینا حیرت انگیز بات تھی اور اس رسالہ کی اہمیت پر بھی دلالت کرتی تھی ۔ حیدرآبادی رسائل کو یہ خصوصیت حاصل تھی جب کہ کسی اور جگہ سے نکلنے والے رسالے کو شاید ہی یہ اعزاز ملا ہوگا ۔

اس طرح حیدرآباد کے ادبی رسائل نے ایک اور پہلو کی طرف متوجہ کیا اور وہ پہلو تھا مغربی طریقہ کار کی افادیت کا اعتراف اور اپنی تہذیبی اقدار کی پاسداری چنانچہ بعض تحقیقی مجلے

جیسے " مجموعہ تحقیقات علمیہ " کا مطالعہ اس گوشہ کو زیادہ وضاحت کے ساتھ سامنے لاتا ہے اس مجلہ کے قلمی معاونین پر نظر ڈالنے سے جو بات سب سے پہلے متوجہ کرتی ہے وہ یہ کہ زیادہ تر محققین ایسے ہیں جنہوں نے یورپ سے ڈگریاں حاصل کیں لیکن ان کی فکر مشرقی ہے وہ مغربی طرز تحقیق سے باخبر ہیں اس طرح کے محققین نے جب تحقیق کی بناء ڈالی تو اسے ایک مستحکم اور پختہ بنیاد عطا کی اور ان کے مضامین کا معیار اتنا بلند ہوتا تھا کہ ان میں سے اکثر بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوئے ۔ جیسے " اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام " اس طرح کے رسائل میں تاریخ اور فلسفہ کے خشک مباحث بھی اس طرح پیش کئے گئے کہ اہل فکر و نظر نے اسے سرمہ بصیرت جانا مثال کے طور پر " مجموعہ تحقیقات علمیہ " میں خلیفہ عبد الحکیم کا معرکہ خیز مضمون " زبان و مکان " شائع ہوا تھا جسے بنیاد بنا کر پروفیسر عالم خوند میری مرحوم نے اپنے پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے تحقیق مقالہ کا عنوان قرار دیا ۔ حیدر آباد کے رسائل نے ادب کے جن پہلوؤں کی طرف متوجہ کیا تھا اور اسے جس اعلیٰ منزل تک لے گئے تھے وہاں تک اس دور میں بھی اردو رسائل نہیں پہنچ پائے ہیں ۔

مسابقتی امتحانات کے لئے گزشتہ تیس برس میں انگریزی میں ، Master Carrier and اور ، Competition Success، Compatative Courses جیسے رسائل نے شہرت و مقبولیت حاصل کی ۔ اب تو جنرل نالج کے سلسلے میں ضخیم کتابیں بھی شائع ہونے لگیں لیکن اس دور میں جب انگریزی میں بھی اس طرح کا چلن بہت کم تھا اردو میں کہیں بھی اس طرح کا کوئی ماہ نامہ نہیں نکلتا تھا جس کی بنیاد جنرل نالج پر ہو ۔ حیدر آباد کی صحافت کو یہ فخر بھی حاصل تھا کہ یہاں سے ایک ایسا رسالہ بھی نکلا تھا جس میں اعلیٰ پایہ کی علمی و ادبی معلومات فراہم کی جاتی تھیں ۔ تاکہ اردو پڑھنے والے طبقے کی معلومات عامہ میں اضافہ ہو ۔

حیدر آباد کے رسائل کا مطالعہ کرتے ہوئے ان تمام باتوں کے ساتھ اس کے ادبی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ یہاں سے نکلنے والے رسائل نے بھی اردو ادب کو کئی مشہور اور نام آور ادیب و شاعر دیئے ۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ بہت سے لوگ جن کی شہرت کے کنگرے بعد میں بلند ہوئے ان کی بنیاد حیدر آباد ہی میں پڑی مثلاً ظفر علی خان ۔ بابائے اردو مولوی عبد الحق نے حیدر آباد ہی سے اپنے علمی و ادبی اور تحقیقی کاموں کا آغاز کیا ۔ یہ معروف نام ایسے ہیں جنھوں نے اردو کے خدمت گذار صحافی کی حیثیت سے جگہ بنائی ان سے قطع نظر بھی ہمیں شاعری اور ناول نگاری کے رجحان کے ذریعہ کسی حد تک ایسے افراد نظر آتے ہیں جن کے ادبی کارناموں سے آج بھی ادبی دنیا روشن اور منور ہے ۔

عام طور سے یہ خیال ہے کہ شمالی ہند میں جن شعراء کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا انہیں کو ادبی اہمیت حاصل ہوئی لیکن ان رسائل کے مطالعہ سے معاملہ اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے

اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ جس ادیب یا شاعر کو حیدرآباد میں جگہ دی گئی اس کی قدر و منزلت شمال میں بھی بڑھ گئی ہم عبد الحق، فانی، جوش، مرزا رسوا، عزیز مرزا کی مثال نہیں دے رہے ہیں بلکہ گلدستہ " جلوہ محبوب " کے شماروں کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے جس میں آج سے اسی (۸۰) سال پہلے آرزو لکھنوی کا کلام شائع ہوا کرتا تھا یہ وہی آرزو لکھنوی ہیں جن کی خالص اردو کی شاعری اور جن کے فلمی گیت بیسویں صدی کے ربع دوم میں بے انتہا مقبول ہوئے۔

عام طور سے ادبی تاریخ میں شاعری کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں سرشار، شرر اور پریم چند کی نثر کے باوجود (جو شاعری سے کم اہم نہ تھی) شاعری ہی کا چرچا زیادہ رہا ہے لیکن حیدرآباد میں جو رسائل نکلے ان رسائل نے ناول کی اہمیت کو بھی محسوس کیا۔ چنانچہ قسط وار ناولوں کا سلسلہ صرف رسائل میں ہی نہیں بلکہ اکثر گلدستوں میں بھی ملتا ہے جو بظاہر غیر متعلق سمجھا جاسکتا ہے لیکن در حقیقت اس رجحان کی نمائندگی کرتا ہے جو حیدرآباد میں فروغ پارہا تھا یعنی ادب کے ہر صنف کی ترقی کی طرف توجہ اور تمام اصناف ادب کی ترقی۔

شاعری کے سلسلے میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے آغاز میں کئی رجحانات کی کارفرمائی رہی۔ تصنع، رعایت لفظی، قافیہ پیمائی اور معنی آفرینی یہ صنعتیں دراصل بھرے پیٹ والوں کا سنگھار تھیں۔ لکھنو میں یہ رجحان اپنے شباب پر تھا حیدرآباد کے ادبی رسائل اور خاص طور سے گلدستوں میں جو طرحی غزلیں شائع ہوا کرتی تھیں ان میں بھی یہ نقص تھا

اس کے باوجود ان گلدستوں میں حسن انتخاب بھی ملتا تھا اور شعروں کے اس انتخاب سے " رسوائی " نہیں ہوتی تھی۔ یہ ایسا اہم پہلو تھا جسے شاعری کے سلسلے میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ان رسائل کے مطالعہ سے زبان کے لسانی تغیرات اور علاقائی فرق بھی سامنے آتا ہے۔ سب سے پہلے لکھاوٹ اور املا پر نظر پڑتی ہے املا میں ہر عہد میں تغیرات کی نشان دہی گزشتہ صفحات میں کی گئی ہے ماہرین کے لئے یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ ماہ و سال کی گردش کے ساتھ الفاظ کی لکھاوٹ میں اصوات کو ظاہر کرنے کے لئے حروف بدلے جاتے رہے ہیں اور بدلے جاسکتے ہیں۔ دو چشمی ھ اور کہنی دار یا جزم والی ہ نیز یائے معروف و مجہول میں امتیاز کرنا دلالت کرتا ہے کہ ہر دور میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔

ان الفاظ کی تاریخی اور سماجیاتی حیثیت بھی رہی ہے تقریری زبان کا تحریری زبان کی طرح استعمال علامت فاعل کا نہ ہونا جملوں کی ساخت اور ہئیت میں بول چال کا بھی انداز برقرار رکھنا یہاں کی خصوصیت رہی ہے دار الترجمہ کے قیام کے بعد سے جو زبان وجود میں آرہی تھی اس میں انگریزی کے مترادفات کا استعمال شروع ہو گیا تھا اس میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں کہ یہ بہت اچھا

تجربہ تھا لیکن یہ بھی عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انتہا پسندی کی وجہ سے تھرمامیٹر، آلہ مقیاس الحرارت بن گیا تھا اور مدت کے بجائے میقات کا استعمال عبارت کی روانی کو مجروح کرتا نہ تھا ترجمے کی وجہ سے امتحان میں مارکس (Marks) کا ترجمہ نمبر کے بجائے نشانات کیا گیا تھا جو حیدرآباد میں آج بھی رائج ہے۔

شمالی ہند کی اردو نے انگریزی لفظوں کو لیا مگر حیدرآباد نے رد کیا۔ جیسے بلدیہ، مددگار، منتظم، معتمد، مطالعہ گھر یہ سارے الفاظ وہ ہیں جن کے مترادفات شمالی ہند میں انگریزی کے الفاظ ہیں مگر حیدرآباد میں یہی رائج ہے۔ یہاں تک کہ سکریٹریٹ کے لئے معتمدی لکھتے ہیں۔ یہاں سال اجرائی مجریہ، موسس، مسئول، جیسے الفاظ بڑی بے تکلفی سے استعمال کئے جاتے ہیں اس کے برعکس شمالی ہند میں میونسپلٹی، سکریٹری، اسسٹنٹ، ایڈیٹر، چیف ایڈیٹر یا بانی وغیرہ استعمال کریں گے۔ صرف نیاز فتح پوری نے "نگار" میں کچھ دنوں تک "رئیس التحریر" قسم کے لفظ استعمال کئے تھے مگر وہ چل نہ سکے اس طرح کے الفاظ کی بحث ان جگہوں پر کی جاچکی ہے جہاں فارسیت کا غلبہ ہے یا انگریزی کے بجائے فارسی نژاد الفاظ کو جگہ دی گئی ہے شمالی ہند میں انگریزی الفاظ کو اپنانے کی روایت تھی وہاں فارسیت کا اتنا غلبہ نہ تھا یہ بہ ظاہر معمولی پہلو معلوم ہوتے ہیں لیکن اس سے اہم نتائج نکلتے ہیں درباری تہذیب فارسی کے اثرات اور وضع اصطلاحات کا جوش اس طرح کی انتہا پسندیوں کا سبب ہو سکتا ہے۔

حیدرآباد کے رسائل نے ایک اور اہم خدمت انجام دی یہ اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا مسئلہ تھا اس سلسلہ میں اردو کو سرکاری زبان بنانے اور اردو کے ذریعے اعلیٰ سطح تک مختلف موضوعات کی تدریس کا معاملہ انیسویں صدی میں سرسالار جنگ کے زمانے سے ہی شروع ہو گیا تھا یہ کوئی اتفاقی امر نہ تھا کہ حیدرآباد میں ایک ایسی یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تھا جہاں ذریعہ تعلیم اردو زبان تھی یہ تاریخی تقاضے تھے اور اس کا ایک پس منظر تھا جس کی نشان دہی کی جاچکی ہے اس پس منظر کو بنانے اور اس فضا کی تعمیر میں اردو رسائل کا بہت بڑا ہاتھ تھا اس وجہ سے بھی اس دور میں اخبارات اور رسائل ہی ذریعہ ابلاغ تھے اور اخبارات سے کہیں زیادہ رسائل کے مضامین دیرپا اثر کے حامل ہوا کرتے تھے۔

رسائل کے علاوہ کوئی ایسا وسیلہ اظہار نہ تھا جو ہر موضوع کو اردو میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا۔ اخبارات میں فلسفہ، طبعیات، طب، جنگلات قانون، اصلاحات یا گشتیاں یا تدریسی مسائل پر طویل مضامین نہیں شائع کئے جاسکتے تھے یا نہیں شائع ہوتے تھے ان رسائل نے یہ ثابت کر دیا کہ اردو میں وسعت بھی ہے اور انجذاب کا پہلو بھی ہے اور اس لئے بتدریج اردو کو سرکاری زبان بنانے اور ذریعہ تعلیم بنانے کی راہ ہموار ہوتی گئی۔

انسانی افکار و خیالات متنوع ہوتے ہیں علم و ادب میں یہ تنوع ظاہر ہوتا ہے، ہم یہ نہیں کہہ

سکتے کہ صرف جسم کی بناوٹ یا ستاروں کی چال یا کشش ثقل کا مسئلہ ہی علم ہے بلکہ جو آگہی منضبط منظم اور معین ہو وہ بھی علم ہے چاہے اس کا تعلق قانون سے ہو یا زراعت یا صنعت و حرفت سے اور ادب بھی صرف شاعری ناول نگاری یا افسانہ نگاری نہیں تحقیق و تنقید بھی اس کے اہم گوشے ہیں حیدر آباد کے علمی و ادبی کو پیش کیا۔ علم و ادب انسان سے زیادہ اہم نہیں۔ انسان نہ ہو تو علم و ادب کا وجود ہی ممکن نہیں۔ حیدر آباد کے علمی و ادبی رسائل نے علمی بصیرت اور ادبی آگہی کے ذریعے وسیع تر معنوں میں انسانیت کو سنوارنے کی کوشش کی۔ ان رسائل کے دامن میں انسانی تہذیب کے مختلف ادوار چھپے ہوئے ہیں علم اور فن کے نازک اور لطیف نمونے پوشیدہ ہیں بے شک ان رسائل میں خزف ریزے بھی ہیں اور انمول جواہر بھی۔

• ضمیمہ

○ ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک کے حیدرآباد (دکن) کے رسائل کی فہرست

نشان سلسلہ	رسالہ کا نام	ایڈیٹر / مہتمم / مجلس ادارت / سرپرست	سنہ اشاعت	نوعیت	مقام

طبی رسائل

نشان سلسلہ	رسالہ کا نام	ایڈیٹر / مہتمم / مجلس ادارت / سرپرست	سنہ اشاعت	نوعیت	مقام
۱-	رسالہ طبابت حیدرآباد	جارج اسمتھ	۴ نومبر ۱۸۵۵ء	سہ ماہی	حیدرآباد دکن
۲-	دکن میڈیکل جرنل	لقمان الدولہ بہادر	۲۳- اگست ۱۸۹۸ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳	المعالج	حکیم بشیر احمد	اکتوبر / نومبر ۱۹۱۸ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۴	حکیم دکن	حکیم محمد ظفرالدین ناصر	فروری ۱۹۳۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۵	صحت عامہ	حکیم لئیق احمد فائق نعمانی	۱۲- اکتوبر ۱۹۴۱ء	پندرہ روزہ	حیدرآباد

عمومی یا تہذیبی رسائل

نشان سلسلہ	رسالہ کا نام	ایڈیٹر / مہتمم / مجلس ادارت / سرپرست	سنہ اشاعت	نوعیت	مقام
۱	مخزن الفوائد	سید حسین بلگرامی	مئی ۱۸۷۴ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۲	ادیب	سید محمد یوسف الدین	مارچ / اپریل ۱۸۸۰ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳	معلم شفیق	مولوی محب حسین	۳- نومبر ۱۸۸۰ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۴	داستان سیاح	منشی سید ابراہیم عفو	۱۶- مئی ۱۸۸۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۵	حسن	مولوی سید محمد فخراللہ	اگست ۱۸۸۸ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۶	دکن پنچ	-	مارچ ۱۸۹۲ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۷	معلم	مولوی محب حسین	جولائی / اگست ۱۸۹۲ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۸	تحریباں	مولوی مجیب احمد تمنائی	فروری / مارچ ۱۸۹۵ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۹	معلم نسوان	مولوی محب حسین	نومبر / ڈسمبر ۱۸۹۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۰	منتخب روزگار	حکیم سید علی خان	۱۵- سمتبر ۱۸۹۵ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۱	افسر	مولوی محب حسین / مولوی عبدالحق	اپریل ۱۸۹۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۲	دبدبہ آصفی	پنڈت رتن ناتھ سرشار	۳- سمتبر ۱۸۹۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۳	جام جمشید	حکیم محمد ابراہیم خان خلیل	جون ۱۹۰۰ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۴	نسیم دکن	محمد نادر علی برتر	جنوری ۱۹۰۲ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۵	افسانہ / افسانہ	مولانا ظفر علی خان	جولائی ۱۹۰۲ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
-	دکن ریویو / دکن ریویو				
۱۶	صحیفہ	سید رضی الدین حسن کیفی	۱۰ جون ۱۹۰۵ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۷	ادیب	مولوی ظفریاب خان	مئی ۱۹۰۸ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۸	المحب	ثاقب بدایونی	جون ۱۹۱۰ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۹	الہادی	غلام حسین داد	۱۹۱۱ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۹/۱	دربار	مولوی احمد علی جودت	جون ۱۹۱۲ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۲۰	شاہد سخن	مانک گوند پرشاد احسان	جنوری ۱۹۱۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۲۱	تاج	ابوالوفا غلام محمد انصاری وفا	جنوری ۱۹۱۴ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۲۲	ترک عثمانیہ	سرکشن پرشاد شاد	جون ۱۹۱۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۲۳	ذخیرہ	سید ناظرالحسن ہوش بلگرامی	اکتوبر ۱۹۱۵ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۲۴	افادہ	مرزا نظام شاہ	۲۳- نومبر ۱۹۱۵ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۲۵	ثمرۃ الادب	محمد عبدالواسع صفا	مئی / جون ۱۹۱۸ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۲۶	شعلہ	مولوی مدیر	۷- اکتوبر ۱۹۱۸ء	ماہ نامہ	حیدرآباد

۲۷	دوست	وشنوماد ھو راؤ	جنوری ۱۹۲۰ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۲۸	النساء	اہلیہ مسٹر سید ہمایون مرزا	۲۱-اپریل ۱۹۲۰ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۲۹	نمائش	مرزا رفیق بیگ	اکتوبر ۱۹۲۱ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳۰	ارتقا	محمد افضل شریف	اکتوبر ۱۹۲۱ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳۱	معلم العلم	مولوی سراج الدین	۱۹۲۱ء-۱۹۲۲ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳۲	توحید	مولوی سراج الدین احمد	۱۹۲۲ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳۳	خادمہ	اہلیہ پروفیسر ولی الدین احمد	اکتوبر / نومبر ۱۹۲۲ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳۴	ترقی	ابوالمکرم صاحب صدیقی	نومبر-۱۹۲۲ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳۵	المعلم	مولوی سید محمد حسن	جولائی ۱۹۲۴ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳۶	تحفہ	-	اگست ۱۹۲۴ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳۷	سائنس کی صدا	بھوانی پرشاد	مارچ ۱۹۲۵ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳۸	ترجمان	ابوالمکارم محمد انوراللہ	ستمبر ۱۹۲۵ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳۹	دستور آصفی	محمد عبد الرحمن	اپریل ۱۹۲۸ء	ماہ نامہ	نصرت آباد دکن
۴۰	مجلہ مکتبہ	محمد عبد القادر سروری	اپریل ۱۹۲۸ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۴۱	ارشاد	سید شاہ یوسف الدین	۱۹۲۸ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۴۲	مشیر اہل دہ	غلام احمد صاحب وکیل	جولائی ۱۹۲۹ء	ماہ نامہ	نظام آباد
۴۳	الکشافہ	محمد حمید اللہ	۳۱-اکتوبر ۱۹۲۹ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۴۴	رفیق دکن	حاجی کرتان محمد بشیر الدین احمد قادری	یکم جنوری ۱۹۳۱ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۴۵	بھولی	سیدہ بیگم خویشگی	جولائی ۱۹۳۱ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۴۶	سفینۂ نسوان	صادقہ قریشی اختر قریشی	مارچ ۱۹۳۲ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۴۷	خلیق	مرزا امام بیگ رونق قادری	دسمبر ۱۹۳۲ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۴۹	شباب	محمد عبد الرزاق بسمل	فروری ۱۹۳۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۵۰	سودی لینڈ	ایل-سی-مجلہ	جنوری ۱۹۳۶ء	ماہ نامہ	سکندرآباد
۵۱	آئینۂ ادب	مونس احمد	مئی ۱۹۳۶ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۵۲	مجلہ طیلسانین	مجلس ادارت	جنوری ۱۹۳۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۵۳	ترک مسکرات	مجلس ادارت	۲۰ مئی ۱۹۳۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۵۴	انیس الغربا	خواجہ بدرالدین	ستمبر ۱۹۳۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۵۵	سب رس	صاحبزادہ میر محمد علی خاں میکش	جنوری ۱۹۳۸ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۵۶	دوآتشہ	سید ابرا[illegible] سعید	مئی ۱۹۳۹ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۵۷	سب رس (معلومات)	سید محی الدین [illegible] قادری زور	جنوری ۱۹۴۰ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۵۸	گلدستۂ ارم / ارم	ارشاد محمد [illegible]	یکم مئی ۱۹۴۰ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۵۹	معلومات	محکمہ اطلاعات	اکتوبر ۱۹۴۰ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۶۱	گاؤں سدھار	محمد عبد القوی	مارچ ۱۹۴۱ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۶۲	جیت	مرزا عصمت [illegible]	اگست-۱۹۴۲ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۶۳	پیام ادب	سید عبد الوہاب	ستمبر ۱۹۴۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۶۴	خیابان دکن	حمید عسکر علی	جنوری ۱۹۴۴ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۶۵	ضیاء الایمان	محمد یعقوب ضیائی و محمد ایوب	دسمبر ۱۹۴۴ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
[illegible]	پرگرام بلٹین / ندا	-	۱۹۴۶ء	ماہ نامہ	اورنگ آباد

٦٧	ایوان	سید مختار محمد کرمانی	فروری ۱۹۳۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
٦٨	مینا	تمکین کاظمی	اپریل ۱۹۳۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
٦٩	تجارتی دنیا	محمد فخرالدین خان	جولائی ۱۹۳۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
٧٠	سازنو	سید احمد علی حسینی فکر	اگست ۱۹۳۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
٧١	نوائے ادب	شیخ محبوب قریشی	اکتوبر ۱۹۳۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
٧٢	روح ترقی	محمد مظہر	نومبر / ڈسمبر ۱۹۳[illegible]ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
٦٠	مومنہ	صبحت النساء بیگم		ماہنامہ	حیدرآباد
۱	تجلی	محمد سردار علی	اپریل ۱۹۲۷ء	سہ ماہی	حیدرآباد
۲	سائنس	ڈاکٹر مظفرالدین قریشی	جنوری ۱۹۲۸ء	سہ ماہی	اورنگ آباد
۳	ورزش جسمانی	محمد صالح	ڈسمبر ۱۹۲۸ء	سہ ماہی	حیدرآباد
۴	تاریخ	مولوی حکیم سید شمس اللہ قادری	جنوری ۱۹۲۹ء	سہ ماہی	حیدرآباد
۵	حیدرآباد اسکاوٹر	مجلس ادارت	۱۹۳۷ء	سہ ماہی	حیدرآباد
۶	سیاست	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	جنوری ۱۹۳۰ء	سہ ماہی	حیدرآباد
۷	جان نثار	ـ	اگست ۱۹۳۷ء	سہ ماہی	حیدرآباد
۸	تہذیب	محمد محبوب جنیدی	۱۹۳۷ء	سہ ماہی	حیدرآباد
۱	سالنامہ انجمن طلباء قدیم سٹی کالج	سید محی الدین قادری	۱۶ نومبر ۱۹۳۲ء	سال نامہ	حیدرآباد
۲	سالنامہ انجمن طلبسانین عثمانیہ	غلام دستگیر رشید	۱۹۳۳ء	سال نامہ	حیدرآباد
۳	مجموعہ مقالات علمیہ	مجلس ادارت	۱۹۳۹ء	سالانہ	حیدرآباد
۱	حسن کار	سید محمد اکبر وفا قانی	۵ نومبر ۱۹۳۲ء	پندرہ روزہ	حیدرآباد
۲	قلم	سید سعد اللہ قادری	۲۰ مارچ ۱۹۳۹ء	پندرہ روزہ	حیدرآباد
۳	دکن ریویو / نوا	ـ	۱۹۳۹ء	پندرہ روزہ	حیدرآباد

قانونی رسائل

۱	مراۃ القوانین والاحکام	محسن الملک	جولائی / اگست ۱۸۷۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۲	مقنن دکن	مولوی محمد علی	اکتوبر / نومبر ۱۸۸۵ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳	مخزن القوانین	مولوی برہان الدین احمد	۱۸۸۵ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۴	آئین دکن	مولوی فدا حسین	اکتوبر / نومبر ۱۸۹۲ء	ماہ نامہ	اورنگ آباد
۵	تشریح القوانین	مولوی محمد عبدالرحیم	اکتوبر / نومبر ۱۹۰۰ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۶	مالگزاری	محمد فصیح الدین احمد خاں	۷ اکتوبر ۱۹۰۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۷	دکن لارپوٹ	ایڈیٹوریل بورڈ	۱۹۱۰ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۸	نظائر برٹش انڈیا	پنڈت ترلوکی ناتھ بھائے	فروری / مارچ ۱۹۱۸ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۹	نظائر دکن	سر محمد علی	اکتوبر ۱۹۲۰ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۰	نظائر مال	ایڈیٹوریل بورڈ	اکتوبر ۱۹۳۰ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۱	عطیات سلطانی	سر غضنفر علی خاں	۱۹۳۲ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۲	نظائر مال صرف خاص مبارک	محمد جمال الدین خاں غوری	اکتوبر ۱۹۳۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۳	نظائر حیدرآباد	محمد امراللہ صدیقی	۱۹۳۶ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۴	نظائر عثمانیہ عدالتعالیہ	کلیم الدین انصاری	اکتوبر ۱۹۳۸ء	ماہ نامہ	حیدرآباد

گلدستے

نمبر	نام رسالہ	اڈیٹر مالک مہتمم مرتب	تاریخ	نوعیت	مقام
۱	گل کدہ مشتاق	مشتاق احمد	۱۵ جون ۱۸۸۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۲	مذاق سخن	منشی محمد مشتاق احمد	۱۵ ستمبر ۱۸۸۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳	شگوفہ	سید حسن جشن بلگرامی	۱۵ نومبر ۱۸۸۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۴	جوہر سخن	عبداللہ خاں ضیغم	۱۹ مئی ۱۸۸۵ء	ماہ نامہ	سکندرآباد
۵	گلزار سخن	حاجی عبدالرحیم شرف	یکم اکتوبر ۱۸۸۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۶	مطلع سخن	بشیرالدین افسر	۱۸۸۷ء	ماہ نامہ	اورنگ آباد
۷	گل و بلبل	سلطان محمد عاقل	۱۱ دسمبر ۱۸۸۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۸	نغمہ ہزار	عبداللہ خاں ضیغم	فروری / مارچ ۱۸۹۱ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۹	نازو نیاز	میر برکت علی صاحب	دسمبر ۱۸۹۶ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۰	پیام محبوب	غلام حسین داد	جون / جولائی ۱۸۹۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۱	شمس الکلام	محمد سلیمان مہدی	جولائی / اگست ۱۸۹۷ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۲	محبوب الکلام	جلیل مانک پوری	۲۴ اگست ۱۸۹۸ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۳	جشن آصفیہ	محمد وزیر علی صبر	۲۴ اگست ۱۸۹۸ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۴	جلوہ محبوب	مولوی غلام صمدانی خاں گوہر	۲۴ اگست ۱۸۹۸ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۵	ملوک الکلام	میر وزیرالدین	۱۸۹۹ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۶	معیارالانشاء	نواب سراج الدین احمد خاں	جولائی ۱۹۰۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۱۷	حسن خیال	رضی کاکوروی	۱۹۲۵ء	ماہ نامہ	اورنگ آباد
۱	گلدستہ فیض	محمد فیاض الدین خاں بہادر		سالانہ	حیدرآباد دکن
۲	گلدستہ سفر ہمایوں دہلی	محمد عبداللہ خاں ضیغم	۱۹۰۳ء	سالانہ	حیدرآباد
۳	گلدستہ جشن آصفیہ	محمد عبداللہ خاں ضیغم	۱۹۰۳ء	سالانہ	حیدرآباد
۴	بزم شاد	بجید آغائی ابوالعلائی	۱۹۳۰ء	سالانہ	حیدرآباد
۵	مرقع جشن سیمیں	سید جعفراللہ حسینی صادق	۱۹۳۵ء	سالانہ	حیدرآباد

زراعتی رسائل

نمبر	نام رسالہ	اڈیٹر	تاریخ	نوعیت	مقام
۱	فنون	مسز جونس	یکم مئی ۱۸۸۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۲	زراعت و پرورش	آر۔ آر۔ جوسی	اگست ۱۹۱۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳	رہبر مزارعین	مسز جان کینی	۱۹۱۴ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۴	کاشتکار	محمد عبدالرزاق بسمل	اکتوبر ۱۹۳۰ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۵	حیدرآباد فارمر	نظام الدین حیدر	اپریل ۱۹۳۱ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۶	حیدرآباد فاریسٹ / رسالہ جنگلات حیدرآباد	مرزا نوازش علی	جولائی ۱۹۳۱ء	سہ ماہی	حیدرآباد دکن

نمبر	نام رسالہ	اڈیٹر	تاریخ	نوعیت	مقام
۱	تکمیل الاحکام	عزیز جنگ	اکتوبر ۱۸۹۹ء	پندرہ روزہ	حیدرآباد دکن
۲	زراعت	محمد منیرالدین	۱۵ مارچ ۱۹۲۷ء	پندرہ روزہ	حیدرآباد دکن

تعلیمی رسائل

نمبر	نام رسالہ	اڈیٹر	تاریخ	نوعیت	مقام
۱	رفیق دکن	مولوی محمد عزیزالدین	۲۲ اگست ۱۸۸۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۲	ذخیرہ تعلیم	محمد عزیزالدین	یکم نومبر ۱۸۸۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد
۳	ترقی تعلیم	محمد افضل شریف	جولائی ۱۹۲۲ء	ماہ نامہ	سکندرآباد
۴	المعلم	سید محمد حسین صاحب جعفری	جولائی ۱۹۲۳ء	ماہ نامہ	حیدرآباد

۵	رہبر تعلیم	برج لال	اپریل ۱۹۲۷ء	ماہنامہ	حیدرآباد

۱	حیدرآباد ٹیچر	سید فخرالحسن ملا	جنوری ۱۹۲۹ء	سہ ماہی	حیدرآباد
۲	ہیڈ ٹیچر	—	نومبر ۱۹۳۵ء	سہ ماہی	ورنگل
۳	تربیت	مولوی شمس الدین احمد	۱۹۳۴ء / ۱۹۴۵ء	سہ ماہی	اورنگ آباد

ادبی رسائل

۱	خیال محبوب محبوب عالم	مولوی عبدالسلام عرشی	۱۹ ستمبر ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۲	دلگداز	عبدالحلیم شرر	۲۲ مارچ ۱۸۹۷ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۳	مشاعرہ	نوراللہ محمد نوری	مارچ ۱۹۲۹ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۴	حیات سخن	حکیم محمد عبدالرزاق عرشی	اکتوبر ۱۹۳۰ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۵	دلگداز	محمد صدیق حسن	مارچ ۱۹۳۳ء	ماہنامہ	اورنگ آباد
۶	سلسلہ داستان گو	علی احمد	اکتوبر ۱۹۳۵ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۷	سلسلہ پرواز خیال	مرتضی مجتہدی	فروری ۱۹۳۹ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۸	فصاحت	صدیق احمد اثر	اپریل ۱۹۴۱ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۹	ہندوستانی ادب	غلام محمد خاں	جون ۱۹۴۱ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۱۰	ہماری کتابیں	سید علی شبر حاتمی	جولائی ۱۹۴۲ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۱۱	سویرا	غوث محی الدین	فروری ۱۹۴۷ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۱۲	داستان	احمد مکی	فروری ۱۹۴۷ء	ماہنامہ	حیدرآباد

۱	اردو	مولوی عبدالحق	جنوری ۱۹۲۱ء	سہ ماہی	اورنگ آباد
۲	نیا ادب	قاضی عبدالغفار	جنوری ۱۹۴۳ء	سہ ماہی	حیدرآباد
۳	نیا زمانہ	قاضی عبدالغفار	جنوری ۱۹۴۷ء	سہ ماہی	حیدرآباد

بچوں کے رسائل

۱	ادیب الاطفال	مرزا احمد اللہ بیگ آغائی	اگست ۱۹۱۱ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۲	اتالیق	محمد عبدالرب	فروری ۱۹۱۸ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۳	نونہال	محمد مرغوب الدین	مارچ / اپریل ۱۹۲۱ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۴	ہزار داستان	ابوالمعانی وصف	اکتوبر ۱۹۳۰ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۵	سب رس	صاحبزادہ میر محمد علی خاں میکش	جنوری ۱۹۳۸ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۶	بزم ادب	بشوا ناتھ	۱۹۴۴ء / ۱۹۴۳ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۷	مسلم	محمد صدیق جمال صدیقی	۱۹۴۷ء	ماہنامہ	حیدرآباد

تعلیمی اداروں کے رسائل

۱	نظام کالج میگزین	مجلس ادارت	جنوری ۱۹۲۳ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۲	مجلہ نظامیہ	شاہ ابوالخیر کنج نشین	فروری ۱۹۴۷ء	ماہنامہ	حیدرآباد

۱	نورس	مولوی عبدالحق	ستمبر ۱۹۲۵ء	دوماہی	اورنگ آباد

					مقام
۱	زنانہ ہائی اسکول میگزین:	احسن النساء	۱۹۲۲ء	سہ ماہی	حیدرآباد

۲	مجلہ عثمانیہ	سید غلام محی الدین قادری زور	فروری ۱۹۲۷ء	سہ ماہی	حیدرآباد
۳	الموسی	مرزا سرفراز علی	۱۹۳۳ء	سہ ماہی	حیدرآباد
۴	مجلہ ورنگل کالج	عبدالعلی خاں	اپریل ۱۹۳۶ء	سہ ماہی	ورنگل
۵	تلمیذ	مولوی فیض محمد و مولوی محمد سلطان	جون ۱۹۳۸ء	سہ ماہی	حیدرآباد
۶	آصفیہ میگزین	سید حسن الدین	جنوری ۱۹۴۹ء	سہ ماہی	حیدرآباد
۷	آفتاب علم و فکر و عمل	محمد ابرار حسینی فاروقی	۱۶ اکتوبر ۱۹۴۰ء	ماہ نامہ	اورنگ آباد
۸	مجلہ کلیہ گلبرگہ	محمد معین الدین	جولائی ۱۹۴۳ء	سہ ماہی	گلبرگہ

۱	نوائے ہند	--	جنوری ۱۹۲۳ء	ششماہی	اورنگ آباد
۲	نظام ادب	محمد عبدالقوی	ستمبر ۱۹۳۹ء / مارچ ۱۹۴۰ء	ششماہی	حیدرآباد

۱	بزم اردو	سر سعادت علی رضوی	۱۹۳۱ء / ۱۹۳۲ء	سالانہ	حیدرآباد
۲	مجموعہ تحقیقات علمیہ	مجلس ادارت	۱۹۳۳ء	سالانہ	حیدرآباد
۳	کلیہ طبیہ	یاور عباس	۱۹۳۹	سالانہ	حیدرآباد
۴	چادرگھاٹ کالج میگزین	محمد عزیز الرحمن	۱۹۴۵ء	سالانہ	حیدرآباد
	نو خیز	مولوی محمد محبوب علی خاں	۴۵ / ۱۹۴۴ء	سالانہ	حیدرآباد

اقتصادی رسائل

۱	لسان الملک	سید محمد ضامن لنتوری	جولائی ۱۹۲۳ء	ماہنامہ	حیدرآباد
۲	امداد باہمی و زراعت	بدر الحسن	۱۹۲۶ء	سہ ماہی	حیدرآباد

حوالہ جات

۱) عتیق صدیقی محمد، ہندوستانی اخبار نویسی علی گڈھ سنہ ۱۹۵۷ء صفحہ نمبر ۱۶۰ تا ۱۶۲
۲) سید محمد مولوی، ارباب نثر اردو، نئی دہلی بار اول ۱۹۷۷ء ص نمبر ۱۲، ۱۳
۳) حکم چند ڈاکٹر، عدالتوں اور دفتروں سے فارسی کا اخراج، اردو کے مسائل۔ بنارس اگست ۱۹۷۷ء ص ۱۳
۴) مشمولہ تاریخ تعلیم ہند، از سید نور اللہ اور جے پی نایک، نئی دہلی پہلا ایڈیشن سن ۱۹۷۳ء ص ۱۰۰
۵) ایضاً ایضاً ایضاً
۶) صفیہ بانو، انجمن پنجاب تاریخ و خدمات، کراچی بار اول ۱۹۷۸ء ص ۳۸۷
۷) اخبار جام جہاں نما (۲۹ دسمبر ۱۸۲۴ء) محولہ صحافت پاکستان و ہند میں از عبد السلام خورشید، لاہور سنہ ۱۹۶۳ء ص ۳۹
۸) اخبار جام جہاں نما (۲۳ مارچ ۱۸۲۵ء) محولہ صحافت پاکستان و ہند میں ص ۳۹، ۴۰
۹) ایضاً ۵ اکتوبر سنہ ۱۸۲۶ء ایضاً ص ۴۰
۱۰) اخبار جام جہاں نما (مورخہ ۹ مارچ ۱۸۲۵ء) محولہ صحافت پاکستان و ہند میں، ص ۴۱
۱۱) اخبار جام جہاں نما ۲۲ جنوری ۱۸۲۸ء محولہ ہندوستان اخبار نویسی ص ص ۱۶۲ - ۱۶۳
۱۲) سجن لال، دلی کالج میگزین ۱۹۳۵ء ص ۶۴ محولہ ہندوستانی اخبار نویسی ص ۳۳۳
۱۳) تہذیب الاخلاق (مورخہ یکم ذالحجہ ۱۳۱۲ھ) محولہ مقالات سرسید، مرتبہ محمد اسماعیل پانی پتی حصہ ہشتم بار اول لاہور سنہ ۱۹۶۲ء ص ۱۵۱
۱۴) تہذیب الاخلاق، (مورخہ یکم رمضان ۱۲۶۲ھ) محولہ مقالات سرسید حصہ نہم، طبع اول لاہور ۱۹۶۲ء ص ۱
۱۵) اخبار کوہ نور (مورخہ ۲۴ جون ۱۸۵۱ء) صوبہ شمالی اور مغربی کے اخبارات و مطبوعات۔ عتیق صدیقی علی گڈھ ۱۹۶۲ء ص ۲۷۹
۱۶) مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے باب سوم ص ۱۹۸ تا ۳۱۷
۱۷) صحافت پاکستان و ہند میں ص ۳۶
۱۸) ایضاً ص ۳۷
۱۹) ایضاً ص ۴۵

۲۰) ہندوستانی اخبار نویسی ص ۱۶۱، ۱۶۲
۲۱) صحافت پاکستان و ہند میں ص ۳۸
۲۲) ایضاً ص ۱۰۳ تا ۱۰۷
۲۳) ہندوستانی اخبار نویسی ص ۲۶۶
۲۴) صحافت پاکستان و ہند میں ص ۱۰۳، ۱۰۷
۲۵) ایضاً ۱۰۹، ۱۱۰
۲۶) امداد صابری، تاریخ صحافت اردو (جلد اول دوسرا ایڈیشن) دہلی ۱۹۵۳ء ص ۱۹۲، ۱۹۶
۲۷) ایضاً ایضاً ص ۱۹۷
۲۸) تاریخ صحافت اردو (جلد اول صفحہ ۲۱۹)
۲۹) صحافت پاکستان و ہند میں ص ۱۴۴
۳۰) تاریخ صحافت اردو (جلد اول) ص ۲۲۱
۳۱) صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات۔ علی گڈھ ۱۹۶۲ء ص ۶۱
۳۲) ہندوستانی اخبار نویسی ص ۲۲۸
۳۳) صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات ص ۶۷، ۶۸
۳۴) اب سے آدھی صدی پہلے کے اردو اخبارات ص ۱۹۴
۳۵) تاریخ صحافت اردو (جلد اول) ص ۲۲۷
۳۶) صحافت پاکستان و ہند میں ص ۱۱۵
۳۷) ایضاً ص ۱۱۴، ۱۱۵
۳۸) تاریخ صحافت اردو، ص ۲۵۶، ۲۵۷
۳۹) ایضاً ص ۲۵۷
۴۰) صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات ص ۹۶
۴۱) تاریخ صحافت اردو جلد اول ص ۲۶۶، ۲۶۷
۴۲) ایضاً ص ۲۸۴
۴۳) خطبات گارساں دتاسی مشمولہ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات ص ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۷۴، ۲۷۵
۴۴) صحافت پاکستان و ہند میں ص ۱۷۹، ۲۰۰
۴۵) ہندوستانی اخبار نویسی ص ۲۳۲
۴۶) ہندوستانی اخبار نویسی از عتیق صدیقی ص ۲۸۸، ۲۸۹
۴۷) خطبات گارساں دتاسی ص ۳۳، محولہ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات ص ۹۰، ۹۱

۴۸) کیفی برج موہن د تاتریہ، اب سے آدھی صدی پہلے کے اردو اخبار۔ رسالہ اردو ص ۲۲۳

۴۹) روح صحافت ۲۸۶،۲۸۱

) تاریخ صحافت اردو (جلد دوم کا پہلا حصہ) کلکتہ ص ۱۸۱، ۱۸۲

) ایضاً ایضاً ص ۱۸۴

۵۲) ہندوستانی اخبار نویسی ص ۲۷۹، ۲۸۰ و صحافت پاکستان و ہند میں ص ۱۳۱ تا ۱۳۲

۵۳) صحافت پاکستان و ہند میں ص ۱۳۲

۵۴) صدیق الرحمن قدوائی، ماسٹر رام چندر قدیم دہلی کالج کی ایک اہم شخصیت۔ دہلی بار اول اگست ۱۹۶۱ء ص ۶۶ و سیدہ جعفر ڈاکٹر ماسٹر رام چندر اور اردو نثر کے ارتقا میں ان کا حصہ، حیدر آباد ۱۹۶۰ء ص ۳۱

۵۵) صحافت پاکستان و ہند میں (بحوالہ سجن لال) ص ۱۳۷، ۱۳۸

۵۶) ہندوستانی اخبار نویسی، ص ۳۴۵، ۳۴۶

۵۷) صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات ص ۸۷

۵۸) صحافت پاکستان و ہند میں ص ۱۳۸

۵۹) ایضاً ص ۱۳۹، ۱۴۰

۶۰) ایضاً ص ۱۴۱

۶۱) تاریخ صحافت اردو (جلد اول) ص ۲۷۴

۶۲) ایضاً (جلد دوم) ص ۱۵۰

۶۳) خطبات گارساں دتاسی ص ۲۷۵ بحوالہ تاریخ صحافت (جلد دوم) ص ۱۷۹

۶۴) تاریخ صحافت اردو (جلد دوم) ص ۱۷۵، ۱۷۹

۶۵) مشمولہ تاریخ صحافت اردو (جلد دوم) ۱۷۸، ۱۷۹

۶۶) روح صحافت ص ۱۴۷، ۱۵۲

۶۷) حالی الطاف حسین، حیات جاوید ناشر ترقی اردو بورڈ دہلی، ۱۹۷۹ء ص ۱۲۲، ۱۲۳

۶۸) تاریخ صحافت اردو (جلد دوم) ص ۱۸۸

۶۹) ایضاً ایضاً ایضاً

۷۰) تاریخ صحافت اردو (جلد دوم) ص ۲۰۷

۷۱) ایضاً ایضاً ص ۱۹۷

۷۲) فرخی ڈاکٹر محمد اسلم، محمد حسین آزاد حیات اور تصانیف۔ انجمن ترقی اردو، کراچی (حصہ اول) ص ۱۹۲، ۱۹۳

۷۳) تاریخ صحافت اردو (جلد دوم) ص ۲۱۷

۷۴) صحافت پاکستان و ہند میں ص ۲۵۳
۷۵) تاریخ صحافت اردو ص ۲۱۵
۷۶) صحافت پاکستان و ہند میں ص ۲۵۵،۲۵۸
۷۷) ایضاً ایضاً
۷۸) مآثر الامرا جلد ۳ ص ۸۴۴ محولہ یوسف حسین خاں ڈاکٹر، تاریخ دکن عہد حالیہ حیدر آباد ۱۹۴۴ ء ص ۲۹
۷۹) محبت، محمد عظیم الدین، مختصر تاریخ دکن، مملکت آصفیہ جلد اول ۱۹۷۸ء کراچی ناشر ادارہ محبان دکن، ص ۱۴۹
۸۰) غدر سے کچھ قبل ۱۸۵۳ء میں لارڈ ڈلہوزی نے چونسٹھ لاکھ (۶۴) روپیے کے قرض کی پابجائی اور کنٹنجنٹ کی تنخواہوں کی ادائیگی کے لیے برار کے علاقہ کا مطالبہ کیا۔ ناصر الدولہ اس کے لیے آمادہ نہیں ہوئے تو انہیں فوجی کاروائی کی دھمکی دی گئی۔ تب مجبور ہو کر انہیں انگریزوں سے معاہدہ کرنا پڑا جو "معاہدہ برار" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ معاہدہ اگر طے نہ پاتا تو شاید اس ریاست کا بھی وہی انجام ہوتا جو ۱۸۵۶ء میں ریاست اودھ کا ہوا تھا۔
۸۱) ہاشمی نصیر الدین، عہد آصفی کی قدیم تعلیم، حیدر آباد ۱۹۴۶ء ص ۶۱
۸۲) مانک راؤ وٹھل راؤ، بستان آصفیہ جلد اول حیدر آباد اول ۱۳۲۷ھ ص ۴۱۷
۸۳) ایضاً ایضاً ص ۱۹۹
۸۴) اخبار، رہبر دکن (مورخہ یکم ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ) جشن سیمیں نمبر ص ۲۱
۸۵) رہبر دکن، جشن سیمیں نمبر ص ۲۱
۸۶) گوہر غلام صمدانی خاں، دربار آصف، گل پنجم حیدر آباد ص ۱۰۰
۸۷) بستان آصفیہ، جلد اول ص ۲۹۰
۸۸) ایضاً ایضاً ۳۴۰
۸۹) ایضاً ایضاً ۳۴۵
۹۰) عبد الحئی، محمد عظیم الدین ڈاکٹر سر رشتہ تعلیمات مملکت آصفیہ (جلد دوم) کراچی ۱۹۷۸ء ص ۱۴۳
۹۱) گلستان آصفیہ، جلد اول ص ۳۴۱
۹۲) علی اکبر سید، عہد عثمانی میں تعلیم کی ترقی ماہ نامہ سب رس حیدر آباد، ڈسمبر ۱۹۶۸ء ص ۹
۹۳) عبد الحئی ڈاکٹر و محمد عظیم الدین، مملکت آصفیہ (جلد دوم) ص ۱۴۴،۱۶۰
۹۴) ہاشمی نصیر الدین، دکن میں اردو بار ششم لکھنؤ ۱۹۶۳ء ص ۴۶۷
۹۵) محولہ زور ڈاکٹر سید محی الدین قادری، داستان ادب حیدر آباد بار اول ۱۹۵۱ء ص ۵۸

۹۶) ملکاپوری عبدالجبار خاں، تذکرہ شعرائے دکن محبوب الزمن (حصہ اول) حیدرآباد ۱۳۲۹ھ ص ۴۸۶
۹۷) ایضاً (جلد دوم) ص ۸۸۷
۹۸) ملکاپوری عبدالجبار خاں، آصفی تذکرہ شعراء دکن محبوب الزمن (حصہ اول) حیدرآباد ۱۳۲۹ھ ص ۴۲۶
۹۹) تذکرہ شعرائے دکن محبوب الزمن (جلد اول) ص ۲۲۴، ۲۲۵
۱۰۰) تذکرہ شعرائے دکن محبوب الزمن (جلد دوم) ص ۸۱۹
۱۰۱) دبدبہ نظام (حصہ اول) ص ۳۵
۱۰۲) یوسف حسین خاں ڈاکٹر، تاریخ دکن عہد حالیہ حیدرآباد ۱۹۴۴ء ص ۱۲۹
۱۰۳) تذکرہ شعرائے دکن (جلد دوم) ص ۶۰۵
۱۰۴) ایضاً ایضاً
۱۰۵) حسن یار جنگ بہادر نواب (مرتبہ) تاریخ خاندان پائگاہ (حیدرآباد دکن) کراچی ۱۹۸۰ء ص ۷۹
۱۰۶) ایضاً بار اول جون ۱۹۸۰ء کراچی ص ۵۹
۱۰۷) داستان ادب حیدرآباد، حیدرآباد ۱۹۳۴ء ص ۶۵، ۶۷
۱۰۸) سروری پروفیسر عبدالقادر، ارسطوجاہ کی سرپرستیاں، رہبر دکن جشن سیمیں نمبر ص ۳۶
۱۰۹) حسن یار جنگ بہادر نواب (مرتبہ) تاریخ خاندان پائگاہ (حیدرآباد) کراچی ۱۹۸۰ء ص ۲۹
۱۱۰) مملکت آصفیہ (جلد اول) ص ۱۲۹
۱۱۱) سید خواجہ صاحب وکیل مولوی، گلزار آصفیہ۔ حیدرآباد ۱۳۲۶ف ص ۱۶۱
۱۱۲) تاریخ دکن آصفیہ عہد حالیہ، ص ۱۳۵
۱۱۳) محمد سلطان مولوی، مرقع دکن۔ حیدرآباد ۱۳۳۲ھ ص ۴۳
۱۱۴) گلزار آصفیہ ص ۱۵۹، ۱۶۱ محولہ تاریخ دکن عہد حالیہ ص ۱۵۹، ۱۶۰
۱۱۵) مرقع دکن ص ۸۰
۱۱۶) ایضاً ایضاً
۱۱۷) سید خواجہ صاحب مولوی وکیل، گلزار آصفیہ۔ حیدرآباد ۱۳۲۶ف ص ۱۶۶
۱۱۸) تاریخ دکن عہد حالیہ ۱۶۴
۱۱۹) مرقع دکن، ص ۸۲
۱۲۰) ایضاً ص ۸۴
۱۲۱) تاریخ دکن عہد حالیہ، ص ۱۶۹

۱۲۰) ایضاً ص ۸۴

۱۲۱) تاریخ دکن عہد حالیہ، ص ۱۶۹

۱۲۲) سالنامہ رہبر دکن - حیدر آباد ۱۳۴۳ ف ص ۶۹

۱۲۳) بحولہ شمس اللہ قادری حکیم سید، ماہ نامہ ادیب - حیدر آباد اپریل ۱۹۱۰ء ص ۳۸، ۳۹

۱۲۴) مرقع دکن، ص ۸۴

۱۲۵) مملکت آصفیہ (جلد اول) ص ۱۴۰

۱۲۶) یوسف حسین ڈاکٹر، تاریخ دکن (عہد حالیہ) حیدر آباد ۱۹۴۴ء ص ۱۷۰

۱۲۷) طالع سید مراد علی، نواب سکندر جاہ آصف ثالث - حیدر آباد ۱۹۴۲ء ص ۱۵

۱۲۸) تاریخ دکن عہد حالیہ، ص ۱۷۳

۱۲۹) نواب سکندر جاہ آصف جاہ ثالث، ص ۱۹

۱۳۰) نجم الغنی خاں، تاریخ ریاست حیدر آباد لکھنؤ بار اول ۱۹۳۰ء ص ۵۲۱

۱۳۱) ایضاً ایضاً ایضاً

۱۳۲) مکھن لال رائے، یادگار مکھن لال مطبع برہان پور - ۱۲۴۶ھ بحولہ ثمینہ شوکت ڈاکٹر، مہاراجہ چندو لال شاداں اور حیدر آباد کا سیاسی و سماجی پس منظر بار اول - حیدر آباد ۱۹۷۹ء ص

۱۳۳) دکن میں اردو، ص ۵۰۶

۱۳۴) ایضاً ص ۵۰۷

۱۳۵) مرقع دکن، ص ۸۷

۱۳۶) ایضاً ص ۸۹

۱۳۷) ایضاً ۸۹

۱۳۸) نجم الغنی خاں علامہ محمد، تاریخ ریاست حیدر آباد (لکھنؤ بار اول) ۱۹۳۰ء ص ۵۲۴

۱۳۹) مرقع دکن، ص ۹۰

۱۴۰) محمد عظیم الدین محبت، آصف جاہی خاندان کا پس منظر مملکت آصفیہ (جلد اول) بار اول کراچی ۱۹۷۸ء ص ۱۴۹

۱۴۱) طالع سید مراد علی، ناصر الدولہ بہادر آصف جاہ رابع - حیدر آباد ۱۹۴۳ء ص ۱۹

۱۴۲) مرقع دکن - ص ۹۰

۱۴۳) ناصر الدولہ بہادر آصف جاہ رابع، ص ۱۸

۱۴۴) تزک محبوبیہ (جلد دوم) (دفتر ششم) ص ۲۸

۱۴۵) بستان آصفیہ (جلد اول) ص ۳۶۶

۱۴۶) روائیداد دار العلوم مرتبہ ۱۲۷۸ (مخطوطہ) بحولہ عہد آصفی کی قدیم تعلیم ص ۵۲، ۵۳

۱۴۷) عہد آصفی کی قدیم تعلیم، ص ۶۱
۱۴۸) ایضاً ۶۳، ۶۴
۱۴۹) عبد اللہ المسدوسی، مملکت حیدر آباد ایک علمی و ادبی ثقافتی تذکرہ فہرست کتب (ج) محولہ لئیق صلاح میر شمس الدین فیض حیات اور ادبی کارنامے۔ حیدر آباد ۱۹۸۰ء ص ۳۲
۱۵۰) شاہد خواجہ حمید الدین، "مقدمہ" اردو میں سائنسی ادب قدیم ترین کارنامے۔ حیدر آباد ۱۹۵۷ء ص ب
۱۵۱) مانک راؤ وٹھل راؤ، بستان آصفیہ ص
۱۵۲) شمس اللہ قادری مولوی، "آثار الکرام" ماہ نامہ ادیب۔ حیدر آباد اپریل ۱۹۱۰ء ص ۴۲
۱۵۳) ایضاً ایضاً
۱۵۴) مرقع دکن، ص ۹۲
۱۵۵) ایضاً ایضاً
۱۵۶) رحم علی الہاشمی اسٹار ڈائرکٹری (الہ آباد) ص ۱۲۲
۱۵۷) نجم الغنی، تاریخ ریاست حیدر آباد، لکھنؤ ۱۹۳۰ء ص ۵۴۳
۱۵۸) گلزار آصفیہ، ص ۲۲۹
۱۵۹) بستان آصفیہ جلد اول ص ۱۷
۱۶۰) دربار آصف، ص ۱۰۰
۱۶۱) تاریخ دکن، عہد عالیہ ص ۱۹۹
۱۶۲) دربار آصف، ص ۱۰۰
۱۶۳) تاریخ دکن عہد عالیہ ص ۲۰۲
۱۶۴) تزک محبوبیہ (جلد اول چھٹا باب) ص ۲۱۲
۱۶۵) مرقع دکن، ص ۹۵
۱۶۶) ایضاً ایضاً
۱۶۷) دربار آصف ص ۴
۱۶۸) مملکت آصفیہ جلد اول ص ۱۵۸
۱۶۹) دربار آصف ص ۵
۱۷۰) دربار آصف ص ۷
۱۷۱) طالع سید مراد علی (مرتبہ) میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس، حیدر آباد ۱۹۴۴ء ص ۱۶
۱۷۲) مرقع دکن ص ۱۰۲
۱۷۳) ۱۲ رجب ۱۳۲۱ھ کو نصف شب کے وقت رود موسیٰ میں سخت طغیانی آئی تھی۔
۱۷۴) مملکت آصفیہ جلد اول ص ۱۶۳

۱۷۵) تاریخ ریاست حیدر آباد دکن، ص ۵۶۱
۱۷۶) مرقع دکن ص ۹۹
۱۷۷) تاریخ دکن عہد عالیہ، ص ۲۰۹، ۲۱۰
۱۷۸) ایضاً ایضاً
۱۷۹) گوہر غلام صمدانی خاں، تزک محبوبیہ (جلد اول) حیدر آباد ۱۳۱۹ھ ص ۱۶۱
۱۸۰) گلزار آصفیہ ص ۲۳۸
۱۸۱) مرقع دکن، ص ۱۰۶
۱۸۲) حیدر آباد کی علمی سرگرمیاں آصف جاہ سادس کے عہد میں، سالنامہ رہبر دکن ۱۳۴۳ف ص ۲۳
۱۸۳) تزک محبوبیہ (جلد اول) ص ۶۱
۱۸۴) بستان آصفیہ (جلد اول) ص ۳۴۶
۱۸۵) تزک محبوبیہ (جلد اول) ص ۲۲
۱۸۶) گزیٹر ص ۱۳۴ محولہ عہد آصفیہ کی قدیم تعلیم ص ۱۷۶
۱۸۷) علی اکبر پروفیسر محمد، عہد عثمانی میں تعلیم کی ترقی، ماہنامہ سب رس ۱۹۶۸ء ص ۳
۱۸۸) ایضاً ایضاً ص ۴
۱۸۹) دکن میں اردو، ص ۷۴۸
۱۹۰) بستان آصفیہ (جلد اول) ص ۶۸۰
۱۹۱) ایضاً ایضاً ص ۶۷۹
۱۹۲) ایضاً ایضاً ص ۶۷۸
۱۹۳) ایضاً ایضاً ص ۶۸۳
۱۹۴) ایضاً ایضاً ص ۶۸۲
۱۹۵) تاریخ ادب اردو (لکھنؤ چوتھی بار سنہ ۱۹۶۹ء) ص ۳۶۸
۱۹۶) ہاشمی نصیر الدین، دکن میں اردو (لکھنؤ بار ششم ۱۹۶۳ء) ص ۶۸۹
۱۹۷) ایضاً ص ۶۰۹
۱۹۸) تزک محبوبیہ (جلد اول) ص ۲۸
۱۹۹) دکن میں اردو ص ۶۰۹، ۶۱۰
۲۰۰) کشن پرشاد شاد مہاراجہ، آپ بیتی کا ایک ورق مشمولہ حیدر آباد کے ادیب جلد دوم، مرتبہ زینت ساجدہ۔ حیدر آباد ۱۹۶۲ء ص ۱۲۹، ۱۳۰
۲۰۱) ایضاً ایضاً ایضاً

۲۰۲) حبیب ضیاڈاکٹرسر کشن پرشاد شاد حیات اور ادبی خدمات، حیدرآباد بار اول ۱۹۷۸، ص ۲۱۷
۲۰۳) ایضاً ایضاً ص ۲۶
۲۰۴) یہ بحث کہ ان کے ناول خود ان کی تصنیف ہیں یا سرشار کی ہمارے دائرہ کار سے خارج ہے

۲۰۵) مہاراجہ سر کشن پرشاد حیات اور ادبی خدمات، ص ۲۸۱، ۲۸۲
۲۰۶) مرقع دکن، ص ۱۰۸
۲۰۷) بستان آصفیہ (جلد اول) ص ۱۱۴
۲۰۸) مرقع دکن ص ۱۰۹
۲۰۹) مملکت آصفیہ (جلد اول) ص ۱۷۳
۲۱۰) ایضاً ایضاً ص ۱۸۳، ۱۹۳
۲۱۱) تاریخ دکن عہد حالیہ، ص ۲۱۴
۲۱۲) علی اکبر پروفیسر عہد عثمانی میں تعلیم کی ترقی ص ۹
۲۱۳) بستان آصفیہ (جلد اول) ص ۳۴۸
۲۱۴) محولہ دکن میں اردو، ص ۵۵۷
۲۱۵) زور ڈاکٹر سید محی الدین قادری مشمولہ عہد عثمانی میں اردو کی ترقی، حیدرآباد ۱۹۳۴، ص ۹۳
۲۱۶) دکن میں اردو بار ششم، ص ۵۸۷
۲۱۷) میر حسن، ریڈیو اور نشریات ماہ نامہ سب رس ریڈیو نمبر۔ حیدرآباد جنوری ۱۹۴۱، ص ۳۲
۲۱۸) ایضاً ایضاً ص ۲۲
۲۱۹) ایضاً ایضاً ایضاً
۲۲۰) شاہد خواجہ حمید الدین، نشرگاہ حیدرآباد ماہ نامہ سب رس، ریڈیو نمبر حیدرآباد جنوری ۱۹۴۱، ص ۷
۲۲۱) علی ابن الحسین زیدی، مقدمہ مشمولہ ہندوستان میں چھاپہ خانہ، دہلی سنہ ۱۹۶۵ء
۲۲۲) Desooza ! oriental conquests vol .1 p . 648 مشمولہ ہندوستانی اخبار نویسی ص ۳۸
۲۲۳) صحافت ہند و پاک میں ص ۱۷
۲۲۴) ایضاً ایضاً
۲۲۵) ہندوستانی اخبار نویسی ص ۳۹
۲۲۶) صحافت ہند و پاک میں ص ۱۸
۲۲۷) ہندوستانی اخبار نویسی ص ۴۲

۲۲۸) صحافت ہند و پاک میں ص ۱۸، ۱۹
۲۲۹) ایضاً ص ۱۹
۲۳۰) عتیق صدیقی محمد، گلکرسٹ اور اس کا عہد نئی دہلی - دوسری بار ۱۹۷۹، ص ۲۸
۲۳۱) صحافت ہند و پاک میں ص ۱۹
۲۳۲) ہندوستانی اخبار نویسی ص ۱۲۰ - 119
۲۳۳) زینت ساجدہ - حیدر آباد کے ادیب (انتخاب نثر حصہ اول) ص ۷
۲۳۴) ایضاً ص ب
۲۳۵) شاہد، خواجہ حمید الدین - اردو میں سائنسی ادب قدیم ترین کارنامے ص ب
۲۳۶) میر حسن - اردو زبان میں وضع اصطلاحات کے مسائل مشمولہ ترجمہ کا فن اور روایت ص ۲۰۸
۲۳۷) رسالہ موتی کی چو نکالنے کا، ہندی زبان میں حیدر آباد ۱۲۵۱ھ (مخزونہ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم
۲۳۸) شمس الہندسہ (بہ زبان فارسی) اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن بھی کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ ہے۔
۲۳۹) تزک محبوبیہ (جلد اول) ص ۱۱۷
۲۴۰) بستان آصفیہ (جلد سوم) ص ۲۹۶
۲۴۱) البستان آصفیہ (جلد اول) ص ۳۶۴
۲۴۲) تاریخ ریاست حیدر آباد، ص ۳۵۹
۲۴۳) میر دلاور علی دانش، ریاض مختاریہ سلطنت آصفیہ حیدر آباد ۱۹۴۳، ص ۱۵۳
۲۴۴) تزک محبوبیہ (جلد اول) ص ۱۸۷
۲۴۵) ریاض مختاریہ ص ۱۵۳
۲۴۶) امیر عالم ص ۱۳۴
۲۴۷) بستان آصفیہ (جلد اول) ص ۳۶۴، ۳۶۵
۲۴۸) بستان آصفیہ (جلد دوم) ص ۳۶۵
۲۴۹) ایضاً ص ۶۹۴
۲۵۰) مطبوعہ ماہ نامہ ادیب، حیدر آباد دکن اپریل ۱۹۱۰، ص ۵۴
۲۵۱) دکن میں اردو بار اول، ۱۳۴۲ھ ص ۳۷۸ و بار ششم ۱۹۶۳، ص ۶۰۱
۲۵۲) ایضاً ایضاً ص ۳۷۸
۲۵۳) مطبوعہ معارف مارچ ۱۹۳۷، ص ۲۱۴، ۲۱۵

۲۵۴) صحافت پاکستان و ہند میں ص ۲۸۹
۲۵۵) طیب انصاری، حیدر آباد میں اردو صحافت ۱۸۵۷ء تا ۱۹۵۹ء حیدر آباد بار اول ۱۹۸۰ء ص ۹۷
۲۵۶) ایضاً ایضاً ایضاً
۲۵۷) بہر مزجی، حیدر آباد کے قدیم اخبارات روزانہ سیاست حیدر آباد، مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۷۵ء
۲۵۸) محمد افضل الدین اقبال، جنوبی ہند کی اردو صحافت ۱۸۵۷ء سے پیشتر بار اول ۱۹۸۱ء ص ۳۷
۲۵۹) رسالہ طبابت حیدر آباد، جلد نمبر ۱، شمارہ نمبر ۱ (بابتہ نومبر ۱۸۵۵ء) کتب خانہ سالار جنگ
۲۶۰) رسالہ طبابت حیدر آباد، کتب خانہ سالار جنگ
۲۶۱-۲۶۳) ایضاً ایضاً جلد دوم شمارہ نمبر ۹ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو
۲۶۳) اب piles مروج ہے
۲۶۴) یہ آج بھی مروج ہے
۲۶۵) یہ آج بھی مروج ہے
۲۶۶) purgatiue کا ترجمہ آج بھی مسہل ہی ہے
۲۶۷) یہ آج بھی مروج ہے
۲۶۸) اس ترجمہ پر حیرت ہوتی ہے۔ دور حاضر میں بھی یہی رائج ہے اور کنول شن convulsion کا تشنج سے بہتر لفظ ممکن نہیں
۲۶۹) اب علم الابدان کی اصطلاح ہے
۲۷۰) اس کو اب ساخت، ہئیت اور ڈھانچہ کہتے ہیں
۲۷۱) اب ہیضہ کی اصطلاح مروج ہے
۲۷۲) بستان آصفیہ (جلد اول) ص ۳۶۵
۲۷۳) لقمان الدولہ اسٹاف سرجن رسالہ دکن میڈیکل جرنل حیدر آباد، جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۱ بابتہ ربیع الثانی ۱۳۱۶ھ
۲۷۴) اہر مزجی، حیدر آباد کے قدیم اخبارات، روزنامہ سیاست حیدر آباد مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۷۵ء
۲۷۵) دکن میڈیکل جرنل حیدر آباد بابتہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۱۶ھ
۲۷۶) تزک محبوبیہ (جلد اول) ص ۲۶۲
۲۷۷) رسالہ دکن میڈیکل جرنل حیدر آباد جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۱ ماہ جمادی الثانی ۱۳۱۶ھ
۲۷۸) بستان آصفیہ (جلد دوم) ص ۶۹۸
۲۷۹) صمصام شیرازی، باغ دلکشا حیدر آباد بار اول ۱۳۵۸ھ ص ۹۲
۲۸۰) تزک محبوبیہ (جلد دوم) ص ۲۹

۲۸۱) سید تمکین عابدی، سخنوران دکن حیدر آباد ۱۹۳۸ء ص ۱۸۳

۲۸۲) جلد اول ص ۵۱۰، ۵۱۱

۲۸۳) رسالہ مخزن الفوائد۔ رجب سن ۱۲۹۱ھ اگست ۱۸۷۴ء

۲۸۴) رسالہ مخزن الفوائد حیدر آباد۔ ذیقعدہ ۱۲۹۱ھ ص ۵۸۸، ۵۹۰

۲۸۵) اشعر مولوی سید منظر علی، منظر الکرام حیدر آباد ۱۳۴۵ھ ص ۲۷

۲۸۶) ایضاً ایضاً و صحیفہ زریں حیدر آباد ص ۱۶ محولہ تاریخ صحافت اردو جلد دوم کا پہلا حصہ، کلکتہ ص ۵۳۸

۲۸۷) منظر الکرام ص ۳۴

۲۸۸) حیدر آباد میں اردو صحافت، ص ۹۹، ۱۳۴

۲۸۹) رسالہ ادیب حیدر آباد، جلد اول شمارہ ۸ بابتہ ذیقعدہ سنہ ۱۲۹۷ھ (اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد

۲۹۰) بستانِ آصفیہ (جلد دوم) ص ۶۹۵

۲۹۱) ایضاً ایضاً

۲۹۲) حیدر آباد میں اردو صحافت ص ۹۹

۲۹۳) ایضاً ص ۱۰۰

۲۹۴) رسالہ معلم شفیق، ماہ نامہ حیدر آباد (جلد اول شمارہ دوم) کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو

۳۹۵) رسالہ معلم شفیق، بابتہ یکم ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ

۲۹۶) حیدر آباد کے ادیب (جلد دوم) ص ۴۳۰

۲۹۷) تاریخ صحافت اردو (جلد سوم) ص ۳۰۶

۲۹۸) تمکین کاظمی سید، حیدر آباد دکن کے اردو اخبارات و رسائل ماہوار معارف مارچ ۱۹۳۹ء

۲۹۹) حیدر آباد کی علمی سرگرمیاں، آصف جاہ سادس نواب میر محبوب علی خاں غفران مکان کے عہد میں ص ۲۵

۳۰۰) دکن میں اردو (چھٹا ایڈیشن) ص ۴۴۷

۳۰۱) حیدر آباد میں اردو صحافت ص ۱۰۰

۳۰۲) رسالہ حسن حیدر آباد جون ۱۸۹۳ء

۳۰۳) حیدر آباد میں اردو صحافت ص ۱۴۰

۳۰۴) بستان آصفیہ (جلد ششم) ص ۳۰۲

۳۰۵) رسالہ معلم، ماہ نامہ حیدر آباد دکن یکم محرم ۱۳۱۰ھ کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد

۳۰۶) رسالہ معلم، جمادی الثانی ۱۳۱۲ھ

۳۰۷۔۳۰۸) حیدر آباد میں اردو صحافت ص ۱۴۲
۳۰۹) حیدر آباد میں اردو صحافت ص ۱۴۳
۳۱۰) رسالہ معلم نسواں، جلد نمبر ۱۴ شمارہ نمبر ۱۱ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، اردو ریسرچ سنٹر
۳۱۱) رسالہ معلم نسواں ۱۳۱۸ھ ذیقعدہ
۳۱۲) اشعر مولوی سید منظر علی، منظر الکرام حیدر آباد ۱۳۴۵ھ ص ۲۲۲، ۲۲۴
۳۱۳) بستان آصفیہ (جلد دوم) ص ۶۹۷
۳۱۴۔۳۱۵) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر
۳۱۶) رسالہ افسر ماہ نامہ، حیدر آباد دکن اپریل ۱۸۹۷ء کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو
۳۱۷) رسالہ افسر (مئی ۱۸۹۷ء)
۳۱۸) رسالہ افسر کے بارے میں مزید تحقیق مورخہ ۸ مارچ ۱۹۶۳ء ص ۶
۳۱۹) ایضاً ایضاً ایضاً
۳۲۰) رسالہ افسر (حیدر آباد) مورخہ اکتوبر ۱۸۹۹ء کتب خانہ سالار جنگ، اردو ریسرچ سنٹر
۳۲۱) بستان آصفیہ (جلد دوم) ص ۶۹۷
۳۲۲) حیدر آباد میں اردو صحافت ص ۱۰۳
۳۲۳) رسالہ دبدبہ آصفی، حیدر آباد جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۱ ماہ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ
۳۲۴) رسالہ دبدبہ آصفی، اداریہ، "ہم" حیدر آباد جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۱ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ
۳۲۵) ایضاً ایضاً جلد نمبر ۲، شمارہ ۵ شعبان المعظم ۱۳۱۶ھ
۳۲۶) رسالہ دبدبہ آصفی، اداریہ، ہم، جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۲ (جمادی الاول ۱۳۱۵ھ)
۳۲۷) ایضاً ایضاً
۳۲۸) ایضاً حیدر آباد جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۶ رمضان ۱۳۱۵ھ
۳۲۹) حیدر آباد میں اردو صحافت، ص ۱۶۵
۳۳۰) رسالہ دبدبہ آصفی، حیدر آباد
۳۳۱) حبیب ضیاء ڈاکٹر، مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد حیات اور کارنامے، حیدر آباد (بار اول) ۱۹۷۸ء ص ۲۷۴
۳۳۲) گیان چند جین ڈاکٹر، ذکر و فکر، الہ آباد طبع اول ۱۹۸۰ء ص ۱۱۹
۳۳۳) داستان ادب حیدر آباد، ص ۱۶۶
۳۳۴) ذکر و فکر ص ۱۱۹

۳۳۶-۳۳۵) اعجاز حسین ڈاکٹر سید، مختصر تاریخ ادب اردو دہلی، (بار دوم) ۱۹۶۴ء ص

۳۳۷) مہاراجہ کشن پرشاد، ص ۲۲۸ محولہ مہاراجہ کشن پرشاد شاد حیات اور ادبی خدمات ص ۲۷۵

۳۳۸) بستان آصفیہ (جلد اول)

۳۳۹) عدالت آصفی

۳۴۰) بستان آصفیہ (جلد اول) صفحہ ۲۶۱، ۲۶۴

۳۴۱) حیدر آباد میں اردو صحافت، ص ۹۷

۳۴۲) ایضاً ایضاً

۳۴۳) رسالہ مراۃ القوانین والاحکام (حیدر آباد دکن) جلد اول شمارہ اول ماہ مہر ۱۲۸۷ف

۳۴۴) تزک محبوبیہ (جلد دوم) ص ۳۹۵، ۳۹۶

۳۴۵) حیدر آباد میں اردو صحافت، ص ۱۴۳

۳۴۶) انڈین لا رپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۱۵ ص ۷۷۵

۳۴۷) انڈین لا رپورٹ سلسلہ الہ آباد جلد ۵ ص ۹۲

۳۴۸) رسالہ مقنن دکن (حیدر آباد) جلد نمبر ۷ شمارہ نمبر ۲ ماہ دے ۱۳۰۱ھ

۳۴۹) بستان آصفیہ (جلد سوم) ص ۳۴۰

۳۵۰) ڈاکٹر یوسف حسین خاں، یادوں کی دنیا ۱۹۶۷ء ص ۲۹، ۳۵

۳۵۱) زور ڈاکٹر سید محی الدین قادری، فیض سخن حیدر آباد ۱۹۳۷ء ص ۳۸

۳۵۲) ایضاً ایضاً ص ۳۹

۳۵۳) مرقع سخن (جلد اول) ص ۲۰۱

۳۵۴) رسالہ دبدبہ آصفی (حیدر آباد) بابتہ ماہ جمادی الاول ۱۳۲۲ھ ص ۳۷

۳۵۵) سید ابو الفضل، مرقع دکن (جلد اول) ص ۱۹۸

۳۵۶) تذکرہ شعرائے دکن محبوب زمن، ص ۸۹۶

۳۵۷) تاریخ صحافت اردو (جلد سوم) ص ۳۰۱

۳۵۸) گلدستہ مذاق سخن، حیدر آباد جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۳ مارچ ۱۸۸۵ء

۳۵۹) سید محمد اشرف، اختر شہنشاہی، لکھنؤ (بار اول) ۱۸۸۸ء ص ۱۷۸ و تاریخ صحافت اردو (جلد سوم) ۳۰۹

۳۶۰) تاریخ صحافت اردو (جلد سوم) ص ۵۰۴

۳۶۱) تاریخ صحافت اردو (حصہ سوم) ص ۵۰۴

۳۶۳-۳۶۲) تاریخ صحافت اردو (حصہ سوم) ص ۵۰۴

۳۶۵) گلدستہ نغمہ ہزار، (جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۲) حیدر آباد ماہ رمضان ۱۳۰۸ھ کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر

۳۶۶) محبوب الزمن، تذکرہ شعرائے دکن (جلد دوم) ص ۶۸۱، ۶۸۲
۳۶۷) سخنوران دکن
۳۶۸) مرقع نگار (لکھنؤ) فبروری ۱۸۸۵ء محولہ تاریخ صحافت اردو ص ۴۰۵
۳۶۹) گلدستہ ناز و نیاز (جلد نمبر ا شمارہ نمبر ا و ۲) ماہ رجب ۱۳۱۴ھ کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر
۳۷۰) بستان آصفیہ (جلد دوم) ص ۶۹۸
۳۷۱) اتزک محبوبیہ (جلد دوم) دفتر اول دیباچہ، ص ی، ک
۳۷۲) داستان ادب حیدر آباد، ص ۱۷۵
۳۷۳) رسالہ فنون (حیدر آباد) جلد نمبر ۴ شمارہ نمبر ۵، ۶
۳۷۴) ماہ نامہ فنون، حیدر آباد کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو
۳۷۵) ماہ نامہ فنون، حیدر آباد فبروری ۱۸۸۴ء کتب خانہ سالار جنگ میوزیم
۳۷۶) ایضاً فبروری ۱۸۸۶ء کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو
۳۷۷) ایضاً ایضاً ایضاً
۳۷۸) ایضاً فبروری ۱۸۸۴ء جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۲ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو
۳۷۹) ماہ نامہ فنون، فبروری ۱۸۸۴ء
۳۸۰) رسالہ تکمیل الاحکام (جلد دوم شمارہ اول) بابتہ یکم آذر ۱۳۱۱ف کتب خانہ حسن الدین احمد صاحب
۳۸۱) مرزا مہدی خاں، علم زراعت مشمولہ رسالہ تکمیل الاحکام (پندرہ روزہ حیدر آباد) ۴ ڈسمبر ۱۹۰۱ء
۳۸۲) ماہ نامہ رفیق دکن، حیدر آباد
۳۸۳) رسالہ ذخیرہ تعلیم (حیدر آباد) فبروری ۱۸۸۵ء کتب خانہ سالار جنگ میوزیم
۳۸۴) رسالہ خیال محبوب، جلد نمبر ا شمارہ نمبر ا کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر
۳۸۵) بستان آصفیہ (جلد دوم) ص ۷۰۰
۳۸۶) تاریخ ادب اردو (حصہ نثر) ص ۱۲۹
۳۸۷) رسالہ دلگداز، حیدر آباد (جلد نمبر ۶ شمارہ نمبر ا) ۱۹ شوال ۱۳۱۴ھ کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر
۳۸۸) عبد الحلیم شرر بہ حیثیت ناول نگار (غیر مطبوعہ) تحقیقی مقالہ برائے ڈی فل ڈگری الہ آباد یونیورسٹی (۱۹۷۸ء میں ڈگری کے لیے پیش کیا گیا)
۳۸۹) بستان آصفیہ (جلد دوم) ص ۶۹۷
۳۹۰) تاریخ ادب اردو (حصہ نثر) ص ۱۲۵، ۱۲۶
۳۹۱) تاریخ ادب اردو (حصہ نثر) ص ۱۳۳

۳۹۲) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر (حیدر آباد)

۳۹۳) رسالہ نسیم دکن (ماہ نامہ) حیدر آباد نومبر، ڈسمبر ۱۹۰۵ء

۳۹۴) رسالہ افسانہ (ماہ نامہ حیدر آباد) جلد اول شمارہ اول بابتہ جولائی ۱۹۰۲ء (کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد)

۳۹۵) ایضاً ایضاً ایضاً

۳۹۶) رسالہ افسانہ دکن ریویو (ماہ نامہ حیدر آباد) بابتہ ماہ جنوری ۱۹۰۴ء ص ۲، ۴

۳۹۷) ایضاً ایضاً ماہ اگست ۱۹۰۴ء

۳۹۸) ایضاً ایضاً ماہ فبروری ۱۹۰۴ء

۳۹۹) ایضاً جنوری ۱۹۰۴ء

۴۰۰) ایضاً ایضاً نومبر، ڈسمبر ۱۹۰۴

۴۰۱) ابن علی بدایونی، کچھ دکن ریویو کے بارے میں (مراسلہ) مشمولہ ہماری زبان (پندرہ روزہ دہلی مورخہ یکم اگست ۱۹۶۲ء ص ۱۱

۴۰۲) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر

۴۰۳) تاریخ صحافت اردو (جلد چہارم) ص ۴۶۴

۴۰۴) رسالہ دکن ریویو (بمبئی) بابتہ نومبر ۱۹۰۶ء

۴۰۵) رسالہ دکن ریویو (حیدر آباد) بابتہ ڈسمبر ۱۹۰۷ء

۴۰۶) رسالہ دکن ریویو ماہ نامہ حیدر آباد بابتہ ماہ اپریل ۱۹۰۸ء

۴۰۷) رسالہ دکن ریویو (ماہ نامہ) حیدر آباد بابتہ ماہ فبروری ۱۹۰۹ء

۴۰۸) رسالہ دکن ریویو بابتہ ماہ مارچ ۱۹۰۹ء

۴۰۹) عبد السلام خورشید ڈاکٹر، کاروان صحافت کراچی ظفر علی خاں کی صحافت کا آغاز، کراچی سنہ ۱۹۶۴ء ص ۱۲۲، ۱۲۳

۴۱۰) رسالہ دکن ریویو ۱۹۰۷ء

۴۱۲-۴۱۱-) مخزون اردو ریسرچ سنٹر

۴۱۰) حیدر آباد میں اردو صحافت ص ۱۶۱

۴۱۱) رسالہ صحیفہ (ماہ نامہ حیدر آباد) بابتہ مارچ ۱۹۰۷ء کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو

۴۱۵) رسالہ صحیفہ، بابتہ اکتوبر ۱۹۰۶ء کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو

۴۱۶) ایضاً ایضاً ایضاً

۴۱۷) دکن میں اردو، ص ۴۵۷

۴۱۸) بستان آصفیہ (جلد دوم) ص ۱۰۷

۴۱۹) المحب (ماہ نامہ) حیدر آباد، جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۲

۴۲۰) بستان آصفیہ (جلد سوم) ص ۳۳۷

۴۲۱) رسالہ تاج (ماہ نامہ) حیدر آباد جلد اول شمارہ اول جنوری ۱۹۱۴ء کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو

۴۲۲) مخزونہ ادارہ ادبیات اردو

۴۲۳) حیدر آباد میں اردو صحافت ص ۱۶۷

۴۲۴) دکن میں اردو (بار ششم) ص ۹۵۱

۴۲۵) عہد عثمانی میں اردو کی ترقی ص ۴۷

۴۲۶) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد

۴۲۷) ایضاً ایضاً

۴۲۸) دکن میں اردو، ص ۴۰۷

۴۲۹) رسالہ ذخیرہ (ماہ نامہ) حیدر آباد جلد اول شمارہ اول اکتوبر ۱۹۱۵ء

۴۳۰) رسالہ الخادہ (ماہ نامہ) حیدر آباد دکن نومبر ۱۹۱۵ء مخزونہ کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر

۴۳۱) ایضاً ایضاً

۴۳۲) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد

۴۳۳) دکن میں اردو (بار ششم) ص ۴۸، ۴۹،۴۷ و عہد عثمانی میں اردو کی ترقی ص ۵۳، ۵۴

۴۳۴) ثمرۃ الادب (حیدر آباد) جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۱ بابتہ ماہ شعبان ۱۳۳۶ف

۴۳۵) ایضاً ایضاً ایضاً

۴۳۶) دکن میں اردو (بار ششم) ص ۹۴۹

۴۳۷) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر

۴۳۸) صمصام شیرازی، باغ دلکشا (بار اول) حیدر آباد ۱۳۵۸ھ

۴۳۹) حیدر آباد میں اردو صحافت، ص ۱۰۹

۴۴۰) رسالہ النساء (ماہ نامہ) حیدر آباد دکن

۴۴۱) رسالہ النساء (جلد اول شمارہ دوم) ماہ رمضان ۱۳۳۸ھ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو

۴۴۲) نوشابہ خاتون "ترک رسومات" رسالہ النساء، جلد اول شمارہ دوم ص ۵ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو

۴۴۳) صغرا بیگم "شادی" النساء جلد اول شمارہ نمبر ۱۰ ماہ جون ۱۹۲۲ء ص ۱

۴۴۴) رسالہ النساء جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۱۲ بابتہ اگست ۱۹۲۲ء

۴۴۵) دکن میں اردو

۴۴۶) دکن میں اردو (بار ششم) ص ۹۵۰
۴۴۷) حیدر آباد میں اردو صحافت ص ۱۰۹
۴۴۸) بستان آصفیہ (جلد چہارم) ص ۲۳۱
۴۴۹) دکن میں اردو (بار ششم) ص ۹۵۰
۴۵۰) ایضاً ایضاً
۴۵۱) رسالہ ارتقاء (ماہ نامہ) حیدر آباد جلد پنجم شمارہ نمبر ۱، ۲ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو
۴۵۲) رسالہ خادمہ (حیدر آباد) جلد ۱، شمارہ نمبر ۴
۴۵۳) حیدر آباد میں اردو صحافت، ص ۱۱۰
۴۵۴) رسالہ ترقی، جلد نمبر ۱، شمارہ نمبر ۱ مخزونہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو و اردو ریسرچ سنٹر
۴۵۵) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد
۴۵۶) رسالہ تحفہ (ماہ نامہ) حیدر آباد بابتہ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ ص ۵۵۸ کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد
۴۵۷) دکن میں اردو ص ۹۵۳
۴۵۸) ہادی مولوی مرزا محمد، قارئین تحفہ مشمولہ رسالہ تحفہ (ماہ نامہ) حیدر آباد بابتہ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ ص ۵۵۹
۴۵۹) رسالہ ترجمان (جلد اول شمارہ اول) ماہ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ
۴۶۰) مخزونہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، حیدر آباد
۴۶۲) — ۴۶۱) دکن میں اردو، ص ۹۵۴
۴۶۳) رسالہ سب رس (ماہ نامہ) حیدر آباد نومبر ۱۹۶۲ء ص ۲۸
۴۶۴) رسالہ تجلی (جلد اول شمارہ اول) کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو
۴۶۵) رسالہ سائنس (سہ ماہی) اورنگ آباد ۱۹۳۴ء
۴۶۶) ایضاً اکتوبر ۱۹۴۰ء
۴۶۷) اب تورث کے بجائے وراثت یا توارث بولتے ہیں
۴۶۸) رسالہ دستور آصفی (ماہ نامہ) حیدر آباد جلد اول شمارہ اول بابتہ ماہ اردی بہشت ۱۳۳۷ف
۴۶۹) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد
۴۷۰) دکن میں اردو، ص ۹۵۴
۴۷۱) مجلہ مکتبہ (ماہ نامہ) حیدر آباد دکن ماہ اگست ۱۹۳۳ء کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد
۴۷۲) مجلہ مکتبہ (جلد اول شمارہ اول) ماہ اپریل ۱۹۲۸ء
۴۷۳) عہد عثمانی میں اردو کی ترقی ص ۷۸

۴۷۴) دکن میں اردو، ص ۹۵۴

۴۷۵) مخزونہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

۴۷۶) مخزونہ کتب خانہ اسٹیٹ آرکائیوز آندھرا پردیش

۴۷۷) آرکیالوجی اور این ٹیکس کا ترجمہ آثار و عتائق کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عتیق کے معنی قدیم کے ہوتے ہیں لیکن عتائق اردو میں نہ مستعمل تھا اور نہ ہو سکا۔ آثار قدیمہ مروج ہے جس میں سارا مفہوم شامل ہے۔

۴۷۸) رسالہ تاریخ (سہ ماہی) حیدرآباد جلد اول شمارہ اول جنوری ۱۹۲۹ء مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد

۴۷۹) رسالہ الکشافہ (ماہ نامہ) حیدرآباد دکن ماہ رجب ۱۳۴۸ھ کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد

۴۸۰) حیدرآباد میں اردو صحافت، ص ۱۰۶

۴۸۱) بستان آصفیہ (جلد سوم) ص ۳۴۰

۴۸۲) مخزونہ کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد

۴۸۳) رسالہ دوست (ماہ نامہ) حیدرآباد جلد اول شمارہ اول ماہ اسفندار ۱۳۲۹ف کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد

۴۸۴) بستان آصفیہ (جلد چہارم) ص ۲۳۰

۴۸۵) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد

۴۸۶) رسالہ زراعت و پرورش جانوران (ماہ نامہ) حیدرآباد جلد اول شمارہ اول اگست ۱۹۱۳ء کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر

۴۸۷) مخزونہ ذاتی کتب خانہ ڈاکٹر یوسف حسین ماہر امراض چشم حیدرآباد

۴۸۸) بستان آصفیہ (جلد سوم)، ص ۲۶۰

۴۸۹) رسالہ کاشتکار (ماہ نامہ) حیدرآباد جلد اول شمارہ اول ماہ آذر ۱۳۴۰ف کتب خانہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں

۴۹۰) رسالہ المعالج، جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۲ نومبر ۱۹۱۹ء کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد

۴۹۱) لسان الملک (جلد اول شمارہ اول) جولائی ۱۹۲۳ء کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد

۴۹۲) — ۴۹۳) ایضاً ایضاً

۴۹۴) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد

۴۹۵) رسالہ المعلم (ماہ نامہ) حیدرآباد جلد اول شمارہ اول بابتہ ماہ شہریور ۱۳۳۳ف

۴۹۶) حیدرآباد ٹیچر (سہ ماہی) حیدرآباد جنوری ۱۹۲۹ء مخزونہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

۴۹۷) مملکت آصفیہ (جلد دوم) ص ۱۵۷!
۴۹۸) رسالہ حیدرآباد ٹیچر (جلد ۳ شمارہ نمبر ۱) جولائی ۱۹۲۸ء
۴۹۹) بستان آصفیہ (جلد اول) ص ۳۵۳
۵۰۰) رسالہ نوائے ہند بابتہ ماہ جنوری ۱۹۲۳ء
۵۰۱) ایضاً ایضاً
۵۰۲) نظام کالج اردو میگزین، حیدرآباد جنوری ۱۹۲۳ء
۵۰۳) رسالہ نورس (دو ماہی) اورنگ آباد جلد اول شمارہ اول بابتہ ستمبر ۱۹۲۵ء کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد
۵۰۴) ایضاً ایضاً ایضاً
۵۰۵) مخزونہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو
۵۰۶) حیدرآباد میں اردو صحافت، ص ۱۷۶
۵۰۷) مجلہ عثمانیہ (جلد اول شمارہ اول) مخزونہ ادارہ ادبیات اردو
۵۰۸) امداد صابری، تاریخ صحافت اردو (جلد چہارم) ص ۹۳۷
۵۰۹) حیدرآباد میں اردو صحافت، ص ۲۲۱
۵۱۰) رسالہ ادیب الاطفال (ماہ نامہ) حیدرآباد جلد اول شمارہ اول اگست ۱۹۱۱ء
۵۱۱) ایضاً ایضاً
۵۱۲) ایضاً ایضاً
۵۱۳) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد
۵۱۴) حیدرآباد میں اردو صحافت، ص ۲۲۱
۵۱۵) بستان آصفیہ ج ۴ ص ۲۲۹
۵۱۶) حیدرآباد میں اردو صحافت، ص ۱۰۹
۵۱۷) رسالہ اردو (سہ ماہی) اورنگ آباد جلد اول شمارہ اول جنوری ۱۹۲۱ء کتب خانہ سالار جنگ میوزیم
۵۱۸) ہاشمی فرید آبادی سید، پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو (بار اول) کراچی ۱۹۵۳ء ص ۴۲
۵۱۹) رسالہ اردو (سہ ماہی) اورنگ آباد جلد اول شمارہ اول جنوری ۱۹۲۱ء ص ۱، ۴
۵۲۰) رسالہ مشاعرہ (ماہ نامہ) حیدرآباد جلد اول شمارہ اول مارچ ۱۹۲۹ء کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر
۵۲۱) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد
۵۲۲) حیات سخن (ماہ نامہ) حیدرآباد دکن بابتہ اکتوبر ۱۹۳۰ء

۵۲۳) محمد عبد اللہ خاں ضیغم، گلدستہ جشن آصفیہ ۱۳۲۱ھ م ۲ جولائی ۱۹۰۳ء
۵۲۴) محولہ اردو کے اخبار نویس از امداد صابری (جلد اول) دہلی ۱۹۷۳ء، ص ۳۸
۵۲۵) رسالہ رفیق دکن (ماہ نامہ) حیدرآباد جلد اول شمارہ اول جنوری ۱۹۳۱ء کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر
۵۲۶) دکن میں اردو، ص ۹۵۵
۵۲۷) رسالہ مجولی (ماہ نامہ) حیدرآباد جلد اول شمارہ اول بابتہ ماہ جولائی ۱۹۳۱ء مخزونہ کتب ادارہ ادبیات اردو و اردو ریسرچ سنٹر
۵۲۸) ایضاً ایضاً
۵۲۹) ادکن میں اردو (بار ششم) ص ۹۵۶
۵۳۰) مخزونہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو
۵۳۱) رسالہ حسن کار (پندرہ روزہ) حیدرآباد جلد اول شمارہ اول مورخہ ۵ نومبر ۱۹۳۲ء
۵۳۲) سالنامہ سٹی کالج (دے ۱۳۴۳ف)
۵۳۳) سالنامہ انجمن طیلسانین عثمانیہ حیدرآباد بابتہ ۱۳۴۳ف کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد
۵۳۴) مخزونہ کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد و ادارہ ادبیات اردو
۵۳۴) مجلہ طیلسانین (سہ ماہی) حیدرآباد جلد اول شمارہ اول بابتہ جنوری ۱۹۳۷ء
۵۳۵) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر
۵۳۶) رسالہ ترک مسکرات (ماہ نامہ) حیدرآباد بابتہ مئی ۱۹۳۸ء کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد
۵۳۷) ایضاً ایضاً
۵۳۸) راقم الحروف کو اس رسالہ کا صرف ایک شمارہ جو اردو رسالہ کی ساتویں جلد کا تیسرا شمارہ جو ماہ جولائی ۱۹۴۳ء کا ہے اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوا ہے۔
۵۳۹) مخزونہ ادارہ ادبیات اردو
۵۴۰) شاہد خواجہ حمید الدین، سرگذشت ادارہ ادبیات اردو (بار اول) حیدرآباد ۱۹۴۰ء، ص ۱۱
۵۴۱) رسالہ سب رس (ماہ نامہ) حیدرآباد جلد اول شمارہ بابتہ جنوری ۱۹۳۸ء
۵۴۲) رسالہ قلم (پندرہ روزہ) حیدرآباد مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۳۹ء کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو
۵۴۳) راقم الحروف کو اس رسالہ کا صرف ماہ جون ۱۹۳۹ء کا شمارہ اردو ریسرچ سنٹر میں دستیاب ہوا ہے جو اس رسالہ کی پہلی جلد کا دوسرا شمارہ ہے

۵۴۴) رسالہ دو آتشہ (حیدر آباد) بابتہ ماہ جون ۱۹۳۹ء
۵۴۵) ایضاً ایضاً
۵۴۶) مجموعہ مقالات علمیہ (سالنامہ) حیدر آباد جلد پنجم بابتہ ۱۹۴۳ء کتب خانہ سالار جنگ میوزیم
۵۴۷) مخزونہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد
۵۴۸) رسالہ سیاست (ماہ نامہ) حیدر آباد بابتہ جنوری ۱۹۴۰ء کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو
۵۴۹) ایضاً ایضاً
۵۵۰) گلدستہ ارم (ماہ نامہ) حیدر آباد جلد اول شمارہ اول بابتہ ماہ مئی ۱۹۴۰ء کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر
۵۵۱) ظل سبحانی مرقع عثمانی، ص ۳۸ مشمولہ مملکت آصفیہ جلد دوم ص ۳۴۷
۵۵۲) محدود لمیٹڈ کا ترجمہ ہے مگر رائج نہ ہو سکا۔ اب لمیٹڈ کا لفظ ہی رائج ہے
۵۵۳) رسالہ گاؤں سدھار، اداریہ ماہ مارچ ۱۹۴۱ء
۵۵۴) رسالہ جیت (ماہ نامہ) حیدر آباد جلد اول شمارہ اول بابتہ ماہ اگست ۱۹۴۲ء مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر
۵۵۵) ایضاً ایضاً ایضاً
۵۵۶) مخزونہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد
۵۵۷) رسالہ خیابان دکن (ماہ نامہ) حیدر آباد جلد اول شمارہ اول بابتہ جنوری ۱۹۴۴ء کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد
۵۵۸) مخزونہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو و کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر
۵۵۹) مخزونہ ادارہ ادبیات اردو و کتب خانہ سالار جنگ میوزیم
۵۶۰) رسالہ ساز نو (ماہ نامہ) حیدر آباد جلد اول شمارہ اول بابتہ ماہ اگست ۱۹۴۷ء کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر
۵۶۱) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد
۵۶۲) رسالہ تہذیب (سہ ماہی) حیدر آباد جلد اول شمارہ اول بابتہ کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد
۵۶۳) رسالہ نوائے ادب (ماہ نامہ) حیدر آباد جلد اول شمارہ اول بابتہ اکتوبر ۱۹۴۷ء کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر
۵۶۴) رسالہ روح ترقی (ماہ نامہ) حیدر آباد جلد اول شمارہ اول بابتہ ماہ محرم ۱۳۶۷ھ کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد

۵۶۵) رسالہ حیدر آباد فارم جلد اول شمارہ اول ماہ اپریل ۱۹۳۱ء مخزونہ کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر۔

۵۶۶) ایضاً

۵۶۷) حیدر آباد فارسٹ میگزین ماہ جولائی ۱۹۴۱ء مخزونہ کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر

۵۶۸) رسالہ زراعت جلد اول شمارہ اول

۵۶۹) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد

۵۷۰) ایضاً

۵۷۱) رسالہ نظائر حیدر آباد ماہ آذر ۱۳۴۶ف

۵۷۲) ماہ نامہ رہبر تعلیم جلد اول شمارہ دوم (مئی ۱۹۴۷ء)

۵۷۳) سالنامہ بزم اردو بابت ۴۱۔ ۱۳۴۰ف

۵۷۴) سابق وزیر و سابقہ ممبر پارلیمنٹ

۵۷۵) مجموعہ تحقیقات علمیہ جلد اول ۱۹۳۳ء

۵۷۶) مخزونہ کتب ادارہ ادبیات اردو

۵۷۷) فارغ التحصیل کے لیے فارغین درج ہے

۵۷۸) مجلہ نظامیہ جلد اول شمارہ اول

۵۷۹) مخزونہ اردو ریسرچ سنٹر

۵۸۰) مجلہ عثمانیہ کالج ورنگل ماہ بہمن ۱۳۴۸ف

۵۸۱) جلد اول شمارہ اول

۵۸۲) ماہنامہ ہزار داستاں جلد اول شمارہ اول کتب خانہ اردو ریسرچ سنٹر

۵۸۳) ایضاً

۵۸۴) ماہنامہ سب رس جلد اول شمارہ اول مخزونہ ادارہ ادبیات اردو

۵۸۵) حیدر آباد میں اردو صحافت ص ۱۱۰

۵۸۶) تمکین کاظمی حیدر آباد دکن کے اردو اخبارات و رسائل مشمولہ رسالہ معارف مئی ۱۹۳۷ء ص ۳۷۶

۵۸۷) مخزونہ کتب اردو ریسرچ سنٹر

۵۸۸) مخزونہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو

۵۸۹) رسالہ نیازمانہ جلد اول شمارہ اول

۵۹۰) رسالہ سویرا جلد اول شمارہ اول مخزونہ ادارہ ادبیات اردو

۵۹۱) ماہنامہ داستان جلد اول شمارہ اول مخزونہ ادارہ ادبیات اردو

• کتابیات

ضمیمے میں سنہ ۱۹۴۷ء تک حیدرآباد سے نکلنے والے رسالوں کی فہرست دی جا چکی ہے ان میں چار، چھ رسائل کو چھوڑ کر باقی سب راقم الحروف کی نظر سے گزر چکے ہیں۔ کتابیات میں انہیں دوبارہ شامل نہ کر کے بقیہ ماخذ کی فہرست دی جاتی ہے جن سے اس مقالے کی تیاری میں استفادہ کیا گیا۔

مصنف	کتاب	مقام	سنہ
احمد عبد اللہ المدرسی	مملکت حیدرآباد ایک علمی ادبی اور ثقافتی تذکرہ	کراچی	۱۹۶۷ء
احمد علی خان، میر	"عہد آصفی میں اردو خدمات"	حیدرآباد	۱۹۶۹ء
اختر حسن	"حیدرآباد اردو صحافت کے سو سال سیاسی اور سماجی آئینہ میں" روزنامہ سیاست ۱۵۔ اگست	حیدرآباد	۱۹۵۹ء
اریب سلیمان	حیدرآباد کے شاعر	حیدرآباد	۱۹۶۲ء
اسماعیل پانی پتی محمد	مقالات سرسید (حصہ ہشتم و نہم)	لاہور	۱۹۶۲ء
اسلم فرخی ڈاکٹر	محمد حسین آزاد	کراچی	۱۹۶۵ء
اشرف سید محمد	اختر شاہنشاہی	لکھنو	۱۸۸۸ء
مولوی سید منظر علی	منتظر الکرام	حیدرآباد	۱۳۴۵ء
اعجاز حسین، ڈاکٹر سید	مختصر تاریخ ادب اردو	دہلی	۱۹۶۳ء
اقبال افضل الدین ڈاکٹر	جنوبی ہند کی اردو صحافت	حیدرآباد	۱۹۸۱ء
اکبر علی بیگ مرزا ڈاکٹر	مرزا علی لطف حیات اور کارنامے	حیدرآباد	۱۹۶۹ء
الہاشمی چودھری رحم علی	فن صحافت	دہلی	۱۹۴۳ء
الہاشمی چودھری رحم علی	اسٹار ڈائرکٹری	الہ آباد	--
امداد صابری	تاریخ صحافت اردو (جلد اول)	دہلی	۱۹۵۳ء
--	تاریخ صحافت اردو (جلد دوم)	دہلی	۱۹۵۳ء
--	تاریخ صحافت اردو (جلد سوم)	دہلی	۱۹۵۳ء
--	تاریخ صحافت اردو (جلد چہارم)	دہلی	۱۹۷۳ء
--	اردو کے اخبار نویس	دہلی	---
--	روح صحافت	دہلی	۱۹۶۸ء
ادارہ محبان دکن	مملکت آصفیہ (جلد اول)	کراچی	۱۹۷۸ء
انجمن ترقی اردو	انجمن ترقی اردو (حیدرآباد سرگذشت مقاصد و نظام)	حیدرآباد	--
باسط علی خان میر	تاریخ عدالت آصفی	حیدرآباد	۱۹۳۷ء
بیدار، عابد رضا	اردو کے اہم ادبی رسالے اور اخبار	رام پور	۱۹۶۱ء
بیدار محمد	دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ کی ادبی خدمات	حیدرآباد	۱۹۸۰ء
پرولکر۔ اے۔ کے	ہندوستان میں چھاپہ خانہ	دہلی	۱۹۷۹ء
تسکین حجازی	فن ادارت	لاہور	۱۹۷۶ء
تسکین عابدی	سخنوران دکن	حیدرآباد	--
تیج رائے	صحیفہ آسمانجاہی	حیدرآباد	۱۹۰۳ء
ثمینہ شوکت، ڈاکٹر	مہاراجہ چندو لال شادان	حیدرآباد	۱۹۷۹ء
جعفر رضا، ڈاکٹر	پریم چند فن اور تعمیر فن	الہ آباد	۱۹۸۰ء
حالی مولانا الطاف حسین	حیات جاوید	دہلی	۱۹۷۱ء
حبیب النساء بیگم	ریاست میسور میں اردو کی نشو و نما	بنگلور	۱۹۶۳ء
ولی اللہ ڈاکٹر			
جعفری سید محمد	اسٹار ڈائرکٹری	الہ آباد	

نمبر	مصنف	کتاب	مقام	سنہ
۳۴	حبیب ضیاء، ڈاکٹر	مہاراجہ سرکشن پرشاد حیات اور ادبی خدمات	حیدرآباد	۱۹۶۸ء
۳۵	حکم چند ڈاکٹر	"عدالتوں اور دفتروں سے		
		سے فارسی کا اخراج۔		
-		اردو کے مسائل		
۳۶	حسن یار جنگ بہادر		بنارس	۱۹۷۷ء
		تاریخ خاندان پائیگاہ	کراچی	۱۹۸۰ء
۳۷	حفیظ قتیل	راہ رو اور کاروان	حیدرآباد	۱۹۵۵ء
۳۸	خورشید علی، محمد	حدیقہ مملکت عثمانیہ المعروف بہ گلزار آصفیہ با تصویر	حیدرآباد	--
۳۹	دانش میر دلاور علی	ریاض مختاریہ سلطنت آصفیہ	حیدرآباد	۱۹۴۳ء
۴۰	دلوی، میمونہ ڈاکٹر	بمبئی میں اردو	بمبئی	--
۴۱	ذوالفقار غلام حسین	ظفر علی خاں ادیب و شاعر	لاہور	۱۹۶۷ء
۴۲	راشد محمد عبد الرزاق	"آدھی صدی پہلے کے اردو اخبار۔ رسالہ اردو	اورنگ آباد	اکتوبر ۱۹۳۵ء
۴۳	رام بابو سکسینہ	تاریخ ادب اردو	لکھنو	۱۹۶۹ء
۴۴	رضوی، سید فراز علی	اشاریہ اردو	کراچی	۱۹۷۶ء
۴۵	سید مجاور حسین	نکہت	الہ آباد	--
۴۶	زور ڈاکٹر سید محی الدین قادری			
-		جامعہ عثمانیہ کے فرزندوں کی اردو خدمات	حیدرآباد	۱۳۴۳ف
۴۷	--	عہد عثمانی میں اردو کی ترقی	حیدرآباد	۱۹۳۴ء
۴۸	--	مرقع سخن (جلد اول)	حیدرآباد	۱۹۳۵ء
۴۹	--	--- (جلد دوم)	حیدرآباد	۱۹۳۷ء
۵۰	--	داستان ادب اردو	حیدرآباد	۱۹۵۱ء
۵۱	--	فیض سخن	حیدرآباد	۱۹۳۷ء
۵۲		فرخندہ بنیاد حیدرآباد	حیدرآباد	۱۹۵۲ء
۵۳	زینت ساجدہ	حیدرآباد کے ادیب انتخاب نثر	حیدرآباد	۱۹۵۸ء
۵۴	--	حیدرآباد کے ادیب (جلد دوم)	حیدرآباد	۱۹۶۴ء
۵۵	سرور جنگ آغا مرزا بیگ	کارنامہ سروری یعنی سوانح خود نوشت	علی گڑھ	۱۹۳۳ء
۵۶	سروری عبد القادر	"حیدرآباد کی علمی سرگرمیاں آصف جاہ سادس کے عہد میں۔		
-		سالنامہ رہبر دکن	حیدرآباد	۱۹۳۳ء
۵۷	سلطان، محمد مولوی	مرقع دکن	حیدرآباد	۱۳۳۲ء
۵۸	سلطان محمود	برطانیہ میں اردو صحافت	لاہور	۱۹۶۸ء
۵۹	سلیمان ندوی	حیات شبلی	اعظم گڑھ	۱۹۷۰ء
۶۰	سید انور اللہ	تاریخ تعلیم ہند	دہلی	۱۹۶۳ء
۶۱	سید خواجہ وکیل مولوی	حدیقہ مملکت عثمانیہ المعروف بہ گلزار آصفیہ با تصویر	حیدرآباد	۱۳۳۶ا
۶۲	سید محمد مولوی	ارباب نثر اردو	دہلی	۱۹۷۷ء
۶۳	سیدہ جعفر، ڈاکٹر	ماسٹر رام چندر اور اردو نثر کے ارتقا میں ان کا حصہ	حیدرآباد	۱۹۶۰ء
۶۴	شاہد خواجہ حمید الدین	سرگزشت ادارہ ادبیات اردو	حیدرآباد	۱۹۴۰ء
۶۵	--	اردو میں سائنسی ادب قدیم ترین کارنامے	حیدرآباد	۱۹۵۷ء
۶۶	--	حیدرآباد کے شاعر (انتخاب کلام) (جلد دوم)	حیدرآباد	۱۹۵۸ء
۶۷	شاہد خواجہ حمید الدین	"نشر گاہ حیدرآباد۔ ماہنامہ سب رس (ریڈیو نمبر)	حیدرآباد	جنوری ۱۹۴۱ء
۶۸	شمس الامراء	رسالہ موتی چونکالنے کا	حیدرآباد	۱۲۵۱ھ

نمبر	مصنف	کتاب	مقام	سنہ
۶۹	--	شمس الہند سہ	حیدرآباد	۱۳۹۰ھ
۷۰	شمس اللہ قادری حکیم	آثار الکرام۔ ماہ نامہ ادیب	حیدرآباد	اپریل ۱۹۱۰ء
۷۱	صدیق الرحمن ، قدوائی	ماسٹر رامچندر۔ قدیم دہلی کالج کی ایک اہم شخصیت	دہلی	۱۹۶۱ء
۷۲	صدیقی رفیع الدین	پاکستان میں اردو رسائل (کتابیات)	کراچی	۱۹۷۵ء
۷۳	صفیہ بانو ڈاکٹر	انجمن پنجاب تاریخ و خدمات	کراچی	۱۹۷۸ء
۷۴	صمصام شیرازی	باغ دلکشا	حیدرآباد	۱۳۵۸ء
۷۵	صوفی محی الدین	جموں و کشمیر میں اردو صحافت	سرینگر	۱۹۷۳ء
۷۶	طالب محمد سراج الدین میر عالم		حیدرآباد	۱۹۳۱ء
۷۷	طالع سید مراد علی	نظام الملک آصف جاہ اول	حیدرآباد	--
۷۸	--	نظام علی خاں آصف جاہ ثانی	حیدرآباد	۱۳۶۰ء
۷۹	--	نواب سکندر جاہ آصف جاہ ثالث	حیدرآباد	۱۹۴۲ء
۸۰	--	ناصر الدولہ آصف جاہ رابع	حیدرآباد	۱۹۴۳ء
۸۱	--	نواب افضل الدولہ آصف جاہ پنجم	حیدرآباد	۱۹۴۳ء
۸۲	--	میر محبوب علی خاں آصف جاہ ششم	حیدرآباد	۱۹۴۴ء
۸۳	طیب انصاری	حیدرآباد میں اردو صحافت	حیدرآباد	۱۹۸۰ء
۸۴	عابد سہیل	اردو کے ادبی رسالوں کے مسائل	لکھنو	۱۹۸۱ء
۸۵	عابد صدیقی	ادب اور صحافت	حیدرآباد	--
۸۶	عبدالحی محمد ڈاکٹر	مملکت آصفیہ (جلد دوم)	کراچی	۱۹۷۸ء
۸۷	عبدالسلام خورشید ڈاکٹر	فن صحافت	لاہور	۱۹۸۱ء
۸۸	--	مکمل فہرست اخبارات و رسالہ جات	لاہور	--
۸۹	--	کاروان صحافت	کراچی	۱۹۶۴ء
۹۰	--	داستان صحافت	لاہور	۱۹۸۰ء
۹۱	--	صحافت پاکستان و ہند میں	لاہور	۱۹۶۳ء
۹۲	عتیق صدیقی ، محمد	ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں)	علی گڑہ	۱۹۵۷ء
۹۳	--	صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات	علی گڑہ	۱۹۶۲ء
۹۴	--	اٹھارہ سو ستاون اخبار اور دستاویزیں	دہلی	۱۹۶۵ء
۹۵	--	صحائیف و کوائیف	--	--
۹۶	--	گل کرسٹ اور اس کا عہد	نئی دہلی	۱۹۷۹ء
۹۷	عرفانی یعقوب علی	ارمغان عرفانی موسوم بہ حیات عثمانی	حیدرآباد	۱۹۳۶ء
۹۸	عزیز جنگ	تاریخ النوایط	حیدرآباد	۱۳۲۲ھ
۹۹	عطیہ رحمانی	ڈاکٹر زور شخصیت اور کارنامے	حیدرآباد	۱۹۸۲ء
۱۰۰	علی اصغر بلگرامی سید	مآثر دکن	حیدرآباد	۱۹۲۴ء
۱۰۱	علی اکبر پروفیسر محمد	"عہد عثمانی میں تعلیم کی ترقی۔ ماہ نامہ سب رس	حیدرآباد	۱۹۶۸ء
۱۰۲	فاضل محمد	مقالات یادگار سلور جوبلی نمبر	حیدرآباد	--
۱۰۳	فاطمی، علی احمد	عبدالحلیم شرر بحیثیت ناول نگار	الہ آباد یونیورسٹی	۱۹۷۸ء
۱۰۴	فیاض محمود سید	تاریخ ادبیات مسلمانان و پاکستان ہند (نویں جلد)	لاہور	۱۹۷۲ء
۱۰۵	فصیح محمد صدیقی	سر سالار جنگ اعظم	حیدرآباد	۱۹۳۹ء
۱۰۶	قریشی سید یقین الدین	شعرائے عثمانیہ (چوتھی جلد)	حیدرآباد	۱۹۳۹ء
۱۰۷	قمر رئیس	ترجمہ کا فن اور روایت	دہلی	۱۹۷۶ء
۱۰۸	کاظمی سید تمکین	حیدرآباد دکن کے اردو اخبارات اور رسائل"		۱۹۳۷ء

نمبر	مصنف	کتاب	مقام	سن
۱۰۹	کنور محمد دلشاد	ابلاغ عامہ	لاہور	۱۹۶۸ء
۱۱۰	کیفی برج موہن	اب سے آدھی صدی پہلے کے اردو اخبار رسالہ اردو	اورنگ آباد	۱۹۳۵ء
۱۱۱	گوہر غلام صمدانی خاں	دربار آصف	حیدرآباد	--
۱۱۲	--	تزک محبوبیہ (جلد اول)	حیدرآباد	۱۹۰۱ء
۱۱۳	--	تزک محبوبیہ (جلد دوم)	حیدرآباد	۱۹۰۳ء
۱۱۴	گیان چند، ڈاکٹر	ذکر و فکر	الہ آباد	۱۹۸۰ء
۱۱۵	لئیق صلاح	میر شمس الدین فیض حیات اور ادبی خدمات	حیدرآباد	۱۹۸۰ء
۱۱۶	مانک راؤ وٹھل راؤ	بستان آصفیہ (حصہ اول تا ہفتم)	حیدرآباد	--
۱۱۷	محمد حسن ڈاکٹر	دہلی میں اردو شاعری کا فکری اور تہذیبی پس منظر	علی گڑھ	--
۱۱۹	مرزا یار جنگ	اعلیٰحضرت بندگان عالی حضور نظام اور معدلت	حیدرآباد	۱۹۳۵ء
۱۲۰	مسکین حجازی	اداریہ نویسی	لاہور	۱۹۷۰ء
۱۲۱	مظفر بیگ مرزا	آزاد حیدرآباد	--	۱۳۵۹ء
۱۲۲	مطیر بلجیت سنگھ	اخبار نویسی کے ابتدائی اصول،	ہریانہ	۱۹۷۸ء
۱۲۳	مکاپوری عبدالجبار	محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن (حصہ اول)	حیدرآباد	۱۳۲۹ھ
۱۲۴	-- خاں صوفی	محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن (حصہ دوم)	حیدرآباد	--
۱۲۵	--	محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن	حیدرآباد	۱۳۱۱ھ
۱۲۶	منظور علی سید	حیدرآباد کی علمی فیاضیاں	حیدرآباد	۱۹۳۹ء
۱۲۷	مودودی سید ابوالاعلیٰ	دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ	حیدرآباد	۱۹۳۱ء
۱۲۸	میر حسن	"ریڈیو نشریات۔ ماہنامہ سب رس (جنوری)	حیدرآباد	۱۹۳۱ء
۱۲۹	نجم الغنی	تاریخ ریاست حیدرآباد	لکھنو	۱۹۳۰ء
۱۳۰	نیر حکیم چند	سرور جہاں آبادی حیات اور شاعری	لکھنو	۱۹۶۸ء
۱۳۱	ہاشمی فرید آبادی سید	پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو	کراچی	۱۹۵۳ء
۱۳۲	ہاشمی نصیر الدین	خواتین دکن کی اردو خدمات	حیدرآباد	۱۹۴۰ء
۱۳۳	--	عہد آصفی کی قدیم تعلیم	حیدرآباد	۱۹۳۶ء
۱۳۴	--	دکھنی ہندو اور اردو	حیدرآباد	۱۹۵۶ء
۱۳۵	--	دکن میں اردو مع اضافہ آندھرا میں اردو	لکھنو	۱۹۶۳ء
۱۳۶	یوسف حسین خاں ڈاکٹر	تاریخ دکن (عہد حالیہ)	حیدرآباد	۱۹۴۴ء
۱۳۷	--	یادوں کی دنیا	دلی	۱۹۶۷ء

اخبارات

نمبر	اخبار	تفصیل	مقام	سن
۱	رہبر دکن	(روزنامہ) (جشن سیمین نمبر)	حیدرآباد	۱۳۵۵ھ
۲	رہبر دکن	(روزنامہ) (سالنامہ)	حیدرآباد	۱۹۳۴ء
۳	سیاست	(روزنامہ) ۱۵۔اگست	حیدرآباد	۱۹۵۹ء
۴	سیاست	(روزنامہ) ۲۰۔جنوری	حیدرآباد	۱۹۷۵ء
۵	سیاست	(روزنامہ) ۱۷۔جنوری	حیدرآباد	۱۹۸۳ء
۶	قومی آواز	(روزنامہ) (اردو بک سیلرز اور پبلیشرز نمبر)	دلی	۱۹۸۲ء

رسائل

نمبر	رسالہ	تفصیل	مقام	سن
۱	"آجکل"	(صحافت نمبر) دلی نومبر دسمبر	--	۱۹۸۳ء
۲	"اردو ادب"	علی گڑھ شمارہ نمبر ۲	--	۱۹۷۲ء
۳	"امکان"	مہاراشٹرا اسٹیٹ اردو اکاڈیمی جنوری تا مارچ	--	۱۹۸۰ء

۴	"قومی زبان"	کراچی ستمبر	--	۱۹۶۲ء
۵	"مرغزار"	(بیادگار ظفر علی خاں) شیخوپور، اکتوبر	--	۱۹۸۱ء
۶	"معلم اردو"	(صحافت نمبر) لکھنو مئی	--	۱۹۸۳ء
۷	"ہماری زبان"	(پندرہ روزہ) دہلی	--	۱۹۶۲ء کی مکمل فائل
۸	"ہماری زبان"	(پندرہ روزہ) دہلی	--	۱۹۶۳ء کی مکمل فائل